

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ هَذِهِ السُّورَةَ مِنْ قِبَلِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

# آخُوۃ اربعین

ردِّ روافض

شیعہ کے چالیس سوالات کے جوابات

حضرت مولانا محمد تاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ  
بانی دارالعلوم دیوبند

عقلمند

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہ العالی  
بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ © پاکستان

www.jmmpak.org

إِنَّ الدِّينَ قَرْقَرٌ وَإِنَّهُمْ وَكَانُوا شَيْعًا لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (انعام)

# اجوبہ العین

ردِّ روافض

حصہ اوّل

از: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

وا از

حضرت مولانا عبد اللہ انصاری سابق ناظم شعبہ دینیات علی گڑھ کالج

مقدمہ

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتی بانی مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ



ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ



(حقوق طبع مع اضافات دہاشی بکچ ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب	اجوبہ اربعین
مصنف	حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
مقدمہ	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی
مصحح	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مولانا حافظ محمد حسام مولانا مفتی محمد علی صاحب مولوی محمد اشرف صاحب
مطبع	فائن بکس پرنٹرز لاہور
تاریخ طباعت اول	صفر المظفر ۱۴۰۲ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۱ء
سرودق	سید نور حسین شاہ صاحب نفیس رقم لاہور
ناشر	ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ
تعداد	۵۰۰
قیمت	
تاریخ طبع ثانی	جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ بمطابق دسمبر ۱۹۹۲ء

ملنے کے لئے  
مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ  
ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ



# فرس اجوبہ اربعین حصہ اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰	الدلیل المحکم	۱۹	تقریظ از مولانا محمد نادر حسن
۴۰	اطلافت قاسمی	۲۰	مقدمہ -۱ از مولانا عبدالحسین صاحب سواتی مظاہر
۴۰	جمال قاسمی	۲۳	حکمت قاسمی
۴۱	فیوض قاسمی	۲۵	اجوبہ اربعین
۴۱	مصباح التراویح	۲۶	حضرت نازتوی کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ
۴۲	الحق الصریح فی اثبات التراویح	۲۸	حجۃ الاسلام
۴۲	اسرار الطہارۃ	۳۱	تقریر دلیلیہ
۴۲	قصائد قاسمی	۳۱	انتصار الاسلام
۴۳	مشاعر بخاری شریف	۳۲	قبلہ نما
۴۳	فتویٰ متعلق اجرت تعلیم	۳۳	آب حیات
۴۳	جواب ترکی ترکی	۳۶	تحدیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ
۴۳	ہدیۃ الشیخہ	۳۶	مناظرہ عجیبہ
۴۴	اجوبہ اربعین	۳۷	مکاتیب حضرت نازتویؒ
۴۴	اجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ	۳۸	تصدیقۃ العقائد
۴۵	مکاتیب قاسمی	۳۸	اسرار قرآنی
۴۵	المخطوط المقسوم من قاسم العلوم	۳۸	تحفہ لخمیہ
۴۶	دیباچہ طبع اول	۳۹	آدابہ المؤمنین
۴۷	مقدمہ طبع اول - (سبب تالیف کتاب)	۳۹	میل خدا شناسی
۴۸	استاذ زادہ کی تعظیم اور فرمانبرداری	۳۹	مباحثہ شہنشاہ پور
۴۸	ضدی ہٹ دھرم کی اصلاح نہیں ہوتی -	۴۰	توثیق الکلام فی الانصاف خلف الامم



۶۲	تیسری حدیث	۴۹	اہل تشیع اور بنی اسرائیل میں مشابہت تامہ
۶۳	چوتھی حدیث	۴۹	اٹھائیس سوال دراصل ایک ہی سوال ہے
۶۳	پانچویں حدیث	۵۰	سب کا اجمالی جواب
۶۴	تھپٹی حدیث (۵ روایتیں)	۵۱	صحابہ کرام کی تعریف میں چار واضح ترین آیات
۶۵	ساتویں حدیث	۵۱	پہلی آیت
۶۵	آٹھویں حدیث	۵۱	دوسری آیت
۶۵	نہریں حدیث	۵۲	تیسری آیت
۶۶	دسویں حدیث	۵۲	چوتھی آیت
۶۷	گیارہویں حدیث	۵۳	صحابہ کرام کو نہ ماننے سے تمام دین ختم ہو جاتا ہے
۶۷	بارہویں حدیث	۵۴	حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ میں
۶۷	تیرھویں حدیث	۵۴	مشاہرت صحابہ کے طعن کا ازالہ یقینی ہے
۶۸	چودھویں حدیث	۵۵	صحابہ کرام کی تعریف خدا نے قرآن میں بار بار کی
۶۸	پندرہویں حدیث	۵۶	صحابہ و اہلبیت رضی اللہ عنہم دونوں کی تعظیم فرض ہے
۶۹	سولہویں حدیث	۵۷	سوال اول از جانب شیعہ
۶۹	سترھویں حدیث	۵۷	جواب
۷۱	سیڑھ تعقید کا ازالہ	۵۷	افضلیت صدیق اکبرؓ پر دو قرآنی دلیلیں
۷۱	اٹھارویں حدیث	۵۹	حدیث سے صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر تین دلیلیں
۷۲	سوال دوم از جانب شیعہ	۵۹	پہلی دلیل
۷۲	جواب سوال دوم	۶۰	دوسری دلیل
۷۲	اہل حل و عقد کی تعریف	۶۱	تیسری دلیل
۷۳	حضرت امم حسینؓ وزین العابدینؓ کا مقام	۶۱	جواب مولوی عبداللہ صاحب
۷۳	دوستوں میں شکر رنجی آنی جانی چیز ہے۔	۶۱	پہلی حدیث
۷۳	ایک مثال	۶۲	دوسری حدیث

۸۶	حضرت علیؓ کے مخصوص فضائل	۷۵	مذہب شیعہ کے اصول پر جواب
۸۷	حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے مخصوص فضائل	۷۵	تقیہ کے عذر رنگ کا ازالہ
۸۸	حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں احادیث	۷۵	شیعوں کا تقیہ قرآن کے مخالفت ہے
۸۹	سوال ہفتم از جانب شیعہ	۷۶	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۸۹	جواب سوال ہفتم۔ ردّ جس کی روایت شیعہ کے لیے مفید نہیں	۷۷	سوال سوم از جانب شیعہ
۹۱	دعائے نبویؐ سے ہونے والا کام معجزہ رسول ہے۔	۷۷	جواب سوال سوم
۹۱	حضورؐ کی ابو بکرؓ کی احسان شناسی	۷۸	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۲	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۷۹	سوال چہارم از جانب شیعہ
۹۳	سوال ہشتم از جانب شیعہ	۷۹	جواب سوال چہارم
۹۳	جواب سوال ہشتم	۷۹	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۴	خوارج بدعتی تھے۔	۸۰	حمایت رسولؐ میں ابو بکرؓ کی بہادری اور قتال
۹۵	شیعہ خارجیوں سے بدتر ہیں	۸۱	ابو بکر صدیقؓ کی غیرت ایمانی۔ دیگر حدیث محبوب سبحانی مع کلام
۹۵	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جہاد و انفاق	۸۲	بعد از رسولؐ ابو بکرؓ و عمرؓ ہی کفار کے دل میں کانٹا تھے۔
۹۷	سوال نہم از جانب شیعہ	۸۲	سوال پنجم از جانب شیعہ
۹۷	جواب سوال نہم جس کا کلام افضل ترین امت محمدیؐ ہیں۔	۸۲	جواب سوال پنجم
۹۸	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۸۳	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۸	عشرہ مبشرہ کا ذکر خیر	۸۳	سفر ہجرت میں حضرت ابو بکرؓ کا ایثار ضرب المثل ہے۔
۹۹	ہر مسلمان امت نبیؐ میں داخل ہے۔	۸۴	ابو بکر صدیقؓ بڑے عاشق رسولؐ تھے
۱۰۰	سوال دہم از جانب شیعہ	۸۴	حضرت ابو بکرؓ خدا و رسولؐ کی شہادت کے صدیقؓ ہیں۔
۱۰۰	جواب سوال دہم و یازدہم	۸۵	کتب شیعہ سے صدیقؓ ہونے کا ثبوت
۱۰۱	اللہ تعالیٰ نے تو معاف کر دیا پر شیعہ نے نہ کیا۔	۸۶	سوال ششم از جانب شیعہ
۱۰۲	جواب ثانی از جانب مولوی عبداللہ صاحب جنین میں ثابت قدم صریح	۸۶	جواب سوال ششم
۱۰۴	سوال یازدہم از جانب شیعہ	۸۶	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب



۱۱۸	۱۰۴	حدیث ۱	جواب از جانب مولوی عبداللہ صاحب
۱۱۸	۱۰۴	حدیث ۲	ثابت قدمی کی فضیلت سنی مذہب میں ہے شیعہ مذہب میں نہیں
۱۱۹	۱۰۴	حدیث ۳	ایک شبہ کا ازالہ
۱۱۹	۱۰۵	حدیث ۴	سوال دوازدہم و سیزدہم از جانب شیعہ۔ بحث فدرک
۱۱۹	۱۰۵	حدیث ۵	جواب سوال دوازدہم و سیزدہم
۱۱۹	۱۰۵	فائدہ دوازدہم	حضرت صدیق حدیث قصہ ترکہ کی وجہ سے مخدور تھے
۱۲۰	۱۰۶	سوال پانزدہم از جانب شیعہ	مسئد حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۲۰	۱۰۷	جواب سوال پانزدہم	حضرت فاطمہؓ کا سوال بے خبری سے تھا
۱۲۱	۱۰۷	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب - وصی ہونے کا دعویٰ حضرت علیؓ نے نہیں کیا۔	حدیث من اغضبنا کا شان و درجہ حضرت علیؓ کے حق میں ہے
۱۲۲	۱۰۸	سوال شانزدہم از جانب شیعہ	جواب سوال سیزدہم
۱۲۲	۱۰۸	جواب سوال شانزدہم۔ خلافت کے لیے تین اہم اوصاف	قصہ قرطاس میں حکم عدولی نہیں
۱۲۳	۱۰۹	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب۔ فقہ کی روشنی میں امامت کے شرائط۔	دوبارہ ذکر کھولنے کے مصالح
۱۲۳	۱۱۱	لائیل محمدی الظالمین سے شیعہ استدلال عصمت کا رد۔	جب کتاب اللہ سے حضرت عمرؓ کا قصہ تکلیف کی بات پچھانا تھا
۱۲۳	۱۱۲	سوال ہفدہم از جانب شیعہ	جواب سوال سیزدہم
۱۲۳	۱۱۳	جواب سوال ہفدہم	جواب ثانی از طرف مولوی عبداللہ صاحب احکام کی کئی صورتیں ہیں
۱۲۴	۱۱۳	جواب سوال ہفدہم	حضرت علیؓ سے بظاہر کئی دفعہ عدول چکی ہوئی۔
۱۲۴	۱۱۴	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	سوال چہار دہم از جانب شیعہ
۱۲۵	۱۱۵	سوال ہش دہم از جانب شیعہ	جواب سوال چہار دہم شیخین کو خلیفہ ماننے پر نبوی ہدایت
۱۲۵	۱۱۶	جواب	حضرت علیؓ سے شیعہ کی محبت انصاری جیسی ہے۔
۱۲۵	۱۱۷	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	حضرت علیؓ کی صفات بعقاد شیعہ قرآن سنت میں نہیں
۱۲۵	۱۱۷	حدیث ثقلین میں تمک عزت سے مراد ان کی محبت ہے	حضرت علیؓ کی وصایت و خلافت کا مطلب
۱۲۷	۱۱۸	سوال نوزدہم از جانب شیعہ	جواب ثانی از جانب مولوی عبداللہ صاحب
			حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی مؤید خلافت احادیث

۱۴۰	سوال بست وچہارم از جانب شیعو	۱۲۷	جواب سوالی نوزدہم
۱۴۱	جواب سوال بست وچہارم	۱۲۷	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۱۴۱	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۱۲۷	صحیحہ اہل سنت متمک بالقرآن اور محب اہل بیت ہیں
۱۴۲	حضور علیہ السلام کی مستزکہ اشعار	۱۲۸	شیعہ عملاً تعلیم سے منحرف ہیں۔
۱۴۲	حضرت علیؑ کے لیے خلافت کی وصیت بالکل نہیں کی۔	۱۲۹	سوال بست وچہارم از جانب شیعو
۱۴۲	سوال بست وپنجم از جانب شیعو	۱۲۹	جواب سوال بست وچہارم از جانب شیعو
۱۴۳	جواب سوال بست وپنجم۔ عدم تحریر سے اسلام میں	۱۳۰	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۱۴۳	رخنہ نہ پڑا۔ ناس مذہب شیعو مردود ثابت ہوا۔	۱۳۱	اس اتمام میں بصیرت نبویؐ پر حملہ اور
۱۴۳	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۱۳۱	آیت اظہار دین کا انکار ہے۔
۱۴۵	سوال بست و ششم از جانب شیعو	۱۳۲	سوال بست ویکم از جانب عاشق
۱۴۶	جواب سوال بست و ششم	۱۳۲	جواب سوال بست ویکم
۱۴۶	حضرت ابو بکرؓ نے اجازت لی	۱۳۲	جواب سوال بست دوم۔ علما اور کاطین انجام سے خائف ہوتے ہیں
۱۴۷	دوسرا جواب	۱۳۳	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب قصہ عقبہ اور حضرت خذلیفہؓ
۱۴۸	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب حبیبش اسامہ کا اصل واقعہ	۱۳۵	حضرت خذلیفہؓ کو منافقین کے نام اور علما علیہ تبتائی تھیں
۱۴۹	حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے طعن تحلف کا ازالہ	۱۳۵	سوال بست سوم از جانب شیعو۔ بسند حدیث قرطاس
۱۵۰	سوال بست و ہفتم از جانب شیعو	۱۳۵	جواب سوال بست دوم
۱۵۰	سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب	۱۳۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علیؑ کی رائے
۱۵۰	جواب سوال بست و ہفتم	۱۳۶	حضرت عمرؓ کے موافق ہو گئی۔
۱۵۱	خلافت کا ابو جہلؓ کا رعبوت کی تعمیل تھی۔	۱۳۶	تقیہ کے عذر رنگ کا ازالہ
۱۵۱	شیخین کا جانا ہی حضرت علیؑ و قریش	۱۳۷	حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ادب و آرام کی خاطر یہ کہا
۱۵۱	اور صاحبزادوں کے لیے سود مند ہوا۔	۱۳۷	قلم و دوات لانا گھر والوں کا کام تھا۔
۱۵۲	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۱۳۸	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۱۵۲	مسلمانوں کے لیے والی ناگزیر تھا	۱۳۸	قرآن و سنت اور اہل بیت سے شیعہ کی محرومی



۱۶۱	۱۵۳	اگر انتخاب خلیفہ صحیح نہ ہوتا تو امت کا بڑا المیہ ہوتا
۱۶۱	۱۵۴	سوال بہت دہشتم از جانب شیعوہ
۱۶۱	۱۵۴	جواب سوال بہت دہشتم - اجماع کے لیے بروقت تمام اہل مل و عقد کی حاضری ضروری نہیں
۱۶۴	۱۵۵	کلامت کو اصولی ماننے سے سب دنیا کا فرطہرتی ہے
۱۶۴	۱۵۶	کچھ دن بعد صحت کر کے حضرت علیؑ نے تمام شبائے کازا کر دیا
۱۶۵	۱۵۸	اعتذار و دفعائے موفقت
۱۶۶	۱۵۸	اتماست بخدمت غشی شیخ احمد صاحب
۱۶۶	۱۵۹	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۱۶۶	۱۵۹	حضرت علیؑ کا لال و عتاب و دستاویز
۱۶۶	۱۶۱	مادم تدریج از مولوی عبداللہ صاحب
۱۶۱	۱۵۳	۲۲ سوال از جانب اکمل الکمل افضل الفضل نخبۃ الکلام
۱۶۱	۱۵۴	جواب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب بخدمت علی اہل تشیع
۱۶۱	۱۵۴	پندرہ سوالات از جانب مولوی عبداللہ صاحب
۱۶۴	۱۵۴	خط شکایت امیر غشی شیخ احمد صاحب مع عالی مقامات
۱۶۴	۱۵۵	عقیدہ خود بجانب مولوی عبداللہ صاحب
۱۶۴	۱۵۶	خط مولوی عبداللہ صاحب بکتاب خط غشی شیخ احمد صاحب
۱۶۵	۱۵۸	شیعہ تبرائے کا حکم
۱۶۶	۱۵۸	عام آدمی کو غیر مذہب کی کتابیں نہ پڑھنی چاہئیں
۱۶۶	۱۵۹	اشعار طبع زرار از مولوی عبداللطیف صاحب سنپوری
۱۶۶	۱۵۹	طالب علم مدرسہ عربیہ دیوبند ضلع سہارنپور

## فہرست اجوبہ اربعین حصہ دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۰	حضرت امیر معاویہؓ و حضرت امیرؓ کا معاملہ	۱۸۰	پیش لفظ از مولانا عبدالحمید صاحب تواتر بانی مدرسہ نصرۃ العلوم
۱۸۱	حضرت ہارون و موسیٰ علیہم السلام جیسا تھا	۱۸۱	عرض ناشر قدیم
۱۸۱	شیعہ کے منافی اسلام خصائص	۱۸۱	مولانا نواز قویؒ کا تجربہ علمی
۱۸۲	شیعہ اکثر اہل بیت کے منکر ہیں	۱۸۲	سوال اول از جانب شیعوہ
۱۸۳	شیعہ ائمہ کی اولاد کو بدترین جانتے ہیں	۱۸۳	جواب سوال اول - ہندوستان میں شیعیت ایران کی بدولت پہنچی
۱۸۳	مذہب شیعہ کا بانی یہودی تھا	۱۸۳	شیعہ کی بدعہدی و مظالم
۱۸۵	سوال دوم از جانب شیعوہ - شیعہ کے نزدیک	۱۸۵	اہل سنت حق چار یار کے قابل ہیں
۱۸۶	خلافت اجماع سے ثابت نہیں ہو سکتی	۱۸۶	کتاب اولہ کلک کا لفظ قرآن میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی آیا ہے

جواب سوال دوم۔ امامت خلافت کا نبوت پر قیاس صحیح الفاروقی ہے

تقریر امام نص کی بجائے شری سے بھی ہوتا ہے۔

غلیظہ خاص کا تقریر نص نہیں ہونا چاہیے محفل قتل کا یہی اتفاق ہے

خلفائے سابقہ و بعد کا برتاؤ حضور نے فرمایا

لایزال محمدی الظالمین کا مطلب

جاء ملک للناس امامک سے مراد پیشوائی نبوت ہے

آیت امامت کا بالمثل معارضہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ ثبت پرستی سے پاک تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ان تمام صفات میں انبیاء کے بعد افضل ان س تھے

صدیقؓ کی افضلیت پر خدا کی گواہی

حضرت علیؓ کی گواہی

حضرت صدیق اکبرؓ میں یہ اوصاف کمال بدرجہ اتم پائے جاتے تھے

ایک شہید کا ازالہ

مشروء میں خلعت کی طرف رجوع حدیث کے لیے عیب نہیں

خلافت راشدہ کیلئے فتوحات و فتوحات ضروری تھیں

سوال سوم از جانب شیعہ۔ بحث متعذر

اہل سنت کا استدلال

شیعہ کی طرف سے جواب

جواب از اہل سنت والجماعت

حرم متعذر کی عقلی وجہ

نکاح کا اولین مقصد اولاد کی پیداوار ہے۔

ولد صالح باقیات صالحات میں سے ہے

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

وقت واحد میں ایک عورت کے لیے زیادہ خاوند ذکر نہیں وجہ

کائنات انسان کے لیے بنی اور ان بنی عبادت الہی کیلئے بنایا گیا

کثرت اولاد سے کثرت امت پر حضور علیہ السلام فخر کر چکے

عورت کیلئے بیک وقت تعدد نکاح کی ممانعت کی عقلی دلیل

والدین خصوصاً ماں کا طبعی اثر بچے کے مزاج و اخلاق پر پڑتا ہے

حضرت مریم کے پاس بشر بن کر جبریل کے آنے کی وجہ

نسب و حمل میں اختلاف بھی تعدد زوج سے منع ہے

والمحبت من النساء احسان کا فائدہ

عدت بیوہ اور عدت مطلقہ میں فرق کی وجہ

وفات کی حالت میں انتظار سے مقصود فقط طور حمل ہے

طلاق کی عدت میں مقصود خاوند کی رضا بھی ہے

عدت میں حفاظت نسب کی کیفیت

طلاق مغلطہ میں عدم انتظار رضا زوج کے شہ کا ازالہ

طلاق مغلطہ میں عدت کا فائدہ خاوند کو ناشکری

کی سزا میں ذمہ داری کو فہم میں مبتلا کرنا بھی ہے

علت احسان سے متعذر حرام ہے۔

وضع حمل سے پہلے حرمت نکاح کی حسی مثال

حرمت متعذر کی وجہ شہوت رانی ہے

ازدواج محفل متعذر کا متقاضی نہیں

استبراء کا عذر رنگ مفید نہیں

زن متعذر کو باندی پر قیاس کرنا باطل ہے۔

باندی میں طلاق کی تجزی نہ ہونے کی وجہ

حیض و طہر بذات خود قابل انقسام نہیں

۲۰۸

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۴

۲۳۵

۲۳۶

۲۳۷

۲۳۸



معنی قر میں جنفی شافعی اختلاف اور علم ریاضی سے  
اس کی وضاحت

استبراء بیک حیض اور عدت کامل کا فرق

استماع کا معنوم و مطلب

شیعوں کے نزدیک متہ نکاح سے افضل ہے۔

انہ سے متہ کے فضائل و اہل متہ حج کے لیے ہیں

آیت تمتع حج کی طرح آیت فاستمتعتم سے بھی متہ  
مراوینا باکمل باطل ہے۔

قرأت شاذہ ابن مسعود کا مکمل

لفظ اجماع سے تعیین مدت کے بارے میں واقع ہونے  
والے شبہ کا جواب

نکاح اور ملک میں ملک اصلی ہے متہ اور عاریت  
میں صرف اخذ منافع

متہ میں طلاق اور اعتاق نہیں ہوتا

متہ و نکاح میں بیع کا شبہ بھی باطل ہے

منکوحہ میں بیع و شراہ بہ اور عاریت کے اعتبار کیا کیوں نہیں؟

مقدور الطیفر تمام اشیاء میں قبضہ کی ملک تمام حاصل ہوتا ہے

اسباب محروفہ بیع و شراہ وغیرہ انتقال ملک کا سبب  
ہیں نہ کہ حدوث ملک کا

حرمت ربائی وجہ یہ ہے کہ رہا میں ایک  
طرف محوص ملک نہیں پایا جاتا۔

بیوع فاسدہ میں بھی رہا ہے

ابارہ عاریت، میراث اور وصیت میں بھی قبضہ پایا جاتا ہے

مال قیمت میں بھی قبضہ علت ملک ہے

بدن کے واسطے سے اموال پر روح کا قبضہ

ہوتا ہے اور مرنے سے برجہ اٹھ جانے قبضہ کے ملک جاری جاتی ہے

بدن کے مملوک ہونے کی پہلی دلیل

دوسری دلیل

نمر و خنزیر اور میتہ وغیرہ ناپاک اشیاء بغیر نافع ہونے کی وجہ

سے مسلمان کی ملکیت نہیں بن سکتے

بدن اور روح کے تعلق کی مثال

روح کفار پر بوجہ ہائز ہونے جبر کے غلام

اور باندی میں ملک آجاتا ہے۔

کتابت میں مملوک اپنے آپ کو خرید لیتا ہے

اعوان کے اجرام کی بیع بوجہ تذلیل جائز نہیں

خدا نے تمام قوتوں کو مخلوق کے لیے صرف کرنے

کا حکم دیا کہیں عورت کو اپنے لیے مخصوص کر دیا

عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئیں ہیں

نکاح میں منافع کا مفاد ملک میں آجاتا ہے

ان قابل احترام منافع میں اجرت خود بخود

ثابت اور لازم ہو جاتی ہے

عورت کا مقام جسم حق شوہر میں پابند ہونے کی

وجہ سے نان و نفقہ واجب ہے۔

مکر منافع کے عوض ہونے کی وجہ سے

اَجُودَھنَ فَرَّیَا اَشَادَھنَ نہ فرمایا

۲۳۵  
۲۳۶  
۲۳۷  
۲۳۸  
۲۳۹  
۲۴۰  
۲۴۱  
۲۴۲  
۲۴۳  
۲۴۴  
۲۴۵

۲۳۴  
۲۳۶  
۲۳۷  
۲۳۸  
۲۳۹  
۲۴۰  
۲۴۱  
۲۴۲  
۲۴۳  
۲۴۴  
۲۴۵

۲۵۸	حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کے فتاویٰ کی حیثیت	۲۴۳	نکاح میں منافع بالقرۃ بیع اعیان کی
۲۵۹	حرمت متحرک پر امت کا اجماع ہے		طرح پوشے موجود ہوتے ہیں۔
۲۶۱	سوال چہارم۔ بحث فذک و درشت انبیاء علیہم السلام	۲۴۵	منکوحہ میں حق حبس ہوتا ہے اور باندی میں حق ملک
۲۶۲	جواب میراث کی باقیین شرطوں پر ہے		اس لیے منکوحہ میں بیع و ہبہ کا اختیار نہیں
۲۶۲	شرط اول۔ مورت کی روح کا اس کے جسم سے علاوہ حیثیت باقی نہ رہے	۲۴۵	منکوحہ میں حق ملک کا منفقود ہونا اور احصائی کا ضروری ہونا
۲۶۲	شرط دوم۔ مورت کا ایسا حکم اللہ کے خطاب میں شامل		بیع و درشت اسے مانع ہیں اور حق حبس کا اعتنا کرتے ہیں
۲۶۲	شرط سوم، مورت کا ترکہ اس کی ملکیت ہو	۲۴۷	حسن بالذات اور قبیح بالذات کے واسطہ و نواہی
۲۶۲	صلوٰۃ مسوٰرہ میں تینوں شرطیں مفقود ہیں		نافعال تیغ ہیں
۲۶۳	حدیث لا نورث اخبار کے قبیل سے ہے اور اخبار	۲۴۸	نسخ و تغیر میں پہچان آسان نہیں
	ناسخ و منسوخ نہیں ہوتیں	۲۴۸	علت حکم کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی مخفی
۲۶۳	بنام میراث کی شرط اول کا فقدان احادیث لا نورث کی	۲۴۹	احکام کو منسوخ کرنا قادر مطلق کی شان ہے
	دوسرے حیات انبیاء علیہم السلام ہی مانع میراث ہے	۲۴۹	نسخ احکام طبریک کے نسخہ بدلنے کی مانند ہیں
۲۶۴	دواہم سوال	۲۵۰	اجازت متحرک از قسم رخصت ہتی از قسم نسخ نہیں ہتی
۲۶۴	جواب سوال اول۔ مورت کی نفی کا سبب حیات ہے	۲۵۰	عارضی خد جبر کے نیچے احکام اصدیہ مستور ہو
۲۶۴	جواب سوال دوم۔ موت حیات کے باب میں خبر واحد بھی معتبر ہے		المباہتہ میں زائل اور منسوخ نہیں ہوتے
۲۶۵	ایک سوال۔ موت و حیات کا اجماع ممکن ہے۔؟	۲۵۱	متحرک کے عارضی طور پر مباح ہونے کی علت
۲۶۵	دلیل نقلی	۲۵۲	اباحت متحرک کی وقتی ضرورت اور وجہ
۲۶۵	ایک خدشہ	۲۵۳	بالفرض متحرک جائز ہوتا تو اہلسنت کے لیے جائز ہوتا
۲۶۶	جواب خدشہ	۲۵۴	اجازت متحرک ایسی ہی ہتی جیسے حالت اضطراری میں مارتھال کی اجازت
۲۶۶	مشدد اور انبیاء علیہم السلام میں موت کے بعد	۲۵۵	اکل میتہ حالت اضطراری میں اب بھی جائز ہے اور متحرک
	دوبارہ حیات کی دو قسمیں۔ متصل اور منقطع		یوجہ ارتفاع علت ہمیشہ کیلئے منسوخ کر دیا گیا ہے
۲۶۶	منقطع کی دو قسمیں۔ متصل اور منقطع	۲۵۷	روایات مذکورہ شیعہ کیلئے بھی ہدایت و ارشاد کا باعث ہیں
۲۶۷	دلیل عقلی	۲۵۷	مصل کلام



۲۸۱	حضرت وفات چارہ اور دس دن مقرر کی شیئی حکمت	۲۶۸	عالم اسباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ذاتی
۲۸۲	حضرت وفات ظہور محل کے لیے ہے اور بصورت محل وضع محل	۲۶۹	آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ مِنْهُ وَرِثَہ
۲۸۳	مطلقہ میں تین حصے تک انتظار کی وجہ	۲۷۰	علمی اور خلافت مراد ہے۔
۲۸۴	خاندان کی رضا اور اس کا رجوع ہے	۲۷۱	آیت یٰعِیْسٰی وَیٰحِیْثُ مِنْ اٰلِ یٰحَقُوْبٍ
۲۸۵	حاصل کلام	۲۷۲	سے بھی وراثت علمی مراد ہے
۲۸۶	دلیل ملی سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت	۲۷۳	قرآن مجید میں وراثت کا استعمال قائم مقام میں بکثرت آیا ہے
۲۸۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مومن کیلئے انکی جانوں سے اقرب اور محبوب	۲۷۴	کتب شریعہ میں مادہ وراثت کا میراث علمی میں استعمال
۲۸۸	روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم ارواح مومنین کی نسبت ذات	۲۷۵	وراثت علمی اور وراثت مالی میں
۲۸۹	اور نفساً انتراع ہے اور ارواح مومنین اور صاف ذاتیہ اور انتراعیات میں	۲۷۶	کوئی تلامذہ نہیں کہ ایک دوسرے پر ضرور ولایت کریں
۲۹۰	ذہن میں حاصل شدہ مضمون کی خبر	۲۷۷	حاصل بحث۔ آیت یٰمُؤْمِنِیْمُ اللّٰہُ فِیْ وِرَاثَہِ کَا مِلُوْہِہِ
۲۹۱	میں بھی محکم عنہ یعنی علت پائی جاتی ہے	۲۷۸	ہے اور حدیث لا اُوْرَثُ فِیْ حَیَاتِہِ کَا اَثَبَاتِہِ اُوْرَثَہِ عَقْلِیَّ شَالِہِ
۲۹۲	قرآن میں علم۔ مبداء علم اور عالم کی مثال	۲۷۹	مسد حیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
۲۹۳	مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ذہن میں	۲۸۰	دلیل انی
۲۹۴	حاصل شدہ مسئلہ ہی سے علم حاصل ہوتا ہے	۲۸۱	سوا حیات کے ہوجات تحریم میں سے کوئی وجہ
۲۹۵	بصورت قابل عکس (پر توہ) کی صورت کے وقت	۲۸۲	ایسی نہیں کہ تمام امت کچھ حق میں عام ہو۔
۲۹۶	اصل شیئی یعنی علت کی صورت ذہن میں موجود ہوتی ہے	۲۸۳	آیت تَوَفٰی فِیْ مِیْمَہِ کَا خَطَابِہِ اَمَتِہِ کُوہِہِ اُوْرَقَدِہِ حَیْہِہِ
۲۹۷	حصول معلول فی الذہن حصول علت پر	۲۸۴	حرمت ہے اور ازواج مطہرات میں امتا ہونا موجب حرمت ہے
۲۹۸	موقوف ہے اور انکے مابین کوئی واسطہ نہیں	۲۸۵	حضرت کی اصل وجہ نساء کُوْمُوْہِہِ لَکُوْہِہِ
۲۹۹	روح محمدی کا ارواح مومنین کے لیے علت ہونا اسکا متقاضی	۲۸۶	کی آیت سے ماخوذ ہے۔
۳۰۰	ہے کہ آپ کی روحانیت اور حیات اصلی اور امت کی عارضی ہے	۲۸۷	ایک وقت میں ایک محرمت کے لیے
۳۰۱	تقریر مذکور بالا کا آیت النبیؐ اَوَّلٰی	۲۸۸	متعدد خلوفہوں کے نہ ہونے کی وجہ
۳۰۲	بِالْمُؤْمِنِیْنَ پر انطباق	۲۸۹	متعدد خاندانوں کی صورت میں خیریاں



آیت مذکورہ میں تصرف اور اجبیت کے  
معنی علت اور اقربیت میں لازماً پائے جاتے ہیں

نفی میراث کے واسطے میں حیات جہانی کے اثبات کی ضرورت

آپ کا وجود باوجود بواسطہ جسم طہر مصدر حیات ہے  
جس سے روحانیت کے آثار علم و عمل صادر ہوتے ہیں

جسم انسانی سے افعال کا ظہور دراصل  
فاعلیت حیات کے سبب سے ہے

روح و جسم کے درمیان علاقہ فعلی ہے درمیان میں حائل  
کے وجود سے آثار حیات ملتے جلتے ہیں تھے نہیں

روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بدن  
میں تعلق اتصال ممکن نہیں

جو غواض خارجیہ بواسطہ حیات کے لاحق  
نہیں ہوتے وہ اغواض اصلیہ میں سے نہیں

اگر افعال مقاصد اصلیہ میں شمار ہو تو بھی حائل کے وجود سے  
فاعل منفعل تک نہیں پہنچ سکتا لیکن علاقہ مابین قائم رہتا ہے

لازم وجود حیات کا ملزوم (وجود خارجی) منفعل ہوتا ہے  
حائل کی ایک مثال

حائل کی صورت میں تبدیل و تغیر منفعل میں  
پایا جائے گا نہ کہ فاعل میں

کائنات کے حق میں ارادہ خداوندی ہی منشاء  
فیض ہے اس صورت میں حائل کا وجود محتسب ہے

نور آفتاب کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات منبع ہر شے  
خاتم النبیین کے معنی منشاء اور فیض نبوت کے ہیں

اور خالقیت زمانی بھی اس سے خود بخود ثابت ہو جاتی ہے

خاتم النبیین کے معنی سے ثابت ہو اگر آپ کی نبوت کی

طرح تمام انبیاء کی ارجاع بھی آپ کی روح پاک سے مستفید ہیں

نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام میں ہونے روحانیت موجود تھا

تصرف پر قادر نہ ہونا کمال اور ملک کے منافی نہیں

حیات شدہ اور انبیاء علیہم السلام میں فرق

حدیث ران اللہ حدیث علی الارض الا میں حرمت کی اتمام

انبیاء علیہم السلام میں حرمت کی پہلی قسم تمام انبیاء علیہم السلام پر ہوگی

انبیاء علیہم السلام کے اجداد کی سلامتی کو کسی دوا کی طرف متوجہ نہ کرنا چاہیے

احتمال ناشی عن غیر دلیل مفید ہو تو پھر ضرورتاً دین سے اعتقاد و تعلق ہوگا

حیات انبیاء علیہم السلام میں تعلق روح مع الجسد اور اسکے آثار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر کو  
وکیل بنایا۔

بشاوہ کتب فریقین ترکہ نبوی کے میراث  
نہ ہونے پر اہل بیت متعلق ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ۔ وارث ہونے کے لیے صرف تعلق روح  
کافی نہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد تو بھی کے وارث نہیں ہوئے

ایک سوال۔ کیا تو کے بعد ذوالقبس سے ملک باقی رہتا ہے؟  
جواب :- اپنی زندگی میں لا نورث فرما بغرض وکیل تھا

لہذا قبضہ نہ رلیج وکیل باقی رہا۔

جواب مٹا ملک اصلی خدا تعالیٰ ہیں۔ ہماری

ملک احتیاج کیوجہ سے ہے۔



ملک بید کیلئے عاجتندی ضروری ہے لیکن  
بقائے ملک بغیر احتیاج کے بھی ہو سکتا ہے

۳۰۴

بنائے میراث کی دوسری شرط کا فقدان

۳۰۵

فَإِنْ كُنْهُمَا مَاطَابَ لَكُمْ كَيْطَرُ يُؤْخِضُكُمْ اللَّهُ  
کا خطاب بھی صرف امتیوں کو ہے۔

۳۰۵

بروایت علامہ علی (شیخ) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ  
فدک حضرت فاطمہؓ کو دیدادہ راضی ہو گئیں

۳۰۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں  
بیک وقت چار سے زائد بیویاں تھیں

۳۰۸

سورۃ نسا کا اول رکوع سورت فاتحہ کی طرح  
گرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا گیا

۳۰۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اور اطلاع امت  
میں تعلق وجہ تعلق کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام  
کے مخاطب نہیں

۳۱۱

یا اعتبار لغت بھی زوجیت طرفین کے تسادی کو چاہتا ہے

۳۱۱

نکاح میں مطلوب حسن معاشرت ہے جو کمال علمی اور عملی کا نتیجہ ہے

۳۱۲

کمال علمی و عملی مردوں میں بدرجہ اتم اور  
عورتوں میں اسکا نصف پائے جاتے ہیں

۳۱۲

آیت میں مرد و عورت کے جسم کی مقدار سے

۳۱۳

بحث نہیں بلکہ ان کے حصص سے بحث ہے اور  
ذکر و انثیٰ کا اطلاق روح و جسم دونوں پر ہوتا ہے

۳۱۳

افعال اختیار یہ علم و عقل سے پیدا ہوتے ہیں

۳۱۴

تناصف عقل تناصف عمل کو لازم ہے

۳۱۵

بعض عورتوں کا بعض مردوں پر علم و عمل  
میں فرقی نہ رکھنا اسباب خارجیہ کی بنا پر ہوتا ہے

۳۱۵

چار عورتوں کا ایک مرد کے حق میں زوج کمال قرار پانے کی حکمت

۳۱۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی عورتوں کی  
نسبت مقدّر علم و عمل میں بمنزلہ مصدر اور

۳۱۶

صادر، منشاء اور وصفت انتزاعی کے ہیں۔  
حاصل کلام

۳۱۷

بنائے میراث کی تیسری شرط کا فقدان  
فدک مال ختمے تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملک ز تھا

۳۱۷

فدک مال ختمے ہے اہل سنت سے اس کا ثبوت

۳۱۸

بوجہ کمال عقل انبیاء علیہم السلام نے مقبوضہ اموال کو مال مستعار  
سمجھتے ہیں اور مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہوتی

۳۲۰

فدک مال ختمے ہے شیعہ سے اس کا ثبوت  
راضی نے کسی کی محکوم نہیں بلکہ حسب ارشاد

۳۲۱

خداوندی اس کی آمدنی قابل ملک ہے  
بما آفادہ اللہ میں کلمہ سے جائیداد غیر منقولہ مراد ہے

۳۲۳

مال غنیمت اور مال ختمے میں فرق

۳۲۴

ختمے میں مصارف کی تفصیل

۳۲۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال ختمے میں درجہ متوسط  
حاصل ہے یعنی آپ متولی بھی ہیں اور مصرف بھی

۳۲۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تولیت کی مثال

۳۲۶

آیت اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت  
اور علم میں نیابت و خلافت پر دلالت کرتی ہے

۳۲۷



اس امت کے لیے سجدہ تعظیمی ممنوع ہو چکی حکمت

خلافت کے ساتھ تواریت ایک لازم شجر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت ہی کے کام میں ضرورت

و عقیدہ پہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مال فے کے

ذریعہ آپ کے مصارف کا انتظام فرمایا

آخر کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار آپ کے تابع

قرار پائے ایسے انکو دیگر اصناف سے مقدم کیا گیا۔

خود القربی میں القربی کو بغیر اضافت ذکر کر نیکی وجہ

اقر بار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر رسالت میں معین و

مددگار تھے اس لیے ایسے فہرے ان کا وظیفہ مقرر

کیا ہے جس میں غائبین کی سعی و عمل کا دخل نہیں

سوال: وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ

سے معلوم ہوتا ہے کہ فے تسلط سے حاصل ہوا اور

بغیر خبر کا تسلط خلیفہ کا تسلط ہے اور بالتحق لشکر کا

جواب: یہ تسلط ذات نبوی کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ

کی طرف سے نیابت کا تسلط ہے

جلد اصناف مصارف از قسم استحقاق مصارف

ہیں نہ کہ استحقاق ملک خدا استحقاق مصارف میں مستحق

داد و قریب نہیں کر سکتے اس لیے تعدد فقر آخر و سنی میں

لرسول میں لام ملکیت کے تسلیم سے تمام اصناف

میں ملک کے لزوم کے علاوہ دو خرابیاں لازم آئیں گی

حضرت علیہ السلام نے بلا وجہ ایک جہان کا مال دبا کر رکھا

اور یہ کہ تمام اصناف کے افراد کی ملک محدود و متعین ہو

۳۲۸

ہر صورت میں اہل تشیع مال فے سے ہمیشہ محروم رہیں گے

۳۲۸

کیونکہ جہاں اہل تصوف کا صحابہ کے حق میں معاگو ہو تا ضروری ہے

اغنیاء میں گزشتہ سال کی ممانعت ملکیت غلام کی نفی کرتی ہے

۳۲۸

اموال منقولہ میں انتفاع بغیر قبض تام ممکن نہیں

اموال غیر منقولہ میں غیر کی تواریت سے بھی انتفاع ہو سکتا ہے

مال فے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبض بطور متولی تھا

۳۳۰

اراضی فے کے لیے متولی کا ہونا لازمی ہے مصرف

کسی ایک فرد یا ایک سے زائد افراد پر پیداوار تقسیم کرنا کافی ہے

۳۳۱

مائل بحث

۳۳۲

فدک کی بعض آبادیوں کی نسبت حضرت عمرؓ کا فرمان

كانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ارضي مصر

پر دلالت کرتا ہے۔ اگر حق ملکیت ہوتا تو داروں کو

اور حق مندرجہ ذیل ہوتا تو آپ کے بعد خلفاء کو منتقل ہوتا

۳۳۳

خلفاء راشدین بھی مال فے پر بطور متولی

کے قابض تھے ورنہ خود استعمال کرتے

۳۳۳

افاضہ وجود و کمالات کا خزانہ اگرچہ خداوند کریم ہی ہے

لیکن یہ بواسطہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا ہے

استحقاق کی تین قسمیں اور قوی کا ضعیف کو مستغنی ہونا

۳۳۳

ملک خداوندی تمام استحقاقات ملک تواریت اور

ملک مصرف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے لیکن

مرتبہ تواریت ملک مصرف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا

۳۳۴

مخالف یہودی کے ہبہ کے شبہ کے جوابات

۳۳۵

۳۳۶

۳۳۶

۳۳۷

۳۳۸

۳۳۸

۳۳۸

۳۳۹

۳۳۹

۳۴۰

۳۴۰

۳۴۱

۳۴۲



اشیائے محبوبہ باعتبار رسالت تحقیق اور منصب رسالت وہی منصب خلافت و نیابت ہے

خلیفہ کا جبر سرکاری ملک ہوتا ہے

خصوصاً انبیاء علیہم السلام اپنی ملک کو ملک مستعار سمجھتے ہیں اس لیے ان کے مال میں میراث تھیں

حضرت فاطمہ الزہراءؑ پر خوارج کی طرف اعتراض خوارج کے اعتراضات کے جوابات

اعتراض ۲: حدیث لا فخر فی سنی کے بعد حضرت سیدہ کے غم و غصہ کے کیا معنی؟

جواب: بخاری کی اس روایت کا ردی گویا ہے

لیکن اصل معاملے کو سمجھنے میں اس سے غلطی ہو گئی عدم کلام کو ناراضگی پر حمل کر لیا

فدک وغیرہ اموال نے کہ حضرت سیدہ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض تام اور اقتدار عام کے پیش نظر ملک نبوی بچھ لیا ہو تو کیا بعید ہے

جیسے خضر علیہ السلام کے اعمال میں ہوئی علیہ السلام

کو دھوکہ ہوا پہلے ہی حضرت سیدہؑ کو اموال نے میں ملک خاص کا دھوکہ ہو گیا تو کیا تعجب ہے

جواب اعتراض ۱: اگر حضرت سیدہؑ پر متاع

قلیل کی طلب کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ رزق حلال کی طلب تارکان دنیا ہی متصرف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مترکہ حضرت سیدہؑ کے لیے نئی اور تسکین خاطر کا باعث تھا

۳۴۲

جواب سوال اول

۳۴۲

مبعات کی تمثیل

۳۴۳

حضرت ابو بکرؓ پر طعن کا جواب

۳۴۳

صدیق اکبرؓ پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ سے اعتراض کا الزامی جواب

۳۴۴

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے نزاع کی حقیقت

۳۴۵

حضرت ابو بکرؓ کی غلط فہمی اہل سنت کو مضر نہیں

۳۴۵

شیطان کا دوسرا عالمین کی شان میں عیب نہیں اور نہ شیطانی

۳۴۵

سے آدم کی طرف دوسرا شیطانی کی نسبت زیادہ شدید ہے

۳۴۶

سوال دوم

۳۴۶

جواب سوال دوم: شیعہ کی پیش کردہ

۳۴۸

حدیث کا کرتی پائے نہیں

۳۴۸

اہل سنت کی کتب حدیث کے بار درجے

۳۴۸

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام صحابہؓ اور امت میں افضل ہیں

صدیق اکبرؓ حضرت علیؓ کو خلافت نہ دیکر

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے

وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبرؓ

کو ام بنا مانا کہ خلیفہ بننے کے مترادف ہے

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ان کا حق ندیا

جب خدا کے ذمہ عدل واجب ہے تو خدا نے

حضرت علیؓ کا حق ان کو کیوں نہ پہنچایا

درحقیقت صدیق اکبرؓ کی خلافت بوجہ  
اپنی افضلیت کے عدل کے عین مطابق ہے  
کی شیخین از خود غیور بن گئے اور محاذ اللہ  
خدا تعالیٰ ان سے مغلوب ہو گیا

سوال سوم

جواب سوال سوم

واقعی محترم مورخ نہیں

حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی  
صحابیت و زوجیت کا خیال کیوں نہ کیا

اہل سنت حضرت علیؓ کی خلافت حقہ کے اس طرح  
قابل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہؓ کی خلافت کے

تحقیقی جواب جنگ جمل خطا اجتہادی کی بنا پر  
ہوئی اور خطا اجتہادی قابل مواخذہ نہیں

حضرت علیؓ کی قصاص لینے میں تاخیر  
کی وجہ بلوائیوں کا غلبہ اور زور تھا

حضرت معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر کو قاتلین  
عثمانؓ میں سمجھ کر مارا

جنگ جمل میں بلوائیوں کا ہاتھ تھا

اس طرح کی خطا کا صدور قصہ موسیٰ  
اور خضر علیہما السلام میں موجود ہے

مشاجرات صحابہؓ میں کثرت لسانی واجب ہے

جملہ حدیث کے مفسر پر مفصل بحث

الزامی جواب : ازواج مطہرات تمام مومنوں کی امیر ہیں  
قریب حضرت علیؓ نے اپنی والدہ عائشہؓ سے مقابلہ کیوں کیا

آیت تطہیر کا شان نزول

آل عبا کو اہل بیت کہنے کا مطلب

آیت تطہیر ازواج کی شان میں ہے

بیچ تن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی وجہ

سوال چہارم

جواب سوال چہارم : اہل سنت ائمہ مجتہدین  
کو معصوم نہیں سمجھتے

شیعوہ کے ائمہ معصومین کے نزدیک عاریت فرج حلال ہے

شیعوہ کے نزدیک متعہ بہت ہی بڑا کار ثواب ہے

سورۃ مومن اور سورۃ معارج کی آیات میں صرف منکر اور

لوطی حلال ہیں لیکن متعہ والی عورت کی قسم میں داخل نہیں

شاید کسی بھی مذہب و ملت میں جائز نہ ہو

نکاح معاملات کے قبیل سے ہے اور متعہ عبادت

سے اس بے متعہ میں تعدد محدود نہیں

متعہ کو نکاح پر قیاس کرنا باطل ہے کیونکہ عورتیں

بمنزلہ کھیتی کے ہیں اور متعہ کی صورت میں تقسیم اولاد ممکن نہیں

خاندن والی عورت کے متعہ میں اشتباہ اولاد

متصور نہیں کیونکہ اَلْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ

امام عظیم ابو حنیفہؒ نے شراب کو حلال نہیں کہا

امام شافعیؒ کی طرف سے حرمت مصاہرہ کا جواب

شیعہ مذہب کے اصول بھی قرآن پاک سے نکلتے ہیں

۳۶۹

۳۶۹

۳۷۰

۳۷۰

۳۷۱

۳۷۲

۳۷۲

۳۷۲

۳۷۲

۳۷۳

۳۷۵

۳۷۵

۳۷۶

۳۷۷

۳۷۷

۳۷۸

۳۷۹

۳۷۹

۳۸۰



۳۸۷	شیعوں کے اصل پیشوا کون ہیں	۳۸۲	سوال پنجم
۳۸۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت علیؑ کی	۳۸۳	جواب سوال پنجم
۳۸۸	مشابہت اور دو گمراہ فرقوں کا ظہور	۳۸۳	دعوئے ودیل میں مطابقت نہیں
۳۸۸	شیعہ فرقہ کی حضرت امام حسینؑ سے محبت عیسائی فرقہ	۳۸۳	گرہ زاری ودیل ایمان و محبت نہیں
۳۸۸	کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کے مشابہت	۳۸۳	پیشاورداری کی قرآن کی طرح احادیث میں بھی ایک نہیں
۳۸۸	جلال الدین سیوطیؒ پر طعن کا جواب	۳۸۵	بدعت کی تعریف اور اٹھارہ اس کے تفہیم
۳۹۰	فقہ جعفریہ کے فتنہ سائل	۳۸۶	پیشاورداری کی مثال
		۳۸۷	پیشاورداری کی مثال

۶۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۶۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من
۶۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۶۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من
۵۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۵۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من
۳۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۳۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من
۲۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۲۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من
۱۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۱۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من
۵۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۵۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من
۸۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۸۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من
۵۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من	۵۵۶	حسب الله في قتيه لا يتركه من

# تقریظ مولوی محمد ناطق حسن مدرس اقل مدرس عربی میرٹھ بِالنَّشْرِ الرَّخِصَةِ الرَّحْمَنِ

ہزار حمد و سپاس اس خدائے لایزال کو جس نے اپنے دین متین کو آیات محکمات سے محکم فرمایا۔ اور کافر  
اہم خصوص اہل اسلام کو ان آیات کی اتباع کا حکم فرمایا اور درودنا محدود اس جناب رسالت مآب پر جس نے  
گم گشتان ضلالت کو راہ ہدایت پر چلایا اور اس کی آل و اصحاب پر جنہوں نے اسی کے دین متین کو اطراف  
بلاد میں پھیلایا۔ آمین

جملہ متبعین سنت و جماعت کو مشرودہ ہو اور تمام اہل تشیع کو تنبیہ کہ وہ اٹھائیس سوالات جو بعض اہل تشیع  
نے گھڑ کر جناب فاضل اجل عالم باعمل مرجع علماء مشرق متین مظہر علوم مرسلین کشف و دقائق و ضاححتائق  
سالک مسالک شریعت عارف معارف طریقات عمدۃ الافاضل والا عظم جناب مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی  
مرحوم و مغفور کی خدمت میں پیش کئے تھے جناب مہر و معراج نے بسبب اس کے کہ یہ دہری سوالات ہیں کہ جن کے  
علماء اہلسنت نے بار بار جواب دیے ہیں۔ فقط ان کا رنگ و روپ بدل دیا ہے۔ اپنے اوقات عزیز کو تحریر  
جوابات میں نتائج کرنے سے انکار فرمایا۔ مگر بعض بزرگواران دین کا تقاضا اور نیز احباب کا اصرار بدرجہ  
غایت پہنچا۔ تو اس پر مولانا مرحوم نے قلم سنبھالا نہایت عجلت کے ساتھ ایک شب و روز میں ان کے  
جوابات پورے فرمائے۔ حسب مشورہ ارباب شوریٰ بخر من تعیم افادہ ان کے مچھوانے کی تجویز ہوئی اس  
کے دو حصے کئے گئے۔ اول حصہ میں مولانا مرحوم کے جوابات دندان شکن تحریر ہیں علاوہ بریں مولوی عبداللہ  
انیٹھوی قلعہ مولوی انصار علی کے جوابات بھی جو کتب احادیث و قرآن مجید سے لکھے گئے ہیں اور اہل  
نقل کے لیے باعث تسکین قلب ہیں اس میں بعد جوابات مولانا مرحوم کے لکھے گئے ہیں دوسرے حصے  
میں فقط مولانا مرحوم ہی کی تحریرات ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مقدمہ

(از: محترم عبد الحمید سواتی خادم مدرسہ نصرۃ العلوم گوہر نوالہ)

الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد  
والآلہ وصحابہ واتباعہ اجمعین

اصابع !

انیسوی صدی عیسوی (تیرویں صدی ہجری) میں امام ولی اللہ دہلویؒ کی جماعت کے  
پسماندہ لوگوں میں برصغیر (ہندوپاک) میں ایک حکیم عالم پیدا ہوا جن کا نام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ  
تھا یہ عالم مجددین و مجدد علوم و فنون تھا۔ یہی عالم دارالعلوم دیوبند کا بانی میانی اور علوم اسلامیہ  
کی از سر نو اشاعت کرنے والا عظیم المرتبت عالم دین اور کامل درجہ کا ولی اور خدا پرست  
تھا۔ آج کے برصغیر میں دینی۔ مذہبی۔ اخلاقی اور علمی قوت کا سب سے اچھا سرمایہ وہی لوگ ہیں  
جو مولانا محمد قاسم اور انہی جماعت کے توسط سے امام ولی اللہ سے مربوط ہیں۔ اگر یہ کہا جائے  
کہ گذشتہ پوری صدی میں اس پایہ کا کوئی حکیم عالم پیدا نہیں ہوا تو یقیناً مبالغہ نہ ہوگا۔ مولانا محمد قاسم  
نانوتویؒ کس پایہ کے علم تھے یہ بات ان کی تصنیفات سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کے  
ملازمہ اور مدارس و مکاتب کا علمی نظام اور وہ تحریکات اور اصلاحات جو برصغیر کے کونے کونے  
پر پھیلے ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح ہم امام ولی اللہ کے تجدیدی اور تحقیقی  
کارنامے ان کی کتابوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ان وسیع و عریض اثرات سے جو برصغیر



میں بالخصوص اور تمام عالم میں بالعموم پھیلے ہوئے ہیں اُن سے دریافت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نانوتویؒ کی کتب و رسائل کا مطالعہ کرنے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کھٹلی اور ذہنی طور پر کتنے بلند مرتبہ عالم دین تھے۔

آپ کے رفیق حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے جو آپ کی ایک مختصر سی سوانح عمری لکھی ہے اسی میں درج بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا نانوتویؒ کو ابتداء سے ہی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مثلاً حضرت نانوتویؒ نے ایام طفلی میں ایک خواب دیکھا کہ ”گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوں“ حضرت نانوتویؒ کے دادا نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا۔ اور تم بہت بڑے عالم ہو گے۔

اسی طرح ایام طالب علمی میں حضرت نانوتویؒ نے خواب میں دیکھا کہ ”میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں“ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے والد گرامی اور حضرت نانوتویؒ کے اساتذہ مکرم مولانا مملوک علیؒ سے جب اس خواب کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا“

حضرت نانوتویؒ جب سفر حج پر گئے تھے تو آپ کے پیروم شدہ حضرت مولانا حاجی محمد ابراہیمؒ مساجر مسکیؒ نے مولانا محمد قاسمؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ ”یہ لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب مدتوں سے نہیں ہوئے“ (سوانح مذکورہ) اور پھر حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صاحب کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو۔ اور غنیمت جانا۔ (سوانح مذکورہ)

اور حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا نانوتویؒ کے والد جناب اسد علی صدیقیؒ سے بھی فرمایا تھا کہ بھائی اسد علی مبارک ہو خدا تعالیٰ نے تمہیں ایسا فرزند عطا فرمایا ہے جو ولی کامل ہے مولانا نانوتویؒ کے کمال حافظہ کا حال یہ تھا کہ تراویح میں قرآن کریم سننے کے بعد فرمایا کہ ”فقط دو سال صرف رمضان کے مہینے میں قرآن کریم یاد کیا ہے۔“

عبادت کا حال یہ تھا کہ اکثر تمام رات تنہا نوافل میں قرآن کریم پڑھتے رہتے تھے ایک رات ایک رکعت میں ستائیس پائے پڑھے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ماہ شعبان (یا رمضان) ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں پیدا



ہوئے تھے۔ تاریخی نام نور شید حسین ہے۔ اور آپ کی وفات ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ  
 ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء بعد نماز ظہر بروز جمعرات واقع ہوئی۔ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ نے  
 انتصار الاسلام کے مقدمہ میں جو کلمات تحریر فرمائے ہیں ان کا نقل کرنا شاید حضرت کے  
 متعلقین و معتقدین کے لیے باعث تسلی بن سکے، مولانا سید فخر الحسنؒ فرماتے ہیں: ”حیث صد  
 ہزار حیث کہ زمانہ ایسے عالم ربانی سے جو اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا خالی ہو گیا۔  
 افسوس صد ہزار افسوس کہ حامی شریعت جو نہ فقط اپنی جان بلکہ پڑوسیوں کی بھی جانیں  
 شریعت کی حمایت میں جھڑکے۔ اس وقت دنیا سے اٹھ جائے، اٹھائے وہ  
 باغ اسلام کا باغبان کہاں گیا جو اس باغ کی حفاظت کرتا تھا، جس سے اس کو رونق ملتی  
 تھی اب اس باغ کی خدمت کون کرے گا، اس کی روشیں کون درست کرے گا، خس و  
 خاشاک سے صحن عین دین کس طرح صاف ہوگا۔ ہائے وہ نخل بند گلستان اسلام کہ ہر  
 گیا جو سر و اسلام یعنی صراطِ حق کی درستی و موافقت کی فکر رکھتا تھا۔ ہائے وہ جاروب  
 کش باغ دین کہاں گیا۔ جس کی تقریریں و خاشاک و حام کے لیے جاروب تھی۔ اب  
 سوائے حسرت و افسوس کے کچھ نہیں ہو سکتا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ  
 کوئی رہا ہے نہ کوئی ہے گا البتہ ایک ذات و خدا لاشریک جو ہمیشہ سے ہے اور  
 ہمیشہ رہے گی۔

جناب مولانا مرحوم نے شاگرد و معتقد بہت چھوڑے اب ان کو چاہیے کہ جناب  
 مولانا مرحوم کی طرح جان و مال و عزت و آبرو کا کچھ خیال نہ کریں۔ آپس کے جھگڑاؤں میں نہ  
 پڑیں۔ خدا و رسول کے دشمنوں سے لڑیں۔ حتیٰ الوسع دین اسلام کی حمایت کریں۔  
 حضرت کے سوانح حیات اور تاریخی حالات مکمل طور پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے  
 سوانح قاسمی کے تین مجلدات میں مدون کئے ہیں جن کے ساتھ ان کے حالات کے لیے مزید  
 وقائع اور استشادات، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم  
 اور شیخ المصقول و المبنقول استاذ العلماء و سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا  
 محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا اشتیاق احمد دیوبندیؒ کا ترنبہ بھی حصہ لیا ہے۔ ان کے علاوہ



مولانا انوار الحسن شیرکوٹی ایم اے فاضل دیوبند نے بھی انوار قاسمی میں حضرت کی سیرت کا بڑا حصہ مدون کر دیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد سر فرخ خان صفدر صاحب شیخ الحدیث و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے بھی ایک عمدہ رسالہ بانی دارالعلوم مرتب کیا ہے جو اپنی زبان اور استناد کے اعتبار سے معیاری ہے۔ اسی رسالہ کا ایک حصہ مکمل طور پر ”بیس بٹے مسلمان“ کے مصنف نے اپنی کتاب میں نقل کر لیا ہے، ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی مختصر سوانح حیات بھی بہت عمدہ کتاب ہے جس میں حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے تمام اہم واقعات کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے بھی شاندار ماضی میں بھی ایک بڑا حصہ ذکر کر دیا ہے۔ طبقات الخفیہ کے مصنف مولانا فقیر محمد جھلمیؒ نے بھی حضرت کی تاریخ ذکر کی ہے۔ اور مولوی رحمان علی صاحبؒ نے بھی تاریخ علماء ہند فارسی میں بھی حضرت کا ذکر کیا ہے۔ موج کوثر کے مصنف شیخ اکرام مرحوم نے بھی حضرت نانوتویؒ کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا ہے مولانا کے شاگرد رشید مولانا منصور علی خان صاحبؒ نے اپنی کتاب مذہب منصور میں حضرت کی زندگی کے کئی حیرت انگیز واقعات ذکر کئے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کی سب سے بڑی مفصل سوانح حیات اور آپ کے ملفوظات و حکایات و لطائف حیات اور علمی تقریرات وغیرہ آپ کے قدیم شاگرد و خادم مولانا سید فخر الحسن گنگوہی (محشی ابی داؤد و ابن ماجہ) نے مرتب کی تھی جس کی ضمیمہ مت ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل تھی مگر افسوس کہ وہ کتاب طبع نہ ہو سکی اور زمانہ کے دست برد سے ضائع ہو گئی۔

حضرت نانوتویؒ کے ایک خادم مولانا امیر شاہ خانؒ نے بھی اپنی حکایات کی کتاب ”امیر الروایات“ میں حضرت نانوتویؒ کے بہت سے واقعات ذکر کیے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کی تسہیل اور آپ کی کتابوں کی تیویریت مولا مناظر احسن صاحب کرنا چاہتے تھے اس پر کوئی کام نہ ہو سکا۔ مولانا اس سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ اور اسی طرح مولانا انوار الحسن شیرکوٹی کا بھی خیال تھا کہ انوار قاسمی کی دوسری جلد میں علوم قاسم سے بحث کی جائے



گی۔ غالباً وہ بھی یہ کام نہیں کر سکے۔ مولانا نانوتویؒ کے علوم و معارف کی تحقیق و تشریح و تبیل و تفہیم کی اشد ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ کوئی عالم اس کو انجام دے جو اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ عام اہل علم بلکہ بہت سے خواص کے بس کا بھی یہ کام نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو خاص توفیق عنایت فرمائے۔ اور اس کام کو اس کے لیے آسان کرے۔

**حکمت قاسمیہ**

احکام اسلام کی عقلی و نقلی تائید قدیم و جدید فلاسفہ کی تردید اور شرايع اسلاميہ کے غامض اسرار و حکم۔ دلائل کا عجیب و غریب سلسلہ، قدیم و جدید فلسفہ کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا کافی شافی رد۔ نظام اسلام کو مربوط شکل میں پیش کرنا یہ سب حکمت قاسمیہ کے اہم مقاصد میں شامل ہیں لیکن حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا صحیح معنوں میں وہی شخص مطالعہ کر سکتا ہے اور ان کے استفادہ ہو سکتا ہے جو علوم عقلیہ میں کافی بصیرت رکھتا ہو۔ دین کی اعانت کے لیے عقلیات کا حصول بھی اسی طرح باعث اجر و ثواب ہوگا جس طرح نقلیات کا۔ بلکہ بعض اوقات دین پر قائم رہنا عقولات حاصل کے بغیر بہت دشوار ہوتا ہے۔ اسی لیے عقلیات دیوبندی نظام تعلیم کا ہمیشہ ایک اہم حصہ رہا ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ ”علماء کو چاہیے کہ عقلیات کے حصہ کو اسی طرح ذوق و شوق سے حاصل کریں جس طرح نقلیات کو حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بغیر وہ حجۃ اللہ الابرار جیسی کتابوں کے سمجھنے سے عاری رہیں گے اور اگر ایسا ہوا تو انہیں آسانی سے بہکانے والے بہکاتے رہیں گے۔ کیونکہ جس کا اپنا کوئی فلسفہ نہ ہو اس کو اسی طرح دوسرے لوگ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔“

حضرت نانوتویؒ کے حکیمانہ ارادہ و افکار اور خاص نظریات، اور دین کی محققانہ اور عارفانہ تشریحات کو جاننا اشد ضروری ہے۔ حضرت نانوتویؒ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ کا حافظہ اور ذہانت عطا فرمائی تھی۔ جب کوئی بات یا اشکال آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دلائل آپ کے ذہن میں بیک وقت مجتمع ہیں۔ اور ان میں سے آپ مخاطب کے حالات کی مناسبت سے دلیل منتخب فرما کر بیان کرتے ہیں، کمال درجہ کا تجربہ علمی قدر نے عطا فرمایا تھا۔



حقیقت یہ ہے کہ مولانا نانوتوی نقیات و عقلیات کے بہت بڑے ماہر امام تھے۔ علم عقائد میں آپ نے حجت الاسلام اور تقریر و لفظ پر جیسی ادق، لیکن بہت گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں مابعد الطبیعیات اور ملکوت، جبروت عالم مثال لامہوت برزخ اور امور آخرت کو بالکل عقلی براہین کے انداز میں افہام کے قریب کر دیا ہے۔ مولانا سندھی کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ولی اللہ دہلوی حقائق و معارف اپنے لوگوں کو یعنی اہل اسلام کو سمجھا دیتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد قاسم نانوتوی اسلام کے حقائق عامضہ غیر مسلموں عیسائی، یہود، ہنود، بدھ، مجوس وغیرہ کو اسی طرح سمجھا سکتے ہیں جس طرح اہل اسلام کو، چونکہ حضرت نانوتوی زیادہ تر علم منطق، فلسفہ اور ریاضی اور طبعی فلسفہ وغیرہ سے کام لیتے ہیں۔ ذرائع تفہیم میں بالکل عقل عام سے بات کرتے ہیں اور مشاہداتی دلائل جو موجودہ دور میں ہر اہل خرد و تمیز اور اصحاب عقول کے ذہن میں فطرتاً سے ملتے ہیں، ان سے کام لیتے ہیں۔ زبان اردو آپ کی نہایت دقیق ہوتی ہے۔ کچھ تو اس لیے کہ حضرت کے زمانہ تک بھی اردو زبان نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ جتنی آج ہے۔ اور کچھ اصطلاحات وغیرہ کی دقت کی وجہ سے مشکل پیدا ہو جاتی ہے لیکن علمی ذوق والے حضرات محنت سے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح امام ولی اللہ کا کلام ہر ایک صاحب علم کے بس کا لوگ نہیں کہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکے اس کے لیے کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مولانا نانوتوی کے کلام کے لیے بھی کافی محنت کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا شیخ الحداد کا مقولہ ہے کہ جب تک حضرت نانوتوی ہم میں موجود تھے ہم منطق کو تازہ کرتے رہتے تھے تاکہ حضرت کے کلام کو آسانی سے سمجھ سکیں ان کی وفات کے بعد اس سے دل سرد ہو گیا ہے۔

اجوبہ اربعین

کے بارہ میں عرض ہے کہ احقر عبد الحمید سواتی تقریباً پینتیس سال سے اس کتاب کا تلاشی تھا، حضرت نانوتوی کی باقی کتب و رسائل نظر سے گزرے تھے اور کچھ بقدر فہم ان سے استفادہ بھی کیا، لیکن اجوبہ اربعین کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی، اس کے مطالعہ کا انتہائی شوق تھا۔ اس کی تلاش جاری تھی۔ ایک دفعہ اتفاق سے سید الخطاطین حضرت سید الزحید صاحب



نفیس رقم (جنکو اللہ تعالیٰ نے کمال ظاہر و باطن عطا فرمایا ہے آپ صاحب نسبت اور بلند  
 روحانیت کے مالک بزرگ ہیں) کسی کتاب کی تلاش میں مدرسہ نصرۃ العلوم کو حیرانوالہ تشریف  
 لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ابوریعین ہے۔ تو شاہ صاحب نے  
 فرمایا ”ہے“ میں نے عرض کیا کہ مطالعہ کے لیے عنایت فرمائیں، انہوں نے ازراہ عنایت  
 بڑی خوشی سے کتاب مطالعہ کے لیے عنایت فرمائی۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ بات ظاہر  
 ہوئی کہ موضوع کے لحاظ سے اس کتاب کی اشاعت ضروری ہے۔ لیکن کتاب غالباً صرف  
 ایک مرتبہ ہی طبع ہوئی ہے، دوبارہ اس کی طباعت کی نوبت نہیں آئی۔ اور ابتدائی طباعت  
 بھی غالباً بڑی عجلت سے ہوئی ہے۔ اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان  
 کی اصلاح ضروری ہے عربی عبارات بھی بہت سی غلط ہیں طبع ہوئی ہیں۔ احقر کے پاس اتنا  
 وقت و فرصت نہ تھی۔ چنانچہ اس کام کے لیے فاضل نوجوان مولانا حافظ محمد صاحب  
 فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور فاضل تخصص فی علوم الحدیث جامعہ اسلامیہ ریٹائون کراچی، جو بڑے  
 صاحب استعداد نوجوان ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ مذہبِ رفض و تشیع سے  
 انہیں خصوصی مناسبت ہے، احقر نے ان کو اس کام کی طرف متوجہ کیا انہوں نے اس کو  
 قبول کیا اور کتاب کی تصحیح شروع کر دی، اور ساتھ ہی ساتھ بعض عنوانات کا اضافہ بھی  
 کیا، اور کہیں کہیں کچھ حواشی بھی لکھے تاکہ کتاب کی افادیت میں اضافہ اور آسانی ہو۔ کتاب  
 کی جلد اول کی تصحیح کے بعد اس کی خواندگی کے لیے احقر نے مولانا حفی حافظ محمد عیسیٰ خان صاحب  
 گورمانی جو کئی سال سے مدرسہ نصرۃ العلوم میں افتاء کا کام کرتے ہیں ساتھ نذریس بھی،  
 موصوف خود بھی مدرسہ نصرۃ العلوم کے قدیم فضلا میں سے ہیں اور انکو فتویٰ نویسی میں کافی وسیع  
 تجربہ اور دہک ہے۔ اور دوسرے صاحب مولوی محمد اشرف صاحب فاضل نصرۃ العلوم  
 کو اس کام کے لیے مقرر کیا جو محنتی اور مستعد نوجوان ہیں۔ ان حضرات نے اس کی خواندگی  
 مکمل کی۔ چنانچہ جلد اول اس قابل ہو سکی کہ اس کی کتابت کا سلسلہ شروع کیا جائے۔  
 کتاب کی طباعت ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم کی طرف سے ہو رہی ہے۔ عنوانات  
 کا اضافہ، بعض احادیث کے الفاظ، اور صفحات کتب، ان سب کو قوسین کے اندر



رکھا گیا ہے۔ تاکہ اصل کتاب کے ساتھ امتیاز قائم رہے، اکثر حواشی اور عنوانات مولانا حافظ مہر محمد صاحب  
 کہتے ہیں اور حوالجات اور صفحات کی تلاش میں مولانا حافظ مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور مولوی محمد شرف  
 صاحب شریک ہیں۔ اور بعض مقامات میں احقر عبد الحمید سواتی بھی ان کے ساتھ شریک رہا ہے۔  
 کتاب کے لیے حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا نام نامی اس بات  
 کی ضمانت کیلئے کافی ہے کہ کتاب علوم و معارف حقائق و دقائق کا مجموعہ ہے۔

اجوبہ اربعین بھی ان کتب میں سے ہے جن میں حضرت نانوتویؒ کے علوم و فیوض  
 مناظرانہ و تنقیدانہ مضامین کا واقع سرمایہ موجود ہے، یہ کتاب اہل رفض و تشیع کے رد میں ہے  
 برصغیر پاک و ہند میں نویں اور دسویں صدی ہجری تیشیع و رفض کا فتنہ بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے  
 قدیم ادوار میں بھی علماء اہل سنت و الجماعت کے جید اور محقق حضرات اس فتنہ کا اپنے اپنے  
 دور میں رد کرتے رہے ہیں چنانچہ امام ابن تیمیہؒ نے اس فرقہ ضالہ کا اپنی معروف و مشہور کتاب  
 منہاج السنۃ میں بڑی قوت و شدت کے ساتھ رد کیا ہے۔ امام مجد الف ثانیؒ نے بھی  
 اس سلسلہ میں عظیم کام کیا ہے۔ اور پھر ان کے بعد امام ولی اللہؒ نے اس فتنہ کی بہت  
 سرکوبی کی ہے، پھر آپ کے فرزند امام عبدالعزیزؒ نے ایک ایسی عمدہ کتاب فارسی زبان میں  
 لکھی ہے، جس کے بارہ میں ہمارے استاذ محترم امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ  
 فرماتے تھے کہ ”تھنہ اثنا عشریہ کا جواب اہل تیشیع قیامت تک نہیں دے سکے“ ہمارے  
 اکابر میں سے حضرت نانوتویؒ نے بھی اس فتنہ کے رد میں متعدد کتابیں رسائل اور مکتوبات  
 لکھے ہیں۔ چنانچہ ہدایۃ الشیعہ جیسی گر افندہ کتاب جو عمدہ اور سہل عام فہم زبان میں تحریر فرمائی  
 ہے۔ پھر اجوبہ اربعین کا نمبر ہے۔ اس کے علاوہ انتباہ المؤمنین بزبان فارسی اور فیوضات  
 قاسمیہ کے کئی مکتوبات اور دیگر متعدد مکتوبات میں اس فتنہ کا پورا تعاقب کیا گیا ہے۔ کتاب  
 آب حیات کا ایک بڑا حصہ بھی اس فتنہ کے رد پر مشتمل ہے، وراثت نبویؐ اور حیات نبویؐ  
 کی دقیق بحث بھی کی گئی ہے۔ اجوبہ اربعین کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کتاب میں اہل  
 رفض و تشیع کی طرف سے چالیس اعتراضات اہل سنت و الجماعت پر کئے گئے ہیں،  
 ان کے دندان شکن اور مسکت جوابات دیے گئے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ حضرت نانوتویؒ نے



ایک دن رات میں مکمل کیا ہے اور اس میں ۲۸ اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اور حضرت نانوتویؒ کے ساتھ مولانا عبداللہ انصاریؒ (سابق ناظم دینیات مدرسہ علی گڑھ) بھی شریک تھے۔ یہ مولانا عبداللہ صاحب حضرت نانوتویؒ کے داماد تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ کے چچا زاد بھائی دیوبند کے قدیم فضلا میں سے تھے، بڑے نیک و صالح انسان تھے، یہ مولانا محمد میاں انصاریؒ عرف منصور انصاریؒ کے والد محترم تھے منصور انصاریؒ مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد اور مولانا سندھیؒ کے رفیق اور برصغیر ہندو پاک کی آزادی کے عظیم رہنما تھے، یہ بڑے عرصہ تک جلاوطن رہے اور جلا وطنی کی حالت میں کابل میں ۱۹۲۶ء کو وفات پائی۔ ان کے فرزند مولانا حامد انصاریؒ غازی ہیں جو فاضل دیوبند اور بہت سی کتابوں کے مصنف اور ہندوستان کے مشہور صحافی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کے ساتھ ہر ایک اعتراض کا ایک ایک جواب مولانا عبداللہ انصاریؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ پہلا جواب حضرت نانوتویؒ کا اور دوسرا جواب مولانا عبداللہ انصاریؒ کا ہے، بعض جوابات نہایت مختصر ہیں اور بعض کافی طویل ہیں۔ زبان اردو قدیم ہے علم عمیق اور فہم دقیق ہے۔ جوابات لا جواب ہیں، جن کے پڑھنے اور ان میں غور و فکر اور تدبر کرنے کی ضرورت ہے اور انصاف شرط ہے۔

پہلے حصہ میں زیادہ تر بحث مسئلہ خلافت کے بارے میں تحقیقات پر مشتمل ہے۔ یہ مسئلہ ایک اہم اور اصولی مسئلہ ہے اور خلفاء راشدین اربعہ کی خلافت علی منہاج النبوة ہے۔ اور علی الترتیب ان کے مراتب بھی اسی طرح ہیں جب تک اس اصولی مسئلہ پر یقین نہ ہو۔ دیگر شرائع اور احکام کا ثبوت بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ امام ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”واکثر اہل ایس اقلیم در اثبات خلافت  
خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین  
شکوہ بہم رسانیدند لاجرم نور تو فیق الہی در  
دل ایس بندہ ضعیف علیٰ مامور و مبطوط  
اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکار ہو گئی۔ اور عام  
لوگوں کے دل ان کے شکوک و شبہات سے متاثر  
ہونے لگے اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین  
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت



گردانید۔ تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافتِ ایں بزرگواراں اصلے است از اصولِ دین تا وقتے کہ ایں اصل را محکم نگیرد هیچ مسند از مسائلِ شریعت محکم نشود زیرا کہ اکثر احکامے کہ در قرآن عظیم مذکور شد مجمل است بدون تفسیر سلف صالح بجل آن تو اں رسید و اکثر احادیث خبر واحد محتاج بیان بغیر روایت جماعت از سلف آں را، و استنباط مجتہد اں ازاں تمسک بہ نکرده و تطبیق احادیث متعارضہ بدون سعی ایں بزرگواراں صورت نگیرد، و ہم چنین جمیع فنون دینیہ مثل علم قرآن و تفسیر و عقائد و علم سلوک بغیر آثار ایں بزرگواراں متاصل نشود، و قد وہ سلف دریں امور خلفاء و راشدین است تمسک ایشان باذیالِ خلفاء جمیع قرآن و معرفت قرآن متواترہ از شاذہ مبتنی بر سعی خلفاء است و قضایا و حدود و احکام فقہ و غیر آن ہمہ مترتب بر تحقیق ایشان، ہر کہ در شکتن ایں اصل سعی می کند بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ می خواہد

(د ص ۱۱)

میں شک کرنے لگے لہذا توفیق الہی کے نور نے اس بندہ ضعیف (اہم ولی اللہ) کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں (خلفاء اربعہ) کی ایک اصل ہے اصول دین سے جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے تو کوئی مسند مسائلِ شریعت میں سے مضبوط نہ ہوگا کیونکہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بغیر سلف صالحین کی تفسیر کے ان احکام کا حل نہیں ہو سکتا اور اکثر حدیثیں خبر واحد ہیں شرح کی محتاج ہیں۔ نیز اس کے کہ سلف کی ایک جماعت ان کو روایت کرے اور مجتہدین ان سے استنباط کریں قابل تمسک نہیں ہو سکتیں اور نہ بدو ان بزرگوں کی کوشش کے متعارض احادیث میں تطبیق کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے اسی طرح تمام فنون دینیہ مثل علم قرأت و تفسیر و عقائد و سلوک بغیر ان بزرگوں کے اقوال کے کسی اصل پر قائم نہیں رہ سکتے اور سلف صالحین نے ان امور میں خلفائے راشدین ہی کی پیروی کی ہے اور انہیں کے دامن کو مضبوط پکڑا ہے۔ قرآن کا جمع ہونا اور قرأت شاذہ سے قرآن متواترہ کا امتیاز پانا خلفائے راشدین ہی کی کوشش پر مبنی ہے اور اسی طرح قضائے فرائض اور حدود اور احکام فقہ وغیرہ انہی خلفاء کی تحقیق پر مترتب ہیں لہذا جو شخص اس اصل کے ٹوٹنے کی کوشش کرتا ہے وہ فی الحقیقت



تمام فنون دینیہ کو مٹانا چاہتا ہے :

اجوبہ اربعین کا دوسرا حصہ جو بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتویؒ کے قلم حق رقم کا مرہون منت ہے۔ اس میں دقت نظر، زیر کی، عمیق حقائق، و معارف لطائف و ظرائف کا گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اس میں متعہ کا مسئلہ، فک وراثت جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق، صعب اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

## حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے حضرت کی تمام کتابیں جو اس وقت تک طبع ہو چکی ہیں ان کا اجمالی تعارف کر دیا جائے۔ بعض کتابیں نایاب بھی ہیں بعض صرف ایک دفعہ یا دو دفعہ ہی طبع ہوئی ہیں حضرت کی تحریرات کے بعض حصے ابھی تک طبع بھی نہ ہو سکے۔ اور وہ دستیاب بھی نہیں، حضرت کی تمام کتب و رسائل و مکاتیب کی جدید طباعت کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ حجۃ الاسلام

یہ بڑے سائز کے ۵ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ اردو زبان میں اس میں اسلام کے تمام ضروری عقائد حضرت نانوتویؒ نے اپنے حکیمانہ طرز بیان میں ذکر کئے ہیں۔ اور اس انداز میں ان کی تبیین و تشریح کی ہے کہ عقل سلیم رکھنے والے حضرات اس کو پڑھ کر اسلام کے عقائد کے بارہ میں اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ اور غیر مسلم حضرات بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ رسالہ بار بار طبع ہوا ہے اور بہت سے خوش بخت لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے، اس کے عنوانات حضرت شیخ الہندؒ نے قائم کئے ہیں، یہ رسالہ بھی حضرت نانوتویؒ نے ایک دن رات میں لکھا ہے۔ اس رسالہ کا نام حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ نے تجویز فرمایا ہے۔ یہ رسالہ حکمت قاسمہ کا ایک اہم جز ہے، حضرت مولانا عبد اللہ ندویؒ نے لکھا ہے کہ میں نے مولانا محمد قاسم، کار سالہ حجۃ الاسلام مولانا شیخ الہندؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا۔



یہ کتاب حضرت نانوتویؒ کی بے مثال اور عجیب و غریب کتاب ہے، افسوس کہ یہ کتاب حضرت مکمل نہیں کر سکے، یہ اردو زبان میں ہے۔ تمام عقائد دینیہ اصولیہ و فروعیہ کو عقلی استدلال سے قریب الفہم کر دیا ہے اس طرح کہ اگر کوئی غیر متعصب غیر مسلم بھی اس کو پڑھے گا تو اسلام کے نظام عقائد کو برحق ہی سمجھے گا۔ اور اس کو بھی بہت کم اشکالات واقع ہوں گے۔ یہ کتاب بھی بار بار طبع ہو کر خراج عقیدت وصول کر چکی ہے۔ اس کتاب کی تہویب غالباً مولانا سید محمد سید صاحب دیوبندی نے کی ہے۔ کتاب کے دیباچہ یا حواشی میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نیز کہیں کہیں مختصر حواشی بھی تحریر کئے گئے ہیں اس میں بعض حواشی حضرت مولانا سید فخر الحسن کے ہیں اس کتاب کی ابتداء میں حضرت نانوتویؒ بنظر خیر خواہی خلایق سب اہل مذاہب خواہ وہ مسلمان ہوں، یا ہندو، یا یو، یا نصاریٰ، مجوس آتش پرست، وغیرہ سب کی خدمت میں دین اسلام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور عقل سلیم رکھنے والے سب حضرات سے درخواست کی ہے کہ تعصب کو ہر طرف سے ہٹائے ہوئے ایک بار اس کتاب کو اوّل سے آخر تک پڑھیں۔ اگر حق و باطل کی تمیز ہو جائے تو اس کو قبول کریں انہیں تو اصلاح کریں۔ پھر وجود صانع، توحید، صفات سے لے کر تمام اعتقادی مسائل کا عقلی ثبوت اور عمدہ تمثیلات سے بیان فرمایا ہے۔ اور عقائد کے اماموں کے باطل نظریات کی پندور تردید فرمائی ہے۔

### ۱۔ انتصار الاسلام

اس رسالہ مبارک میں آریہ سماجیوں کے دس سوالات کے جوابات لکھے ہیں۔ ہر اعتراض کے دو دو جواب حضرت نانوتویؒ نے دیے ہیں۔ ایک جواب الزامی ہے جس سے معترض کو خاموشی کر دیا ہے اور دوسرا جواب تحقیقی، آریہ سماجیوں اور اس قسم کے دیگر معتبر ضمیمہ حضرات کو ایسے دندان شکن جوابات دیے ہیں کہ ہمیشہ ان لوگوں کو اس قسم کے اعتراضات پر جواب دینا نہ ہو سکے۔ کمال درجہ کی تحقیقات پر مشتمل ہے اس رسالہ کی تہویب اور مولانا سید فخر الحسن کا قلم کرنا اور بعض جگہ حواشی تحریر کرنے کا کام مولانا سید محمد میاں دیوبندی



نے کیا ہے۔ رسالہ بار باطلع ہوا ہے اور ہزار ہا لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔  
اس رسالہ کا مقدمہ حضرت نانوتویؒ کے تلمیذ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے  
۴۔ قبلہ نما

یہ حضرت نانوتویؒ کی ایک اہم اور معرکتہ الآراء کتاب ہے۔ یہ دراصل انتصار الاسلام کا  
کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ کتاب اسیہ سماج کے پنڈت دیانند سرسوتی کے ایک اعتراض کے  
جواب میں لکھی گئی ہے۔ دیانند سرسوتی نے ۱۲۹۵ھ میں مسلمانوں پر اعتراض کیا تھا کہ  
مسلمان اہل مہنود پر بت پرستی کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی ایک مکان کعبہ کی طرف  
سجدہ کرتے ہیں جو بہت سے پتھر وں کا بنا ہوا ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اس اعتراض کے  
اولاً سات جوابات دیے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جواب کافی شافی ہے۔ پھر اس کے  
بعد آٹھواں جواب دیانند جس کی دو تقریریں کی ہیں ایک مجمل دوسری مفصل، یہ کتاب  
نہایت باریک حروف کی کتاب ہے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، اکثر حصہ اس کتاب کا  
مفصل جواب پر حاوی ہے۔ اس میں حقیقت کعبہ حقیقت صلوٰۃ سجدہ کی حقیقت استقبال  
کی شرح عابدیت و معبودیت اور تجلی الہی اور نہ کعبہ کا مورد و محیط تجلی ہونا۔ اور یہ کہ جسم  
کی سامت مکان (کعبہ) کی طرف ہوتی ہے اور روح کی تجلی الہی کی طرف، اور یہ کہ مسلمان  
اس تجلی الہی کی طرف ہی سجدہ کرتے ہیں، اور وہ تجلی الہی گویا عین معبود ہوتی ہے۔ تجلی کا ورود  
خانہ کعبہ پر کس طرح ہوتا ہے اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ نہایت ہی  
غامض حقائق کا ذکر کیا ہے اور ایسی عجیب علمی بحث فرمائی ہے کہ بلا مبالغہ نہ کسی کان نے سنی ہو  
گی اور نہ کسی آنکھ نے کسی کتاب میں دیکھی پڑھی ہوگی۔ حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ حقیقت صلوٰۃ  
وغیرہ جیسے دقیق اور عمیر الفہم مسائل کا تذکرہ کمال متانت و زہانت اور عقلی انداز میں کر دیا ہے عباد  
کی حقیقت اور تجلی الہی کے ساتھ مصلیٰ کی توجہ اور منت کی دقیق و عمیق بحث، پھر آخر میں بعد مجرّد  
(بعد مہوم) پر بڑا دقیق تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تجویز و تہدین مضامین بھی نہیں کی گئی  
حالانکہ یہ بار باطلع ہوئی ہے۔ لیکن دقیق ہونے کی وجہ سے اہل علم نے ادھر توجہ نہیں فرمائی؛  
لیکن علوم قاسمیہ کا ایک بڑا حصہ اس کتاب میں آگیا ہے، سنا تھا کہ حضرت مولانا سید احمد رضا



بجنوری صاحب (الوار الباری شرح بخاری کے مصنف) نے قبلہ نما کی ایک ہزار عنوانات سے تہذیب و تہذیب کی ہے۔ لیکن ابھی تک وہ منظر عام پر نہیں آیا۔ یہ رسالہ نادر تحقیقات کا عجیب و غریب مجموعہ ہے اور اس میں جس طرح عقلی استدلال کئے گئے ہیں ان سے حضرت نانوتویؒ کی بلند مرتبت نمایاں ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری توفیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب نے اس کی قابل قدر خدمت کی ہے مگر اس کا حق کتاب حل نہیں ہوگی۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ نے بھی ایک خاص نسخہ پر اس کی شرح تحریر فرمائی تھی مگر وہ ضائع ہو گئی۔

## ۵۔ آب حیات

حضرت نانوتویؒ کی مسکرتہ الآثار کتاب ایسی دقیق عمیق اور صعب بلکہ اصعب کتاب ہے حالانکہ اردو زبان میں ہے اپنی وقت کی بنا پر شاید ہی کوئی کتاب اس کی مثال ہو ہم نے اپنے استاذ و شیخ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے تلمذی اور بخاری شریف کے درس کے دوران بار بار سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے یہ کتاب علماء کے امتحان کے لیے لکھی ہے۔ اس کو دیکھنا اور اس کے مطالب کا حل کرنا اور اس کو پوری طرح سمجھنا معرکہ کی چیز ہے ہر ایک عالم کے بس کا روگ نہیں ہے اس کتاب کو کما حقہ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں حضرت نانوتویؒ نے خود لکھا ہے کہ جس طرح میں شیعہ کی تصنیف کا محرک حضرت مولانا گنگوہیؒ تھے اسی طرح آب حیات کی تصنیف کا محرک حضرت پیر و مرشد مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی تھے ان کے ایمار پر مسند حیات النبیؐ پر اس کتاب کو بدینۃ الشیعہ سے الگ مستقل کتاب کی شکل میں تصنیف کیا ہے اور اس کتاب کے وجہ انی اور الامامی حقائق کی تصدیق حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمائی ہے، اس کتاب میں نقیبات یعنی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کتاب صرف منطق پر مشتمل ہے۔ ان کا خیال غلط ہے یہ صحیح ہے کہ نقیبات کے ساتھ عقلیات کا ایک معتد بہ حصہ اس میں پایا جاتا ہے، جو شخص عقائد حقہ سے پوری طرح باخبر ہو اور ان دلائل



سے بھی آگاہ ہو جن سے ان عقائد کی توثیق کے لیے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور مذہب شیعہ سے اچھی طرح آگاہ ہو پھر عام علوم و فنون کے علاوہ عقلیات بالخصوص علم منطق اور فلسفہ اور ریاضی اور علم کلام وغیرہ میں کمال درجہ کا درک رکھتا ہو اور اس کے ساتھ مستقل مزاج بھی ہو جو مطالعہ کرنے کا عادی ہو اور ذہن بھی وقاد طبع فزکی اور مزاج سیال رکھتا ہو اور اس میں کسی حد تک ثنیت و روحانیت بھی پائی جاتی ہو۔ اور کشف سے بھی فی الجملہ مناسبت رکھتا ہو وہ اس کتاب کو سمجھنے کا اہل ہو گا اس کتاب کے دو تین صفحات مطالعہ کرنے کے بعد ذہن در ماندہ ہو جاتا ہے اور اس پر بے حد تھکاوٹ اور بوجھ پڑتا ہے اور اس وقت اس کو ترک کر دینا پڑتا ہے تاکہ پھر کسی دوسرے وقت تازہ دم ہو کر اس کا مطالعہ کیا جاسکے، امام ولی اللہ کی کتابوں کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی ہوتا ہے بہر حال یہ کتاب حضرت نانوتویؒ نے ۱۲۸۶ھ میں لکھی ہے اور پھر حج کے موقع پر حضرت حاجی امد اللہؒ نے اس کو پڑھ کر اس کی تصدیق و تصویب فرمائی ہے اور اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی حضرت خود مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اس لیے یہ بیچمدان بدترین گنہگار زبان و دل سے اس بات کا معترف ہے کہ میرے کلام پریشان میں اگر کوئی سخن دل نشین اہل دل، اور کوئی تحقیق لائق تصدیق اہل حق ہے تو وہ حضرت مرشد برحق ادام اللہ فیوضہ کے امتساب و توسل کا پھل ہے اور اگر اختلاط اغلاط اور آمیزش خرافات ہو تو یہ تیرہ دروں خود قائل ہے کہ اچھی عقل نارسا ہے اور اپنے مانع میں خلل ہے یہی وجہ ہوئی حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ کے سنائے کی ضرورت ہوئی۔ مگر جب زبان فیض ترجمان سے آفرین و تحسین سن لی تو اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی یوں کوئی منکر زمانے تو وہ جانے منکروں کا کام ہی ہے۔“

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن اب تک کسی صاحب علم نے اس کتاب کی تبویب و تسبیل کی طرف توجہ نہیں فرمائی میرے پیش نظر مطبع مجتبائی دہلی کا طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۰۵ء کا مطبوعہ ہے اور بڑے سائز کے دو صد ساٹھ صفحات پر پھیلایا ہوا ہے اس کتاب میں حضرت نانوتویؒ کی مسد حیات النبی پر نہایت نفیس بحث کی ہے کتاب کے جملہ مضامین اور علوم معارف پر بحث کرنا مجھ جیسے کم فہم طالب علم کا کام نہیں ہے۔



مولوی سعید احمد صاحب پالن پوری توفیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "آپ حیات  
 اثبات حیات انبیاء علیہم السلام اس کتاب کا موضوع ہے آپ کی تمام کتابوں میں یہ سب سے  
 زیادہ مشکل کتاب سمجھی گئی ہے اگرچہ اس میں سے ایک محتد بہ حصہ جس کے بارے میں حضرت مولانا  
 محمد یعقوب صاحب ناتو تویج (اولین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) کی رائے یہ تھی کہ اسے کوئی نہیں  
 سمجھ سکتا اس کو نکال دیا گیا ہے۔ اور یہ "اوراق متخرجہ آب حیات" پچھلا وہ (بجارت میں ایک  
 مقام کا نام ہے) میں ہیں غرض اس کی شرح کی بھی خاص ضرورت ہے۔ ولعل اللہ سبحانہ  
 وتعالیٰ یوفقنی لذلك وماذا لك عليه بعزیز۔

احقر عبد الحمید سواتی عرض کرتا ہے کہ اولاً یہ روایت جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب  
 کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ منکر معلوم ہوتی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کا محض اس لیے نکال دیا  
 جائے کہ وہ اوق، اصعب یا غیر الفہم ہے یہ حق صرف مصنف کا ہے کہ وہ خود اپنی کتاب  
 میں سے نکال دے دو سکر حشرات یا ناشرین وغیرہ کو اس کا حق حاصل نہیں اگر خود مصنف  
 نے ان اوراق کے استخراج کی اجازت دی ہے تو اس کا ثبوت قطعی ہونا چاہیے۔ اگر یہ اوراق  
 مصنف کی اجازت کے بغیر نکلے گئے ہیں تو ان کو دوبارہ کتاب کے ساتھ شامل کرنا از حد  
 ضروری ہے ورنہ یہ علمی دیانت کے خلاف ہے۔

ثانیاً عرض ہے کہ اگر کتاب کے اوق ہونے کی وجہ سے اس کے حصوں کو الگ کرنا عام  
 ناشرین یا شارحین کے لیے جائز ہوتا تو پھر تمام اوق قسم کی کتابوں میں وہ حصے جو عام فہم نہیں  
 ہیں وہ نکال دیے جاتے لیکن ایسا کرنا روا نہیں۔

ثالثاً عرض ہے کہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی بہت سی کتابیں اسی قسم کی ہیں مثلاً  
 حجتہ اللہ البالغہ کے بعض مقامات الخیر الکثیر، تفسیرات الیہ کے بہت سے حصے بدور بازغہ کے کئی  
 مقامات الموامح کے کچھ حصے سعطات کے بعض سطحات لمحات کے کئی مقامات،  
 الفوز البکیر کے بعض مقامات بکہ شاہ ولی اللہؒ کی بہت سی کتابوں کے کئی مقامات ایسے  
 ہیں لیکن ان کو کسی شارح یا ناشر نے کتاب سے نکال دینے کی جرأت نہیں کی۔ اور نہ یہ مشورہ دیا  
 ہے کہ ان کو غیر الفہم ہونے کی وجہ سے نکال دیا جائے۔



## ۶۔ تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ

یہ مختصر رسالہ حضرت نانوتویؒ کا ایک محرکہ الارار اور علمی رسالہ ہے۔ ایک استفانے کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے رسالہ اپنے استدلال اور علمی نکات کی دقت کی وجہ سے مشکل ہے، بعض لوگوں نے کم فہمی یا اپنی شقاوت کی وجہ سے عبارتوں میں قطع برید و تقدیم و تاخیر کر کے کچھ کا کچھ بنا کر حضرت نانوتویؒ پر تکفیر بازی بھی کی ہے۔ دراصل رسالہ میں حضرت نے آیت ختم نبوت (خاتم النبیین) کی ایسی عالی تحقیق فرمائی ہے جس کی مثال علمی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ ختم نبوت زمانی، مکانی اور رتبی ہر طرح حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ آخر میں اساتذہ العلماء حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ اور دیگر علماء کرام کی تصویب و تصدیق بھی شامل ہے۔

۷۔ مناظرہ عجیبہ

یہ کتاب بھی حضرت نانوتویؒ کے مکتوبات کے سلسلے کی کتاب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں محذورات عشرہ جو تحذیر الناس کی عبارتوں پر کئے گئے ہیں۔ اور ان کے جوابات ہیں۔ اور دوسرے حصہ میں وہ خط و کتابت ہے جو حضرت نانوتویؒ کے ایک ہم عصر عالم مولانا عبد العزیز صاحب نے تحذیر الناس پر جو اعتراضات کئے تھے اور جانبین سے چار چار خطوط میں مولانا عبد العزیز صاحب اعتراضات لکھتے رہے حضرت نانوتویؒ ان کے جوابات تحریر فرماتے رہے بالآخر مولانا عبد العزیز صاحب نے حضرت نانوتویؒ کے موقف کو تسلیم کر لیا۔ جو اہل حق کا شیوہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کے مکتوب ثالث میں حضرت نانوتویؒ لکھتے ہیں ”اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں“ (ص ۱۰۳ طبع قدیم)

اتنی واضح بات کے بعد بھی جو لوگ حضرتؒ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں ان کے بارہ میں اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ایسے بد نیتوں کے لیے خدا تعالیٰ کے ہاں روز قیامت میں رو سیاہی کے سوا کیا ہوگا۔



## ۸۔ مکاتیب حضرت نانوتویؒ

حدید طباعت میں اس مجموعہ کا نام قاسم العلوم مع اردو ترجمہ انوار النجوم ہے۔ یہ فارسی زبان میں دس مکاتبات کا مجموعہ ہے اس کی ترتیب و تبویب و تسہیل و تخییہ و ترجمہ حضرت مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹیؒ فاضل دیوبند فیصل آبادی نے کیا ہے اور لاہور سے طبع ہوا ہے۔ یہ مجموعہ پہلی طباعتوں میں چار حصوں پر مشتمل تھا لیکن اب اس کی ایک ہی جگہ مترجم شکل میں جمع کر کے طباعت کرائی گئی ہے۔

اس میں بعض مکاتبات بہت اہم ہیں مثلاً مکتوب شرح حدیث ابی زرینؓ بہت مشکل اور اہم مکتوب ہے۔ اس کا ترجمہ اور تفہیم ابھی بہت کچھ ناکافی ہے یہ حدیث محدثین کے نزدیک بھی بہت مشکل حدیث مانی جاتی ہے۔ محققین نے اس حدیث کی شرح اپنے اپنے انداز سے لکھی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ امام عبدالکریم جلیؒ نے انسان الکامل میں اور امام ولی اللہ دہلویؒ نے فیوض الحرمین، الدر الثمین اور تفہیمات النبیہ وغیرہ کتب میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے کتاب الاسرار والصفات میں اور شیخ ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں اس حدیث پر بحث کی ہے۔ اس میں عمار کا مضمون متعین کرنا اور نیز فو قیت تحقیق مکان ظرفیت وغیرہ کی وجہ سے اشکالات پیدا ہوتے ہیں اور مسئلہ بھی اہم ہے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اور تجلیات کی بحث، یہ مکتوب بھی فارسی زبان میں ہے۔ علوم قاسمہ کی وقت اس میں نمایاں ہے۔ مکتوب صعب بلکہ اصعب ہے۔ اس پر بہت زیادہ وقت اور محنت کی ضرورت ہے اور اس کی تبویب و تسہیل و ارباب حکمت قاسمہ کے لیے اہم مقاصد میں سے ہے۔

اسی طرح عصمت انبیاء کا مکتوب بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایسے عمدہ طریق پر عصمت انبیاء کا مسئلہ حضرت نانوتویؒ نے بیان فرمایا ہے، اختصار و جامعیت کے ساتھ ہزاروں صفحات سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ جن جن حضرات نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے ان سے دلائل کی قوت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ متکلمین کی علم کتابوں میں ایسی عمدہ بحث اس مسئلہ پر کہیں نظر نہیں آئی۔ اسی طرح ما اہل الخیر اللہ کے موضوع پر جو مکتوب ہے وہ بھی اپنی نظیر آپس میں اس مکتوب کا اردو ترجمہ اور تبویب و تسہیل حضرت مولانا مفتی محمد علیؒ



خان صاحب گورمانی مفتی مدرسہ نضرۃ العلوم نے کی ہے، جو بہت عمدہ ہے اگر طبع ہو جائے تو بہت مفید ہوگی امید ہے کہ عنقریب یہ بھی طبع ہو جائے گی۔

باقی مکاتیب بھی علمی نکات سے لبریز ہیں اور ہر ایک مکتوب اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، اسلام کے بہت سے شرائع و قوانین، احکام کی عقل و مصالح اسباب خفیہ اور حکم غامضہ جس طرح ان مکاتیب سے سمجھ میں آتی ہیں از حد اہم اور لا جواب ہیں۔

## ۹. تصفیۃ العقائد

اس رسالہ میں جو اردو زبان میں ہے سرسید احمد خان بانی علی گڑھ کالج کے پندرہ سوالوں کے جوابات ہیں۔ جن میں حضرت نانوتویؒ نے سرسید احمد خان صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کی نیچریت کا منہایت لطیف انداز میں رد فرمایا ہے، اور سب کو لا جواب کر دیا ہے۔ اور ضمناً علم و حکمت کے بے شمار حقائق آگے ہیں۔ آخر میں حضرت نانوتویؒ کا ایک مکتوب ہے سرسید احمد خان صاحب کے نام خاص خانہ اور مبلغانہ انداز میں احتیاق حق کے لیے لکھا گیا ہے۔

## ۱۰۔ اسرار قرآنی

یہ مختصر سا رسالہ ہے فارسی زبان میں ہے جس میں مختلف آیات قرآنیہ کے بارہ میں مولانا محمد صدیق صاحب مراد آبادی نے سوالات حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں لکھ کر بھیجے تھے۔ جن کے جوابات حضرت نے تحریر فرمائے ہیں اور بہت سے اشکالات کو رفع کیا ہے آخر میں معوذتین کی حکیمانہ تفسیر ہے۔ اور مثنوی رومی کے ایک مشکل شعر کی شرح ہے۔ درحقیقت یہ بھی مکاتیب کے سلسلہ میں شامل ہے۔

## ۱۱۔ تحفۃ لکھنویہ

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت نانوتویؒ نے ہنود کے اس وہم باطل کا رد لکھا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا ظلم ہے اور ان کا گوشت کھانا تعدی ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوشت کھانا اور ان کا ذبح کرنا بالکل فطرت کے مطابق ہے عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو حضرت نے بین طور پر ثابت کر دیا ہے۔ اگر ان کا گوشت کھانا ظلم ہے تو ان کی کھال کا جوتا پہننا اور ان کی ہڈیاں اور دیگر



اجزاء کا استعمال کرنا اور ان سے سواری وغیرہ کی خدمت لینا کونسا انصاف ہے۔

## ۱۲۔ انتباہ المؤمنین

یہ مختصر سالہ فارسی زبان میں ہے۔ اور ترمذی شریف کی اس حدیث کی شرح ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کا ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک کی ایک فضیلت کی خاص وجہ بیان فرمائی ہے۔ بے مثال تحقیق پر مشتمل ہے۔ رسالہ کے آخر میں مولانا شاہ اسماعیل شہید کا ایک مکتوب عربی زبان میں ہے جو انہوں نے شیخ عبداللہ بغدادیؒ کے نام لکھا تھا اور تقویۃ الایمان کے بارہ میں اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں۔

## ۱۳۔ میلہ خدا شناسی

اس رسالہ میں اس مذہبی مناظرہ اور بحث و مباحثہ کی روئیداد مذکور ہے جو ۱۲۹۳ھ میں شاہجمناپور میں ہوا تھا۔ جس میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے حصہ لیا تھا۔ ہندو، عیسائی اور مسلمان سب ہی اس میں شریک ہوئے تھے۔ اور اہل اسلام کو اس میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس بحث میں حضرت نانوتویؒ نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ حضرت کی تقاریر اور جوابات اس میں درج ہیں۔

## ۱۴۔ مباحثہ شاہجمناپور

اس مجموعہ میں حضرت نانوتویؒ کی وہ تقاریر ہیں جو آپ کے ۱۲۹۵ھ میں مختلف عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں کے اعتراضات کے جوابات میں کی گئیں۔ پنڈت دیانند سرسوتی، پنڈت اندرن، پادری اسکاٹ جو انجیل کا مفسر مانا جاتا تھا اور پادری ٹولس وغیرہ معترضین نے جو مختلف اعتراضات اٹھائے تھے کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کو کس چیز سے پیدا کیا ہے اور ذات باری تعالیٰ محیط کل کس طرح ہے؟ اور خدا تعالیٰ اگر عادل ہے تو پھر رحیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم کے کلام الہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور بائبل کیوں الہامی نہیں اور وید کے الہامی ہونے میں کیا چیز مانع ہے؟ نجات کس چیز میں حاصل ہو سکتی ہے؟ وغیرہ۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنی تقاریر میں ان سب اعتراضات کے جوابات باحسن طریق ذکر کئے ہیں۔ اور اسلام کی حقانیت کے عقلی و نقلی قوی دلائل بیان فرمائے ہیں جو تمام



اہل عقل و فہم کے لیے سامانِ طمانینت پیدا کرتے ہیں اور اہل اسلام کے ہاتھ مخالفین کے رو کے لیے بے مثال قوی دلائل کا ذخیرہ آتا ہے۔

### ۱۵۔ توثیق الکلام فی الانصاف تحلف الامام

یہ اردو زبان کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حضرت نانوتویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنی ممنوع ہے نقلی دلائل کے ساتھ زیادہ تر عقلی انداز میں میسند سمجھا دیا ہے۔ انصاف شرط ہے۔

### ۱۶۔ الدلیل المحکم

اس رسالہ میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی تحقیق بیان فرمائی۔ (توثیق الکلام اور الدلیل المحکم در حقیقت ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں البتہ توثیق الکلام میں چند سطریں زائد ہیں) ان دونوں کی شرح و تفسیل و اضافہ عنوانات تمہید مقدمات وغیرہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا سعید احمد پالن پوری لکھے کی ہے۔ اور اس کا نام ”کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟“ تحریر کیا ہے اور مکتبہ وحید یہ دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔

### ۱۷۔ لطائف قاضی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ترویج کا مسئلہ اس میں ذکر کیا گیا ہے۔

### ۱۸۔ جمال قاضی

اس رسالہ میں حضرت نانوتویؒ کے دو مکتوب ہیں۔ جو حضرت مولانا سید جمال الدین دہلویؒ کے خطوط کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمائے ہیں۔ ایک مکتوب میں محدثوں کی تشریح ہے اور دوسرے میں سماع موتی کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا سید جمال الدین دہلویؒ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا کہ حضرت نانوتویؒ سے ہم نے ”سو سائل ہندوہ۔ سینت۔ فلاحت طبعی، جبر و مقابلہ جبر ثقیل وغیرہا علوم میں، ایک ایک ورق لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ واللہ اعلم کہ حضرت نانوتویؒ کو ان سائل کے لکھنے کا موقعہ پیش آیا یا نہیں، اور یہ کہ یہ رسائل کس کے پاس ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ انقصار الاسلام کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”اور جناب مولانا کی



وہ تحریریں جو زیر طبع اب تک نہیں آئیں۔ اور وہ کوئی سوچا ہوا ہوں گے ان کے شائع کرنے پر بندہ نے کھر ہمت باندھی تو ہے۔ خداوند کریم مدد کرے۔ آمین۔

## ۱۹۔ فیوض قاسمیہ

یہ مجموعہ حضرت نانوتویؒ کے کچھ مکاتیب پر مشتمل ہے جو مختلف حضرات نے آپ سے دریافت کئے تھے۔ بعض میں شیوخ حضرات کے اعتراضات کے جوابات ہیں، اور کچھ اعتراضات وہ ہیں جو حضرت کی کتاب ہدیۃ الشیعہ پر اٹھائے گئے تھے ان کے جوابات دیے ہیں ایک مکتوب مجمعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے نیز یہ کے ایمان اور عدم ایمان کی بحث۔ نذر لغیر اللہ کی تحقیق۔ علم غیب مختص ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ سری و جبری قرآن کی حکمت بدعت و سنت کی تحقیق۔ تصویر شیخ کا مسئلہ۔ اور نفس کی تحقیق وغیرہ پر مشتمل ہے۔

## ۲۰۔ مصابیح التراویح

بزبان فارسی۔ بڑے سائز کے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں مسئلہ تراویح کی وضاحت ہے اور احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی تشریح اور سینکڑوں عدد رکعات تراویح کا ثبوت شرعی و عقلی دلائل سے، اور یہ کہ بیس تراویح پڑھنا سنت کی فرض ہے یہ بدعت نہیں اسکو بدعت شمار کرنے والے حضرات غلو و تعدی کا شکار ہیں اور زیادتی کے مرتکب ہیں۔ اور حدیث علیہ السلام و نسنة الخلفاء العاشقین کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے یہ غیر مترجم ہے، اس کو اولاً لٹری و اشاعت دارالعلوم دیوبند نے طبع کرایا ہے۔ یہ کتاب حضرت نانوتویؒ نے اپنے تلمیذ رشید مولانا سید احمد حسن امروہیؒ جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں تھے۔ ان کے ایک استفادہ پر جو انہوں نے حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں بھیجا تھا اس کے جواب میں لکھی ہے نہایت اعلیٰ تحقیقات پر مشتمل ہے مولانا سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں کہ۔

اس کتاب کا ترجمہ مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبند نے کیا ہے جو انوار المصباح کے نام سے شائع ہوا ہے مگر اس سے کتاب کما حقہ حل نہیں ہوتی ہے۔ ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔



## ۲۱۔ الحق الصریح فی اثبات التراویح

یہ رسالہ بھی فارسی زبان میں مصباح التراویح کی طرح بیسٹس تراویح کے اثبات میں لکھا گیا ہے یہ بھی ایک صاحب جناب عبدالرحیم خان صاحب کے مکتوب کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے۔ اور اس میں بیسٹس رکعات کی مخالفت کرنے والے حضرات کے تعصب و بہت و صرمی کو ظاہر کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت سائب بن یزیدؒ کی روایت پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس کا جواب حضرت نانوتویؒ نے دیا ہے اور متعصبین کی افسوسناک حالت کو خوب اشکارا فرمایا ہے۔

## ۲۲۔ اسرار الطہارۃ

یہ بھی مختصر رسالہ ہے اور اس کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت نانوتویؒ کی تحریرات حاصل کر کے ان سے مرتب کیا ہے اس میں طہارۃ کے اسرار و حکم اور عجیب و غریب نکات بیان کئے گئے ہیں۔ قمقمہ اور خروج ریح کیسے ناقض وضو ہوتے ہیں اس کی حیرت انگیز تشریح بیان فرمائی ہے۔ اور ایسے حکیمانہ افکار بیان کئے ہیں جن میں حضرت منفرد معلوم ہوتے ہیں۔

## ۲۳۔ قصائد قاسمی

اس رسالہ میں حضرت نانوتویؒ کے چند قصائد ہیں ایک قصیدہ بہار یہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں زبان اردو میں ہے جس کے ایک ایک شعر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت لگاؤ و تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ ایک قصیدہ عربی زبان میں ہے جو عمر کی خلافت کے خلیفہ وقت سلطان عبدالحمید کے بارہ میں لکھا ہے بڑا معیاری قصیدہ ہے زبان کے اعتبار سے کسی مقدم شاعر کی فصاحت و بلاغت سے کم نہیں اس طرح ایک قصیدہ فارسی زبان میں ترکی خلافت کے متعلق ہے۔ اس دور میں علماء دیوبند کا ایک بنیادی نظریہ خلافت اسلامیہ کے ساتھ اتصال تھا جس کے نمائندہ ترکی تھے۔ ایک قصیدہ میں اپنے رفیق شہید حضرت حافظ صنامن کا مرثیہ لکھا ہے اور شجرہ منظرہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ اس مجموعہ میں کچھ قصائد دوسرے اکابر کے بھی ہیں مثلاً مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فیض الرحمن



مولانا محمد یعقوب صاحب کا بھی ایک ایک قصیدہ اس مجموعہ میں شامل ہے۔

## ۲۴. حاشیہ بخاری شریف

آخری پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت نانوتویؒ نے اپنے استاذ محترم مولانا احمد علی سہانپوریؒ کے حکم سے بالکل اسی انداز میں جس طرح حضرت سہانپوریؒ نے لکھا ہے۔ تحریر کیا ہے اور آخری حصہ کے مشکل مسائل کا خوب حل کیا ہے۔

## ۲۵. فتویٰ متعلقہ اجرت تعلیم

جس میں حضرت نانوتویؒ نے دینی تعلیم پر اجرت لینے کے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر محققانہ طریق پر بحث کی ہے۔

## ۲۶. جواب نو کی بتر کی

یہ رسالہ دراصل حضرت نانوتویؒ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپ کے اشارہ اور حکم سے آپ کے قلمیہ حضرت مولانا عبد العلیؒ نے حضرت نانوتویؒ کے افادات سے اور آپ کے طرز استدلال سے آریہ سماجیوں کے ایک رسالہ کے دو میں لکھا ہے۔ رسالہ آریہ سماچار بابت ماہ اساتھ ۱۹۳۶ء بمقامی ۱۲۹۶ھ میں لالہ انند لال آریہ سماجی نے اسلام کے متعلق بعض غلط قسم کے اعتراضات کئے تھے۔ انکا جواب اسی کی زبان اور محاورہ میں دیا گیا ہے یہ قدیم طباحت میں ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ رسالہ بھی بہت سے علمی افادات پر مشتمل ہے۔ اور اس کے عنوانات وغیرہ کا اضافہ اور تیسریل مولانا اشفاق احمد دیوبندیؒ مدرس دارالعلوم نے کی ہے۔ اور براہین قاسمیرہ کے نام سے مجلس معارف القرآن کی طرف سے عمدہ کاغذ و کتابت کے ساتھ دیوبند سے طبع ہوئی ہے۔

## ۲۶. ہدیۃ الشیعہ

۱۲۸۳ھ میں شیعہ کے کچھ اعتراضات کے بارہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایک خط حضرت نانوتویؒ کی طرف لکھا تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر روانہ فرمائیں۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے متفرق اوقات میں ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر ماہ صفر ۱۲۸۴ھ یعنی چند ماہ میں اس کو مکمل کیا اور اس کا نام ہدیۃ الشیعہ رکھا اس کتاب



میں شیعہ حضرات کے تمام اور مابہ الامتیاز مسائل کا ذکر آگیا ہے۔ خلافت، صحابہ کرام کا ایمان مقام شیعوں کا عقیدہ و تقیہ، مباحث فک، وراثت وغیرہ۔ حضرت نانوتویؒ نے قرآن کریم اور وہ احادیث جو اہل سنت والجماعت کی مسلمہ ہیں اور پھر ان روایات سے بھی جو مسلم عند الشیعہ ہیں، تمام اعتراضات کے ایلے مسکت جوابات دیے ہیں کہ ان کے جواب سے ان شار اللہ شیعہ ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ عام فہم اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ اور اس میں منطقی اصطلاحات وغیرہ کا ذکر بھی کم ہے۔ اس سے عام تعلیم یافتہ حضرات بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اور اس کتاب میں ضمناً ایسے عجیب و غریب علمی نکات بیان کئے گئے ہیں جن سے اہل علم کو ایقان و اذعان نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم برحق کو دین قیم کے بارے میں کتنی عظیم سمجھ عطا فرمائی تھی، یہ کتاب اس پر دلیل بین ہے، یہ کتاب پاکستان میں دوبارہ طبع ہوتی ہے پہلی دفعہ کراچی میں۔ پہلی طباعت کے وقت حضرت مولانا محمد اسلم صاحب (سابق خلیف مسجد ہینڈ کوٹ نزد کراچی) نے کتاب میں جا بجا عمدہ مفید عنوانات قائم کئے ہیں جس سے کتاب کی اچھی تبویب و تسہیل ہے اس کتاب کے مضامین و مسائل زیادہ قریب الفہم ہو گئے ہیں ساتھ کتاب کی فہرست بھی مرتب کی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کی دوسری طباعت لاہور میں مکتبہ نعانیہ والوں نے کر لائی ہے۔ بہر حال جو حضرات فرقہ شیعہ کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں ان کے لیے بالخصوص اور عام اہل علم کے لیے بالعموم اس کتاب کا مطالعہ از حد ضروری ہے اور غایت درجہ کا مفید۔

۲۸۔ اجوبہ اربعین

یہ اردو زبان میں پہلی طباعت سے دو حصوں میں تقریباً ڈھائی صد صفحات پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں شیعہ حضرات کے چالیس اعتراضات کے جوابات ہیں۔

مولانا سعید احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے توثیق الکلام کے مقدمہ میں حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا تعارف بھی مختصر طور پر کرایا ہے، اسی ضمن میں حضرت نانوتویؒ کی چند مزید کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

۲۹۔ اجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ (اردو) کسی شیعہ کے پانچ لغو قسم کے



اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

۳۔ مکاتیب قائمی (فارسی)

یہ مسائل سلوک پر چند مکاتیب ہیں۔

۴۔ الحظ المقسوم من قاسم العلوم (عربی)

یہ جثر المذی لا یجزشی کاشیات اور سماع وغنایہ کی تحقیق پر مشتمل ہے۔ حضرت نازتویؒ کے تلمیذ مولانا محمد رحیم اللہ بجنوری کے نام یہ دو مکتوب ہیں۔ جو فیض عربی زبان میں ہیں۔

واللہ اعلم

احقر عبد الحمید سواتی

خادم مدرّسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ماہ شعبان ۱۴۰۱ھ

www.jmmpak.org



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

(طبع اول ۱۲۹۱ھ از ناشر)

بعد حمد خداوند متعال و صلوٰۃ و سلام بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جمیع اصحاب و آلؓ بندہ احقر  
و بے ثبات محمد حیات عرض کرتا ہے کہ ان دنوں بعض عقل کے کچے مذہب کے متزلزل لوگوں نے  
چند سوال شیعوں کی جانب سے پیش کیے، ہر چند کہ یہ مضامین قدیمی اور پرانے تھے جن کے جواب  
بارہا علما اہل سنت و جماعت نے دیئے اور لکھے مگر عادت ان مذہب والوں کی ہے کہ اپنی  
باتوں کو رنگ بدل کر پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ اٹھائیس سوال اسی قبیل کے تھے، جواب  
ان سوالوں کے مشفق و مکرم مولوی عبداللہ صاحب انبٹھوی فرزند رشید مولوی انصار علی صاحب نے  
لکھے تھے زان بعد وہی سوال جناب فخر الاماثل مرجع الافاضل جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی  
کی خدمت میں پیش ہوئے، تو جناب موصوف نے بھی باصرہ احباب قلم برداشتہ ایک روز و شب  
میں اس کے جواب تحریر فرمائے۔ یہ دونوں تحریریں بندہ کو ہاتھ آئیں اور مناسب زمانہ یوں معلوم ہوا کہ یہ گوہر  
بے بہایوں ہی چھپے نہ رہیں بلکہ چھپکے مشتمر ہو جائیں اس لیے اس کی طرز مناسب یوں تجویز ہوئی کہ اول  
سوال لکھا جائے بعد اس کے جواب جناب مولوی محمد قاسم صاحب، اس کے بعد جواب مولوی عبداللہ  
صاحب اور ان جوابوں کا ایک حصہ قرار دیا جائے چنانچہ یہ حصہ اول ٹھہرا اور ان جوابوں کے اخیر میں دونوں جوابوں  
نے چند سوال علماء شیعہ سے کئے ہیں اگر کوئی صاحب اس رسالہ پر کچھ تحریر فرمائیں تو ان سوالوں کے جواب  
لکھنے کی بھی ہمت کریں اور بعد اس کے چند مسائل اور کہ مذہب شیعہ کے اصول و مہمت سے ہیں اس پر کچھ تحریریں مہلانا  
مولوی محمد قاسم صاحب کی ہمارے ہاتھ آئی ہیں اس کو جب اگر کے دوسرے حصہ قرار دیا اب یہ کل جوابات چالیس ہو گئے اور  
اس مناسبت سے نام اس مجموعہ کا اجوبہ اربعین رکھا گیا، اللہ جل شانہ سعی احقر کی مقبول فرمائے۔



## (مقدمہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی  
رسوله سید المرسلین وآله وصحبہ وازواجہ اجمعین

### (سبب تالیف کتاب)

بعد حمد و صلوة کے یہ خادم خاص محمد قاسم اپنے مخدوم و مکرم مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں عرض سلام و نیاز کے بعد عرض پر داز ہے کہ آج بروز چارشنبہ معلوم نہیں تاریخ ۱۶ ہے یا ۱۷ آپ کا والانا مر لاوڑ سے میسر ہے پاس آیا دیکھا تو ایک طور مار کا طور تھا شیطان کے دوسروں کو بھی مات کیا، دیکھ کر دل بہت گھبرایا جی میں کہتا تھا یہ ناگہانی بلا اوقات کھونے کے لیے کہاں سے سر پہ آپڑتی، پھر تسیر حاصل نہ وصول، بیٹوں کی راہ پر آنے کی امید نہیں ابھر دل کاہل کا یہ خیال تھا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب ہی نے ان سوالوں کی اپنی لاجول سے کیوں نہ خبر لی، میں کجا اور دیوبند کجا، مگر کچھ آپ کا خوف کچھ حاجی صاحب کا لحاظ چار و ناچار قدر ویش برجان درویش۔ جب اور وقت فرصت نہ ملی تو اس وقت بعد مغرب لے کر بیٹھا اور اپنے اوقات کے خون پر کمر باندھی، مولانا! میری کم فرصتی کا کچھ حال نہ پوچھئے، صبح کو ۱۲ بجے، شام کو

ملہ دارالعلوم دیوبند کے اول صدر مدرس اور حضرت مولانا نوٹوئی کے استاذ زادہ اور حضرت کے شاگرد بھی۔

مولانا مملوک علی صاحب کے فرزند۔ اس سے مراد حاجی ظہور الدین صاحب ہیں جو سہولت حضرت مولانا نوٹوئی کی خدمت میں لاتے تھے ۱۲۔ ہرگز



دن چھپے پر کیا چھوٹتا ہوں نہ عقل ٹھکانے نہ ہوش بجا میں کہیں، دل کہیں، تپس عقل کی نارسائی  
اور اوپر کی بے سرو سامانی، اور ادھر نامہ بر یعنی حاجی ظہور الدین کو گھر کا یہ شوق کہ کل کے جاتے آج ہی  
جانے کو تیار۔

(استاذ زادہ کی تعظیم و فرمانبرداری۔)

بہر حال یہ آپ ہی کا ارشاد ہے کہ مجھ سا کاہل باوجود هجومِ موال اور گم گشتی سامانِ کتب  
اس ناامیدی پر کہ سائل کو خدا ہی راہ پر لائے تو آئے، قلم اٹھاتا ہوں اور بنام خدا جو کچھ خیال نارسا میں  
گزرنا ہے لکھتا ہوں۔ پر یہ ڈر ہے کہ قلم کی باگ چھوڑ دیکھئے تو پھر دیکھئے کب انتہا آتی ہے، اور  
روکے تو کہاں تک روکے۔ اس شش و پنج میں بارہا یوں خیال آتا ہے کہ مولانا اس ناکارہ کو مٹانا  
رکھتے تو بہت مناسب تھا اور انصاف سے دیکھئے تو میری دانشگری بجا بھی ہے آپ کے ہوتے  
میری کیا ضرورت؟ اور اگر آپ کو فرصت نہ تھی تو مولوی عبدالحق مولوی عبداللہ مولوی محمد حسن  
مولوی فخر الحسن مولوی خلیل احمد مجھ سے کس بات میں کم تھے، پھر آپ کی (طرف) اصلاح ہو  
جاتی تو چاندی کا سونا بن جاتا، (ان علماء کے سامنے) قاسم کیا بکنے لگا۔ مولانا آپ کا ارشاد برسر  
یہ اپنی کیفیت بہ اختیاری کا بیان تھا، امثال میں بندہ نے چوں تک نہیں کی ریگڑ تاغی  
نہیں آپ کے اخلاق پر ناز تھا۔

(ضدی ہٹ و صرم کی اصلاح نہیں ہوتی۔)

دیکھئے یہ آپ کا خادم سرزیرِ بانیاز رکھ کر بسم اللہ کرتا ہے، خادم من! مجھ کو امید نہیں  
کہ سائل راہ پر آئے، انداز سوال کہے دیتے ہیں کہ یہ اوپر کی بات نہیں اس میں تہ دل کا ملاوٹ ہے  
ہاں خدا کو سب قدرت ہے ورنہ اپنا تجربہ اور پُرانے افسانے سب اسی بات پر شاہد ہیں کہ  
جیسے کنواں تو ایک پیشاب کے قطرہ سے ناپاک ہو جاتا ہے، اور قطرہ پیشاب بہت سے پانی  
مثل دریا سے ملے تو پاک ہو، ایسا ہی اہل اسلام کے بگڑ جانے کے لیے تو ایک قطرہ بھی کافی  
ہے، اور اہل خطرہ بہت سے لائحہ عمل سے بھی درست نہیں ہوتے۔



(اہل تشیع اور بنی اسرائیل میں مشابہت تامہ)

بنی اسرائیل کو دیکھتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا احسان کیے۔ راہ اسلام تعلیم کیا سو کیا! فرعون کے کس عذاب کے بچایا، تپہ تسلیم احکام میں کس قدر تین پانچ کرتے تھے پہاڑوں کو اٹھا اٹھا کر ان کے سر پر علق کر دکھایا، اور گرنے سے ڈرایا تب کہیں انہوں نے احکام کو تسلیم کیا۔ مخدوم من! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیسے کیسے معجزے دیکھتے تھے، اور باخبر نہ ہوتے تھے، ہاں سامری نے ایک کرشمہ دکھایا اور سب کو گمراہ کر دیا۔ اس کرشمہ اور ان معجزوں کو کیا نسبت؟ غور سے دیکھئے تو یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل تھا۔ نہ حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کے ان کی مدد اور حفاظت کے لیے آتے، نہ ان کے گھوڑے کی خاک پا سبز ہوتی، نہ یہ تاثیر دیکھ کر سامری اٹھا کودتا، نہ یہ کرشمہ دکھاتا، غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات عظیمہ کہ کسی نبی کے ہوئے ہوں گے، کجا، اور یہ کرشمہ ظاہری کجا، کہ دھوکہ ہی دھوکہ تھا، اور وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل، پچھتہ سپر ان معجزات کا کچھ اثر نہ ہوا، پر اس کرشمہ پر سارے بنی اسرائیل باوجودیکہ بنی زاوے تھے، قدیم کے مسلمان تھے، نیک بد، پھلے بڑے کو پہچانتے تھے، لٹو ہو گئے اور ایمان کھو بیٹھے،

مولانا یہاں بظاہر یہی نظر آتا ہے سامریان شیعہ کی یہ دھوکہ بازی جتنا کام کر گئی ہے، میرے جوابات دندان شکن سے وہ امید نہیں۔ ہاں یہ بھی امید نہیں کہ ظاہر شیعہ ہیں اگر کچھ حیا ہو تو پھر اس طرف کو منہ بھی کریں۔

(اٹھائیس سو سوال دراصل ایک ہی سوال ہے)

مولانا! ہر چند سوالات مسئلہ دیکھنے میں اٹھائیس ہیں، پر اہل فہم جانتے ہیں کہ وہ حقیقت میں ایک سوال ہے، مطلب سب کا فقط اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑائی ہے اور اس کی ویسی مثل ہے جیسے کسی حجام نے کہا تھا: اتا و حجام نائی میں اور میرا بھائی گھوڑا اور گھوڑے کا بچھیرا غلام کو آپ جانتے ہیں: سو جیسے اہل فہم کے نزدیک حجام کی یہ جھڑپ ایسی نہیں کہ اس پر کان نہ کھئے، ایسے ہی اہل عقل کے نزدیک شیعوں کی یہ دھوکہ بازی اس قابل نہیں کہ فریب کھائے، پر کیا کیجئے عقل بہت دن ہوتے اٹھ گئی، کوئی کوئی صاحب عقل نظر



آئیں۔ ناچار پیاس خاطر اپنا روزگار اول ایک جواب اجمالی معروض ہے بعد ازاں تفصیل وار ہر سوال کا جواب عرض کروں گا آپ تو سمجھ ہی گئے ہوں گے، کہ جواب اجمالی کس کے لیے ہے اور جواب تفصیلی کس کے لیے، پر میں بھی اوروں کو جاننے کے لیے بتاتے جاتا ہوں، مخدوم من! جواب اجمالی تو فقط اہل عقل اور انصاف کے لیے ہے، جن کی بصیرت و دانش تیز اور سینہ صاف ان کے حق میں ان اٹھائیس ستاروں کی کھٹ کھٹ کے سامنے وہ اجمال ایسا ہوگا کہ انشاء اللہ جیسے لوہار کی ایک، اور جوابات تفصیلی ان کے لیے ہیں جن کو عقل سے بہرہ نہ منہم سے مطلب اب فلم کو بہت تمام تمام کر مختصر مختصر عرض پر داز ہوں۔

(سب کا اجمالی جواب: ہم اول جواب اجمالی ہے حاصل ان سب سوالوں کا اگرچہ بادی النظر میں جدا جدا معلوم ہوتا ہے بلکہ ساوہ لوح تو یوں سمجھتے ہوں گے کہ یونہی اتفاقی باتیں ہیں، لیکن موافق مصرعہ مشہور ہے)

ہم خوب سمجھتے ہیں تیرے بھید کی باتیں

سوالات مذکورہ کا مطلب ہم سے پوچھنے والے کو نہ حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلب ہے نہ کسی کے اجماع سے غرض، اس کو اپنے مطلب سے مطلب ہے، غرض اصلی اس کی فقط یہ ہے کہ مستحق خلافت فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اور لوگ زبردستی خلیفہ بن بیٹھے، ان پر ظلم کیا، اور اس ظلم کا بار اپنی گردن پر لیا، بایں ہمہ وہ لوگ خطا وار، گنہگار، منافق، بے دین، بد آئین، بے وفا، سراپا دغا، دل کے نامرد، نیتوں کے خراب تھے (معاذ اللہ) اگر بالفرض والتقدیر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے، اور کسی کا خلیفہ ہونا جائز بھی ہوتا، تو ایسے اوصاف والوں کا خلیفہ ہونا تو پھر بھی جائز نہ ہوتا جس نے ان سوالات کو لکھا ہے اس کی غرض اس کو تو معلوم ہی ہے پر جس نے غور سے دیکھا ہوگا وہ بھی سمجھ جائے گا۔ کہ مطلب اصلی یہی ہے، اور سب باتیں ہیں۔ اب ہماری بھی سنئے، سائل نے کچھ صراحتہ کچھ کنیہ اصحاب کرام حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً اصحاب ثلثہؓ پر اعتراض کئے، اور پھر ان میں کوئی دلیل ایسی نہیں، کہ جو کلام اللہ سے ماخوذ ہو، بلکہ فقط چند شبہ ہیں، جن کا جواب عاقل کو تو بے تامل اور کم عقل کو کھڑے سے تامل کے بعد معلوم ہو جاتا ہے۔



(صحابہ کرام کی تعریف میں چار واضح ترین آیات)

پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریفیں عموماً اور خصوصاً کلام اللہ میں اتنی ہیں کہ گنیے تو اٹھائیس سو سوالوں سے (کسی گن) زیادہ ہوں گی، سب کی تو گنجائش نہیں، پر بمقدار عدد چار یا چار ایتیں شائقوں کے لیے منقول ہیں۔ اول (پہلی آیت)

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (پہلے ۲۷) حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ اول ہجرت میں سبقت کرنے والے اور انصار اور جن لوگوں نے ان کی خوبی اور احسان سے پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور ابھی سے تیار کر رکھی ہیں ان کے لیے جنتیں جن کے نیچے سے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے۔ یہ بڑی مراد ہے؟

اب دیکھئے اللہ تو بشارتیں آیت مسطورہ ان سے ایسا راضی ہوا کہ خدا اس کا ہزاروں حصہ ہی اوروں کے نصیب کرے۔ یہ سائل اور حضرات شیعہ تپس راضی نہیں کہیے یہ وہی کُفے کی ایک ٹانگہ ہے کہ نہیں؟

دوسری آیت

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (پہلے ۲۷)

اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر گئے، اور جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کیا، وہ لوگ سب میں بڑے درجے والے ہیں۔

اللہ کے نزدیک اور اہل مراد کو وہی پہنچے ہیں بشارت دیتا ہے انکو ان کا رب اپنی رحمت کی اور اپنی فضل مندی کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لیے ہمیشہ کی راحت اور نعمت ہے اور پھر وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

اس آیت سے صاف روشن ہے کہ مہاجرین اولین کے برابر اس امت میں کسی کا



رتبہ نہیں، اس میں کوئی ہوں امام ہوں یا امام زادے پھر پس شیعہ بارہ کے بارہ اماموں کو اوروں سے افضل بتاتے جاتے ہیں اور اس پر بھی بس نہیں کرتے فوارہ لعنت بن کمر اپنی عاقبت رہی سہی بھی خراب کر لیتے ہیں۔

## تیسری آیت

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَالِمُونَ  
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝  
الَّذِينَ  
أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن  
يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ

ترجمہ اس کا یہ ہے، ہماری طرف سے ان لوگوں کو بھی اجازت ہوئی، جن سے کفار قتل کیا کرتے تھے کیونکہ وہ ظالم تھے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ کون لوگ ہیں جن کو بے قصور ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، فقط اتنی بات پر کہ وہ یوں کیوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

رپا حج ۱۸

پھر اس کے بعد انہیں لوگوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّا هُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا  
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِأَلْمَعْرُوفِ  
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (ایضاً)

یعنی وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین کا بادشاہ بنائیں تو وہ اوروں کی طرح عیش و عشرت میں نہ گزاریں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے، نیک باتوں کا حکم کریں گے نہی باتوں سے منع کریں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کامل، مکمل اور مادی معنی میں بذات خود تو ایسے کہ عبادا برنی اور مالی دونوں میں پورے، اور ان کے لیے ہادی ایسے کہ بھلے کام سے چوکنے نہ دیں، اور بڑے کام کے پاس پھسکنے نہ دیں، دیکھئے خدا تو مہاجرین کی نسبت علی العموم لیاقت خلافت کی گواہی دے، پر حضرات شیعہ کی کچھری میں خدا کی بھی نہیں سنتے یہ بھی اندھیر نہیں تو پھر کب ہوگا، خلافت اور امامت میں سوا اس بات کے کہ آپ بذات خود خلیفہ اچھا ہو اور رعیت کا ہادی ہو اور کیا ہوتا ہے نبی کا یہی کام ہے، خلیفہ اور امام کا کام کیوں نہ ہوگا۔ ورنہ پھر نیابت کا کیا معنی؟

## چوتھی آیت

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ

اس کا ماسل یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں



عَلَى الْكُفَّارِ نَحْمًا بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا  
سُجَّدًا يَسْتَغِيثُونَ فَضَلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

(پہلا فتح آفری آیت)

اور ان کے ساتھی اور ساتھ والے کافروں پر سخت، آپس میں  
جمل جب دیکھتے رکوع میں ٹھکے ہوئے سجد میں پڑے ہوئے لاپے کپڑے  
اللہ کا فضل اور اس کی رضا کی طلب رکھتے ہیں۔

اس آیت کو دیکھئے تو صحابہؓ کے ایمان کی جدی تعریف، نعمتوں کی جدی تعریف، اعمال  
کی جدی تعریف کرتے ہیں بشہادت احادیث ایمان تو اس سے زیادہ نہیں کہ خدا کے دوست  
اپنے دوست ہو جائیں اور خدا کے دشمن اپنے دشمن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔  
مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَالْبَعْضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَ  
مَنْعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ۔  
یعنی جس نے کسی سے خدا واسطے محبت کی اور خدا  
ہی کے واسطے بغض رکھا، اور خدا ہی واسطے دیا، اور خدا  
ہی واسطے رکھا، اور خدا ہی واسطے رکھا، اور خدا ہی واسطے رکھا۔

سو کوئی صاحب انصاف کے فرمائیں کہ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ دُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا  
یہی خلاصہ ہے یا نہیں، پھر نیت اس سے بڑھ کر مقصود نہیں کہ طالب رضا ہو عمل اس سے  
زیادہ کیا ہو گا کہ شب و روز نماز ہی سے مطمئن ہے، اس پر بھی حضرات شیعہ کو پسند نہ آئیں تو  
یہ معنی ہوئے کہ (معاذ اللہ) جو سب میں بڑا کافر اور بڑا کاکار زٹدی باز شراب خوار ہو۔ وہ قابل  
خلافت اور امامت ہے۔

(صحابہ کرامؓ کو نہ ملنے سے تمام دین ختم ہو جاتا ہے۔)  
ان آیتوں کے بعد یہ عرض ہے کہ صحابہؓ نے جو کچھ کیا، بجا کیا یا بجا؟ ابو بکر صدیقؓ کو  
خلیفہ بنایا پھر حضرت عمرؓ کو پھر حضرت عثمانؓ کو پھر حضرت علیؓ کو اگر یہ ترتیب حسب مرضی  
شیعہ ہے تو فہم اور نہ یہ معنی ہوئے کہ صحابہؓ نے ظلم کیا، دین محمدی میں رخنہ ڈالا جن سے ہدایت  
مقصود تھی ان کو دم نہ مارنے دیا، جنہوں نے نیا دین نیا آئین کر دیا، وہ مسند خلافت دبا بیٹھے،  
باقی ان کے معین اور مددگار ہو گئے اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک عاقل سے لے کر  
دیوانہ تک یہ بات جانتے ہیں کہ جیسے ہدایت کے برابر کوئی عبادت نہیں اسی وجہ سے  
انبیاءؑ سب میں بڑھ کر ہے ایسے ہی گمراہ کر دینے کے برابر کوئی گناہ نہیں اس لیے شیطان کو  
یہ منصب سپرد ہوا، سو در صورتیکہ (بزرگم شیعہ) ترتیب معلوم غلط اور خلفاء ثلاثہ ظالم اور بدین



اور باقی صحابہؓ ان کے مددگار، تو یہ معنی ہوں کہ نعوذ باللہ خدا نے اخوان الشیاطین کی اتنی تعریف کی جو اولیاء کو بھی نصیب نہیں۔

اب حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ خدا کے قول و قرار کا اعتبار ہے، یا حصول چوک اور تفتیش کا احتمال ہے، اگر خدا کو خدا اور کلام اللہ کو کلام اللہ سمجھتے ہو تو ایمان لاؤ اور شیطان کے وسوسوں پر نہ جاؤ ورنہ اپنا کہیں اور ٹھکانا بناؤ۔

صاحبو! بندہ نے کلام اللہ کا حوالہ دیا ہے کسی پنڈت کی پوچھتی کا اشلوک، نہیں پڑھا ہے، تیسرا اگر بوجہ و سادس معلوم تر دو ہے، تو ہم جانیں کہ خدا کا بھی اعتبار نہیں، پر یوں ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں، الغرض سائل کے اعتراض ہم پر نہیں خدا پر ہیں آگے تیچھے وہی جواب دے دیں گے، ہاں اگر یہ مطلب ہے کہ کلام اللہ پر ایمان اور صحابہؓ کے اعتقاد سے سرے پائیک مسموم ہیں پر بطور تحقیق عرض سوالات ہے یہ عرض نہیں کہ دل کے پھپھوٹے پھوٹے اور سوال کے پردہ میں طعن تو ٹیپے، بہت سے سوال کہہ بیٹھے کسی سنی کو کیا غرض پڑی ہے کہ اپنے اوقات کو خراب کرے گا انکے سوالوں کے جواب میں کتاب کی کتاب لکھیں گا تو آپ کی تسکین دو باتوں میں ہوتی جاتی ہے۔

(حضرت موسیٰ و خضر کے واقعہ میں مشاجرہ صحابہؓ کے طعن کا ازالہ یقینی ہے)

سورہ کہت میں سولہویں پارہ کے شروع میں دیکھئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کا سفر نامہ بطور ہے۔ دیکھئے حضرت خضرؑ نے کشتی کو توڑ ڈالا پھر کشتی بھی کس کی جنہوں نے بے یلے دیے سواریا، دریا سے پار کیا۔ کیا یہ بھی کوئی قصور ہے کہ بے وجہ ان کی کشتی توڑ ڈالی؟ اب آگے چلیے۔ آگے بڑھے تو کیا کیا۔ ایک بیگناہ نابالغ لڑکے کو ذبح کر ڈالا گناہ نہیں قصور نہیں؟ کسی کا خوبصورت بچہ یا کھیل ہی رہا تھا یا سر کریں ہے، دھڑکیں ہے۔ دیکھئے یہ افعال حضرت خضر جن میں سر مو شاہ گناہ نہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کی سمجھ میں نہ آئے عقل کیسی کچھ، نور نبوت کس قدر تیسرے حضرت خضر کے پاس گئے، تو خدا کی تعریف کے بعد گئے، مگر بائیں جہہ صواب کو خطا اور فعل نیک کو گناہ ہی سمجھے، جب خضر نے بتلایا تو جاننا کہ کشتی کا توڑ ڈالنا ہی کشتی والوں کے حق میں اچھا تھا اور نہ تیچھے سے کشتیوں کی پکڑ تھی۔ اگر صحیح سالم دیکھتے تو حاکم کے پیادے کھینچ دیتے



بیچائے علاج اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھے، ایسے ہی طفل مقتول اگر جوان ہوتا، تو جیسے شیر بھیڑیے سانپ کا بچہ بعد جوانی اپنے ہی اطوار کی سنتا ہے، یہ بھی اطوار کھنڈ اختیار کرتا، اور ماں باپ کو بھی کافر بنا ڈالتا، سو جیسے سانپ، شیر، بھیڑیے کے بچوں کا قبل جوانی ہی مار ڈالنا مناسب ہے، ایسے ہی اس اس لڑکے کا مار ڈالنا بھی مناسب تھا اس صورت میں گو کسی قدر اس کے ماں باپ کو رنج و فراق کا صدمہ ہوا ہو پر ان کے حق میں یہ رنج ایسا ہو گیا جیسے بھوٹے میں نشتر مار کر جراح جب پیپ نکالتا ہے تو تکلیف تو ہوتی ہے، پر ہمیشہ ہمیشہ کی تکلیف کے عوض اول تو اس تھوڑی تکلیف پر ٹپکتی ہے، پھر جب مادہ فاسد نکلتا ہے، تو اس کی جگہ اچھا مادہ پیدا ہوتا ہے، اور تولد مادہ فاسد موقوف ہو جاتا ہے، ہاں تا دم بقار مادہ فاسد البتہ امید تولد مادہ صالحہ نہیں، سو یہاں بھی بعد مقتول ہو جانے طفل مذکور کے اس کے ماں باپ کو ایک دختر صالحہ ملی جس سے ایک بنی پیدا ہوا، ہاں اگر طفل مذکور نہ مارا جاتا تو پھر تولد نبی کی کوئی صورت نہ بنتی،

(صحابہ کرامؓ کی تعریف خدا نے قرآن میں بار بار کی ہے۔)

بالجملہ حضرات شیعہ کو اگر کلام اللہ کا اعتبار اور خدا کے قول و قرار پر اعتماد ہے۔ تو حضرات صحابہؓ کے اسی طرح معتقد ہو جائیں، جیسے خدا کے کہنے سے اپنی سمجھ کو ایک طرف طاق میں دھر، حضرت خضر کے معتقد ہوئے۔

تمہیں کہو اگر خداوند کریم حضرت خضر کی ان باتوں کی حندی کی حندی نہ بتلا دیتا، تو پھر حضرت خضر سے زیادہ بڑا کون تھا، پھر جب خدا کا اتنا اعتقاد ہے کہ حضرت خضر کے ایسے ایسے فعلوں کے معتقد ہوئے، تو صحابہؓ مہذبی کے تو اس سے زیادہ ہی ہونا چاہیے۔ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی اس میں تعریف کہ ان کی خوبی حضرت ہی کا فیض صحبت سمجھا جائے گا، ورنہ تم ہی کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو کوئی کیا کہے گا، عجب صاحب تاثیر تھے جن سے ساری عمر پانچ چار سے زیادہ مسلمان نہ ہومئے اور ہوئے بھی تو ایسے دنیا دار کہ خدا پناہ میں رکھے، دوسرے خدا کی بابت بھی بنی ہے گی، ورنہ آپ کی ان عیب چینوں سے خدا کا بھی اعتبار نعوذ باللہ نہ ہے گا، اور کیا رہا ہے، خدا نے خضرؑ کی تعریف میں فقط اتنا فرمایا ہے۔

عَبْدُ امْنٍ عِبَادِنَا اَتَيْنَاكَ بِحَمْدِكَ مِنْ عِنْدِنَا وَكَلَّمْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا عَلِمًا جَسَّاسًا فَحَقَّ



یہ ہے کہ ایک بندہ تھا ہمارے بندوں میں سے، جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی، اور اپنے یہاں سے علم تعلیم کیا تھا؛

سو انصاف کر کے تم ہی فرماؤ کہ صحابہؓ کی ان تعریفوں سے جو اوپر، مذکور ہوئیں، ان دو باتوں کو کیا نسبت، پھر اگر اپنی غلط فہمی سے عار لگتی ہے، تو اول تو تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ نہیں، وہ کچھ کا کچھ سمجھ گئے، اگر تم اٹا سمجھ گئے ہو تو کیا قیامت ہے تیسرا اگر تسکین نہ ہو، تو خدا کے اعتبار کے بھروسہ انہی روایات کی تکذیب کریے، جن سے خطائے صحابہؓ سمجھ میں آتی ہے، اور ان روایات کے بھروسہ سے خدا کی تکذیب تو کچھ ثواب کا کام نہیں، یہاں تک تو جواب اجمالی تھا اور اہل انصاف کو اس کے بعد انشاء اللہ اور کسی بات کی جانب سے پھر شک نہ ہوگا۔

ہاں کچھ فہمان نا انصاف کا جواب، جن کی بات وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہو، ہم سے نہیں دیا جاتا، موافق مثل مشورہ گوہ کی دار و موت "خوارج سے اپنی تسکین فرمائیں، ہم کس کو بھلا کہیں کس کو بُرا۔

(صحابہ اہل بیت رضی اللہ عنہم دونوں کی تعظیم فرض ہے)

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرامؓ کے حق میں تو دونوں مثل چشم و گوش قابل اتباع ہیں، ان کی محبت ان کا اعتقاد ایمان کے لیے واجب ہے (اڑنے والے) جانور کے دو پر اڑے تو دونوں سے اڑے اور ایک بھی نہ ہو تو گر پڑے، صاحبو! حضرات شیعہ اور اہل سنت کا مقابلہ ایسا ہے، جیسے، نصاریٰ اور اہل اسلام کا مقابلہ۔ ہم تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معتقد ہیں، جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کی نبوت کے مقرر انہیں برا کہہ سکیں نہ ان کو، پر نصاریٰ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گستاخیاں کر اپنے اعمان انہوں کی درستی کر لیتے ہیں، ایسے ہی اہل سنت کو تو ایک سے ایک زیادہ، سبھی کے غلام، سبھی کے ثنا خواں، پر شیعہ حضرات صحابہؓ کی نسبت وہی عمل کرتے ہیں جو یہود و نصاریٰ بہ نسبت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے ہیں۔ اب یہاں سے جوابات تفصیلی بہ ترتیب



## سوال اول از جانب شیعہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے کوئی حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا نہیں؟  
جواب: حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے لیے حکم خدائے تعالیٰ اور حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہونے، پر فہم کی ضرورت ہے، ورنہ کج فہمی ہے تو اس کے جواب کے لیے یہ شعر پیش فرماتا ہے۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

(حکم) خدا کا حوالہ مطلوب ہے تو لیجئے، خلافت کے لیے افضل ہونا افضل ہے، میا نجیو کا خلیفہ بھی وہی ہوتا ہے جو اس کا شاگرد رشید ہوتا ہے، نبی کے خلیفہ میں یہ بات بدرجہ اولیٰ چاہیے، اور میا نجیو اور لڑکوں کی مثال کی اس لیے ضرورت ہوئی کہ حضرات شیعہ کی عقل لڑکوں سے کچھ کم نہیں، شاید اگر سمجھیں تو مکتب کی بات سمجھ جائیں، بہر حال خلیفہ کا افضل ہونا افضل ہے، سو حضرت ابوبکر صدیق کا افضل ہونا، دو طرح سے ثابت ہے، اور تنگی وقت اور جواب کا تقاضا نہ ہوتا تو شاید ہم اور بھی عرض کرتے پر اب دو ہی باتوں پر ملتے ہیں۔

(افضلیت صدیق اکبر پر دو قرآنی دلیلیں)

ایک یہ کہ بشادۃ آیت اِنَّا اَكْرَمُكَ عِنْدَ اللّٰهِ اَلْقَكَّةُ سب میں افضل وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو، پھر سورۃ والیل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں آپ ہی ارشاد فرماتے ہیں وَ سَيُجَنَّبُهَا الَّذِي يُوْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ بچایا جائے گا بھڑکتی ہوئی آگ سے وہ شخص جو سب میں زیادہ متقی ہے کون؟ جو اپنے مال کو پاک ہونے کے لیے دیتا ہے، کسی کے احسان کا بدلہ نہیں، یعنی حضرت بلالؓ کا آزاد کرنا محض لٹہ ہے۔ خدا کے لیے ہے، حضرت بلال کے کسی احسان کا بدلہ نہیں،



تطویل سے ڈرتا ہوں، ورنہ میں بہت کچھ اس میں انشاء اللہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا، پھر کیا کروں،  
 اور حرم راج، اور حرم آپ، فقط اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ کوئی حدیث ہو تو بتلاؤ، سو میں نے آیت بتلائی،  
 ہاں یہ بات باقی رہی کہ یہ آیت ان کی شان میں ہے کہ نہیں؟ سو اس کی تصدیق کے لیے ساری  
 تفسیریں موجود ہیں اور بھی نہیں، تو بیضاوی یا تفسیر عزیزی منگا دیکھئے، باقی آپ نے یہ تخصیص ہی  
 نہیں کی کہ حدیث ہو تو کن کی ہو، اور ظاہر بھی ہے، آپ ایسے دیوانے نہ تھے جو تخصیص کرتے  
 حضرت صدیق کے فضائل اگر ہوں گے تو سنیوں ہی کی کتابوں میں ہوں گے اور یہ نہیں تو پھر  
 آپ ہی فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، ہندوؤں کی پوختیوں اور یہود و نصاریٰ  
 کی کتابوں سے کیونکر نکالے گا، یہ بسط و تفصیل کہاں ہے علیٰ ہذا القیاس فضائل مرتضوی  
 سنیوں اور شیعوں کے اوکس کے پاس ہیں۔

دوسری آیت جو صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر دلالت کرے وہ یہ ہے۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخَذَ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيًا أَثْنَيْنِ إِذْ هَا فِي الْعِلْدَانِ  
 إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا  
 فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ  
 لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 السُّفْلَى وَكَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ  
 عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورہ توبہ ع ۶)

حاصل یہ ہے اگر تم ہمارے رسول کی مدد نہ کرو گے تو  
 کیا ہوگا اللہ نے ایسے وقت اس کی مدد کی ہے جس وقت  
 اس کو کافروں نے نکال دیا تھا جس حال میں کہ ایک وہ تھا  
 اور کیا اس کے ساتھ میں فقط اور تھا جب کہ دونوں غار  
 میں تھے، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غلغلہ  
 مت ہو، اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اپنی  
 تسلی اس پر نازل فرمائی اور ایسے لشکروں کی تائید کی جو تم نے

نہیں دیکھے اور اللہ نے کافروں کی بات پیچی کر دی اور اللہ کا بول بالا ہے۔

اس میں دیکھئے حقائق و دقائق تو بہت ہیں، پر عرض مختصر یہ ہے کہ اللہ نے ان اللہ معن  
 فرمایا۔ اللہ معی و معن نہیں فرمایا، اس سے صاف ظاہر ہے، پر آنکھیں نہ ہوں تو کیا کیجئے  
 کہ جس طرح کی معیت خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ  
 کے شیعہ تفسیر مجمع البیان ص ۱۱ میں ہے ومعناہ فقد نصرہ اللہ منفرداً من کل شیء الذی ابی بک۔ یعنی اللہ

تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد بجز ابو بکر کے ہر ذریعہ سے الگ کر کے فرمائی۔ ۱۲ حافظ مہر محمد۔



کے ساتھ کھتی ہاں اگر دونوں لفظ ہوتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ یہ اور قسم ہے وہ اور قسم اس صورت میں بجز اس کے ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کا مقام برابر برابر ہو یا اوپر نیچے بہر حال فاصلہ کی گنجائش نہیں سو برابر ہی تو ممکن نہیں یہی ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرحد اسفل اور صدیق اکبر کی سرحد اعلیٰ دونوں ملے ہوئے ہوں سو ظاہر ہے کہ اس صورت میں حضرت ابو بکر کا رتبہ اور تینوں سے بلند ہو گا۔ یہ دو آیتیں تھیں۔ اب حدیث سن لیجئے۔

(حدیث سے صدیق اکبر کی افضلیت پر تین دلیلیں)

(پہلی دلیل) پر پہلے سن لیجئے کہ کلام اللہ و حدیث میں یہ کہیں نہیں کہ ماں باپ کے جوتیاں مت مارو و ماں یہ ہے کہ قُلْ لَّعَلَّ لَّهْمَا أَفْ وَلَا تَنْهَرُهَا۔ یعنی ماں باپ کے رو برو آف بھی مت کر، اور جھڑک بھی مت۔ مگر عاقل اتنی بات سمجھ جاتا ہے کہ جوتیاں مارنا بدرجہ اولیٰ منع ہے، ہاں دینداران شیعہ بوجہ کم عقلی کچھ متامل ہوں تو ہوں، مگر ہم جانتے ہیں وہ بھی نہ ہوں گے، ایسا بھی عقل کا قحط پڑ گیا، بہر حال ایسا ہی صدیق اکبر کی خلافت کو بھی سمجھئے، یعنی قریب وفات حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو امام نماز بنایا، ہر عاقل نے پہچان لیا کہ جو دین کا امام ہو یعنی نماز پڑھائے وہی دنیا کا امام یعنی خلیفہ وقت بھی وہی ہو گا۔ کیوں کہ شیعوں کے طور پر تو سوائے اشرف و افضل کسی اور کا امام بنانا جائز نہیں اور سنوں کے نزدیک گوجا بز ہے پر افضل یہ ہے کہ افضل ہو تو سپر اس اہتمام سے کہ اور لوگ اوروں کے بلے کہیں، اور آپ باہر تمام صدیق ہی کو نماز پڑھانے کو فرمائیں، اب حضرات شیعہ انصاف فرمائیں، مرتے وقت تو عام لوگ بھی خوف خدا کرتے ہیں، کسی کا بار اپنی گردن پر نہیں لیجاتے اگر امامت حضرت علیؑ کا حق ہوتا تو اور کوئی دلاتا یا نہ دلاتا، پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ بھی ایسے وقت میں ضرور ان کا حق دلا کر جاتے۔

حضرات شیعہ کچھ تو انصاف فرمائیں، جیسے جوتیوں کی نسبت صاف ممانعت سے یہ زیادہ ہے کہ اف کرنی اور جھڑکنے سے منع فرمایا، ایسے صاف خلیفہ بنا دینے سے یہ زیادہ ہے کہ ان کو امام عام مقرر کر دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ حضرت علیؑ ہمیشہ ان ہی کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور اگر بالفرض یہ آیتیں اور یہ حدیث نہ بھی ہوتی تو کیا تھا، خلافت کے لیے وحی کی



ضرورت نہیں، فقط اتنی بات دیکھ لینی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں اور مریدوں میں کون زیادہ لائق ہے کہ یہ بات توہ معاملات سے اسی طرح معلوم ہو جاتی ہے، جیسے کسی کا بڑا عالم ہونا یا بڑا حکیم ہونا، یا بڑا اسیادہ ہونا، علیٰ ہذا القیاس چونکہ یہ بحث جو بات سوالات اربعہ میں کسی قدر بسط سے لکھ چکا ہوں، اور وہ بھی ساتھ ہی مرسل ہیں تو یہاں اتنے ہی پر اکتفا لازم ہے۔ عرض ایک جواب تو فقط جواب ہی ہوتا ہے، اور ایک جواب با صواب، جس کے مرہلو سے اطمینان ہو، سو امام بنا دینا خلیفہ بنائینے سے زیادہ ہے، علیٰ ہذا القیاس ایک حکم تو فقط حکم ہی ہوتا ہے، اور ایک اصل مطلب بڑھا کر کہا کرتے ہیں جیسے لَا تَقْلُدْ لَهُمُ آفَ سُوِيہ نماز کا امام بنا دینا بھی ایسا ہی ہے۔

(دوسری دلیل)

علاوہ ازیں بخاری شریف میں ایک حدیث ہے اس کو سب کو نہیں مکتھا پر بقدر ضرورت اس میں سے ایک جملہ منقول ہے۔

لَقَدْ هَمَمْتُ إِذَا أُرْسِلَ إِلَيَّ أَلْبِسُ قَابِئَهُ وَأَعْهَدُ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَوْ يَتِمَّنِي الْمُتَمَنِّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَا بِي اللَّهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ أَوْ يَدْفَعُ اللَّهُ وَيَا بِي الْمُؤْمِنُونَ۔

حاصل معنی یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تحقیق ارادہ کیا تھا میں نے اس بات کا کہ ابوبکر صدیق ادا ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد و پیمان کر دوں تاکہ کل کو بولنے والوں کو کچھ گنجائش نہ رہے اور کسی تمنّیٰ والے کو تمنّانہ ہو پھر میں نے کہا اللہ اور اہل ایمان دونوں سوائے ابوبکر کے اور کسی کے روادار ہی نہ ہوں گے۔

(بخاری ج ۱ ص ۸۴)

اور بخاری اور مسلم میں اس حدیث کی دوسری روایت میں بجائے لفظ اعهد الخ اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن و یقول قائل اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لکھنا منظور تھا، پر یوں سمجھ کر کہ نہ خدا کو اور کوئی پسند آئے گا نہ مسلمانوں کو، آپ چپ ہو رہے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس روز آپ نے قلم دواست منگایا، اور بزعم شیعہ حضرت عمر مانع ہوئے، کتابت خلافت صدیقی منظور تھی، پھر نہ جانے شیعہ کیوں بڑا مانتے ہیں اگر شکایت ہو تو سنیاں صدیقی کو ہو، شیعوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داد دینی چاہیے کہ دنا دہی سے پہلے



ہی حق مرقضوی ادا کیا۔

باقی اس کا جواب کہ حضرت نے منع کیا ہے یا نہیں، اور بجا کیا یا بجا آگے آتا ہے۔ یہاں فقط اس قدر قابل عرض ہے کہ یہ فرمانا کہ میں لکھ دیتا پر کچھ حاجت نہ دیکھی خلیفہ کو دینا ہے یا نہیں؟ (تیسری دلیل)

دوسری حدیث بھی بخاری اور مسلم ہی کی لیجئے۔

عن جبیر بن مطعم قال أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة فكلمته في شئ فامرها أن ترجع إليه قالت يا رسول الله أدبنا أن جئت ولدك قال إني كاذها تعني الموت قال فإن لم تجدني فإني أبا بكر  
حاصل معنی یہ ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کسی بات میں آپ کے کچھ عرض کی آپ نے فرمایا پھر آنا اس نے عرض کیا اگر آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کا انتقال ہو جائے آپ نے فرمایا ابو بکر کے پاس آنا۔

مسلم ص ۲۴۳ بخاری ص ۵۱۶ ترمذی ص ۲۰۸

اب آپ ہی فرمائیے یہ خلیفہ بنائے سے زیادہ ہے یا نہیں؟۔ غرض اس قسم کے اور بہت ہیں، جو آپ کی خلافت پر دلالت کرتے ہیں، اور وقت استخلاف صدیق اکبر، صحابہ کو ملحوظ ہے، شوق ہو تو کتاب ازالة الخفا کو ملاحظہ فرمائیے۔

## جواب مولوی عبداللہ صاحب

بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ جن سے صراحتاً اور کنایہ خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی واضح اظہار من الشمس ہے، اس کا انکار بعینہ دوپہر کے وقت آفتاب کا انکار ہے چنانچہ ان میں سے چند احادیث مذکور ہوتی ہیں۔ حالانکہ بعض خاص امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، بہ نظر منصفانہ دیکھ کر تصدیق خلافت حضرت صدیقؓ کیجئے۔ (پہلی حدیث)

اخرج ابن سعد عن الحسن قال قال علي ترجمہ:- تخریج کی ہے یہ حدیث ابن سعد نے حسن



رضی اللہ عنہ لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرْنَا فِي أَمْرِنَا فَوَجَدْنَا  
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَدَّمَ  
أَبَا بَكْرٍ فِي الصَّلَاةِ فَرَضِينَا لِدُنْيَا  
عَنْ مَنْ رَضِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَنْهُ لِدِينِنَا فَقَدْ مَنَّ أَبَا بَكْرٍ لَنَا  
(ازالۃ الخفاء ص ۶۹ بحوالہ استیعاب)

(دوسری حدیث)

وقال البخاری فی تاریخہ روی ابن جہان  
عن سفینۃ ان النبی صلی اللہ علیہ و  
سلم قال لابی بکر وعمر وعثمان  
هو اول الخلفاء بعدی

(تیسری حدیث)

الحديث المذكور اخرجه ابن حبان  
قال حدثنا ابو يعلى حدثنا يحيى الحماني

اور حدیث مذکور کمال ہے ابن حبان نے اس نے کہا حدیث  
بیان کی ابو یعلیٰ نے اس نے کہا حدیث بیان کی یحییٰ الحمانی

مہ حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں ابن اثیر جزئی اسد الغابۃ  
سے حسن بصری کی روایت حضرت علیؑ کا مذکور قول ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ابو بکر کو امام بنایا اور اسنوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی  
میں بے شک موجود تھا غائب نہیں تھا۔ میں عباد چنگا  
تھا یہاں نہیں تھا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دامت کے لیے آگے

قَالَ قَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَبَا بَكْرٍ وَإِنِّي صَيِّحٌ وَعَبِيرٌ مَرِيضٌ وَإِنِّي شَاهِدٌ  
غَيْرُ غَائِبٍ وَلَوْ شَاءَ أَنْ يُقَدَّمَ مِنِّي رَضِينَا  
لِدُنْيَانَا مَنْ رَضِيَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ لِدِينِنَا۔

کرنا چاہتے تو آگے کر دیتے پس ہم نے اپنی دنیا کے لیے کسی کو پسند کر لیا جو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا (مضامین رئیس اللہ ص ۱۲)  
۱۲ سواتی

سے حسنؑ نے کہا کہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ  
دیکھا ہم نے اپنے امر میں اور پایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو  
کہ تحقیق مقدم کیا ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے میں پس  
راضی ہو گئے ہم دنیاوی امور میں اس شخص سے  
کہ جس سے حضرت راضی ہوئے امر دین میں  
پس مقدم کیا ہم نے ابو بکرؓ کو۔



حدثنا حشیر عن سعید بن جهمان عن  
سفينة لما بنى رسول الله صلى الله عليه  
وسلم المسجد وضع في البناء حجراً  
وقال لابی بكر ضع حجرك الى جنب  
حجرى ثم قال لعمر ضع حجرك الى  
جنب حجر ابى بكر ثم قال لعثمان ضع  
حجرك الى جنب حجر عمر ثم قال  
هؤلاء الخلفاء بعدى -

نے اس نے کہا حدیث بیان کی سعید بن جہمان نے  
اس نے روایت کی ہے سفینہ سے، ہر گاہ مسجد بنائی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے رکھا ایک پتھر اس کی بنیاد  
میں اور حضرت ابوبکر کے کہا کہ میرے پتھر کے برابر  
میں تم پتھر رکھو۔ حضرت عمر نے کہا ابوبکر کے پتھر  
کے برابر تم اپنا پتھر رکھو، پھر عثمان رضی اللہ عنہ، کو  
فرمایا کہ تم عمر کے پتھر کے برابر اپنا پتھر رکھو، پھر  
فرمایا کہ یہ میرے پیچھے خلیفہ ہیں۔

(چوتھی حدیث)

قال ابو زرعة اسنادہ لا بأس به وقد اخرجہ  
الحاکم فی المستدرک وصححه الیہ تقی فی  
الدلائل وغیرہا علیکم بؤنتی و سنتہ  
الخلفاء الراشدین المہدیین من بعدی  
اخرجہ الحاکم من حدیث عبد باض بن  
ساریہ زرعی ص ۹۲ باب الاخذ بالسنة واقتناہ البیت

کہا ابو زرعة نے اس حدیث کی اسناد میں کچھ نقصان نہیں  
اور لایا ہے اس کو حاکم مستدرک میں اور صحیح کہا ہے اس کو  
یعنی نے دلائل وغیرہ میں کہ لازم پکڑو طریقے میرے  
کو اور طریقہ خلفاء راشدین مہدیین کو میرے بعد -  
تخریج کی ہے حاکم نے حدیث عبد باض بن ساریہ  
سے -

فائدہ اس میں سوچنا چاہیے کہ حضرت نے بلا تعین کسی شخص کے خلفاء من بعد کی اتباع  
کا حکم فرمایا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو خلفاء بعد وفات ہوں گے راشدین اور مہدیین  
ہوں گے، من اتبع فاهتدی ومن خالف فغوی -

پانچویں حدیث :-

اخرج الترمذی والحاکم من حدیث  
سلمة بن کہیل عن ابی الزعرار عن عبد  
بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتباع کرو تم  
ان کا جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کا حضرت  
عمرؓ کی عادت اپناؤ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے



عليه وسلم اَقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي  
مِنْ اصْحَابِي اِلَى بَكْرٍ وَعُمَرُ وَاهْتَدُوا  
بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَسَكُّوا بِعَهْدِ ابْنِ مَعُوذٍ  
(ترمذی ص ۲۲ مناقب عبد اللہ بن معوذ)

(چھٹی حدیث - ۵ روایتیں -)

۱۔ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَخِيرُ بَيْنَ  
النَّاسِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، فَخُيِّرَ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ  
الْخَطَّابِ ثُمَّ عَثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ (بخاری ص ۵۱۶)  
باب فضل أبي بكر بعد النبي صلى الله عليه  
وسلم) وَزَادَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ فِعْلَهُ  
بِذَلِكَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَلَا يَنْكُرُهُ ۚ وَآخَرَجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ  
قَالَ كُنَّا وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ نُفَضِّلُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعَثْمَانَ  
ۚ وَآخَرَجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
كُنَّا مَعَ أَشْرَاصِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنَّا مُتَوَافِرُونَ -  
لَقَوْلُ أَفْضَلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ  
نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عَثْمَانُ  
ثُمَّ نَسَكْتُ ۚ وَآخَرَجَ التِّرْمِذِيُّ  
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ  
لَا بِي بَكْرٍ يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ

عمر و بیان کو مضبوط پکڑو۔

ترجمہ :- بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے  
کہ حضرت کے زمانے میں ہم آدمیوں میں اسے چھانتے  
تھے سو چھانتے تھے ابو بکرؓ کو پھر عمرؓ کو پھر عثمانؓ کو اور  
زیادہ کیا طبرانی نے کبیر میں کہ جانتے تھے اس بات  
کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکار نہیں فرماتے تھے  
۲۔ اور روایت بیان کی ابن عساکر نے ابن عمرؓ سے  
کہا کہ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ہم میں موجود تھے ہم فضیلت بیان کرتے تھے  
ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کی ۔  
۳۔ اور روایت کی ابن عساکر نے ابی ہریرہؓ سے  
کہا ہم لوگ جماعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم جس وقت میں کہہ رہے تھے افضل امت  
کے بعد نبیؐ اس امت کے ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ  
پھر سکوت کرتے تھے ۔

۴۔ اور روایت کی ترمذی نے جابر بن عبد اللہ سے کہا  
کہ عمرؓ نے ابو بکرؓ کے لیے بستر آدمیوں کے بعد  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر ابو بکرؓ نے  
کہا، سنو اگر تم یہ کہتے ہو تو میں نے بھی حضرت سے



اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال أبو بكر  
أَمَا إِنَّكَ إِنْ قُلْتَ ذَلِكَ فَقَدْ سَمِعْتَهُ  
يَقُولُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلَى رَجُلٍ خَيْرَ  
مَنْ عُمَرَ - (ترمذی ص ۲۹۹ مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب)  
وَإَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قُلْتُ  
لِأَبِي أُمِّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
أَبُو بَكْرٍ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ عُمَانُ  
قُلْتُ ثُمَّ أَنْتَ قَالَ مَا أَنَا إِلَّا أَرَجُلٌ مِنَ الْمُهَيِّمِينَ (بخاری ص ۱۱۸)

منا ہے کہ فرماتے تھے طلوع نہیں ہوا آفتاب  
کسی شخص پر کہ عمر سے بہتر ہو۔ ۵۰۔ اور روایت کی بخاری نے  
محمد بن علی بن ابی طالب کے کا محمد بن علی نے کہ میں نے اپنے  
باپ سے یہ کہا کون آدمی بہتر ہے بعد رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے کیا ابوبکر میں نے کہا پھر کون کہا  
عمر اور میں اس سے ڈرا کہ یوں کہیں پھر عثمان رضی  
میں نے کہا پھر تم کہا میں تو ایسا ہی ہوں جیسے ایک  
اور شخص مسلمانوں میں سے ہو۔

(ساتویں حدیث)

وَإَخْرَجَ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَيْرُ  
هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ وَالثَّانِي  
عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ الْأَذْهَبِي هَذَا  
مَتَوَاتِرٌ هَذَا مَتَوَاتِرٌ عَنْ عَلِيٍّ فَلَعَنَ اللَّهُ  
الرَّوَافِضَ الْجَاهِلِيَّةَ - (مسند احمد ص ۱۱۸)

ترجمہ اور روایت کی احمد وغیرہ نے حضرت علی رضی  
کہا حضرت علی رضی نے بہتر اس امت کا بعد نبی  
کے ابوبکر ہے اور عمر ہے۔ ذہبی نے کہا کہ یہ روایت  
حضرت علی رضی سے متواتر ہے مواتر ہے سوال اللہ ورفض  
کو سخت کر کے کیسے جاہل ہیں۔

(اکٹھویں حدیث)

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ عَنْ بِنِ الْخَطَّابِ  
قَالَ أَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَأَحَبُّنَا  
إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
(ترمذی ص ۲۶۶)

اور روایت کی ترمذی نے اور حاکم نے عمر بن الخطاب رضی  
کہا انہوں نے ابوبکر رضی رضی ہیں اور بہتر ہمارے ہیں  
اور ہم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
زیادہ محبوب ہیں۔

فائدہ :- غزوہ کی جگہ ہے کہ ان کی تعریف ان کے ہم چشم و ہم عصر کیسی کرتے ہیں۔  
(نویں حدیث)

وَإَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ  
بْنِ أَبِي لَيْلَى أَنَّ عُمَرَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ ثُمَّ

اور روایت کی ابن عساکر نے عبد الرحمن بن  
ابی لیلیٰ سے کہ عمر رضی منبر پر چڑھے پھر فرمایا اے لوگو



قَالَ أَلَا إِنَّ أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا  
أَبُو بَكْرٍ فَمَنْ قَالَ غَيْرَ هَذَا فَهُوَ مُفْتَرٍ  
عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُفْتَرِي

(دوسری حدیث)

اخرج ابوالقاسم الطلحي في كتاب  
السننه له من طريق سعيد بن عروبة  
عن منصور عن ابراهيم عن علقمة  
قَالَ بَلَغَ عَلِيًّا أَنَّ قَوْمًا يُفَضِّلُونَهُ عَلَى  
أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَصَعِدَ الْوَيْلُ فَعَمِدَ اللَّهُ  
وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهَا النَّاسُ  
إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ قَوْمًا يُفَضِّلُونَنِي عَلَى  
أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ  
فِيهِ لَعَاقَبْتُ فِيهِ فَمَنْ سَمِعْتُهُ  
بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ يَقُولُ هَذَا فَهُوَ  
مُفْتَرٍ عَلَيْهِ حَدُّ الْمُفْتَرِي وَقَالَ  
إِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا  
أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اللَّهُ أَعْلَمُ  
بِالْخَيْرِ بَعْدَ قَالَ فِي الْمَجْلِسِ الْحَسَنُ  
بْنُ عَلِيٍّ فَقَالَ وَاللَّهِ لَوْ سَعَى الثَّالِثُ  
سَعَى عُثْمَانَ (ازالة النجاة ج ۱ کتاب السنۃ ص ۶۸)

سنو بیشک افضل اس امت کے بعد حضرت کے  
ابوبکر میں سو جو شخص اس بات پر خلافت کے، اس کی  
وہی سزا ہے جو بہتان باندھنے والے کی سزا ہو۔

ترجمہ :- ابوالقاسم طلحی کتاب السنۃ میں ابن مسعود  
بن عروبة از منصور از ابراہیم عن علقمة روایت لاتے  
ہیں کہ حضرت علی کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ ان کو حضرت  
ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتے ہیں تو آپ منبر پر چڑھ  
گئے تو اللہ کی تعریف و ثنا کے بعد فرمایا اے لوگو  
مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے حضرت ابوبکر  
و عمر پر فضیلت دیتے ہیں اگر میں نے اس کے متعلق  
بے (سزا کا) اعلان کیا ہوتا تو ضرور سزا دیتا پس  
آج کے دن کے بعد جس کسی سے میں نے سنا  
کہ وہ یہ کہتا ہے تو وہ بہتان باندھنے والا ہے  
بہتان تراش کی سزا ملے گی۔ اور فرمایا اس امت  
کے سب سے بہتر شخص حضرت ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں  
پھر اللہ بہتر جانتا ہے۔ راوی کہتے ہیں اس  
مجلس میں حسن بن علی بھی تھے فرمانے لگے اللہ کی  
قسم اگر تم میرے نمبر پر افضل کا نام لیتے تو  
عثمان کا لیتے۔

فائدہ :- افسوس کی بات ہے کہ حضرات شیعہ حضرت امیر المومنین کے زمانہ میں نہ ہوئے  
جو انہی کے ہاتھ سے سواد ثنی یحنین کا مزہ پائے۔



(گیارہویں حدیث)

واخرج عبد الرحمن بن حميد في مسند  
ابو النعيم وغيرهما من طريق ابى الدرداء ان  
رسول الله صلى الله عليه وسلم قال  
مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلَى أَحَدٍ  
أَفْضَلَ مِنْ إِيَّيْكَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا  
وَفِي لَفْظٍ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بَعْدَ النَّبِيِّينَ  
وَالْمُرْسَلِينَ أَفْضَلَ مِنْ إِيَّيْكَ

اور روایت کی عبدالرحمن بن حمید نے اپنی مسند  
میں اور ابو نعیم وغیرہ نے ابوالدرداء سے کہ بیشک  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب  
نہ طلوع ہو نہ غروب ہوا کسی شخص پر جو بہتر ابو بکر  
سے ہو مگر یہ کہ نبی ہو، (اور ایک روایت میں یہ  
لفظ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بعد کسی بھی  
مؤمن پر سورج طلوع و غروب ہوا جو ابو بکر سے افضل ہو۔  
فائدہ :- اس حدیث سے فضیلت خلیفہ اولؓ کی ماسواہ بنی و رسول کے تمام بنی آدم پر ثابت ہوتی ہے۔

(بارہویں حدیث)

فِي الْاَوْسَطِ عَنْ سَعْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ  
رُوحَ الْقُدُسِ جِبْرِيلُ أَخْبَرَنِي أَنَّ  
خَيْرَ أُمَّتِكَ بَعْدَكَ الْبُؤَيْكِرُ

(طبرانی کی اوسط میں حضرت سعد بن زید سے  
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا روح القدس جبریلؑ نے مجھے بتلایا کہ آپ کے  
بعد آپ کی امت کا سب سے بہتر شخص ابو بکر ہے)  
فائدہ :- سنت جماعت کے نزدیک خلیفہ اولؓ کی اس حدیث سے کتنی فضیلت ثابت ہوئی کہ روح القدس جبریلؑ ہی انکو بہتر و افضل  
تمام امت کا فرمائے پر شعبہ اس کو بھی روح القدس کی غلطی پر محمول کریں گے۔ نفوذ باللہ من هذا الفرقۃ الطاغیۃ

(تیرہویں حدیث)

اخرج الشيخان عن عمرو بن العاص  
قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ  
إِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرَّحْبَالِ  
قَالَ أَبُو هَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عُمَرُ

ترجمہ :- بخاری اور مسلم نے عمرو بن العاصؓ سے روایت  
کی ہے، کہنا عمرو بن العاصؓ نے کہ میں نے عرض  
کی یا رسول اللہ کون شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے  
آپ نے فرمایا عائشہؓ میں نے عرض کی مردوں میں سب سے زیادہ کون ہے  
فرمایا اسکا باپ پھر میں نے عرض کی ان کے بعد کون آپ نے فرمایا عمرؓ  
فائدہ :- سؤد اللہ وجوہ الروافض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عائشہؓ اور ان کے باپ کو

سب آدمیوں سے زیادہ چاہیں اور یہ ان کی شان میں کیا کچھ زبان درازیاں کریں۔



(پندرھویں حدیث)

اُخْرِجَ التَّمِزْدِيُّ وَغَيْرُهُ عَنِ النَّاسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْكُرُ عَمْرَ هَذَا سَيِّدًا أَكْهَمُولُ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَقْلَيْنِ وَالْأَخْيَرِينَ (ترمذی ص ۵۲)

اور ترمذی وغیرہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے لیے یہ دونوں سردار ہیں بڑی عمر کے جنتیوں میں اولین اور آخرین کے۔

فائدہ ۱۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روافض کی مطلقاً تکبیح کر دی ہے۔ کیونکہ شیخین کو سردار کھول جنت فرمایا معلوم ہوا کہ تادم واپس مومن کامل رہیں گے اور بعد انتقال کھول جنت کے سردار بنیں گے پر یہ فرقہ باغیہ پھر بھی نہیں شرعاً۔ کیا ڈر ہے الْمُسْرِفِينَ عَلَى نَفْسِهِ اگر کوئی بے وقوف اندھا دن کو رات بتلائے، تو اس کا کیا علاج ہے۔

(پندرھویں حدیث)

اُخْرِجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ رُبَيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ إِسْلَامُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ سَبَبًا لِلْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ وَذَلِكَ إِنَّهُ كَانَ تَاجِرًا يَتْلُو فَرَأَى رُحْبًا فَقَصَّهَا عَلَى جُعْدَةَ الرَّاهِبِ فَقَالَ لَهُ مِنْ أَيْنَ أَنْتَ قَالَ مِنْ مَكَّةَ قَالَ مِنْ أَيِّهَا قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَ أَيْ مَشَى أَنْتَ قَالَ تَاجِرٌ قَالَ مَدَّقَ اللَّهُ رُيَاكَ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ نَبِيٌّ مِنْ قَوْمِكَ تَكُونُ وَزِيرُهُ فِي حَيَاتِهِ وَخَلِيفَتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ فَأَسْرَهَا أَبُو بَكْرٍ حَتَّى يُبْعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُمْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا الدَّلِيلُ عَلَى مَا تَدْعِي قَالَ الدُّرَيَّا الَّتِي رُئِيتُ بِالشَّامِ فَعَانَقَهُ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَ

ابن عساکر نے ربیعہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے اسلام کا باعث وحی آسمانی تھی اور قصہ اسلام یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ شام کے ملک میں سوداگری کرتے تھے، اپنے ایک خواب دیکھا، اس کو بحیرا راہب سے بیان کیا، اس نے کہا تو کہاں کا رہنے والا ہے، انہوں نے جواب دیا مکہ کا اس نے کہا کون سے قبیلہ سے ہے، انہوں نے کہا قریش میں سے اس نے پوچھا کیا کام کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ سوداگر ہوں، اس راہب نے کہا اللہ تعالیٰ تیرا خواب سچا کرے، اللہ تعالیٰ تیری قوم میں ایک نبی بھیجے گا تو اس کا اس کی زندگی میں وزیر ہوگا اور بعد اس کی وفات کے خلیفہ ہوگا، اس بات کو حضرت ابو بکرؓ نے پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی



قَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ  
(الرياض النضرية من باب بحوالہ فضائل)

اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے سو حضرت کی خدمت  
میں آئے اور یہ کہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے  
دعویٰ پر کیا دلیل ہے فرمایا وہی خواب جو ملک شام میں  
تو نے دیکھا تھا یہ سنتے ہی حضرت کو گلے لگایا اور  
آپ کی پیشانی پر پرورہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں  
کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔

فائدہ: خیال کرنے کی جگہ ہے کہ کتنی پیشتر حضرت کی تبلیغ رسالت کے، حضرت ابوبکر کو بشارت  
وزارت و خلافت کی مل گئی۔

(سولہویں حدیث)

واخرج الحاكم عن انس بن مالك قَالَ  
يَعْنِي بَنُو الْمُصْطَلِقِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَنْ نَدَفَعُ زَكَاةً  
إِذْ حَدَّثَ لَكَ حَدَّثَ فَقَالَ إِذْ فَعَوْهَا  
إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقُلْتُ ذَلِكَ لَهُمْ قَالَ  
قَالُوا إِسْمُهُ إِنْ حَدَّثَ بِأَبِي بَكْرٍ حَدَّثَ  
الْمَوْتَ فَإِلَى مَنْ نَدَفَعُ زَكَاةً فَقُلْتُ  
لَهُ قَالَ إِذْ فَعَوْهَا إِلَى عُمَرَ قَالُوا فَإِلَى  
مَنْ نَدَفَعُهَا بَعْدَ عُمَرَ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ  
إِذْ فَعَوْهَا إِلَى عُثْمَانَ، (ازالة الخفا ص ۱۶)

اور روایت کی حاکم نے حضرت انس بن مالک سے۔  
کہا بھیجا مجھ کو بنی المصطلق نے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی خدمت میں کہ ہم زکوٰۃ کس کو دیں جب  
آپ کو کوئی حادثہ پیش آئے، آپ نے فرمایا ابوبکرؓ کو  
دو سو میں نے یہی جا کر بنی مصطلق سے کہہ دیا انس  
کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ حضرت پوچھو کہ اگر ابوبکر  
کو حادثہ موت پیش آئے تو کس کو زکوٰۃ دیں سو  
میں نے حضرت سے جا کر عرض کیا آپ نے فرمایا عمر  
کو دو انہوں نے کہا بعد حضرت عمرؓ کے کس کو دیں  
میں نے حضرت سے یہ جا کر کہا آپ نے فرمایا عثمان کو دو۔

(سترہویں حدیث)

عن سهل بن أبي حنمة قَالَ بَايَعَ إِبْرَاهِيمَ  
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ  
عَلَى لِي وَعَلَى لِي أُمْتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

سهل بن حنمہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی  
نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ دیع کا کیا حضرت  
علی کرم اللہ وجہہ نے اعرابی سے کہا کہ حضرت کے پاس



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْأَلُهُ إِنْ أَتَى عَلَى  
أَجَلِهِ مَنْ يَقْضِيهِ فَإِنِّي الْإِعْرَابِيُّ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ  
يَقْضِيكَ أَبُو بَكْرٍ فَخَرَجَ إِلَى عَلِيٍّ فَلَخَبَرَهُ  
فَقَالَ ارْجِعْ وَاسْأَلْهُ إِنْ أَتَى عَلَى ابْنِي بَكْرٍ  
أَجَلُهُ مَنْ يَقْضِيهِ فَإِنِّي الْإِعْرَابِيُّ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ  
يَقْضِيكَ عُمَرُ فَخَرَجَ إِلَى عَلِيٍّ فَلَخَبَرَهُ  
فَقَالَ ارْجِعْ فَاسْأَلْهُ مِنْ بَعْدِ عُمَرَ  
فَقَالَ يَقْضِيكَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلِيٌّ لِإِعْرَابِي  
إِثْبَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَاسْأَلْهُ إِنْ أَتَى عَلَى عُثْمَانَ أَجَلُهُ مَنْ  
يَقْضِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى عَلَى ابْنِي بَكْرٍ أَجَلُهُ وَ  
عُمَرُ أَجَلُهُ وَعُثْمَانُ أَجَلُهُ فَإِنْ اسْطَعْتُ  
أَنْ تَمُوتَ مِتُّ -

(ازالۃ الخفاء ص ۲۹ بحوالہ اعلیٰ)

تو تو بھی مرے۔

جا اور یہ پوچھ کر اگر آپ کی وفات شریف ہو جائے  
تو ادا کون کرے گا اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے  
کے پاس آیا اور پوچھا آپ نے فرمایا ادا تجھ کو ابو بکر  
کریں گے، وہ اعرابی حضرت علیؑ کے پاس آیا اور  
ان کو خبر دی آپ نے فرمایا پھر جا اور پوچھ کر ابو بکرؓ  
کا بھی انتقال ہو جائے تو کون ادا کرے گا۔۔۔  
اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور پوچھا  
آپ نے فرمایا ادا تجھ کو عمر کرے گا۔ پھر حضرت علیؑ  
کے پاس آیا اور ان کو خبر دی حضرت علیؑ نے کہا  
پھر جا اور پوچھ کر بعد حضرت عمرؓ کے کون ہے  
آپ نے فرمایا عثمان ادا کرے گا، حضرت علیؑ نے اعرابی  
سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا  
اور پھر پوچھ کر اگر عثمانؓ کی وفات ہو جائے تو کون ادا  
کرے گا اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب ابو بکرؓ کی موت  
اور عمرؓ کا انتقال ہو جائے اور عثمانؓ دنیا سے  
رحلت کر جائے گا تو میری طاقت رکھتا ہے

فائدہ :- حضرات شیعہ خواہ مخواہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے اپنی  
جان کیوں تباہ کرتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے منکر ہو کر کیوں روسیہ بنتے ہیں حضرت  
امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کو خود ان سے پہلے اپنی خلافت کا خیال تھا جو اس دیہاتی کو بار بار  
بھیج کر خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت کرائی اور خیال خلافت حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو کس  
واسطے نہ ہو۔ کیونکہ ایسی قرابت قریبہ اور خصوصیت خاصہ یعنی از دواج حضرت فاطمہؓ  
کا اور دوسرے کو کب حاصل تھا پر انہوں نے جو خلفاء ثلاثہ کے وقت میں دعویٰ خلافت



نہ کیا تو کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔

(شیعہ تقیہ کا ازالہ)

اور حید تقیہ حسب ظنون شیعہ کے ہم گوزشتر جانتے ہیں۔

اَوَّل۔ تو اس حدیث کے خلاف ہے، دوسرے بمقابلہ حضرت امیر معاویہؓ اور خوارج کے کیوں تقیہ نہ کیا، حتیٰ کہ شہید ہو گئے، اور کونسا وقت تقیہ کا ہوگا، اور جن لوگوں نے بمقابلہ امیر معاویہؓ کے امیر المومنینؓ کا ساتھ دیا وہ ہی بمقابلہ خلفاء ثلاثہ کے بھی ساتھ دیتے، اور یہ تقیہ کی بات ایسی منہ خرافات ہے کہ ذرا بھی پاؤں نہیں چلتے، حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں کیا کہیں گے، نعمد باللہ منہا کیا دونوں سے ترک فرض عین ہوا۔ ایک بات ہم اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؓ اپنی خلافت میں خطبہ پڑھتے ہوئے خلفاء ثلاثہ کی تعریف اور فضائل بیان کرتے تھے، اگر وہ بھی تقیہ سے تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ امیر المومنینؓ کیسے شیر خدا تھے کہ بعد انتقال سالہا سال کے بھی خلفاء کے خوف سے ان کی تعریف کرتے تھے، افسوس کہ شیر خدا ہو کر مردوں سے خائف ہو۔ علی بن ابی طالبؓ تو ایسے بادل و نامرد نہ تھے کوئی اور علی ہوں گے کہ جن کے یہ شیعہ متبع ہوئے ہیں، اور ان کے متعلق ایسی ایسی نامردیاں بیان کرتے ہیں اور اگر بالفرض والتقدیر ان کے مقتدا علی بن ابی طالبؓ ہی ہیں تو یہ امر ان کی طرف نسبت کرنے سے صرف ان شیعہ کی حماقت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے "واما نحن باذننا دان دوست" مگر ان کا بھی کیا قصور ہے؟ الا نادیر یق بمافیہ۔ جیسے خود ہیں ویسی جی باتیں کرتے ہیں۔

(اٹھارویں حدیث)

وعن جبیر بن مطعم ان امراً اتت	ترجمہ اور جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک
رسول الله صلى الله عليه وسلم فكلته	عورت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی
فی شئ فامرہا ان ترجع الیہ قالت	امر میں آپؐ گفتگو کی آپ نے اس کو فرمایا کہ پھر آنا
فان لم اجدک کاہنا نقول الموت	اس نے کہا اگر میں آپ کو نہ پاؤں گویا یوں کہتی

مے برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو کچھ اس میں ہوتا ہے۔ بہرہ



قال ان لم تجد ديني فاني ابا بكر  
 اخبرجه البخاري ومسلم والترمذي و  
 البذاهد وابن ماجه  
 بخاری ص ۵۱۶ مسلم ص ۲۴۳ ترمذی ص ۲۰۸  
 بخاری اور مسلم اور ترمذی اور البذاهد اور ابن  
 ماجہ نے۔

## سوال دوم از جانب شیعه

اجماع اہل حل وعقد کی صفت بیان کیجئے۔

جواب سوال دوم :-

اجماع اہل حل وعقد کی حقیقت اور صفت تو اتنی ہی ہے کہ سب اہل حل وعقد ایک بات  
 پر متفق ہو جائیں اس میں پوچھنے ہی کی کون سی بات ہے جو حضرت نے سنیوں کو دہکایا۔  
 (اہل حل وعقد کی تعریف :-)

ہاں یہ پوچھنا مد نظر ہے کہ اہل حل وعقد کس کس کو کہتے ہیں تو اس کا جواب ہم سے لیجئے،  
 آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ہم جیسے بے مروت سامان نہ کوئی ہمارا نہ ہم ہم کسی کے۔ ایک  
 وہ لوگ جو تھوک دار ہوتے ہیں، جیسے آپکے رئیس، یا چودھری، کم سے کم ایسے سمجھو جیسے دیوبند  
 کے منڈ، جن کے کسی کام میں کھڑے ہو جانے سے دس آدمی کھڑے ہو جائیں، بیٹھ جانے  
 سے دس آدمی بیٹھ جائیں، سو ایسے آدمیوں کو اپنی اپنی حیثیت کے موافق اہل حل وعقد کہتے  
 ہیں، حل کے معنی کھولنا، عقد کے معنی باندھنا، سو یہ لوگ بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، کہ ان کے  
 باندھے بندھتی ہے، اور کھولے کھلتی ہے، ایسے لوگ اگر کسی کے ساتھ عہد و پیمان کر لیتے  
 ہیں، تو ان کے ذریعہ اور ان کے منہ میچنے والوں اور پیچھے چلنے والوں اور تابعداروں کے  
 ذمہ بھی وہ عہد لازم ہو جاتا ہے، علیٰ هذا القیاس اگر کوئی پیر یا کوئی مدرس کسی سے کچھ عہد  
 یا پیمان کرے، تو اس کے مریدوں اور شاگردوں کے ذمہ بھی اس کی وفا لازم ہے، چنانچہ شاہ  
 اور بقرہ سے بھی عیاں ہے کہ سارے جہان میں یہی دستور ہے، اور اس قانون کو ہر ایک  
 نے تسلیم کر رکھا ہے، یہاں تک کہ اگر دو بادشاہوں میں لڑائی بھڑائی کے بعد صلح ہوتی ہے،



تو وہ لڑائی اور صلح ہر سپاہی، اور ہر منشی کی صلح، اور لڑائی کبھی جاتی ہے، مگر اہل عقل پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جس قافلہ کا افسر کسی سے کچھ عمد و پیمان کرے گا تو وہ عمد و پیمان اس کے اتباع اور الجھن کے ذمہ لازم ہوگا، ایک کا عمد و پیمان دوسرے کسی قافلہ کے افسر یا اس کے اتباع و خدام کے ذمہ لازم ہوگا۔

(حضرت امام حسینؑ و زین العابدینؑ کا مقام)

اس سے حضرت سید الشہداء، شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کو گنجائش حوت گیری نہیں کیونکہ وہ بجائے خود ایک سردارِ عظیم اور افسرِ عالم تھے، اوروں کی بیعت سے، یزید کی بیعت ان کے ذمہ لازم ہوتی تھی، جو کوئی عقل کا پورا جس کو دستوں کے پینے کی جرات نہیں، بوجہ بیعتِ اہل شام جو یزید پلید کے ہاتھ پر کر چکے تھے، حضرت امام ہمامؑ پر اعتراض کھٹے یا مذہبِ اہل سنت پر آواز نہ پھینکے، ہاں اتنی بات باقی رہی کہ کبھی بعض بزرگ بوجہ کمالِ خاکہ اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھ کر گوشہ عافیت قبول کرتے ہیں، اور اپنی طرف ہرگز گمان نیک نہیں کرتے جیسے حضرت امام زین العابدینؑ علیہ السلام بوجہ خاکساری بوقت دعا اس قسم کے مضامین کہا کرتے تھے، کہ الہی شیطان نے میری باگ پٹری لی ہے، اور میرے اوپر غالب آ گیا ہے۔ چنانچہ صحیفہ کاملہ میں جو بخلا کتبِ معتبرہ شیعہ میں ہے، اس قسم کی دعائیں موجود ہیں، سو اس قسم کے لوگ بوجہ خاکساری، اپنی بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے، اور اوپر کے لوگ بوجہ کمالِ عقیدت، ان کی بیعت کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے اہل دیوبند اپنے پیاروں پر کرم (دم دعا) کرنے کے لیے حاجی عابد حسینؑ کا قدم رنجہ فرمانا غنیمت سمجھتے ہیں، اور خود حاجی صاحب کے پوچھنے تو بوجہ خاکساری اپنے بڑا کسی کو سمجھتے نہیں۔

(دوستوں میں خنگی و شکر رنجی آنی جانی چیز ہے۔)

سو ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول بیعت نہ کرنے کو خیال فرمائیے، بایں ہمہ جہاں دوستی اور محبت ہوا کرتی ہے وہاں رنج بھی ہوا کرتے ہیں، پر اس رنج میں اور اعداء کے رنج میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے، یہاں جوشِ محبت ہوتا ہے، وہاں زورِ عداوت اول جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لوگوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کے لیے گھیر لیا، اور



اس وقت چار وناچار ان کو بیعت کا (قبول) کرنا اسی طرح ضروری ہو لیا جیسے بارہا حاجی صاحب کو بوجہ منت سماحت، اہل دیوبند جامع مسجد کا اہتمام سر پر لینا ضروری ہو جاتا ہے یا مولوی محمد یعقوب صاحب کو باوجود اس شدت انکار کے وعظ کا فرمانا۔

تو اس وقت حضرت علیؑ کو ایسا رنج ہو گیا، جیسے دیوبند کی شادیوں عینوں میں کسی بیٹری کے باعث بھائی روٹھ جاتے ہیں۔

(ایک مثال)

تھوڑے ہی دن گزرے مولوی ذوالفقار علی صاحب کے بڑے صاحبزادے کی شادی میں برادری کے بھائی اتنی بات پر روٹھ گئے کہ کھانے کا انتظام طالب علموں کے کیوں سپرد کر دیا، یہ کام ہم سے کیوں نہ لیا، سو جیسے ان صاحبوں کو خدا نخواستہ مولوی صاحب کے کوئی رنج نہ تھا، ہاں باز برادری کیسے، اس لیے تھوڑے سے تعلق کے بعد شیر و شکر کی طرح دل مل کر ولیمہ کا کھانا نوش فرما گئے اور اس سب کے تدارک و تلافی میں اتنی بڑی عزت لے گئے، ایسے ہی حضرت علیؑ کو خیال فرمایئے، اس سے ظاہر کی بے اعتنائی پر جس میں واقع میں ایسی ہی بے اختیار تھی، جیسے مولوی صاحب کی بے اعتنائی کہ کچھ جان بوجھ کر بھائیوں کی ضد سے نہ تھی۔ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے رنج ہو گیا، سو وہ رنج نہ تھا، ناز و محبت تھا، اس لیے حضرت ابو بکرؓ کے غصے کے بعد وہ رنج تبدیل بخوشی ہو گیا، اور علیؑ اعلان یہ فرمایا کہ ہم کو ابو بکرؓ کے فضائل میں کلام نہیں، ان کی بزرگی کا شک نہیں، ہاں ہم کو یہ اُمید نہ تھی کہ بیعت کے وقت ہم کو پوچھنے کے بھی نہیں، اور پھر مجمع عام میں بیعت کی، ادھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وہ قدر شناسی کی کہ کاھیکو ہوتی ہے، منبر پر کھڑے ہو کر بقتسم یہ کہا کہ مجھ کو جتنی قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس و لحاظ اور ان کے ساتھ محبت اتنا اپنی قرابت کا پاس ملنا نہ کی اتنی محبت اور اپنا عذر بیان کیا غرض مثل شیر و شکر و ذوق ہو کہ وہ مثل ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ تو راضی ہو گئے پر ایراعینہ ترجیح کلیان راضی نہیں یہ تحقیق موافق مذہب اہل سنت تھی۔



مذہب شیعہ کے اصول پر جواب (

پر موافق اصول شیعہ اس کا اور جواب ہے، یعنی اول اول حضرت علیؑ کا ارادہ ہی نہ تھا کہ بیعت کیجئے، اپنا حق کسی کو کیوں دیدیجئے، مگر آخر کار موافق سنت خداوندی نعوذ باللہ بآ واقع ہوا، یعنی یہ سمجھ میں آیا کہ حق میرا نہیں اس منصب کا مستحق میں نہیں ابو بکرؓ ہیں، اور کیونکر نہ سمجھتے شیعوں کی مانند بد فہم تو نہ تھے جس کو خدا تعالیٰ کے رسول اللہ علیہ وسلم امام نماز بنائیں، بیچ ساری حلیفہ مقرر کریں، وہ بھی حلیفہ نہ ہو تو اور کون ہو، دنیا میں تین ہی حاکم ہیں، خدا، رسول، یا تیسرے بیچ جسے شریعت میں اجماع کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تو ایک بھی نہ تھا، بہر حال اول سے معتقد خلافت اول کہو یا بعد میں سمجھو، حضرت علیؑ کے شریک بیعت ہونے میں کچھ شک نہیں۔  
(تقیہ کے عذر لنگ کا ازالہ)

باقی یہ عذر پورچ کہ تقیہ تھا، ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی زبردستی تھی، قدر دانان تفسوی کے سامنے گوز شتر کے بھاؤ بکتا ہے، اس تنازع بے بہا اور گومہ پکیا کو پٹریا میں باندھ کر رکھ چھوڑ لکھنو کی نوابی جب کبھی بحال ہوگی کام آئے گا، منصب نہیں کہ شیر خدا کو گیدڑ سے بھی پرے کر دیا، اور شاہ مرداں کو عمرہ توں سے بھی زیادہ بے عزت بنا دیا، صاحبزادے الے غیر تمدن کے عراق کی تیس لکھ ہزار فوج جرارد کردار سے بھی نہ چھپے جان نازمین پھیل گئے، خانماں کو غارت کر دیا عزت دنیا کو خاک میں ملا دیا، پر اپنی بات سے نہ ٹلے، اور ادھر سے فقط اتنی درخت کہ ایک بیعت کر لو پھر جو چاہو سو کر د اگر یہی تقیہ تھا تو کس دن کے لیے تھا، باب کو چاہیے تھا کہ بیٹے سے دو چار غیر زیادہ ہی رہتے، پھر اس قصہ اور اس قصہ میں زمین و آسمان کا فرق نہیں؟ یزید فقط دشمن دینا تھا، ابو بکرؓ و عمرؓ حسب مقولہ شیعہ دشمن دین، اس لیے تبرا کے وقت انہیں کو نشانہ بناتے ہیں، اور اپنی تحریریں انہی شان میں سناتے ہیں۔  
(شیعوں کا تقیہ قرآن کے مخالف ہے، ہم اور اس غیرت اور بے عزتی کی بات بھی جانے



دو، حکم خدا بھی یہی ہے کہ خدا کی راہ میں جان پر کھیل جائے، عزت کا پاس فکر سے، کسی کے بھلا  
 بڑے لکھنے سے نہ ڈرے، چنانچہ اچھے بندوں کی تعریف میں فرماتے ہیں،  
 يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَهُ يَجَافُونَ  
 كُوفَةً لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (پٹ)

اس سے مراد کوئی سمجھ گیا ہو گا کہ اچھوں کو نہ خوف جان چاہیے نہ پاس آبرو والے ہی صحابہ کرامؓ  
 کو فرماتے ہیں،

فَكَأَيُّنَ مِنْ نَبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ  
 كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي  
 سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا  
 (پٹ ۶۴)

جس کے یہ معنی ہیں بہت سے ایسے نبی گزرے ہیں جن کے  
 ساتھ ہو کے بہت اللہ والوں نے کافروں کے جہاد کیا، پھر  
 نہ وہ سست ہوئے، نہ ہارے نہ گھبرا کر کافروں کے  
 سامنے لجا جت کرنے لگے،

سو آپ ہی فرمائیے تفسیر میں ہوا ان تین باتوں کے اور کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر کلام اللہ  
 میں کہیں بھی نامزدوں اور کم ہمتوں اور بے غیرتوں کی تعریف ہوتی، تو یوں بھی سہی، اور اگر یہی  
 سچ ہے کہ خدا خواستہ تفسیر تھا، تو پھر اگر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو امام کیا بھی ہو گا تو  
 خدا نے معزول کر دیا، کیونکہ ایسے جان کے بچانے والوں سے آگے کو کیا امید اور منتظر امید ہوتے  
 دور دراز شیخین کو خلیفہ کر دیا۔ سو یہی سچ معلوم ہوتا ہے کیونکہ الحمد للہ ویسا ہی ظہور میں آیا  
 روم و شام تو درکنار ایران کو بھی مسلمان کر دیا۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

مجمع ہونا قضاۃ و امراء اور رؤساء اور علماء کا اجماع اہل حل و عقد کہلاتا ہے، یعنی  
 ایسے لوگ مجمع ہوں جن کے ہاں مذہب، بندہ، اور کھولے کھلے، چنانچہ حضرت عمرؓ و دیگر  
 صحابہؓ اور انصارؓ تھے، کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت خلافت کی اور وہی  
 بیعت تاحیات حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بلا منازعت و تنازع و بلا انکار منکر قائم رہی  
 اور تمام اہل حل و عقد کا مجمع ہونا ضرور نہیں ہاں اکثر کا اجتماع ضرور ہے تاکہ لاکھ حکم اکل



ہو جائے ، جیسا کہ خلفاء اربعہ کی خلافت میں ہوا ، اور ابوبکر کی خلافت و فضیلت کا کوئی بھی منکر نہ تھا ، حتیٰ کہ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ امام باقرؑ نے فرمایا  
 لَسْتُ بِمُسْكِرٍ فَضْلُ ابِي بَكْرٍ وَفَضْلُ عُمَرَ وَلَكِنْ  
 ابابکر افضل من عمر ۔

ترجمہ :- میں حضرت ابوبکرؓ کی بزرگی کا منکر نہیں ہوں اور حضرت عمرؓ کی بزرگی کا منکر مگر ابوبکرؓ افضل ہیں عمرؓ سے ۔

(ابوالقاسم نے حضرت علیؓ کے علمبردار عبد خیر سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تم کو یہ نہ بتاؤں کہ سب سے پہلے جنت میں اپنے نبی کے بعد اس امت کا کون سا شخص جنت میں جائے گا ۔ کہا گیا ضرور بتائیے تو حضرت علیؓ نے فرمایا وہ ابوبکر ہیں پھر عمرؓ میں سوال ہوا کہ امیر المؤمنین آپؓ کے بھی پہلے وہ داخل ہوں گے فرمایا ہاں ! اس اللہ کی قسم جس نے دانہ پھاڑا اور روح بدن کو پیدا کیا وہ یقیناً داخل ہوں گے جب کہ میں معاویہ کے ساتھ حساب میں کھڑا ہوں گا )

اُخْرِجَ ابُو الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ صَحَابِ  
 لَوَاءِ عَلِيٍّ اَنْ عَلِيًّا قَالَ اَلَا اَخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ  
 مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هَذِهِ الْاُمَّةِ  
 بَعْدَ نَبِيِّهَا فَقِيلَ لَهُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ  
 قَالَ اَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ فَقِيلَ فَيَدْخُلُهَا  
 قَبْلَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ عَلِيٌّ  
 اَيْ وَالَّذِي فَلَاقَ الْحُبَّةَ وَبَرَأَ النَّبْلَةَ  
 لِيَدْخُلَ فِيهَا وَاِنِّي لَمَعَ مَعَاوِيَةَ  
 مَوْقُوفٌ فِي الْحِسَابِ ۔  
 (ازالۃ الخفا بحوالہ ابوالقاسم ص ۶۸)

فائدہ :- افسوس ہے کہ حضرت علیؓ اور امام باقرؑ تو ابوبکر صدیقؓ کی یہ کچھ فضیلت فرمائیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ پر بہ تصریح تمام فوقیت دیں اور روافض خذلہم اللہ ان کی خلافت سے منکر ہوں اور ان کے کیا منکر ہیں بلکہ اپنے ائمہ سے منکر ہیں ۔

## سوال سوم از جانب شیعہ

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر جو اجماع ہوا وہ بموجب طریقہ معین اہل اسلام کے واقع ہوا یا نہیں ۔

جواب سوال سوم ۔ واقعی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر ایسا اجماع ہوا جیسا اہل اسلام میں



چاہیے، بلکہ کسی اور بات میں ایسا اجماع ہوا ہی نہیں، یہاں تک کہ چھوٹے سے لیکر بڑے تک سب متفق ہو گئے، حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ میری بیعت نہ کرنے سے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ برحق نہیں جانتے، خود حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بلا کر تنہا شکوہ و شکایت دوستانہ کر کے وعدہ بیعت کیا، اور اگلے روز مجمع عام میں آکر بیعت کی۔ اگر جی میں نہ تھی تو اس وقت تک کسی نے خدا نخواستہ گلے پر چھری نہ رکھی تھی، اور رکھتے بھی تو کیا تھا، اماموں کی موت موافق عقیدہ شیعہ اور شہادت کلینی ان کے اختیار میں ہے۔ باقی شیعوں کا یہ رائے کا سارو نا کہ یوں گلے میں رسی ڈال کر لائے اور یوں ظلم و ستم کیا شیطانی خواب ہے۔ جن حضرت علیؑ کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ دس پانچ سے کیا سائے جہاں سے بھی اور چینوں سے تھے؟

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

اجماع خلافت حضرت ابو بکرؓ بطریق معینہ اہل اسلام ہی ہوا، کیونکہ اجماع دین میں اکثر علماء و مینداران اور مسلمانوں کا معتبر ہے، جیسا کہ صاحب آیات و بیانات باقرار علماء شیعہ لکھتا ہے۔ "قولہ۔ یہ امر کہ سب مسلمانوں نے جو اس وقت تھے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت کی، باقرار علماء شیعہ ثابت ہے کہ شریف و رضی کے قول سے ظاہر ہے جو بحار الانوار کی جلد ۳ میں منقول ہے جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے بایں الفاظ فرمایا ہے

بجمع مسلمانان بابو بکر بیعت کردند و اظهار رضا و خوشنودی باد۔ و سکون و اطمینان بسوئے او نمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ و خارج از اسلام است۔

(تمام مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی اور اپنی رضا و خوشی ظاہر کی اور ان پر اطمینان و سکون کا اظہار کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والا بدعتی اور اسلام سے خارج ہے)

سبحان اللہ کیا دین اور ایمان ہے حضرات شیعہ کا کہ حضرت عدیق اکبر کی عداوت کے دین محمدی کو باطل کرتے ہیں اور چار لاکھ مسلمانوں کو جو مجاہدین اور انصار اور مجاہدین تھے اور جن میں بنی ہاشم اور اہل بیت نبویؐ بھی داخل تھے ان سب کو صراحۃً و کنایتہً کافر بناتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ اجماع اہل حل و عقد کا یہ ہوا کہ اس قدر لوگوں نے



متفق اللفظ ہو کر بخوشنودی تمام حضرت ابو بکرؓ سے بیعت قبول فرمائی اور اس جگہ اولالباب کے لیے غور کرنے کا مقام ہے کہ جب صاحب بحار الانوار کہ جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے بزبان فارسی ”جمع مسلمانان ابو بکر صاحب بیعت کردند و اظهار رضا مندی کیا ہے“ لکھتا ہو حضرت اشیعہ اگر حیا دار ہوں تو ڈوب مرنے کا مقام ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جب جمع مسلمانوں نے بخوشنودی تمام حضرت ابو بکرؓ سے بیعت قبول کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، بھی تو مسلمانوں میں ہی شامل ہیں، ورنہ یا بحار الانوار جو نہایت معتبر کتاب ہے اور مجتہد صاحب کی تکذیب کرو یا نحو باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جمع مسلمانوں میں سے استثنا کرو یا۔ موجب عبارت بحار و ترجمہ مجتہد کے تم خود بدعتی اور خارجی بنو فقط،

## سوال چہارم از جانب شیعہ

اجماع اہل حل و عقد جو اوپر علامت حضرت ابو بکر صدیق کے واقع ہوا ہے اس میں کون کون سے فضائل حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قابل امت کے دیکھے۔

جواب سوال چہارم

جتنی باتیں خلیفہ میں چاہیئیں سب خلیفہ اول میں موجود تھیں۔ اعلم الناس۔ افضل الناس۔ اشیع الناس، اتقی الناس، ازہد الناس، ارحم الناس، اعلیٰ الناس، اور ہوائے اس کے بقیے وصف شیعوں نے خلافت کے لیے تجویز کئے ہیں سب ان میں تھے سند مطلوب ہوتا جواب سوالات سوم کو منجملہ جواب سوالات اربعہ کے جو ان ۲۸ جوابوں کے ساتھ مرسل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

فضل ابو بکرؓ کا صحابہؓ کے نزدیک منجملہ متواترات تھا اور بہت سی احادیث ان کی فضیلت کی زبان زد تھیں چنانچہ جو احادیث کہ فضائل حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سوال جواب اول میں مذکور ہوئیں وہی فضائل موجب خلافت ہوئے اور ماسوا ان کے اور فضائل لا تعداد ولا تخصی ہیں بخوف طوالت کے ذکر نہیں کیا۔ نقل مشہور ہے آدمی کے لیے ایک بات کافی ہے اور عاقل کو



ایک اشارہ پس ہے اور آیات قرآنی سے بھی فضائل بے شمار ثابت ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ آیت :-

ثَلَاثِي أَشْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ  
لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا  
(توبہ ۶۰)

ترجمہ :- دوسرا دوس میں کا جب دونوں غار میں تھے  
جس وقت کہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا غمگین مت  
ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

فائدہ :- اس میں دوسرے کا احتمال بھی نہیں آتا ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا  
صاحب فرمانا۔ دوسرے معیت خداوندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل کیا  
سبحان اللہ وصل علی اس شخص کی بزرگی پر جس کے ساتھ خداوند دو جہان ہوا ایک فرقہ کیا اگر  
اس سے تمام عالم باغی ہو جائے تو بھی کیا ہو سکتا ہے ایسے شخص سے محرف ہونا اپنی ذات  
بتانی ہے اور دوسری آیت یہ ہے۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ  
الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً  
مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا  
ترجمہ :- برابر نہیں ہو سکتے تم میں وہ لوگ جنہوں نے  
فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا یہ لوگ مرتبہ میں  
بہت بڑے ہیں ان لوگوں جنہوں نے خرچ کیا  
بعد فتح کے اور جہاد کیا۔

(حمایت رسول میں ابوبکرؓ کی بہادری اور قتال)

اور قتال کرنا قبل فتح کے حضرت ابوبکرؓ کا بے انتہا روایت ثابت ہوتا ہے چنانچہ  
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ أَخْبِرُونِي  
بِأَشْبَحِ النَّاسِ قَالُوا أَلَا نَعْلَمُ فَمَنْ قَالَ  
أَبُوبَكْرٍ - لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ قُرَيْشٌ فِهَذَا  
يَجْبِيهِ وَهَذَا يُتَلَتِّلُهُ وَهُمْ يَقُولُونَ  
أَنْتَ الَّذِي جَعَلْتَ الْإِلَهَةَ إِلَهًا

ترجمہ :- حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے  
کہا اے لوگو مجھ کو بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے  
لوگوں نے کہا ہم تو نہیں جانتے آپ ہی بتائیے  
کون ہے؟ کیا ابوبکرؓ ہیں۔ میں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے جب کہ قریش  
ایذا دیتے تھے کوئی آپ کو میٹھ کے بل گرتا تھا۔



وَاحِدًا قَالَ قَوْلَ اللَّهِ مَا دَفَىٰ مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا  
 أَبُو بَكْرٍ يَضْرِبُ هَذَا وَيَجْبِي هَذَا  
 وَيَسْتَلِ هَذَا وَهُوَ يَقُولُ وَيَلْكُهُ  
 اتَّقَتُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّي اللَّهُ ثُمَّ  
 رَفَعَ عَلَىٰ بُرْدَةٍ كَانَتْ عَلَيْهِ فَبَكَى حَتَّى  
 ابْتَلَّتْ لَحْيَتَهُ ثُمَّ قَالَ آمُومِنُ الْ  
 فِرْعَوْنَ خَيْرٌ مِنْ أَبِي بَكْرٍ فَسَكَتَ  
 الْقَوْمُ فَقَالَ أَبُو جُبَيْرٍ فَوَاللَّهِ لَسَاعَةً  
 مِنْ أَبِي بَكْرٍ خَيْرٌ مِنْ مُشَلِّ الْفِرْعَوْنَ  
 وَذَلِكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ وَهَذَا  
 أَظْهَرُ - (اعلم)

راز النخاع ص ۲۲۹ و ص ۲۹۸ بحوالہ الاستیعاب

اور کوئی منہ کے بل اور یہ کہتے جاتے تھے تو ہی ہے  
 وہ شخص کہ بہت سے مجبوروں کے ایک ٹھہرایا۔  
 حضرت علیؑ کہتے ہیں قسم اللہ کی ہم میں سے سوا  
 ابو بکر کے اور کوئی حضرت کے قریب نہ ہوا اور ابو بکر  
 کسی کو مارتے تھے کسی کو کھڑکے بل گراتے تھے  
 اور کسی کو پیشانی کے بل۔ اور یہ کہتے تھے خرابی ہو  
 تمہارے لیے کیا مارتے ہو تمہارے شخص کو جو کہتا  
 ہے پروردگار میرا اللہ ہے پھر حضرت علیؑ نے  
 اپنی چادر اوڑھ لی ہوئی تھی۔ اٹھائی اور  
 بٹے یہاں تک کہ ریش مبارک تر ہو گئی پھر کیا قسم  
 دیتا ہوں میں ساتھ اللہ کے آیا مومن آل فرعون  
 کا بہتر ہے یا ابو بکر پر لوگ چپکے رہے آپ نے کہا  
 مجھ کو جواب کیوں نہیں دیتے قسم ہے اللہ کی البتہ  
 ایک ساعت ابو بکر کی بہتر ہے مومن آل فرعون  
 جیسے شخص سے وہ تو ایسا شخص تھا کہ ایمان اپنا  
 پوشیدہ رکھتا تھا اور یہ ایسا شخص ہے کہ اپنے  
 ایمان کو ظاہر کیا۔

(ابو بکر صدیقؓ کی غیر ایمانی)

دیگر حدیث محبوب سبحانی مع آیت قرآنی

عن ابن جریر قال حدثت ان اباقحافة  
 سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 فَصَكَّهُ أَبُو بَكْرٍ صَكَّةً فَسَقَطَ فَذَكَرَ  
 ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 ترجمہ ابن جریر سے روایت ہے کہ ابو قحافہ نے رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا اس پر ابو بکر نے ایک طمانچہ ابو قحافہ  
 کے مارا کہ ابو قحافہ زمین پر گر پڑے پھر حضرت نے  
 اس کا ذکر فرمایا کہ ابو بکر کیا تو نے ایسا کیا۔ کہا قسم



فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَفَعَلْتَ هَذَا فَقَالَ وَاللَّهِ  
لَوْ كَانَ السَّيْفُ قَرِيبًا مِنِّي لَضَرَبْتُهُ  
فَنَزَلَتْ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ  
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ

اللَّهُ أَلَا تَعْلَمُونَ  
اللہ کی اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو بے شک

اس کے مارتا تب یہ آیت نازل ہوئی نہ پاؤں گے گا تو  
اس گمروہ کو جو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قیامت  
کے دن پر کہ دوست رکھیں وہ ان لوگوں کو جو  
اللہ رسول سے دشمنی رکھتے ہیں اگرچہ ان کے

(ازالۃ الخفاء ص ۲۹۸)

(بعد از رسول ابو بکر و عمرؓ ہی کفار کے دل میں کانٹا تھے۔)

دیگر واقعہ غزوہ احد میں مذکور ہے کہ ابوسفیان نے ندا کی۔

ترجمہ: آیا قوم میں محمد موجود ہے آیا قوم میں ابو قحافہ  
کا بیٹا ہے آیا قوم میں عمر بن خطاب ہے

هَلْ فِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ وَهَلْ فِي الْقَوْمِ  
ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ وَهَلْ فِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ

(بخاری غزوہ احد ص ۵۷۹)

فائدہ :- اس کا پوچھنا اس غرض سے تھا کہ اگر خدا نخواستہ یہ اشخاص نہ ہوئے تو ہمارا کام بن  
گیا اور ہم نے میدان جیت لیا اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی آنکھوں میں بھی یہ ہی لوگ اتنی تیب  
سے کھٹکتے ہیں۔

## سوال پنجم از جانب شیعہ

آیا کوئی فضیلت حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ میں ایسی تھی جو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ میں نہ تھی۔

جواب سوال پنجم

اس سوال کا اگر یہ مطلب ہے کہ اوصاف حمیدہ میں سے کوئی ایسا وصف بتاؤ جو حضرت  
ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ میں ہو اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ میں نہ ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے غلامی خوبی ان میں تھی اور ان میں  
نہ تھی پر اس سے سائل کو کوئی نفع نہیں اگر دو شخصوں میں برابر اوصاف ہوں تب جسے  
خلیفہ بنا دیں بجا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کئی بیشی کا فرق بتلاؤ تو یہ ہمارے ذمہ ہے مگر ہم  
جواب سوم میں منجملہ جوابات اربعہ میں بالاجمال اس کا جواب دے چکے ہیں۔ الغرض اوصاف  
میں بلکہ تمام اوصاف میں ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ صحابہ سے بڑھ کر تھے اس میں حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ



ہوں یا اور کوئی۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ ہی فرماتے ہیں کہ سب میں افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں۔  
 سند مطلوب ہو تو بخاری میں دیکھ لیجئے بروایت محمد بن الحنفیہ فرزند ارجمند حضرت خیر خدایہ روایت  
 موجود ہے بالجملہ اور عالم تھے تو ابوبکر اعلم تھے اور زائد تھے تو ابوبکر ازہد تھے اور راحم تھے تو  
 ابوبکر ارحم تھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

چند فضائل تو در باب خلافت مذکور ہو چکی ہیں اور دیگر فضائل بھی بہت ہیں۔  
 (سفر ہجرت میں حضرت ابوبکرؓ کا ایثار ضرب المثل ہے)

مثلاً قصہ اس رات کے جس رات کو تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقصد ہجرت مناز میں  
 تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال ہوا کہ سب عیال و اطفال کو کفار میں چھوڑ کر حضرت  
 کے ہمراہ ہوئے اور باوجود تلاش شدید و دواوید (دور دھوپ) کفار کے حضرت کے ساتھ  
 غار میں رہے اور اس غار میں حضرت کے آرام کیلئے اپنا کپڑا بچھا کر سانپ کچھوؤں کے سوراخوں  
 میں دیا جب کپڑا نہ رہا اور ایک سوراخ باقی رہ گیا اس پر اپنا پاؤں لگا کر بیٹھ گئے اور حضرت  
 اپنے سر مبارک کو حضرت ابوبکرؓ کے زانو پر رکھ کر بے فکر ہو کر آرام فرمانے لگے اس اثناء میں حضرت  
 ابوبکرؓ کے پاؤں میں چند بار سانپ نے کاٹا، حضرت خلیفہ نے بسبب خیال بے آرامی حضرت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دم نہ مارا، حتیٰ کہ بے اختیار حضرت خلیفہ کے آنسو جاری  
 ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر گرے حضرت نے فوراً بیدار ہوتے  
 ہی کیفیت پوچھ کر اپنا لب مبارک لگا دیا فوراً شفا ہو گئی۔

شیعوں کو اتنی ہی بات فرق مراتب کے لیے کافی و دافی ہے کہ حضرت علیؓ کی آنکھوں  
 میں بوقت بھیجنے خیر کے رسول مقبول نے لب مبارک لگایا اور حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں۔  
 دوسرے کہ حضرت امیر المؤمنین کی آنکھوں میں بغرض خیر بھیجنے کے لب لگایا اور حضرت  
 ابوبکر صدیقؓ کے پاؤں میں بے غرضانہ کہ ماسوائے فرط محبت کے دوسری وجہ نہ تھی۔

اور اس واقعہ ہجرت میں سواری حضرت ابوبکرؓ کی معرفت تیار ہوئی زادہ راہ ان کے



گھریکا غلام ان کا غار میں دودھ لاتا تھا بیٹا ان کا خبر کفار کی اور تمام دن کے منصوبے رات کو آکر سنا۔ غلام ابو بکرؓ کا رفیق راہ تھا اجیران کار مہر تھا۔ غرضیکہ سفر ہجرت کو رفاقت صدیقی ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ ماسوا ابو بکر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر پر لے کے کون ہاتھوں کے بل سپاڑ پر چڑھا تھا اور کس کی طرف ایسی مددیں پہنچیں شعر

دوست آں دائم کہ گیر دوست دوست در پریشاں حالی و در ماندگی

(ابو بکر صدیقؓ سے بڑے عاشق رسولؐ تھے۔)

اور منجہ فضائل کے گفتگو کرنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یوم بدر و یوم حدیبیہ کے اور رونا حضرت ابو بکرؓ کا بسبب غایت رازدانی کے بوقت فرمانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

إِنَّ عَبْدًا أَحْبَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ - (بخاری ص ۱۱۱ مسلم ص ۲۴۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اختیار دیا چاہے دنیا پسند کرے چاہے آخرت۔

اور خطبہ ٹپھنا حضرت ابو بکرؓ کا بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تسکین دینا لوگوں کو اور کھڑا ہونا مقدمہ ہجرت میں واسطے خیر خواہی مسلمان کے۔ پھر اہتمام کرنا جیوش نبیؐ کے حسب ارشاد رسول مقبول کے ملک شام کی طرف اور قتال کرنا مرتدین سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "انت عِثِّقُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ فَرَمَانا ربے شال نصیحت سے اور طبرانی نے اسے عمدہ سنہ گئی ہے۔

(حضرت ابو بکرؓ خدا اور رسول کی شہادت صدیق ہیں)

اخرج الطبرانی بسند صحيح جيد عن حكيو  
بن سعد قال سمعت عليا ويحلف انزل  
الله اسمي بكنة صديقاً من السماء  
الرياض النضره ص ۶۸ بحوالہ عمر قنذی و صاحب الصفوة

ترجمہ: حکیم بن سعد سے روایت ہے کہ انیس نے علیؓ کو کہتے تھے اور قسم کھاتے تھے کہ بے شک اللہ نے حضرت ابو بکرؓ کا نام صدیق آسمان سے اتارا ہے۔

لے ابو اسحاق السبئی ابو یحییٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے حضرت علیؓ سے کتنی بارنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کا نام اپنے نبی کی زبان پر صدیق رکھا۔ (۲) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے آسمان کا معراج کرایا گیا فماراثیت شیئاً الا وجبت اسی فیہ مکتوباً محمد رسول اللہ و ابو بکر الصدیق خلیفتی (الریاض النضره ص ۶۸ بحوالہ



غرضیکہ صدیق نام پانا اور جبل احد کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اُسکُنْ يَا اَحَدُ فَاَتَمَّ  
 عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانٌ اور سب مسلمانوں کا متفق ہو کر خلیفہ بنانا۔ اور لکھو کچھ فضائل  
 ہیں کہ احاطہ تقریر و تحریر سے باہر ہیں خدا کا فضل ہے اہل سنت جماعت کی کتابیں بہت ملتی  
 ہیں۔ حضرات شیعہ کی کتابوں کی طرح مفقود و محبوب نہیں اگر کچھ سنیقہ کتاب بینی کا ہے تو دیکھ لیجئے  
 ورنہ خواہ مخواہ دخل در معقولات نہ دیجئے اور بحث و مباحثہ کی ٹانگ نہ توڑیے۔  
 (کتب شیعہ سے صدیق ہونے کا ثبوت)

اور اگر ہماری کتابوں کے دیکھنے کا شعور نہیں تو اپنی ہی کتابیں دیکھ کر ذرا تو شرمندہ ہوئے  
 دیکھو کشف الغمہ کہ جو تمہارے یہاں نہایت معتبر ہے تمہارے کیسے پترے کھولتی ہے۔

سُئِلَ الْإِمَامُ أَبُو جَعْفَرٍ عَنْ حَلِيَّةِ الشَّيْفِ  
 هَلْ يَجُوزُ فَقَالَ نَعَمْ كَذَا حَلَّى أَبُو بَكْرٍ  
 الصِّدِّيقُ لِسَيْفِهِ فَقَالَ الرَّاهِبِيُّ الْقَوْلُ  
 هَكَذَا قَوَّبَ الْإِمَامُ عَنْ مَكَانِهِ فَقَالَ  
 نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ  
 الصِّدِّيقُ فَمَنْ كَمْ يَقْدِرُ لَهُ الصِّدِّيقُ  
 فَلَا صَدَقَ اللَّهُ قَوْلَهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
 ترجمہ :- امام ابو جعفر (باقر) علیہ السلام سے پوچھا گیا  
 کہ تلوار کو زیور لگانا یعنی سونے چاندی سے آراستہ  
 کرنا آیا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں ابو بکر صدیق نے  
 اپنی تلوار کو زیور سے آراستہ کیا۔ راوی نے کہا تم ایسا  
 کہتے ہو؟ یہ سن کر امام اپنی جگہ سے کود کر اٹھے پھر فرمایا  
 ہاں صدیق ہاں صدیق ہاں صدیق۔ پھر جو شخص ان کو صدیق  
 نہ کہے اللہ اس کی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے۔

ف :- غور کرنے کا مقام ہے کہ اول تو خود بخود امام محمد باقر نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو صدیق  
 فرمایا دوسرا ان کے فعل کی سند ذکر فرمائی چونکہ سائل رافضی تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ  
 بھی صدیق فرماتے ہیں حضرت امام محمد باقر یہ لفظ سنتے ہی طیش میں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا  
 ہاں صدیق ہاں صدیق جو اس کو صدیق نہ کہے اللہ اس کو دین و دنیا میں سچا نہ کرے۔ اے  
 حضرات امامیہ اس وقت میں تم سے بطور راز دہی کے پوچھتا ہوں خدا کے لیے سچ تو بتاؤ کہ



تمہارے لئے تو اس قدر حضرت صدیق کے محب و متبع ہیں تم کس کے پیرو ہوئے ہو اور اماموں کے  
سے بھی تقیہ کر رکھا ہے اور ایک نصیحت یہ نظر دوستانہ کہتا ہوں کہ صاحب الحیاء والایمان سے  
اعراض نہ کرو تاکہ کچھ حصہ حیا کا تم کو بھی مل جائے۔

## سوال ششم از جانب شیعہ

حضرت علی مرتضیٰؑ میں کون سے ایسے فضائل ہیں جو حضرت ابوبکر یا دیگر صحابہ میں نہ تھے  
جواب سوال ششم۔ اس سوال میں سوال پنجم ہی کو الٹ لیا ہے سو اس کا جواب بھی اسی کے  
جواب میں موجود ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

معلوم ہے کہ جمیع صحابہؓ میں فضائل جزئیہ میں یہ تفاوت موجود ہے کہ ایک بات  
ایک میں ہے اور دوسرے میں نہیں اسی قیاس پر حضرت علیؑ میں دامادی کی فضیلت ہے  
حضرت ابوبکرؓ میں نہ تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں دوسری پائی جاتی تھی اور بروقت ہجرت  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس مکان میں تنہا رہنا بے شک  
فضیلت ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونا کچھ  
کم نہیں بلکہ بایں وجہ زیادہ ہے کہ بوجہ حمایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض صحت کفار کو  
حضرت صدیق سے زیادہ تھی کیونکہ جتنا کوئی اپنے دشمن سے مرتبط ہوتا ہے اتنا ہی خارج گزرتا  
ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بسبب کم عمری کے کچھ مزاحمت نہ تھی دوسرے  
یہ کہ جس حال میں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے۔  
پھر ان سے کیا پر خاش تھی اسی لیے ان کو بھی کچھ نہ کہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ  
کے گھر جا کر ان کے بیٹے بیٹی اسرار کے طمانچہ مارا۔

(حضرت علیؑ کے مخصوص فضائل)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھی بہت فضائل ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے غزوہ تبوک نہ لیجانے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ملال یہ کہہ کر دور کیا۔



أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ  
هَارُونَ مِنْ مُوسَى غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَنْبِئْ  
بَعْدِي - (ترمذی ص ۲۱۴ مسلم ص ۲۷۸)

ترجمہ: کہا تو اس بات سے راضی نہیں ہوتا کہ میری  
نسبت ایسا ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ کی  
نسبت تھے سوئے اس کے کہ وہ نبی تھے میرے بعد  
نبی نہیں۔

اور فتح خیبر کے لیے یہ کہہ کر جھنڈا حضرت نے امیر المومنین کو مرحمت فرمایا۔

لَا تُطِيقُ الرَّايَةَ غَدًا جَلَدًا يَفْتَحُ اللَّهُ  
عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ  
اللَّهُ وَرَسُولُهُ، أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْبَزْازِيُّ عَنْ  
سَهِيلِ بْنِ سَعِيدٍ - (ترمذی ص ۲۱۴ مسلم ص ۲۷۹)

ترجمہ: البتہ دوں گا میں جھنڈا کل کو اس شخص کو کہ اللہ تعالیٰ  
اسکے ہاتھ سے فتح دے گا دوست رکھتا ہے  
وہ اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اللہ و رسول  
اس کو دوست رکھتے ہیں۔  
اور ایک یہ فرمانا۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي سُرَيْجَةَ  
وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ (ابی سرجتہ) وَهُوَ حَدَّثَنِي أَبُو سَيْدٍ صَاحِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَوْ رَأَى بَيْتَ مِيں دُعا کر کے داخل کیا جو قصرِ عباسی مشہور ہے اور مواخات کے وقت یہ  
فرمایا انت اخي في الدنيا والآخرة أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ بَنِ عَمْرِو - تو میرا بھائی ہے دنیا اور  
آخرت میں۔ اور انا مدينة العلم وعلى بابها وَغَيْرَ ذَلِكَ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ  
وَالْحَاكِمُ عَنْ عَلِيٍّ تَرْجَمَهُ: مِیں شہرِ علم کا ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ فضائل بے انتہا  
ہیں لیکن ایسے فضائل جزئیہ خلفاء اربعہ میں بلکہ اکثر صحابہ میں پائے جاتے ہیں بخوف و لازمی  
عجائز کے ذکر نہیں کئے اور فضیلت جزوی سے فضیلت کلی ثابت نہیں ہوتی۔

(حضرت عمر و عثمانؓ کے مخصوص فضائل)

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ بَنِ عَمْرِو أَنَّ  
اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ  
اللَّهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ  
وَقَلْبَهُ - (ترمذی ص ۳۹ ج ۲)

ترجمہ: ترمذی نے ابنِ عمرؓ سے روایت کی ہے  
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے  
کیا حق کو عمر کی زبان پر اور اس کے دل پر



واخرج الترمذی والحاکم وصححه عن  
عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى  
الله عليه وسلم لو كان نبی من  
بعدي لكان عمر وترمذی ص ۲۹۹

اور جیسے حضرت عثمان بن عفان کی شان میں وارز ہوئیں۔  
(حضرت عثمان کی فضیلت میں احادیث)

اور روایت کی ترمذی اور حاکم نے اور تصحیح کی  
عقبة بن عامر سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے اگر ہوتا بنی میرے بعد تو البتہ عمر ہوتا۔

اخرج الشيخان - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ  
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ  
ثِيَابَهُ حِينَ دَخَلَ عُثْمَانُ وَقَالَ أَدَايْتَنِي  
مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ (مسلم ص ۲۲)  
ط اخرج الترمذی عن انس والحاکم  
وصححه عن عبد الرحمن بن سمرة  
قال جاء عثمان إلى النبي صلى الله عليه  
وسلم بألف دينار في كُمه حين  
جهز جيش العسرة فنثرها في حجره  
قال عبد الرحمن فرأيت النبي صلى  
الله عليه وسلم يقبلها في حجره و  
يقول ما ضر عثمان ما عمل بعد  
اليوم متين (ترمذی ص ۲۱۱)  
واخرج الترمذی عن انس قال لما  
أمر رسول الله صلى الله عليه  
وسلم بجيعة الرضوان كان  
عثمان بن عفان رسول رسول الله عليه

ترجمہ امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اپنے کپڑے درست کئے جب آپ کے پاس حضرت  
عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور آپ نے فرمایا کہ شرم کھڑو  
میں اس شخص سے کہ جس سے فرشتے شرم کرتے  
ہیں۔ ترمذی اور حاکم نے انس سے روایت کی  
ہے اور تصحیح کی اس کی عبد الرحمن بن سمرة  
نے عثمان بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہزار دینار  
لے کر جب کہ جيش العسرة کا سامان کیا اور لاکر آپ کی  
گود میں ڈال دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ان دیناروں کو الٹے پلٹے تھے اور فرماتے تھے۔  
نقصان نہیں کرتا عثمان کو۔ کوئی عمل بعد کا آج  
کے دن دوبار فرمایا۔

اور روایت کی ترمذی نے انس سے کہا جب  
کہ حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت  
رضوان کا تو عثمان بن عفان حضرت کی طرف سے  
مکہ والوں کے پاس قاصد گئے تھے لوگوں نے حضرت



وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ قَالَ قَبَّيْحَ  
النَّاسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللَّهِ وَحَاجَةِ  
رَسُولِهِ فَضَرَبَ بِإِحْذَى يَدَيْهِ عَلَى  
الْأُخْرَى فَكَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ  
أَيْدِيهِمْ لَهُ نَفْسُهُمْ

(ترمذی ص ۲۱۱)

غرضیکہ اکثر احادیث فضائل میں وارد ہوتی ہیں کہ وہ فضائل ایک کے دو سر میں نہیں پائے  
جالتے فضائل جزئیہ سے علو مرتبہ نہیں ہوتا ہاں جس طرح اجماع امت خلافت پر مرتبہ بمرتبہ  
چلا آیا ہے۔ اسی طرح فرق مراتب بھی ہے کیونکہ مجموعہ فضائل سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

## سوال ہفتم الجانب شیعہ

سوائے حضرت مرتضیٰ کے کسی اور صحابی کے ایسے بھی رد شمس واقع ہوا؟  
جواب سوال ہفتم

(رد شمس کی روایت شیعہ کے لیے مفید نہیں)

آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا طبرانی اور طحاوی نے بایں طور نقل کیا ہے کہ خیر  
کی راہ میں بعد عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے  
بعد غروب آفتاب آٹھ کھلی تو حضرت علیؑ نے پوچھا تم نے عصر کی نماز پڑھی اپنے عرض کیا

اے مورخین شیعہ بھی صلح حدیبیہ کے قصہ میں حضرت عثمانؓ کی اس فضیلت کا اقرار کرتے ہیں: روایت یحییٰ بن جابر نے  
اپنا ایک ہاتھ دو سر ہاتھ پر عثمانؓ کی بیعت لینے کیلئے مارا جب مسلمانوں نے کہا کہ عثمانؓ بڑے خوش نصیب ہیں کہ طواف و عمرہ کرنا ہوگا اپنے نبیایا  
حضرت عثمانؓ ہمارے بغیر طواف نہیں کیا۔ چنانچہ جب واپس آئے تو حضورؐ نے پوچھا کیا تو نے طواف کیا؟ عثمانؓ نے کہا جب آپ طواف کر کے پہنچے تو میں بھی یہ کیا  
(حیات القلوب ص ۲۱۱)



کوئی نہیں آپ نے دعا فرمائی خدا تعالیٰ نے آفتاب کو پھر ٹپا یا پاٹھوں پر دھوپ نظر آنے لگی۔ اس وقت  
کا ہر چند صحاح ستہ میں پتہ نہیں اور ابن جوزی نے جو بڑے محدث ہیں اس روایت کو منجملہ موضوعات  
یعنی چھوٹی حدیثوں میں شمار کیا ہے پر اور محققوں نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ سو ہمیں بھی یہی بات

لے بسو اللہ الرحمن الرحیم۔ رد شمس کا معجزہ، درخبر سے واپسی پر مقام صبا میں ظاہر ہوا۔ اور یہ حدیث۔ حضرت انابت  
عین سے دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ اس حدیث کی بات میں امام طحاوی نے شکل الآثار و علامہ زرقانی نے شرح مؤاہب اور حافظ ابن کثیر نے  
البدایہ میں قاضی عیاض شرح شفاء میں مولانا بدر عالم صاحب نے حضرت مولانا نور شاہ صاحب کشمیری سے فیض الہادی کتاب الجہاد میں اور دوسرے حضرات  
نے بھی ذکر فرمایا ہے امام طحاوی فرماتے ہیں ہذان حدیثان ثابتان و رواۃہما۔ ثقات، شرح امامی الاجاز کے مقدمہ ص ۵۵ تا ۵۷ میں  
بھی اس حدیث پر مفصل بحث ہے اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے شیخ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے بارے میں ایک متقل رسالہ  
کشف البس عن حدیث رد شمس لکھا ہے جس میں اس حدیث کے طرق و اسانید پر بحث کی ہے اور اس کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے علامہ زرقانی نے بھی  
شرح مؤاہب میں اس کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے علامہ عینی نے بیہقی سے مسوط نقل کیا ہے ضحاک نے اپنی تفسیر کبیر میں بھی اس کا ذکر کیا ہے  
گویا کہ امام طحاوی اس حدیث کی تصحیح کرنے میں متقدمین کے متقدمین و متاخرین میں بہت سے حضرات نے امام طحاوی کی موافقت کی ہے اور  
امام ابن تیمیہ کے قول پر ترجیح دی ہے۔ المعتمد من المختصر من عمل الامام ابو حنیفہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کہ دُشِقَ الشَّمْسُ مُذْنَبٌ عَلَى يَوْشَعَ بْنِ  
زُؤَانَ سے معارضہ صحیح نہیں اس لیے کہ مُذْنَبٌ کے یہ الفاظ ہو سکتا ہے کہ اس رو شمس کے وقت سے پہلے ہوں اور شمس اب ہیں۔ تو دونوں  
میں تطبیق ہو گئی۔ خفاجی مصری شرح شفاء میں کہتے ہیں اس حدیث پر بعض قراہ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اسکی روایت  
مطعون ہیں۔ واصل یہ مخالط ابن جوزی کے کلام کو جو ہے ہے حالانکہ اس کی اس کتاب کی اکثر حصہ مرفوعہ۔ وقد قال خاتمة  
المحافظ السيوطي وكذا السخاوي ان ابن الجوزي في موضوعه محامل تحلل كثير۔ بیان کیا کہ حدیث سی احادیث صحیحہ میں  
ذکر کر دی ہیں جیسا کہ ابن سلیم نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور تو یہ طریق اسکی محدث بر شام میں مصنف نے بھی اس کی تصحیح کی ہے اور اس سے پہلے  
امام طحاوی ابن شابر، ابن مندہ، ابن مردودہ اور طبرانی نے مجمل میں اسکو حسن کہا ہے۔ ابن جوزی نے جن پر کلام کیا ہے ان میں احمد بن صالح  
بھی ہے جو ابو حفص طبری ہے حالانکہ وہ حافظ الشافعی، اصحاب سنن نے اس روایت کی ہے اور اس کی توثیق کے لیے یہی کافی ہے کہ بخاری نے  
صحیح میں اس سے روایت نقل کی ہے تو امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن جوزی یا دوسرے حضرات جنہوں نے اس کو موضوع عین شمار کیا ہے ان کی یہ بات قابل توجہ  
نہیں۔ احمد بن صالح مصری ابو حفص ابن طبری ثقہ حافظ من العاشرة، امام نسائی نے بھی اجماع تلمیذ کی وجہ سے اس پر کلام کیا ہے ابن معین، اسکی تلمیذ نقل کی ہے  
ابن جان پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جس پر کلام کیا گیا ہے وہ احمد بن صالح اشعری ہے اور امام نسائی نے اس کو احمد بن صالح مصری بھی حالانکہ وہ  
احمد قرطباری، ترمذی، ابو داؤد کے رواۃ میں ہے۔ کذا فی التقریب۔ واللہ اعلم محمد اشرف۔



پند ہے کچھ اپنی محبت کا تقاضا کچھ شیعوں کی خاطر اس پر بھی وہ نہ سمجھیں تو انہیں خدا بجھے۔

(دعائے نبوی سے ہونے والا کام معجزہ رسول ہے)

پر ہمیں معلوم نہیں اس سوال میں سائل نے کیا فائدہ سمجھا ہے اگر یہ تمنا ہے کہ یہ معجزہ حضرت علیؑ کے نام لگ جائے تو اس کی امید بے جا ہے۔ اگر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے ہاں حضرت علیؑ کی کارگزاری اور خاطر داری البتہ باعث دعا مذکور ہوئی سو یہ کون سی بڑی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ادنیٰ بات ہے۔ اس سے پہلے مکہ میں کفار کی استدعائے معجزہ شوق القمر ہوا تھا تو کفار کی کیا فضیلت نکلتی تھی۔ اور اگر اس میں کچھ فضیلت ہے تو فقط اتنی ہے کہ ان کی یہ خدمت پسند آتی سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکرؓ کی خدمت گزاریاں اس سے زیادہ پیش نظر تھیں۔

(حضرت کی ابو بکرؓ کی احسان شناسی)

بخاری اور مسلم وغیرہ صحاح میں موجود ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں ارشاد فرمایا کہ جتنا ابو بکرؓ کا احسان میرے ذمہ ہے اتنا کسی کا نہیں پر ان کو قضا نماز کا اس (خدمت) کی وجہ سے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا ورنہ ان کے لیے دعا کرتے تو مغرب چھوڑ مشرق سے آفتاب نکل آتا بایں ہمہ یہ دعا تھی۔ اور دعا میں بے اختیار کی غلطی ہے خدا کو اختیار ہے چاہے قبول کرے چاہے قبول نہ کرے اور قبول کرے تو خدا کے نزدیک ایسی بات نہیں پر قابل تعریف یہ بات کہ خدا ساتھ ہو جائے سو تم بھی جانتے ہو کہ ان اللہ معنوں کی یا معنیٰ ہیں اور یہ کس کی شان میں ہے یا غار کون تھا اور سکنیت خداوندی کس پر نازل ہوئی اور اس کو بھی جاننے دیجئے اگر یہ آفتاب کا لوٹ آنا حضرت علیؑ کی خاطر ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر نہ تھا آپ کی دعا کا اس میں اثر نہ تھا اور تھا تو برائے نام تھا ظاہر کا بہانہ تھا ورنہ اصل میں حضرت علیؑ ہی کی خاطر تھی تو پھر کیا اس سے کچھ فضیلت لازم نہیں آتی ورنہ حضرت علیؑ اور صحابہ تو درکنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہو جائیں گے۔ ادھر یہ معجزہ اول حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاطر واقع ہوا ہے۔ اس صورت میں حضرت سلیمان سوا حضرت علیؑ اور سب سے افضل ہو جائیں گے۔ مگر تمہیں فرماؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو درکنار حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت



موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں یا حضرت سلیمان شفاعت کی حدیث تو سنی ہوگی اس میں دیکھیے  
خلافت کس کس کی طرف بغرض شفاعت جائیں گے اس میں کہیں سلیمان (علیہ السلام) کا ذکر نہیں

## جواب ثانی از مولوی عبدالحق صاحب

یہ بھی فضیلت جزوی ہے اور یہ فضیلت بہ نسبت فضیلت حضرت ابوبکرؓ کے کہ حضرت نے  
فرمایا مردوں میں سب سے زیادہ مجھ کو ابوبکر محبوب ہے۔ اور بہ نسبت فضیلت حضرت عمرؓ کے کہ لَوْ كَانَ  
نَسَبِي مِنْ بَعْدِي لَكَانَ عُمَرُ۔ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور بہ نسبت فضیلت حضرت  
عثمانؓ کے کہ اَلَا اسْتَحْيِي مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ دیکھا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے  
فرشتے حیا کرتے ہیں کچھ معتد بہا نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کی دعا سے ہوا ہے اس میں کوئی فضیلت حضرت علیؓ کی نہ حاصل ہوئی کیونکہ حضرت رسول  
مقبول جس کے واسطے دعا فرماتے روٹھیں ہو جاتا پر چونکہ ان سے کبھی درباب صوم و صلوات  
بہ ہمت نہ ہوئی اس لیے ان کے لیے دعا روٹھیں بھی وقوع میں نہ آئی درحقیقت امیر المومنین  
کی فضیلت اس میں ظاہر ہوتی کہ خاص ان کی ہی دعا سے روٹھیں ہوتا اور کسی کی دعا سے نہ ہوتا اور  
یہ کہیں ثابت نہیں سائل کو شرم نہیں کیا حضرت علیؓ کے فضائل مٹوٹے تھے جو اس کو بڑے اہتمام  
سے جداگانہ سوال قرار دیا اور ایک قاعدہ اور بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ جو معجزہ نبوی ہے اس سے  
خواہ مخواہ غیر کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اگر اس کو تم نہ مانو تو اکثر معجزوں سے کفار کی فضیلت  
نکل آئے گی۔ تتبع فضائل جمیع صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب صحابہ حضرت کے مرغوب و  
محبوب تھے لیکن بمقتضای آیت کریمہ۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ يَكُنْ خَلِيفَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ الْخ

(کہ اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے

والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو ضرور بر ضرور زمین

میں خلیفہ بنائے گا۔ الخ )

کے خلفاء ایمان اور اعمال صالحہ سے مشرف ہو کر بہرہ اندوز خلافت جہات اربعہ ہونے۔ جاننا  
چاہیے کہ خداوند کریم نے خود ان کے ایمان اور اعمال صالحہ اور خلیفہ بنانے کے لیے اتنی مدت



پیشتر خبر دی افسوس ہے کہ جو امر خداوند تعالیٰ کی مرضی سے مجھے روافض اس کو نہ مانیں یہ وہ مثل ہے کہ بادشاہ کا مال صرف ہوا اور خزانچی کی جان سوکھی۔ یہ کیسے مسلمان ایماندار ہیں کیا اس بات پر ایمان لائے ہیں کہ حکم خداوندی نہ مانیں گے اگر یہ بات ہے تو بیشک پختہ مومن ہیں۔

## سوال ہشتم از جانب شیعہ

حضرت علی کے لیے پیغمبر خدا نے یہ فرمایا یا نہیں کہ وہ خدا اور رسول خدا کو دوست رکھتے ہیں اور خدا اور رسول خدا اس کو دوست رکھتے ہیں یا یہ کہ لڑائی خندق کے دن کی حضرت علیؓ کی افضل ہے تمام امت کے اعمال سے جو قیامت تک کریں۔

### جواب سوال ہشتم

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی شان میں فرمایا کہ وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ ہمارا عین ایمان ہے پر اس سے افضلیت کا ثابت کرنا ایسا ہے جیسا کسی نے کیا ہے۔

۱۔ چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا کہ عشق آسان نہود اول دے افتاد مشکلمہ  
صاحبوا قول تو خدا تعالیٰ ہر تفتی کی نسبت فرماتا ہے ان اللہ یحب المتقین۔ دوسرے متبعان سنت کو ہدایت ہے۔

ان کنتم تحبون الله فاشبعونی بحبکم  
اللہ و لغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم  
جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو اللہ کو تم سے محبت ہو جاوے گی اور اللہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔  
(ال عمران ۳۴)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بات ہر مومن کو نصیب ہو سکتی ہے ورنہ ہدایت کے کیا معنی ہیں۔ اگر یہ بات ممکن نہ ہوتی تو پھر یہ ارشاد ایسا تھا جیسے یوں کہتے تم خدا ہو جاؤ (اور یہ ناممکن ہے) اور ہم

ملہ یعنی مقصد اصلی پر دلالت بالکل نہ ہو نہ ہدایتی کھینچ تان کی جائے شاعر کے شعر میں تین غلطیاں ہیں۔ زلیخا کتاب مولانا جامی کی ہے سعدی کی نہیں پھر مصرعہ ثانی دیوان حافظ کا ہے۔ ۱۲ مہر محمد



نے دبا ہر حق مانا کہ یہ امر اوروں کو حاصل نہیں یا بشواری حاصل ہے پر اس کو کیا کیجیے۔ خدا تعالیٰ حضرت ابو بکرؓ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں اس سے زیادہ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ  
عَنْ دِينِهِ فَمَا يَتَّبِعْ يَأْتِ اللَّهَ بِقَوْمٍ  
يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ لَا أَذِلَّةَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
أَعِزَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ  
ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ  
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (آیہ المائدہ ۸۴)

حاصل معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو اگر تم مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا کو محبت ہوئی اور خدا سے ان کو محبت ہوگی مومنوں کے سامنے ذلیل۔ کافروں کے رد و بڑے عزت (غلبہ) دے دے خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی کے برا کہنے سے نہ ڈریں گے اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ ہے اور بہت وسعت والا دانستہ۔

اول تو یہی فرق دیکھئے کہ وہ حدیث ہے اور یہ آیت دوسرا اس میں فقط محبت طر فین ہی کا ذکر نہیں یہ اتنے لمبے چوڑے فضائل اور بھی ہیں اور پھر کس انداز سے فرماتے ہیں یہ ہمارا فضل ہے ہر کسی کو نہیں ملتا جس کو ہمارا جی چاہتا ہے اس کو دیتے ہیں۔ بہر حال یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں پہلے سے نازل فرمائی گئی ہے دلیل مطلوب ہے تو سنئے۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے دوسرا یہ کہ ان سے وہ لڑیں گے جو خدا کے پیارے اور ایسے ہوں گے سو آپ ہی فرمائیے کس کے زمانے میں لوگ مرتد ہوئے اور کون ان سے لڑا باقی حضرت ابو بکرؓ کو اگر نعوذ باللہ مرتد کہتے ہو تو یہ فرمائیے بجز کفار ان سے اور کون لڑا حضرت علیؓ لڑے یا حسینؓ لڑے اور اگر آپ کے نزدیک کفار ہی خدا کے پیارے اور موصوف باوصاف مذکورہ ہیں تو مبارکباد ہم ہمارے تم جتے۔

(خوارج بدعتی تھے)

صاحبو۔ باقی خوارج کو مرتد نہیں کہہ سکتے وہ بدعتی تھے مرتد جب ہوتے جب کہ کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو جاتے۔ سو کلام اللہ کی نسبت ان کا اعتقاد تو انہیں حدیثوں سے ثابت ہے جن سے ان کی مذمت نکلتی ہے۔ ہاں یہ بات جبری رہی کہ وہ بدعت کس درجہ کی تھی کفر کے درجہ کو پہنچ گئی تھی یا ابھی سرحد اسلام ہی میں تھی بہر حال مرتد ہونا



اور ہے اور بدعتی ہونا اور جیسے شرابی ہونا اور ہے اور زانی ہونا اور ۔ اور اگر بالفرض اس کو ارتداد ہی کہتے ہیں تو وہ ارتداد اس ارتداد کے برابر نہیں اسی نے خوارج کے قاتل ایسے عظیم المرتبہ نہ ہوں گے جیسے قاتلان مرتدان زمانہ صدیق اکبرؓ اور حق یہ ہے کہ خوارج بدعتی ہیں پر پرلے درجے کے بدعتی جیسے شیعہ ویسے ہی خوارج ۔

(شیعہ خارجیوں سے بدتر ہیں)

ہاں بوجہ سب و شتم افضل الصحابہؓ اگر روافض کو خوارج سے بڑھ کر کیسے تو بجا ہے ۔ چنانچہ حدیثوں میں جو روافض کی مذمتیں ہیں وہ خوارج کی مذمتوں سے بڑھ کر ہیں ۔ ہائے افسوس یہ فرقہ بھی اگر اسی طرح شکر آرائی کرتا اور صحابہؓ سے برسر پر خاش ہو کر سر قلم کرنا تو کیا اچھا ہوتا ۔ یہ جھگڑا ہی چمک جاتا ۔

اب رہی یہ بات کہ ایک جہاد خیر تمام اعمال امت سے بڑھ جائے یا روں کی گھڑی ہوئی بات ہے ۔ حدیث اور کلام اللہ میں اس کا کہیں پتہ نہیں ۔

## جواب ثانی از مولوی عبد الصاحب

(حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جہاد و انفاق)

قول اس کا کہ وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتے ہیں الخ یہ الفاظ بعینہ اس قوم کے حق میں خداوند تعالیٰ نے فرمائے ہیں جو مرتدین کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ قائم کرے گا ۔ قال اللہ تعالیٰ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ  
عَنْ دِينِهِ فَمَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُضِلُّونَ  
يُجْزِيهِمْ أَذًى عَظِيمًا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى  
الْكَافِرِينَ ۔

(اے ایمان والو اگر تم مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا کو محبت ہوگی مؤمنوں کے سامنے نرم ۔ کافروں کے روبرو بڑے سخت )

اے شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان ص ۲۱۲ میں ہے ۔ ان اوصاف والوں میں کئی اقوال ہیں سب سے پہلا قول یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و آپؐ کے ساتھی مراد ہیں جو مرتدوں کے ساتھ لڑے جن بصری ۔ قاہرہ ۔ ضحاک (شاگردان عبداللہ بن عباسؓ) کی یہی تفسیر ہے دوسرا قول (سعدی کا) یہ ہے کہ انصاف میں الامام محمدؐ



مصدق اس آیت کے خلیفہ اول اور ان کے معادن میں اور وجہ فرق کی کچھ نہیں حضرت امیر المؤمنین  
 کرم اللہ وجہہ بھی ان کے شامل موردان الفیظ کے ہیں علاوہ بریں جیسے دو حدیثیں حضرت علیؑ کی  
 فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ ویسی ہی ایک آیت اور ایک حدیث ابو بکرؓ کی فضیلت میں  
 منجملہ چند آیات و احادیث کے بیان کی جاتی ہیں۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ  
 وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ  
 أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا وَلَا يَنْصُرُ  
 اللَّهُ الْحُسْنَىٰ - (نپا المہدیہ ۱۷)

۱ ترجمہ: ہر برابر نہیں تم سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے  
 اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ لوگ بڑے ہیں جیسے میں  
 ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا اس کے بعد اور جہاد کیا  
 اور اللہ نے ہر ایک کے بھلائی (جنت) کا وعدہ کیا ہے۔

اگرے مصدق حضرت ابو بکرؓ جب اللہ تعالیٰ منہم صحابہؓ کی جانب خطاب فرما کر عظیم ہوا فرماتے تو پھر کیا محبت باقی رہ گئی اور حدیث یہ ہے۔  
 عَنْ بَنِي عُمَرَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ  
 عَلَيْهِ عِبَاءَةٌ قَدْ خَلَّهَا فِي صَدْرِهِ جَلَدٌ  
 فَتَنَزَّلَ عَلَيْهِ جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا  
 أَرَىٰ أَبَا بَكْرٍ عِبَاءَةً قَدْ خَلَّهَا فِي صَدْرِهِ  
 جَلَدٌ فَقَالَ يَا جِبْرِيلُ أَلْفَقَ عَلَى قَبْلِ  
 الْفَتْحِ فَقَالَ فَإِنَّ اللَّهَ يَقْرَأُ عَلَيْهِ السَّلَامَ  
 وَيَقُولُ قُلْ لَدَارِ رَاضٍ أَنْتَ عَنِّي فِي فَقْرِكَ  
 هَذَا أَمْ سَاخِطُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ اسْخَطُ  
 عَلَى رَبِّي؟ أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ - أَنَا عَنْ رَبِّي  
 رَاضٍ - أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ (ازالة الخفا ۲۹۹)

(حضرت ابن عمرؓ روایت ہے کہ فرماتے ہیں میں نبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ کے پاس  
 ابو بکر صدیقؓ بیٹھے تھے آپ پر ایک چوغہ تھا جسے میں نے  
 پر کانٹے سے ٹانگ رکھا تھا تو جبریل علیہ السلام اتر  
 گئے اور فرمایا اے محمد! ابو بکر کو کیا ہو گیا کہ اپنا چوغہ سینے  
 پر کانٹے سے ٹانگ رکھا ہے تو آپ نے فرمایا اے جبریل  
 اس نے دس سال قبل فتح مکہ سے پہلے مجھ پر خرچ کر دیا ہے  
 تو جبریل فرماتے گئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ابو بکر کو سلام دیتے  
 ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابو بکر سے پوچھیں کیا وہ اس فقر  
 میں مجھ پر راضی ہے یا ناراض؟ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا  
 کیا میں اپنے رب پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب  
 راضی ہوں۔ رب راضی ہوں۔ رب راضی ہوں۔)

غور کرنے کی جگہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جس کو صحابہؓ سے اعظم درجہ کا فرمائے اور سلام کہ  
 کر بھیجے اور رضا جوئی کا طالب ہو اس کا کیا کچھ مرتبہ ہو گا وہ بہت محب و محبوب اور جو کہ اپنے  
 حدیث خندق کی تحریر فرمائی ہے اہل سنت کی کتب معتبرہ میں پتہ ہی نہیں ایسے تو بے ٹھکانے



کی بات نہ فرمائیے یہ دین کا مقدمہ ہے۔

## سوال نہم از جانب شیعہ

شیخین یا دیگر صحابہ داخل امت ہیں یا نہیں؟  
جواب سوال نہم بہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل ترین امت محمدی ہیں۔

شیخین اور دیگر صحابہ داخل امت محمدی کیا سر دفتر امت محمدی ہیں اعتبار نہ آئے تو کلام اللہ کی سند لیجئے خداوند کریم سورت تحریم (آیت نمبر ۱) میں فرماتا ہے۔  
يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ۔ اس آیت کے معنی اوپر کے ٹکڑے سمیت یہ ہیں اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو شاید تمہارے گناہوں کا بھی اللہ کفارہ کر دے اور داخل گروہ تم کو ایسی جنتوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی نہ کس دن جس دن کہ نہ رسوا کرے گا اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے پھر اس کے بعد اور تعریف فرماتے ہیں مگر ہمیں مختصاً منظور ہے مطلب یہ ہے کہ عام مومنوں کو یہ ارشاد ہے کہ اگر توبہ خالص کر کے لاؤ گے تو شاید تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو جاؤ اب دیکھئے الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ کا ترجمہ بھی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے نبی کے ساتھ سو تم ہی قراؤ وہ صحابہ ہیں یا نہیں۔ ہاں اگر فقط اَمَنُوا فرماتے تو یہ بات سب کو عام ہو جاتی مگر اس صورت میں یہ کلام اللہ غور ہو جاتا۔ اس وقت میں اس مثل کے کیا معنی تھے۔ عام لوگوں کا جو حال ہو گا۔ وہ عام لوگوں کے لیے تو یقینی ہے دو سکر اتنی بات کے لیے اور توبہ کرانے کی کیا ضرورت تھی تیسرے عام لوگوں کو نبی کے ساتھ اتنی مشارکت کی امید کہاں ہے بہت سے نام کے مسلمان اس روز رسوا ہوں گے اور بہت سی رسوائیوں کے بعد کہیں جنت میں جائیں گے۔

بہر حال اَمَنُوا کے مصداق صحابہ کرام نہیں اور وہ بایں وجہ سر دفتر امت ہیں کہ ان کے لیے روز قیامت رسوائی کا اندیشہ نہیں اور دوسروں کو ان کی معیت بشرط توبہ خالص میسر آئے تو آئے ورنہ استحقاق کی تو کوئی صورت نہیں چنانچہ اس لیے علی کے لفظ کو بیچ میں لائے



در نہ فقط اس میں کیا کمی تھی کہ یوں فرماتے تُوَلُّوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا يَكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ  
 جس سے خواہ مخواہ بھی تا بنان مٹا لیسیم ثابت ہو جاتا اور بیچ میں ایک لفظ ہے معنی نہ آتا اور کلام  
 قدیم یوں غیر فصیح و بلیغ مثل کلام احمقان بے عقل نہ ہو جاتا ؟

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

جانتا چاہیے کہ قیامت تک جو شخص اتباع کرنے والا طریقہ رسول مقبول کا ہوگا وہ امتی ہوگا  
 چہ جائیکہ صحابہ کرامؓ کہ وہ تو ماسوائے اطاعت خدا اور رسول کے مصداقت کا بھی درجہ لے کر  
 کسی نے درجہ صدیقیت اور کسی نے فاروقیت اور کسی نے ذی النوریت اور کسی نے اسدیت  
 کا اڑایا علی رغم انوف المخالفین۔

(عشرہ مبشرہ کا ذکر خیر)

اَخْرَجَ الْبُؤَيْعِيُّ عَنْ مَوْلَانَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ  
 عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَةٌ فِي الْجَنَّةِ الْبُؤَيْكِرُ  
 فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي  
 الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي  
 الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ  
 بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي دَقَامٍ  
 فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ بْنُ عَمْرٍو  
 فِي الْجَنَّةِ وَالْبُؤَيْعِيَّةُ بْنُ الْجَدَّاحِ فِي  
 الْجَنَّةِ۔ (ازالۃ الخفا ص ۱۱ بحوالہ منہ البوعلی)

ترجمہ یہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 دس آدمی جنت میں ہیں ابو بکر جنت میں ہیں اور  
 عجم جنت میں ہیں اور عثمان جنت میں ہیں اور علی  
 جنت میں ہیں طلحہ جنت میں ہیں اور زبیر جنت میں ہیں اور عبد الرحمن  
 بن عوف جنت میں ہیں اور سعد بن ابی وقاص جنت  
 میں ہیں اور سعید بن زید بن عمرو جنت میں ہیں اور  
 ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔



( ہر مسلمان امت نبی میں داخل ہے )

یہ سب لوگ عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ متبعین سنت رسول امین امتی اور جنتی ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ امتی ہیں اور امتی ہونے میں ازواج مطہرات اور دیگر اہل بیت اور صحابہ سب برابر ہیں اور اس کو امت اجابت کہتے ہیں۔ صحاح میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت نازل ہونے

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے) سب قریش کو عام خاص کر کے پکارا اور سب کے یہی فرمایا۔

الْقُدُّوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَعْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔ ترجمہ :- اپنی جانوں کو بچاؤ آگ سے میں شیئیں بے پروا کر سکتا تم سے اللہ کے معاملے میں اور یہ بعینہ حضرت سید الفناء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابلاغ میں سب برابر ہیں اور خاص کر شیخین کی شان میں تو امام محمد باقر سے صاحب نصوص کی روایت ہے۔

اِنَّهُ قَالَ لَجَمَاعَةٍ فَاصْبِرُوْا فِیْ اِلٰی بِكُرْهُكُمْ وَعُثْمَانَ لَا تَخْبِرُوْنِیْ هَلْ اَنْتُمْ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ قَالُوْا لَا قَالَ فَاَنْتُمْ مِّنَ الَّذِیْنَ تَبَوُّوْا الدِّیَارَ وَالْاٰیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحْسِنُوْنَ مِنْ هَآجِرٍ اِلَیْهِمْ قَالُوْا لَا قَالَ اَمَّا اَنْتُمْ فَتَدْبِرُوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا اَحَدَ هَٰذِیْنِ الْفَرِیْقَتَیْنِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنْكُمْ لَسْتُمْ مِّنَ الَّذِیْنَ

ترجمہ :- انہوں نے ایک جماعت سے جو ابوبکر اور عمر اور عثمان کے معاملہ میں کھود کر یہ کہہ رہے تھے کہ بتلاؤ تم مجھ کو تم جو مہاجرین میں سے جو نکالے گئے اپنے گھروں سے اور مال کے گئے اپنے مالوں سے تلاش کرتے ہیں اللہ کے فضل کی اور خوشنودی کی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی کہا انہوں نے ہم ان میں سے نہیں کہا امام نے تم ان لوگوں میں سے جو جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور ایمان کو اپنے دلوں میں درست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ان کی طرف ہجرت کر گئے انہوں نے کہا ہم ان



قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِآيَاتِ يَمَانٍ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (حشر ۱)

میں سے بھی نہیں کہا امام نے تم تو بڑی ہو چکے ان دونوں فریقوں میں شامل ہونے سے اور میں گواہی دیتا ہوں نہیں ہو تم ان لوگوں میں کچن کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو لوگ آویں گے بعد ان کے کہیں گے رب ہمارے بخش دے ہمارے لیے اور ہمارے ان بھائیوں کے لیے جو ایمان میں ہم سے پہلے گذرے اور ہمارے دلوں میں کینہ مت کر ان لوگوں کا جو ایمان لائے بے شک تو مہربان ہے بخشنے والا۔

فائدہ ۱۔ خیال کرنے کی جگہ ہے کہ امام محمد باقر نے آیات کی سند لاکھ شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل ثابت کئے اور تمہارے دلوں میں غل یعنی کینہ ثابت کیا اور آیات بالا کے عدم مصداق ہونے کا خود ہم سے اقرار لے لیا اور تمہارے دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر گواہ بنے تو اب بتاؤ کہ تمہارا کیا دین و ایمان رہا۔

## سوال دہم از جانب شیعیہ

شیخین جمیع غزوات نبوی میں ثابت قدم رہے یا کبھی پس پانہونے کا اتفاق ہوا؟  
جواب سوال دہم و یازدہم

حضرت علیؑ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے اور نہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ طرہاں غرض سائل کو ہم سمجھتے ہیں اس لیے گو وہ صاف نہیں پوچھتا پر ہم صاف جواب دیتے ہیں۔  
سائل حضرت عثمانؓ پر آوازہ کتے ہیں مگر اس یہودہ دست و پازنی سے کیا فائدہ ہوا حقیقت حال ہم سے سینے۔

جنگ احد میں لشکر ظفر پیکر جا بجا معرکہ آرا تھا بامداد خداوندی و بیکرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آثار فتح نمایاں ہوئے مشرکین بھاگے اہل ایمان نے غنیمت پر ہاتھ مارنا شروع کیا مشرکین نے کھینک گاہ سے نکل کر پیچھا لیا، مارا اور شیطان نے با آواز آلا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ کہہ سنایا



جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے۔ ادھر تو سر پر وہ بلائے ناگہانی ادھر یہ صدمہ جانی اس بیتابی میں معرکہ آرائی بے حاصل نظر آتی۔ مصرعہ۔

جس کے ہم عاشق ہوئے تھے اب وہ جاناں ہی نہیں

اس رنج و غم میں خادمان دور آفتادہ کا پاؤں اکھڑ گیا اور نہ اکھڑتا تو ان کی محبت پر تھک اور ان کی جانبازی پر عرف تھا اگر وہیں جب ہستے تو ہم جانتے کہ ان کو صدمہ ہی نہ تھا۔ غرض وہ ایمان دار تھے ایمان داروں کو یہ صدمہ ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا ان کو ہوا پر بے ایمانوں کو محبت کی کیا قدر محبت نبوی ہوئی ہو تو جانیں۔ بہر حال جو لوگ دیدار مبارک سے مشرف تھے جسے حضرت علیؓ ابو بکر حضرت عمرؓ ان کے دل ٹھکانے تھے اور جو لوگ دور کے مود چوں پر تھے اس خبر پر شربا سے یہوش ہو کر انفال و فزراں مدینہ کی طرف رواں ہوئے ان میں ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ (اللہ نے تو معاف کر دیا شیعوں نے نہ کیا۔ م)

پر چونکہ یہ حرکت قابلِ ترجمہ اور لائقِ قدر شناسی تھی نہ موجبِ عتاب سرزنش۔ خداوند کریم نے اس ظاہری خطا سے درگزر فرمایا اور یہ کہیں یہ ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ  
إِنَّكُمْ اسْتَزَلُّوهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا  
كَبَرُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ  
غَفُورٌ حَلِيمٌ (پ ۷۷)

پر اس کو کیا کیجے حضراتِ شیعہ خدا کی بھی نہیں سنتے خیر وہ نہیں سنتے تو اہل ایمان تو ان (شیعہ) کی نہ سنیں ورنہ اللہ سے لڑائی ٹھہری وہ معاف کئے جائیں تم نہیں کرتے۔ صاحب اور صاحب ہوتے کون ہیں۔ خدا نہیں خدا کے بیٹے پوتے بجائی رازہ علیہ السلام ایک رازہ درگاہ حق ہیں جو الٹھی ہی بکے جاتے ہیں اور خدا سے نہیں شرتے بالکل نہ یہ قصور حقیقت میں قصور ہے نہ یہ خطا حقیقت میں خطایوں خدا کے سامنے ہماری عبادت بھی خطا ہے نہ اس سے کوئی فضیلت ہاتھ سے جاتی ہے نہ لیاقت خلافت میں بٹا لگتا ہے ورنہ ہم تو نہیں کہتے حضرت یونس علیہ السلام جو بے وجہ بھاگ گئے ان کی شان میں حضراتِ شیعہ شاید



اور بھی کچھ زیادہ کہیں اور منصب نبوت سے محضول فرمائیں کوئی پوچھے کہ خدا کا واسطہ نبوت تو اتنی باتوں سے ہاتھ سے نہ جائے اور خلافت کی لیاقت چھن جائے فقط۔

## جواب ثانی از جانب مولوی عبد اللہ صاحب

(حنین میں ثابت قدم صحابہؓ)

حنین کسی غزوہ میں لپا نہیں ہوئے سب غزوات میں ثابت قدم رہے یہ اشاعت دین ان کی ثابت قدمی کا ثمرہ ہے کہ بعد فتح ملک عرب مکر، شام و روم و ایران و توران میں اسلام شائع ہوا اور مسلمان ان ملکوں کے عمدہ نشان ہیں غزوہ احد اور حنین میں اہل صفہ مسلمین کے قدم اٹھ گئے تھے پر اگر صحابہؓ خاص کر حنین نے میدان جنگ نہیں چھوڑا اور شمشیر زنی سے منہ نہیں موڑا اور بے ترتیبی صفوف کے ہو جانے سے بھاگنا نہیں کہلاتا چنانچہ حنین میں یہی واقعہ ہوا کیونکہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت ابی مسعودؓ و حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ و حضرت ابوسفیانؓ بن الحارث و حضرت ربیع بن الحارث بن عبد المطلب و حضرت عقیل بن ابی طالب و دیگر اہل بیت اس جگہ موجود تھے حضرت عباسؓ رکاب راست قتلے ہوئے تھے۔ اور حضرت ابوسفیانؓ رکاب چپ یا حضرت ابوسفیانؓ باگ بغلہ کی قتلے ہوئے تھے اور یہ سب لوگ دائیں بائیں موجود تھے چونکہ اس غزوہ میں صحابہؓ نے اپنی کثرت اور کفار کی قلت دیکھ کر خیال کیا تھا کہ ان کو طرفۃ العین میں ہزیمت دے دیں گے۔ اپنی کثرت دیکھ کر استمداد خداوند کریم سے غفلت ہوئی اللہ تعالیٰ کو یہ تغافل پسند نہ آیا اور ان کے متنبہ کرنے کے لیے قدمے تزلزل اور تفرق ڈال دیا جب اس غفلت سے ہوشیار ہو گئے۔ حضرت عباسؓ کے پکارنے کی آواز سے بیک بیک کتے ہوئے بجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوڑے اور کفار کو زیر و زبر کر دیا۔

لے شیخ تفسیر مجمع البیان میں اَنْزَلَ اللّٰهُ سَيِّدَنَا عَلٰی رُسُوْلِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِمْپِرا لہ نے رست تپلی تپلی تپنے رسول پر اور مؤمنین پر کے مصلحت میں لکھا ہے حِيْنَ رَجَعْنَا اِلَيْهِمْ وَقَاتَلُوْهُمُ يَعْنِي اللّٰهُنَّ مَوْجِبِيْنَ تَقْلِيْ اَوْ رَحْمَتِ لِسَوْقَتِ اَمَارِيْ جِبَاهِ كُفْرًا كِي طَرَفِ پھٹ گئے اور ان جنگ کی معلوم ہوا کہ ایسے حساب کیونکہ مؤمنوں کو بھاگنے کا لہجہ دینا قرآن کا انکار اور اپنے ایمان کا فائدہ کرنا ہے (معاذ اللہ) ۱۲



اللہ تعالیٰ نے مدد بھیجی جیسا کہ کلام میں مذکور ہے۔ ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے قہلدی مدد کی بہت سی جگہ  
لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ اور جنین کے دن جب کہ خوش کیا تم کو تمہارے زیادہ ہونے  
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تَغْنَمْ عَنْكُمْ شَيْئًا نے سوہ تمہارے کام نہ آئی

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ پھر اللہ نے ٹھنڈک اتاری اپنے رسول پر اور سب  
وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّهُمْ مومنوں پر اور اتارا ایسا لشکر جس کو تم نے نہیں دیکھا۔  
تَرَاهَا۔ (توبہ ۴۷)

فائدہ (برائے از الطعن) خیال کی جا ہے کہ جب خداوند کریم کو صحابہ کرام کی اتنی بھی غفلت گوارا نہ  
ہو تو حضرات شیعہ ان کو کفر و فسق کی کس منہ سے تہمت لگاتے ہیں چاند پر خاک ڈالے سے کیا ہوتا  
ہے آپ ہی غبار سے اندھے بن جاتے ہیں۔ اور اگر یہ اعتراض اشارہ حضرت عثمان کی طرف ہے تو  
بڑی ہی حماقت ہے، سلنا اگرچہ ان کے خطا صادر ہی ہوئی کیا حرج ہے۔ ہم امام کی معصومیت  
کے قابل نہیں جو تم و ندان اعتراض تو کرو بلا ہم نسبت خلیفہ کے ان شرائط کے قابل ہیں۔ مسلم  
عز۔ مذکر۔ عاقل بالغ قریشی۔ قادر بر احیاء علوم دینیہ و اقامت ارکان اسلام و امر بالمعروف و نہی  
منکر و قیام امر بآداب و قضاء و اقامت حدود۔ علاوہ بریں جب اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ان کی  
معافی ہو گئی پھر کیا جھگڑا باقی رہ گیا اور نیز تائب بھی مثل بے گناہ کے ہوتا ہے۔ التائب من  
الذنب کمن لا ذنب له (گناہوں سے تائب اس شخص کی طرح ہے جس نے گناہ نہ کیا۔)  
ومن تاب وعمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا (جو توبہ کرے اور اچھے عمل کرے  
وہ اللہ کی طرف لوٹ رہا ہے) سے واضح ہے جب کہ ہمارے نزدیک امامت کے واسطے  
معصومیت کی شرط نہیں اس لیے گناہ عثمانی موجب عدم قابلیت خلافت نہ ہوا لیکن بمقابلہ  
حضرت امیر معاویہ و یزید کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت حسن و ترک فرض عین کرنے  
سے حسب ظنون شیعہ کے قابل عمدہ امامت نہ ہے اس بات کا کیا علاج کریں گے۔  
کس منہ سے ان کو قابل امامت کہتے ہیں اور دوسروں کی عدم قابلیت منہ پر لاتے ہیں۔



# سوال یا زعم از جانب شیعہ

حضرت علیؑ بھی کسی غزوہ میں پس پا یعنی فرار ہوئے یا نہیں۔

جواب از جانب مولوی عبداللہ صاحب

حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے وہ کیوں فرار ہوتے وہ تو اسد اللہ الغالب تھے اپنا یہ مذہب نہیں کہ خواہ مخواہ کسی کو برا کہیں خصوصاً ایسے اکابر کو لغو ذبا اللہ منہا۔ یہ کمال حضرات شیعہ ہی میں ہے کہ نہ ہوتی بات کو اپنے عقیدہ فاسد کی تائید کے لیے جس طرح چاہیں بنالیں۔

(ثابت قدمی کی فضیلت سنی مذہب میں ہے شیعہ میں نہیں)

ہمارے ظنون و کتب کے بموجب توجان بازی کے معرکوں میں استقامت کرنا حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ و خلفاء ثلاثہؑ کی فضیلت ہے۔ پر روایت کلیبی و دیگر کتب معتبر شیعہ کے بموجب کہ امکہ اپنی موت و حیات پر قادر ہیں کچھ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی اور خلفاء ثلاثہؑ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی کیونکہ ان کو شیعہ امام ہی نہیں جانتے۔ باوصف حسب ظنون شیعہ خلفاء ثلاثہؑ اہم نہ تھے اور بابر حمت اپنی موت و حیات پر قادر نہ تھے پھر جانبازی کی لڑائیاں لڑتے تھے کس قدر مطیع حکم خداوندی تھے اسی واسطے آیت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَلْمِیْمِ الْجَنَّةِ۔ (ترجمہ :- بیشک اللہ نے مومنوں کے مالوں اور جانوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا۔)

(پ ۳۷) کے مصداق تھے

(ایک شبہ کا ازالہ)

اور اگر حضرات شیعہ اپنے خیال خام کے یعنی امکہ کے موت و حیات پر قادر ہونے پر اسی آیت سے استدلال پکڑیں اس طرح کہ بیع و شراء اپنی ہی ملک میں جاری ہوا کرتی ہے دوسرے کی ملک میں نہیں ہوتی بے شک ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں پر اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خداوند کریم نے مومنین کا لفظ فرمایا اور یہ وصف قرار دیا یقاتلون فی سبیل اللہ تو



اس میں کچھ تخصیص تھا کہ اماموں کی نہیں یہ منصب جلیلہ دور تک پہنچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ (آدمی) جس چیز کا مالک ہوتا ہے قادر ہونا کچھ ضرور نہیں چنانچہ باندی غلام یا بیل بکری کا مالک ہوتا ہے قادر نہیں ہوتا اگر یہ بات ہوتی تو کوئی اپنی باندی غلام یا بیل بکری کو مرنے ہی نہ دیا کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ ملک اور قدرت میں بہت فرق ہے اور آیت مذکورہ سے ملک ثابت ہوتی ہے نہ قدرت۔ ملک بھی مانگے پھر نہ تلنگے جیسے کوئی بادشاہ ایک شخص کو کسی ضلع کا عامل بنا کر کہہ دے کہ اس کا محصول تو ہی کھا جب ہمارا دل چاہے گا تجھ کو معزول کر دیں گے۔ فقط

نبی کو غصہ دلانا کیسا ہے۔ اور عدول حکمی کرنے کی کیا جزا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وجہ جان بوجھ کر غصہ دلانا اور خفا کرنا کفر ہے۔ سو  
الحمد للہ کوئی صحابی اس جرم میں مبتلا نہیں ہوا۔ اور اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کچھ جھڑپ چھاڑ  
ہے اور یہ غرض ہے کہ حضرت فاطمہؓ ان پر غصہ ہوئیں اور یہ شہادت حدیث فَاَطِمَةُ بِضَعَةٍ  
مِثْلِي وَمِنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِي ان کے غصہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ سمجھے  
ہو تو یہ بات دل سے دور رکھئے حضرت صدیقؓ تو اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔  
(حضرت صدیق حدیث "صدقہ ترکہ" کی وجہ سے معذور تھے)



غصہ ہوئیں اہل سنت تو ان کے غصہ ہونے کے قابل ہی نہیں ہوں جیسے دوستوں میں کچھ  
 بحث و تکرار معمولی دیکھ کر بعض سادہ لوح یوں سمجھ جاتے ہیں کہ ان میں آپس میں رنج ہو گیا ۔  
 سوال مذکور کے بعد جو حضرت فاطمہؓ بوجہ ندامت طلب ناحق شرمندہ ہوئیں اور آمد و شد کم اور  
 ربط و ضبط سابق کم ہو گیا ۔ ادھر حضرت ابو بکر صدیقؓ بوجہ کمال نیاز مندی در دولت پر حاضر ہوئے  
 اور اس احتمال پر کہ آپؐ بخفا ہی ہو گئی ہیں جو وہ بات نہ رہی عذر معذرت کی عفو تقصیر چاہا وہاں  
 رنج ہی کیا تھا جو جبکہ اچھلتا راضی رضا ہو کر اپنے گھر کو چلے آئے اس قصہ کو ظاہر بینوں نے  
 رنج پر محمول کیا حقیقت شناسان دانشمند نے اس طرف ندامت مذکور کا خیال کیا اس طرف  
 احتیاط اور ادب نبوی کا احتمال جمایا سو آپؐ ہی فرمائیے کہ اس صورت میں طرفین کا کیا قصور  
 رہا حضرت فاطمہؓ کا بوجہ علمی قدک کا سوال کر لینا کیا برا ہے ہاں بعد طلب البتہ ندامت  
 عمدہ اوصاف میں سے ہے جو سوا اہل کمال اور کسی سے متصور نہیں ادھر حضرت ابو بکرؓ نے  
 ادب اور احتیاط فرمائی یہ بے جا کیا یہ بے جا تھا کہ جیسے ہی اپنے غرور افضلیت اور نخوت  
 خلافت میں پڑے رہتے اور خبر نہ لیتے یہ حال یہ بات اچھی ہے جس میں ممدوح خدا یعنی  
 ابو بکر صدیقؓ پر بھی حرف نہ آیا اور جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تعریف نکل آئی یا یہ کہ  
 ان پر ظلم کا داغ لگے جس سے اتمام کار لغو نہ ہو بلکہ خداوندی کو بٹا لگے ۔ اور ان پر  
 حُیّت دنیا کا احتمال ہو جس سے سیدۃ النساء ہونے میں شک و شبہ پیدا ہو ۔  
 (مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اگر یہ عذر ہے کہ حدیث مذکور غلط ہے تو یہ دوسرا اعتراض ہے بلکہ اس صورت میں  
 یہ اعتراض بھی اس حدیث کے غلط ہونے ہی پر موقوف ہو گا سو پہلے اس کو غلط ٹھہرائیں جب  
 کہیں اس بات کے لیے منہ پھیلائیں ۔

مگر یہ یاد رہے کہ حدیث مذکور غلط ہو جائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات  
 النبیؐ ہونا اور قبر میں اسی بدن سے زندہ ہونا پہلے غلط ہو گا سو تم ہی کہو رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی سی قدر دانی ہے کہ جیسے اور شیعوں کو مر کر ناپاک ہو جاتے ہیں اور پھر طعمہ مور و مار بن جاتے  
 ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی جسم بے جان ہو گئے ؟ اور جیسے اور اینٹ



پتھر میں آپ کا بدن بھی بے جان ہو گیا۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ آپ کی حیات زید پر وہ موت اسی طرح مستوی ہے جیسے چراغ کو ہنڈیا میں رکھ کر سر لوٹ کر دیکھ لیں گے یہ نہیں کہ جیسے چراغ روشن ہنڈیا میں ہو یا ہنڈیا کے باہر اس کے روشن ہونے میں کچھ کلام نہیں بلکہ ہنڈیا میں ہو تو نور منتشر اکٹھا ہو جاتا ہے اور اس کے اندر ہی سما جاتا ہے جس سے بہ نسبت سابق ہم تو زیادہ سمجھتے ہیں آپ اپنی کہئے آپ کیا سمجھتے ہیں۔

بہر حال ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اس لیے آپ کے مال میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔

(حضرت فاطمہؓ کا سوال بے خبری سے تھا)

ہاں حضرت فاطمہؓ کو اس (حدیث مائتکتا صدقہ) کی خبر نہ تھی بوجہ غلطی اول بار طلب فدک میں قدم بڑھایا جب معلوم ہوا اور حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نے بھی گواہی دی چپ ہو رہیں اور پھر اس بات میں کلام نہ کی سو یہی حدیثوں میں موجود ہے کہ مرتے دم تک پھر گفتگو نہ آئی جس کو حضرات شیعہ نے موافق مثل مشورے ہو کے کو دو اور دو چار روٹیاں ہی نظر آتی ہیں ترک کلام پر محمول کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس صورت میں فقط خدا یعنی صدیق اکبرؓ ہی کو عیب نہیں لگتا بلکہ خدا تک اور اوصہ حضرت فاطمہؓ تک پہنچتا ہے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا اس حدیث پر گواہی دینا بجا ہے اور مسلم میں موجود ہے اور حضرت فاطمہؓ کے غلط سمجھ جانے سے گھبراتے ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؓ کا قصہ پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔ اس سے نبیوں کا غلط سمجھ جانا ثابت ہوتا ہے حضرت فاطمہؓ تو ولی ہیں بالجلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کوئی اعتراض ممکن نہیں حدیث مذکور غلط کہو گے تو بہت سے ارکان دین ڈھانے پڑیں گے۔

(حدیث مَنْ اغْضَبَهَا كَإِشَانِ فِرْعَوْنَ حَضْرَتِ عَلِيٍّ كَعِثْ هِيَ)

اب رہی بات کہ اگر حضرات شیعہ کا مسلک اختیار کیجئے تو البتہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ تک یہ اعتراض جاتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تھا حضرت فاطمہؓ نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت



فرمائی اس پر آپ نے خطبہ فرمایا اور یہ ارشاد کیا۔

فَاِطِيعُوا بَعْضَةَ مَنِّي مَن اَعْضَبَهَا  
فَقَدْ اَعْضَبَهَا  
(فاطمہ میرے بدن کا حصہ ہے جس نے اسے ناراض  
کیا اس نے مجھے ناراض کیا)

اب فرمائیے یہ کس کو سناتے ہیں ابو بکر صدیقؓ کو یا حضرت علیؓ کو پھر ابو بکر کے پاس  
ارشاد نبوی لا نورث ما ترکناہ صدقۃ کا بھی سہارا تھا حضرت علیؓ کو ابو جہل کی بیٹی  
سے نکاح کے لیے کس نے کہا تھا علاوہ بریں بارہا معاملات خانگی ہیں باہم رنج کا اتفاق  
ہوتا تھا چنانچہ جس روز لقب ابو تراب کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مشرف  
فرمایا اس روز بھی رنج باہمی کے باعث حضرت امیر مہربان ہو کر مسجد میں آ بیٹھے تھے۔

جواب سوال سیدہ ہم ۱۳

نبی کی عدول حکمی کو کون نہیں جانتا کہ بُری ہے اگر بطور مقابلہ ہو تو کفر ہے اور بطور دیگر،  
دیگر ہے تو فسق پر سمجھ اللہ صحابہ کو ان خصوصاً چار بار اور عشرہ مبشرہ وغیرہ مشاہیر صحابہؓ میں  
سے کوئی شخص اس پہلا میں مبتلا نہیں ہوا ہاں بطور شیعہ البتہ کسی قدر الزام حضرت امیر کو لگ  
سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تہجد کے لیے حضرت امیر کو اٹھایا  
حضرت نے جواب دیا پر مخالفت طبع نبوی دیا عرض کیا جب خدا کو منظور ہو گا ہم تو جی بھی  
اٹھیں گے ابھی نہیں اٹھتے سو آپ ناچار یہ کہتے ہوئے چلے آئے۔ وَكَانَ اَكْثَرُ نَسَائِكَ  
اَكْثَرُ شَيْءٍ حَبَدًا يَعْنِي النَّاسَ يَهْجُرُ الْوَبَّ۔ (بخاری ص ۱۱۲) (۱۹۳)

(قصہ قرطاس میں حکم عدولی نہیں)

باقی حضرت عمرؓ کی طرف اگر عنایت ہوئی ہے اور اس پیرایہ میں کچھ قصہ قرطاس  
کے اشارے کئے تو اس کا مفصل جواب تو آپ ہدیتہ الشیعہ میں ملاحظہ فرمائیں آیت  
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ كُفُّوا ذُلٌّ فِيهِمْ بَحْثُ مَفْصَلِ مَرْقُومِ ہے یہ پر وار مروان خالی  
نزدیک یہاں بھی کچھ بالا جہال سن لیجئے۔

مشورہ مینے کو عدول حکمی کتنا انہیں کا کام ہے جن کو سر و دم کی تمیز نہ ہو۔ رہی یہ  
بات کہ حکم معلوم مشورہ طلب تھا یا نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں



بھی گنجائش مشورہ ہے یا نہیں۔ سواقل کا جواب ہے کہ بشادت آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ بموجب حجتہ الوداع نازل ہو چکی تھی۔ دین میں تو کمی اور کسر باقی ہی نہ تھی جو اس حکم کو دینا حکم خداوندی تصور فرمائیں اور یوں کہیں کہ حکم قابل مشورہ نہ تھا۔ اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ قابل مشورہ ہونا تو درکنار خدا تعالیٰ کی طرف ارشاد ہے وَشَاوْنَهُمْ فِي الدِّينِ یعنی مشورہ کر لیا کر دے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے اور یہی وجہ ہوئی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ تحریر حکم معلوم تا وقت وفات کچھ نہ فرمایا ورنہ حکم خدا ہوتا تو ہم تو نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ خدا کی عدول حکمی کا شیعوں کو منسوب کرنا پڑے گا۔ بالجلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے بھی پسند خاطر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی اور امر قدوا حضرت عمرؓ کی نسبت نہ تھا بلکہ اوروں کے اختلاف کے باعث تھا جو رد و بدل ہوئی اور جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ تو آپؐ یہ ارشاد فرمایا۔ اور اکثر شیعہ اس پر بھی نہیں مانتے تو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے بھی اور رالیوں کی مانند خدا کو منظور ہوئی ورنہ حضرت عمرؓ بندہ تھے خدا نہ تھے اور تعوذ باللہ شیعوں کے اعتقاد میں (خدا ہی تھے چنانچہ شیرینہ کا ان کے ڈر کہ قیقہ کرنا کچھ اسی کا پتہ دیتا ہے تو (ہماتے اعتقاد میں) خدا سے بڑے نہ تھے چھوٹے تھے مکرر وحی ہوتی اور تاکید فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں نہ جانے دیتے۔ لیکن کوئی صاحب انصاف کہیں کہ حضرت علیؓ کے جواب میں تاویل مشورہ کی گنجائش نہیں ورنہ آپؐ یہ نہ فرماتے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدًّا تَبَّ يَهْدَىٰ إِلَىٰ شُورَةٍ طَلَبَتْ تَحْتِي اس کی بھلائی برائی کو کون نہیں جانتا۔

(دوبارہ نہ لکھوانے کے مصلح)

ہاں کتاب معلوم کے لکھوانے میں یہ احتمال تھا کہ کلام اللہ کی نسبت پھر یہ اعتقاد نہ ہے گا۔ جیسا خود فرماتے ہیں وَذَرَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْدِئًا نَّالِكُ شَيْءٍ جَسَّاسٍ جَاهِلٍ یہ ہے کہ اتاری ہم نے تیری طرف وہ کتاب جس میں ہر چیز کا بیان ہے ادھر پہلے فرما چکے۔ اِلٰی تَارِكٍ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمُ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي۔

لے حدیث ثقیین مسلم ص ۲۶۹ میں ہے اس کو تین حضرات ابوعبید بن جریان۔ حصین بن سبرہ عمر بن مسلم بشیہ حاشیہ منسلک



جس کا حاصل یہ ہے کہ میں تم میں کتاب اللہ اور عترت کو چھوڑے جاتا ہوں اگر دونوں کو بچھے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ سواب وہ تیسری چیز تھی تو کتاب اللہ کا تبیان لکھ لکھنا اور یقین کا مایہ ہدایت ہونا دونوں غلط ہو جائیں گے اور اگر انہی دونوں کی تائید تھی تو اب ہی کیا کھی رہ گئی باقی شرح حدیث تعلیم زیادہ مطلوب ہو تو جواب سوم منجملہ جوابات اربعہ مشار الیہا کو ملاحظہ فرما دیجھیں۔

بِقَبْلِ حَاشِيَةٍ :- روایت کرتے ہیں۔ اس کی ایک سند ابی حیان عن یزید بن حیان ہے۔ دوسری سند محمد بن فضل عن ابی حیان عن یزید بن حیان۔ تیسری سند جبر بن ابی حیان اور چوتھی سند سعید بن مسروق عن یزید بن حیان ہے۔ یہ حضرت زید بن ارقمؓ صحابی کے پاس پہنچتے ہیں حصین بن سبرہ۔ زید بن ارقمؓ صحابی سے کہتے ہیں کہ زید اپنے بہت اجلاتی پائی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ سے احادیث سنی ہیں آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے ہیں آپ کی اقتدار میں ممانوں پڑھی ہیں بے شک آپ نے خیر کثیر حاصل کی ہے۔ اے زید آپ ہمیں حضور کی کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے حضور کے سنی ہوئے زید نے کہا اے بھتیجے بخدا میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور حضور کے ساتھ جو میرا زمانہ تھا وہ پرانا ہو چکا ہے۔ اور بعض باتیں جو میں حضور سے یاد رکھتا تھا وہ بھول گیا ہوں۔ اب میں جو بات بیان کروں اس کو قبول کرو اور جو نہ بیان کروں اس کی مجھے تکلیف نہ دو۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو بات مجھے محفوظ ہوگی میں اس کو بیان کروں گا اور جو بات مجھے محفوظ نہ ہوگی میں اس کو بیان نہ کروں گا۔ پھر انہوں نے حدیث تفلیس بیان کی جو انہیں یاد تھی۔ فافهم، پھر حضرت زیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام میں جس کو خم کہتے ہیں کھڑے ہو کر خطبہ اِشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی وعظ و نصیحت فرمائی پھر آپ نے فرمایا۔ اما بعد اے لوگو بے شک میں انسان ہوں قریب کے میرے پاس میرے رب کا قصد آجائے اور میں اس کی بات کو قبول کروں (یعنی عالم آب و گل سے چلا جاؤں اور میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں ان میں پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے (قرآن کریم) اس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں آپ نے بڑا چٹختہ کیا اور ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا (یعنی دوسری وزنی چیز) کہ میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ حصین نے کہا اے زید حضورؐ کے اہل بیت کون ہیں کیا آپ کی بیویاں اہل بیت نہیں؟ زیدؓ نے کہا آپ کی بیویاں تو اہل بیت ہیں لیکن آپ کے اہل بیت (باقی ص ۱۱)



(حبنا کتاب اللہ سے حضرت عمرؓ کا مقصد تکلیف کتابت بچانا تھا)

اور اگر حضرت عمرؓ کی اس عرض کو کہ حبنا کتاب اللہ جس کو شیعوہ عدول حکمی سمجھتے ہیں ممانعت تکلیف سمجھی جائے اور اہل عقل یہی سمجھتے ہیں تو پھر اعتراض کی یہ بات اور قابلِ تعریف ہو جائیگی بلکہ جن لوگوں نے آپ کی اس تکلیف کو اور وہ بھی اس شدت مرض میں باوجودیکہ کتاب اللہ بقیہ حاشیہ - وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے حصین نے کہا وہ کون ہیں؟ زید نے کہا وہ آل علی - آل عقیل آل جعفر آل عباس ہیں حصین نے کہا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ زید نے کہا کہ ہاں - جبریہ کی روایت میں کتاب اللہ کے بارے میں یہ الفاظ بھی ہیں - اس میں ہدایت اور نور ہے جس نے اس سے تمسک کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جو اس سے چوک گیا وہ گمراہ ہوگا - اور سعید کی روایت میں یہ بھی ہے کہ سنو! میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں - ایک اللہ کی کتاب ہے یہ جیل اللہ ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اس کو ترک کر دیا وہ گمراہی پر ہوگا - اور اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ہم نے زید بن ارقم سے کہا - آپ کے اہل بیت کون ہیں آپ کی ازواج؟ زید نے کہا کہ نہیں - بخدا عورت ایک زمانہ تک مرد کے پاس ہوتی ہے پھر مرد اس کو طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے خاندان اور قوم کی طرف واپس لوٹ جاتی ہے - وہ حقیقت آپ کے اہل بیت آپ کے اصل اقرباء اور آپ کا عصب ہے جن پر صدقہ حرام ہے - حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حصین بن سبہ وغیرہ کو اصرار تھا کہ آپ کے اہل بیت صرف آپ کی ازواج ہی ہیں تو زید نے ان کا انکار کیا کہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بے شک اہل بیت ہیں لیکن اہل بیت صرف یہ ہی نہیں بلکہ آپ کا عصب اور خاندان کے لوگ بھی اہل بیت ہیں تم صرف عورتوں میں ہی اہل بیت کو بند کرتے ہو یہ درست نہیں - عورتوں کا اہل بیت ہونا تو منطک بھی ہو سکتا ہے - اور عصب کا اہل بیت ہونا غیر منطک ہے حضور کی نسا - تو نص قرآنی سے اہل بیت میں داخل ہیں لیکن اہل بیت ہونا صرف ان میں ہی منحصر نہیں دوسری روایات میں زید کا انکار سائل کے اصرار کے مقابلہ میں ہے جو صرف نسا کے اندر ہی اہل بیت کو منحصر مانتا ہے اب یہ بات کہ موطا کی روایت یا دوسری روایات میں دو وزنی چیزیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا ہے - ان میں اور مسلم کی اس روایت میں بظاہر تعارض سا معلوم ہوتا ہے - لیکن حدیث کی تاویل تو جیسے اور اس کا مفہوم معلوم کر لینے کے بعد یہ تعارض نہیں رہتا - کتاب اللہ کے ساتھ سنت کا ذکر اور اہل بیت کا ذکر اس میں تعارض نہیں - کیونکہ کتاب اللہ کو قانون کی اساسی حیثیت حاصل ہے - سنت رسول اللہ دراصل کتاب اللہ کی شرح ہے جیسے کہ امام شافعیؒ امام ابن تیمیہؒ شاہ ولی اللہؒ مولانا گنگوہیؒ اور دیگر محققین محدثین نے بیان کیا ہے باقی صفحہ ۱۱۲



موجود اہل بیت موجود کسی اور ہدایت نامہ کی حاجت نہیں گوارا کیا البتہ ان کو کچھ کہا جائے تو کہا جائے  
پر ہمارا یہ مشرب نہیں ہمارے نزدیک مشورت میں کبھی صحت کبھی غلطی ہوتی رہتی ہے ہاں حضرات  
شیعہ برا کہیں تو کہیں پر انہیں بڑا کہیں گے تو حضرت عمرؓ کو بھلا کہتے بھی ذمہ ہے گا۔ ادا کریں تو  
فجاء ورنہ قیامت کو دیندار رہیں گے۔

باقی حضرت عمرؓ کے حبنا کہنے سے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں کتاب اللہ ہی کافی ہے یہ  
سمجھ لینا کہ حضرت عمرؓ نے عسرت کو جواب دیا یہ بھی طرفہ خوش فہمی ہے اجماعی صاحب! اگر کوئی  
مینر بان کسی مہمان کے سامنے دو چار روٹیاں رکھ کر اور روٹی لینے جائے اور وہ مہمان یہ کہے کہ بس  
یہی بہت ہیں تو عاقل کے نزدیک تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اور روٹی کی ضرورت نہیں۔ پانی  
کا انکار اس سے نہیں نکلتا۔ ہاں یہ تو فوفوں کی زبان اور اصطلاح میں اگر اس کے یہی معنی ہوں  
تو ہوں اور اگر کسی اور بات پر یہ ناک منہ پڑھایا جاتا ہے تو اس کو اوّل بیان کریں ورنہ ہمارا  
کیا قصور؟ بایں ہمہ جواب اجمالی جو اوّل معروض ہو چکا گفتہ ناگفتہ سب اعتراضوں کے بدلے  
دندان شکنی کے لیے کافی ہے۔

### جواب سوال سینر دہم ۱۳

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی اگر بطور مقابلہ و انکار ہے تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں جہنا

بقیہ حاشیہ: اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو شرح قرآن ہے اس کو معلوم کرنے کے لیے تمام  
بعد میں آنے والی امت کے لیے خلفاء راشدینؓ اور تمام صحابہ کرامؓ میں بالعموم جس پر حدیث علیکم سنتی و سنتہ الخلفاء  
الراشدین المہدین اور انا علیہ و اصحابی وال ہے لیکن اس کے ذرائع میں سب اہم اور قریٰ ذریعہ آپ کے اہل بیت ہیں۔ یہی کہ وتر کی  
روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کو تمام اہل ارض میں عاکشے سے بڑھ کر کوئی جاننے والا نہیں تو اہل بیت کا قرب اور تعلق اور شاہد جو  
دوسروں سے زیادہ ان کو حاصل تھا اسکی بنا پر سنت کا معلوم کرنا سب سے دوسرے لوگوں کی نسبت اہل بیت ہی زیادہ ہیں تو آپ کے کسی مقام میں شرح قرآن  
یعنی سنت کا ذکر کیا ہے اور کسی مقام میں شارحین سنت کا اطلاق کیا گیا (اہل بیت کا) دونوں کا مطلب ایک ہے اس کے ساتھ مطابق ہے اس میں تخاض نہیں ہے  
اور اسی پر بن تفرقہ کی روایت بھی زیادہ چسپاں معلوم ہوتی ہے کہ قرآن اور شارحین قرآن دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر  
کی منزل آجائے یعنی قیامت برپا ہو جائے۔ واللہ اعلم۔



ہے ورنہ خدا کو اختیار ہے چاہے بخشے چاہے چھوٹے باقی اس پر سوال سے غرض اصلی جو ہے اس کی جڑ پہلے جواب میں کٹ چکی ہے مگر تیشہ زنی کا دماغ نہیں۔

## جواب ثانی از طرف مولوی عبداللہ صاحب

(اطاعتِ حکم کی کئی صورتیں ہیں)

بنی کو غصہ دلانا بہت بُرا ہے اور نافرمان کا ماؤنی جہنم ہے۔ مگر ماننا چاہیے کہ درباب انتقال امر قاعدہ اصول کا یہ ہے کہ جیسا امر ہو ویسا ہی اس کا انتقال کبھی تو امر و جوہ کے لیے ہوتا ہے جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ اور کبھی نئی بصورتِ امر ہوتی ہے اس کا عدم انتقال بہتر ہے اور کبھی تو امر شفقتِ رحمت کا ہوتا ہے اس کا بھی انتقال و جوہی نہیں جیسا کہ کھانے میں مکھی گھسنے کے باب میں فرمایا فَاَمْلِكُوهُ رُوْبُوْكُمْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا غَرْضِکُمْ اَیُّکُمْ اَمْرٌ کَا دُوْکُمْ اَمْرٌ سَہْلٌ اَمْرٌ سَہْلٌ

فرق ہے اللہ کریم امر فرماتا ہے مَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیُکْفِرْ

ترجمہ (جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ظاہر ہے کہ یہ الفاظ امر کے ہیں اور

مراد انتقال امر نہیں۔ باعتبارِ صیغہ کے مراد ربہ لالت حال کے ہی ہے۔ اور صحابہ کرام رض کو

بحکم آیت و شاورہم فی الامر کے حضرت کی خدمت میں اپنی رائے ظاہر کرنے کی اجازت

مندی اور بعد ارشاد عرض و تکرار کی گنجائش تھی اس کو کوئی عدول حکمی نہیں کر سکتا۔

(حضرت علیؑ سے بظاہر کئی دفعہ عدول حکمی ہوئی)

کیونکہ ایسے ایسے خلاف امر تو حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی طرف بھی نسبت ہو سکتے ہیں ازل

تو خاص اسی مقدمہ میں لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والوں کو عام حکم فرمایا تھا اس

میں حضرت علیؑ بھی شامل تھے۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو مقابلہ قول حضرت عمرؓ

کے نہ مانا۔

قیس سے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا بِالْقَوْلِ رَبُّنَا لَا یَسْمَعُ

اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر اور اس سے بہت۔ پھلا کے بات مت کہو کے کیوں خلاف



کیا وہ تو (بقول شیعہ) معصوم خطا سے تھے نص صریح کا خلاف کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کے لیے جگایا اور تاکید کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نہ مانا اور یہ فرمایا۔

وَاللّٰهُ مَا نُصَلِّيْ اِلَّا مَا كُتِبَ لَنَا اِنَّمَا اَنْفُسًا  
قسم ہے اللہ کی ہم تو وہی نماز پڑھیں گے جو اللہ نے  
میں سے لیا ہے (نسائی ص ۱۹۳)

تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران مبارک پر ہاتھ مار کر یہ فرمایا کان الانسان اکثر مشیٰ جہلاً  
(آدمی بہت جھگڑا لڑا ہے) اور یہ کہ صلحاً حدیبیہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت کے القاب  
میں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ دیا تھا کفار کو ناگوار گزارا حضرت نے فرمایا علی رضی اللہ  
عنہ کو اس کو محو کر دو مکرر فرمایا پر ایک زمانہ اور یوں کہا وَاللّٰهُ لَا اَحْقُوكَ اَبَدًا (بخاری ص ۶۶)  
قسم ہے اللہ کی میں کبھی آپ کا نام محو نہیں کر دوں گا۔ الامر فوق الادب کو بھی کار نہ فرمایا۔ تاپیار ہو کر  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے محو کیا۔ پس معلوم ہوا کہ انکار و اصرار کسی  
مصلحت سے ہو بلا تعنت و احتجاج قلب کے تو کچھ حرج نہیں۔

### سوال چہارم و ہمام از جانب شیعہ

کبھی پیغمبر خدا نے شیخین کی شان میں کوئی ایسا کلمہ بیان کیا کہ جو ان کی خلافت پر دلیل ہو مثل حبیبی و غلیفی و ولی کل مومن  
و مومنہ سید المؤمنین ام المومنین سید العرب وغیرہ اگر بیان کیا تو مفصل معہ پتہ و نشان کے تحریر فرمائیے۔

جواب سوال چہارم و ہمام (شیخین کو خلیفہ ماننے پر نبوی ہدایات)  
شیخین کے حق میں یہ لفظ تو نہیں فرمائے کہ وہ میرے وصی یا میرے خلیفہ یا ہر مومن اور مومنہ  
کے ولی ہیں پر اس سے بڑھ بڑھ کر الفاظ فرمائے ہیں ایک تو یہی فرمایا ہے۔

لے بغیر خدا اور بنیستی کے ملے حاصل یہ ہے کہ جب ان مقامات پر تاکید نبوی کے باوجود حضرت علیؑ کی خلافت دہری کو ہم سب  
مسلمان ادب اور عشق نبوی پر محمول کرتے ہیں تو اسی طرح قصہ قرطاس میں حضرت عمرؓ کا مشورہ حضور کو تختِ کلیف سے قلم و دوات لا کر  
کھوانے کی تکلیف نہ دو ہمیں کتاب اللہ کافی ہے کہ عشق و محبت کا منظر جاننا چاہیے۔ اور صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عمرؓ  
کی بے قراری اور بے باکانہ گفتگو کو غیرت ایمانی اور بغض فی اللہ کا مظاہر جاننا چاہیے۔ کیونکہ آپ کے ۱۵ سو مومنین صحابہ کرامؓ  
کی فائزگی کر رہے تھے تا آنکہ اللہ نے سب پر تسلی اور اطمینان کی چادر ڈال دی جیسے سورت فتح میں ارشاد ہے۔  
هُوَ الَّذِي اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِي قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيُظْهِرُوْا اِيْمَانَهُمْ وَهُيْ تُوْهِىْ جَسَدُكَ  
مومنین کے دلوں میں تسکین نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اطمینان کو اور بڑھائے (ترمذی مقبول ص ۶۱۲) ۱۲ مہر محمد



اَقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي اِلَىٰ بُكْرٍ وَّ  
عَمَرَ (ترمذی ص ۲۰۹ ازاتہ الخلفاء ص ۸۹ بحوالہ حاکم)  
یعنی اقتدا کیجوان دو شخصوں کا جو میرے بعد ہوں گے  
ابوبکر و عمرؓ اور عمرؓ  
وَرَبِّكُمْ بَسَنَتِي وَسَنَةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ  
الْمُهَدِّدِينَ مِنْ بَعْدِي (ابوداؤد ص ۲۸ ترمذی ص ۹۲)  
یعنی میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کے  
اتباع کو لازم سمجھنا۔

بائیں سہمہ یہ بھی فرمایا کہ آسمان میں تو میرے وزیر جبریل و میکائیل اور زمین میں ابوبکر اور عمر  
علیؓ ہذا القیاس یہ بھی ارشاد ہے کہ جو انانِ جنت کے سردار تو حسین ہیں اور زیادہ عمر والوں  
کے سردار ابوبکر اور عمرؓ ہیں۔ باقی آیات سے جو حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت ثابت ہے وہ علاوہ  
رہی اب آپ کلام اللہ اور حدیث کو تو لیے پھر یہ بولے کہ یہ ارشاد جو خلفاء راشدین کے حق میں فرمایا  
ہیں مقصد اختلاف میں زیادہ ہیں یا ولی کل مؤمن۔

اے تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کے دوستوں کو کہتے ہیں خدا کے حاکموں کو جنہیں  
کہتے ہم بھی حضرت (علیؓ) کو تمام اہل ایمان کا دوست اور محبوب سمجھتے ہیں چنانچہ بخاری وغیرہ اور  
صحاح میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سوا مومن حضرت علیؓ سے کوئی محبت نہ  
کرے گا اور سوا منافق کوئی ان سے بغض نہ رکھے گا۔ سوا فضلہ تعالیٰ یہ دولت نصیب اہل سنت  
ہو ہی رہی ہے۔

(حضرت علیؓ سے شیعہ کی محبت نصاریٰ جیسی ہے)

شیعہ کی محبت ان سے ایسی ہے جیسے نصرانیوں کو حضرت (علیؓ علیہ السلام) سے محبت  
کون کرے گا کہ نصرانیوں کو حضرت عیسیٰ سے محبت ہے ہاں اپنے خیال سے محبت ہے۔ البتہ  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) خدا کے بیٹے ہوتے تو پھر یہ محبت ان کے ساتھ (درست)  
ہوتی۔ اب تو قصہ ایسا ہے جیسے اندھیرے میں کوئی شخص غیر کے لڑکے کو اپنا فرزند سمجھ کر گود  
میں اٹھا کر چومے پاٹے بیٹا بیٹا کے اور پھر چاندنا ہو تو پہچان کر گود سے پٹک دے ایسے ہی نصرانی  
اور شیعہ اس ظلمتکدہ جہل میں حضرت عیسیٰ اور حضرت علیؓ کو کچھ کا کچھ سمجھ کر عجز و نیاز کرتے ہیں برادرِ حشر  
موافق ارشاد فیض بنیاد فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ: (ترجمہ) جس کے  
معنی یہ ہیں کہ دور کر دیا ہم نے پردہ تیرا سو آج تیری آنکھ بہت تیز ہے۔ یہ پردہ جہل مرکب اٹھایا



جائیگا۔ اس روز معلوم ہوگا کہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام تھے جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ وحی آتی تھی اور نسخ احکام کا اختیار تھا نہ ان کو علم غیب تھا جیسے حضرات شیعہ کہتے ہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ بلا فصل تھے۔ علی نہ القیاس۔

(حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفات بعقائد شیعہ قرآن و سنت میں نہیں)

باقی امام کا قرآن میں مطلق و مذکور نہ ہونا اور علم غیب کا نہ ہونا تو کلام اللہ ہی میں صاف صاف مذکور ہے چنانچہ بشہادت جملہ خاتم النبیین اور آیت  
 قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
 الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ  
 (ترجمہ) آپ فرمائیے کوئی بھی غیب نہیں جانتا جو کما  
 وزین میں ہے سوئے اللہ کے)

جوابات البعث والیہا میں مذکور ہو چکا۔

غرض ولی کل مومن و مومنہ وغیرہ الفاظ سے تو یہ مطلب نکالنا ایسا ہے جیسا کسی نے بھوس سے اپنا نام بتایا تھا۔ تعین فی زبر عت علی فی زبر عت میرا نام محمد یوسف ہے۔ باقی لفظ وصی اور خلیفہ سنیوں کی کتاب میں اور کسی روایت میں نہیں پھر کا ہے کہ لیے تین پانچ کی جاتی ہیں بایں ہمہ اگر ثابت بھی ہو تو وحی کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو کوئی وصیت کی ہوگی۔ دم و فاسات اکثر آدمی اپنوں بیگانوں کو وصیت کر جاتے ہیں پر اتنی بات سے وہ خلیفہ نہیں بن جاتے ہم بھی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربارہ تجیز و تکفیل مراعات ازواج مطہرات کے وصیت کی ہوگی جن میں سے یہ بھی ہو کہ تم مستحق خلافت نہیں۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی نے امام احمد یا کسی اور امام کی تخریج سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے (میں نے) تین دفعہ یہ عرض کیا کہ علی رضی اللہ عنہ میں مقدم رہیں پر عرض منظور نہ ہوئی باقی نام کتاب ہی تعین مطلوب ہو تو



انتباہ المؤمنینؑ دیوبند میں بہت ہیں مطالعہ کر کے تمام کتاب دریافت کر لیں۔ مجھ کو اس وقت یاد نہیں ہے یہ یاد ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے۔

رہی یہ بات کہ دعا قبول نہ ہوئی سو اس میں کچھ قباحت نہیں اور بھی بعض مواقع میں ایسا ہوا۔ چنانچہ امت کی خانہ جنگیوں کے نہ ہونے کی استدعا مقبول نہ ہوئی بخاری وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ معذرتاً بندہ خدا ہوتا ہے خدا کا حاکم نہیں ہوتا اگر کوئی استدعا قبول نہ ہو تو کیا حرج ہے بلکہ یہ نہ ہو تو پھر امتیوں کا ان کی طرف اور گمان ہونے لگے اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا بیٹے کے حق میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا باپ کے حق میں مقبول نہ ہوئی۔ کلام اللہ عزوجل ہے علیٰ نذا القیاس۔

(حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت کا مطلب)

خلیفہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میرے بعد ہی متصل تم خلیفہ ہو بلکہ اول تو یہ ارشاد آئینہ خلافت خاصہ ہے یعنی جب آپؐ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے اور حضرت علیؑ کو گھر پر چھوڑ گئے سو یہ گھر کی خلافت تھی نماز تک میں آپؐ کے پیڑنہ تھی جماعت عبد اللہ بن ام کلثومؓ ہی کھڑے تھے۔ دوسرے اگر خلافت عامہ ہی مراد ہے تو پھر کیا آپؐ بھی اس وقت میں خلیفہ ہوئے؟ اور اس وقت میں غرض یہ ہوگی کہ میرے اقارب میں تم ہی خلیفہ ہو گے حضرت عباس یا حضرت عقیلؓ یا حضرت

نہ یہ حضرت حجۃ الاسلام بانی دیوبند علامہ محمد قاسم نانوتوی کی اپنی تصنیف ہے تلخ چنانچہ ایسی وصیت خلافت شیوخ خاتم المحدثین علیہ السلام نے حبیب القلوبؑ اور مبلد العیونؑ پر ۵۹ پر بایں الفاظ نقل کی ہے یحییٰ بن بابویہؒ شیخ طوسیؒ شیخ مفیدؒ شیخ سنی و شیخ محدثین نے معتبر سند سے حضرت امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ اپنی وفات کے وقت حضورؐ نے اپنے چچا ابی طالبؑ سے فرمایا کہ چچا میرے اہل خانہ اور بیویوں کے متعلق میری وصیت قبول کرو میری میراث لو میرے فرض ادا کرو اور میرے وعدوں پر عمل پیرا ہو اور مجھے سبکدوش کرو حضرت عباسؑ نے کہا اے رسول اللہؐ میں بڑا جاہل بچہ لا ہوں آپؐ اندھی اور ابرہہ کی زیادہ سختی تھے میرا مال پورا نہ ہوگا۔ پھر علیؑ کو بلکہ فرمایا اے علیؑ تو میری میراث نے تیرے ساتھ کسی کا جھگڑا نہ ہوگا میری وصیت، میرے وعدوں پر عمل کرو میرے قرضے ادا کرو یا علیؑ خلیفہ من پش در اہل من و تبلیغ رسالت من بعد از من بمردم بکن۔ کہ اے علیؑ میرے گھر والوں پر میرے خلیفہ بنو اور میرا پیغام (وصیت) بھی لوگوں تک پہنچاؤ۔ ۱۲ مہر محمد



عبداللہ بن عباس نہ ہوں گے باقی ہے الفاظ باقیہ سید المؤمنین امام المتقین۔ سید العرب وغیرہ نہ کسی صحیح روایت میں ہے نہ ضعیف میں یہ مختریان مذہب شیعہ کی تراشی ہوئی باتیں ہیں۔

## جواب ثانی از جانب مولوی عبد اللہ صاحب

(حضرت ابو بکر و عمرؓ کی موید خلافت احادیث)

سبحان اللہ آنکھیں کھولو ہوش میں آؤ صد ہا احادیث جو ان الفاظ سے بڑھ چڑھ کر ہیں بیان فرمائی ہیں ایسے تو غافل مت بنو سوال کے جواب میں بھی اس قسم کی احادیث بہت کچھ بیان کر دی ہیں پر اور بھی لیجئے یہ امر تو نہایت ظاہر و باہر ہے اس میں شبہ کرنا بیعتہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔

### حدیث نمبر ۱

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ أَتَوَلَّاهُ وَزِيرَانِ مِنْ أَهْلِ السَّكَاةِ وَزَيْرِيٍّ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَمَّا وَزِيرِيٍّ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَأَمَّا وَزِيرِيٍّ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَالْبُكَيْرُ وَعُمَرُ

(ترمذی ص ۲۸۸)

### (حدیث نمبر ۲)

أَخْرَجَ الْبَزَّازُ وَالْحَاكِمُ عَنْ أَبِي أَرْوَالَةَ الدَّؤَمِيِّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطَّلَعَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي آتَانِي بِهِمَا

(ازالۃ الخفا ص ۹۳ بحوالہ حاکم)

ترجمہ :- ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نبی ہوتا ہے اس کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے لیکن میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبریل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

ترجمہ :- روایت ہے ابو اروالہ دؤمی سے کہاتھا میں بیٹھا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو ابو بکرؓ اور عمرؓ آئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری مدد کی ان دونوں کے ساتھ۔



(حدیث نمبر ۲)

عَنْ حَدِيقَةَ الْيَمَانِي قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَبْعَثَ إِلَى الْأَفَاقِ رِجَالًا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السُّنَنَ وَالْفَرَائِضَ كَمَا بَعَثَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ الْخَوَارِجِينَ قِيلَ لَهُ فَإِنْ أَنْتَ عَنْ آلِي بُكَيْرٍ وَعُمَرَ قَالَ إِنَّهُ لَا غِنَى لِي عَنْهُمَا إِنَّهُمَا مِنَ الدِّينِ كَالْتَّمَعِ وَالْبَصَرِ

(ازالۃ الغم ص ۸۹ بحوالہ حاکم)

اور حدیقہ بن الیمانؓ نے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے میں نے قصد کیا اس بات کا کہ آدمیوں کو اطراف و جوانب میں بھیجوں تاکہ وہ سنتیں اور فرض لوگوں کو سکھلائیں جیسا حضرت عیسیٰ بن مریم نے خوارجین کو بھیجا تھا۔ کیا آپ کا ابوبکر اور عمرؓ سے کیا حال ہے فرمایا مجھ کو ان دونوں سے بے پروائی نہیں یہ دونوں دین میں مثل کان اور آنکھ کے ہیں۔

(حدیث نمبر ۳)

أَخْبَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ آلِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكُمْ إِذَا جَدُّكُمْ عِنْدَ نَائِدٍ إِلَّا وَقَدْ كَافَيْتَاهُ مَا خَذَ إِلَيْ بُكَيْرٍ فَإِنْ لَهُ عِنْدَ نَائِدٍ يُكَافِيهِ اللَّهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِي مَالٌ أَحَدٌ قَطُّ مَا نَفَعَنِي مَالٌ إِلَّا بِكُفْرٍ (ترمذی ص ۲۴۰)

ترمذی ص ۲۴۰: اور روایت ہے ابو ہریرہؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کا ہم پر احسان ہے ہم نے اس کا بدلہ (ادا) کر دیا ہے سوا ابوبکر کے کیونکہ اس کا ہم پر احسان ہے (کہہ) اللہ قیامت کو اس کو بدلہ دے گا اور کسی کے مال نے مجھ کو ایسا نفع نہیں دیا جیسا ابوبکر کے مال نے نفع دیا ہے۔

وَعَنْ بَنِي عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ أَعِزِّ الْأُسْلَامَ بِأَحَبِّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ يَا لِي جَاهِلٌ أَوْ لِعَمْرِ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ وَكَانَ أَحَبَّهُمَا إِلَيَّ عُمَرُ

(ترمذی ص ۲۴۰)

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ عزت ہے اسلام کو ساتھ اس کے جو زیادہ محبوب ہے تجھ کو ان دونوں میں سے ابوجہل کے ساتھ یا عمر بن الخطاب کے ساتھ فرمایا عمرؓ زیادہ عزیز تھا اللہ کو ان دونوں میں۔

فائدہ (در موازنہ)

جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محنوں و مشکور ہونا حضرت ابوبکرؓ کا اور عزت دنیا اسلام



کا حضرت عمرؓ سے اور حضرت ابو بکرؓ کو لاغتاء علی عنہما انہما من الدین کا لسمع والبصر فرمایا اور زمین والوں میں دو وزیر فرمایا۔ خلیفہ و وصی وغیرہ فذلک کے الفاظ مع دو سے کیا کچھ کم ہیں؟ اور ان الفاظ کا پتہ تو فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین کے حق میں یہ الفاظ کب فرمائے اگر سنیوں کی کتابوں میں ہیں تو اطلالع فرمائیے کہ ہم مشکور ہوں اور جب اہل سنت کے نزدیک سسر سے ثبوت خلافت کے لیے حاجت نص نہیں تو ایسے الفاظ سے سوال کرنا بے حاصل ہے ثَبَّتَ الْعَرْشَ ثَمَّ الْفُشْ (پہلے تختہ قائم کرو پھر نقش و نگار کھینچو)

## سوال پانزدہم از جانب شیعہ

کبھی شیخین نے کہ حضرت علیؓ کے یہ دعویٰ کیا کہ میں وصی رسول اللہ ہوں اگر کہا ہو تو بیان کیجیے۔

جواب سوال پانزدہم۔

نہ حضرت علیؓ نے کبھی وصی ہونے کا دعویٰ کیا نہ شیخین نے، اور کرتے بھی تو کس مجھرو سے پر کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو وصی کیا ہی نہ تھا ہاں ابو بکر صدیقؓ کو یوں سمجھ کر کہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے اپنے ترکہ کا جمع خرچ بتلا گئے تھے یعنی یہ ارشاد فرما گئے۔  
 رہی اس کی صحت تو نسخہ حدیثہ الشیعہ کو مطالعہ فرمائیں۔ بسط سے بحث کو لکھا ہے کہ قیامت تک انشاء اللہ جواب نہ آئے گا ہاں ویسا جواب جیسا جاٹ نے دیا تھا کہ تیرے سر پر کو لہو“  
 اگر دیں تو دیں۔

لے وصی اس شخص کو کہتے ہیں جسے مرنے والا آخری وقت بندوبست وغیرہ کے متعلق اہم باتیں بتا کر جائے۔ اس لحاظ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا وصی رسول ہونا کتب شیعہ سے ثابت ہے مثلاً جلاء العیون کشف الغمہ وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی یگینی میں حضرت ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کے پاس آئے۔ تو منجملہ باتوں کے پوچھا آپ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا میرا اہل خانہ کا قریب ترین آدمی۔ پوچھا آپ کو کن کپڑوں میں دفن کریں؟ فرمایا انہی پہننے سے کپڑوں میں یا مٹی میں یا مصر کے بنے ہوئے سفید کپڑوں میں پوچھا آپ پر جنازہ جنازہ کیسے پڑھیں اس وقت لوگ شدت غم سے چلا کوٹھنے لگے تب آپ نے فرمایا صبر کرو خدا تمہیں بخشا کرے (جلاء العیون ص ۱۲)۔



# جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

( وصی ہونے کا دعویٰ حضرت علیؑ نے نہیں کیا )

چونکہ شیخین کی شان میں خاص لفظ وصی نہیں آیا وہ کیوں جھوٹا دعویٰ کرتے مگر یہ فرمایئے کہ امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ نے یہ دعویٰ کب کیا اور جو کچھ اس کا ثبوت ہو کتب معتبرہ سنہ سے بیان فرمائیے اگر بالفرض حضرت علیؑ وصی تھے تو ان کو کیا وصیت تھی اگر بعد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلافت کی وصیت تھی تو بعد انتقال سید الاصفیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیوں نہ اظہار وصیت کیا اور وصیت کو شاید گنزار کر کیوں اتمام حجت نہ کی اگر یہ ہوتا تو خلیفہ اول ہو جاتے باوجودیکہ ان کو اسد اللہ الغالب کا خطاب تھا اور ان کے ذوالفقار کے وار کی ہفت زمین کو تاب نہ تھی ان کو کس بات کا خوف تھا آیت ہے

لَنْ يُصِيبَنَا آلَ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا رَبِّكَ تَرْجِعُهُ جِوَاللّٰہُ نے ہمارے واسطے لکھ دیا ہے ہم کو اس کے سوا اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً اور کچھ نہ پہنچے گا اور جب وقت ان کا آجاتا ہے تو ایک وَلَا يَسْتَقْدِرُ مَوْنٌ (پ)

کی آپ کو یا تمہیں جو ہر قسم کے ضرر سے محفوظ کرتی ہے۔

اور تائید دین میں کلفت و مشقت اٹھانا انبیاء اور ان کے خلفاء کی خوب اعتبار ہوا کرتی ہے اور شیعوں کے مسلمات کے بموجب؟ کہ وہ عالم ماکان و مایکون تھے اور اپنی موت و حیات باختیار خود ہوتا علاوہ بریں ہے۔ بایں ہمہ خلفاء ثلاثہ سے درباب خلافت کیوں مخی صمت نہ کی اگر ان کو وصی خلافت بامر خدا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو اس کی طلب میں ماضیت کرنے سے گنہگار ہوئے۔

اور عذر تقیہ کی یہاں گنجائش نہیں کیونکہ مقصود اتمام حجت ہے اگر وصیت درباب امر خلافت نہ تھی بلکہ مثل قربانی ذبح کرنے کے یا ایسے ہی امور دنیاوی کی وصیت تھی تو سنیوں پر کیا الزام ہے۔



# سوال شانزدہم از جانب شیعہ

امامت اور خلافت کی کیا شرط ہے یعنی وہ امور کون کون ہیں جو خلیفہ اور امام میں ضرور ہونے چاہئیں سوائے اکٹھا ہونے آدمیوں کے۔  
جواب سوال شانزدہم (خلافت کے لیے تین اہم اوصاف :-)  
نبی میں تین باتیں ضرور ہیں۔

ایک تو یہ کہ دنیا کی ذرہ بھر محبت اس کے دل میں نہ ہو ہاں خدا کی محبت اس کا دل لبریز ہو۔  
دوسرے بلند ہمت اور لوا العزم ہو۔ تیسرے علم ہدایت میں یکتا ہو۔  
اول کی ضرورت اس لیے ہے کہ رازدار خدا ہے اس بات کے نہیں ہو سکتا سو اس بات میں حضرت ابوبکرؓ و بشادت حدیث مشکوٰۃ جس کی شرح میں رسالہ انتباہ المؤمنین اس پتہ پر لکھا ہے یکتا سنے روزگار تھے۔ دوسرے صفت کی ضرورت بایں غرض ہے کہ جہاں سے مقابلہ ہو گا اگر کم ہمت بندل ہو گا تو کیا کام چلے گا۔ اس میں حضرت عمرؓ یگانہ آفاق تھے۔ تیسری بات کی ضرورت کی یہ وجہ ہے کہ یہ نہ ہو تو پھر ہدایت ہی کیا ہوگی اس میں حضرت علیؓ کا قدم آگے بڑھا ہوا تھا غرض امور ثلاثہ نبی میں ضروری ہیں جو ان کا خلیفہ ہو اس میں یہی باتیں مد نظر ہوں گی ورنہ پھر خلافت نہیں ناخلفی ہے۔ باقی مضامین متعلقہ حدیث مذکور جو اس جواب کے قابل تھے بنظر اختصار اور نیز بایں نظر کہ سائل اس سے زیادہ پوچھتا ہی نہیں کہ ان لوگوں میں بھی یہ صفت ہوتی کہ نہیں۔  
ادھر رسالہ انتباہ المؤمنین میں تفصیل تمام مرقوم ہو چکی ہیں دیکھ لو

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(فقہ کی روشنی میں امامت کے شرائط یہ فقہ کی کتابوں میں ہے)

الْإِمَامَةُ هِيَ صُغْرَى وَكِبْرَى فَالْكِبْرَى  
تَرْجُمَةٌ (امامت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ اور کبریٰ) امامت  
کبریٰ مستحق ہونا تصرف عام کا خلقت پر اور تخفیف اس  
کی علم کلام میں ہے اور امامت اس کی اہم واجبات  
فِي عِلْمِ الْكَلَامِ وَنَصْبُهُ أَهَمُّ الْوَاجِبَاتِ



فَلَيْدَاقَدْمُوهُ عَلَى دَفْنٍ صَاحِبِ الْمُعْجَزَاتِ  
وَلْيُتَرَطَّ كَوْنُهُ مِلْطًا حَرًّا ذَكَرًا عَاقِلًا بَالِغًا  
قَادِرًا قَرِيبًا لَا هَاشِمِيًّا عَلَوِيًّا مَعْصُومًا  
قَوْلُهُ لَا هَاشِمِيًّا إِلَّا أُمِّي لَا يُشْتَرَطُ كَوْنُهُ  
هَاشِمِيًّا أُمِّي مِنْ أَوْلَادِ هَاشِمٍ بِنِ عُبَيْدِ بْنِ  
كَعْبٍ قَالَتْ الشَّيْعَةُ لَفَنِيًّا لِمَامَةٍ إِلَى بَكْرِ  
وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ -  
(وَلَا سُبُهَةَ لَهُمْ فَضَلًا عَنْ الْحُجَّةِ)  
وَقَوْلُهُ عَلَوِيًّا أُمِّي لَا يُشْتَرَطُ كَوْنُهُ مِنْ  
أَوْلَادِ عَلِيٍّ بِنِ أَبِي طَالِبٍ كَمَا قَالَ بِهِ  
بَعْضُ الشَّيْعَةِ لَفَنِيًّا لِحَدَاثَةِ بَنِي الْعَاسِ  
وَقَوْلُهُ مَعْصُومًا أُمِّي لَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ  
مَعْصُومًا كَمَا قَالَتْ الدُّسَمَاعِيُّ  
وَأَوَّلُ ثَنَاءٍ عَشْرِيَّةٍ أُمِّي الْوَمَامِيَّةُ -  
بَنِ طَلْحَاوِي

میں سے ہے اس لیے مقدم کیا اس کو (صحابہ کرام) نے  
دفن صاحبِ حجرات پر اور شرط ہے امام کا سمان ہونا -  
آزاد۔ مرد عاقل بالغ قدرت رکھنے والا۔ قید قریش  
سے ہونا۔ ہاشمی علوی اور معصوم ہونا شرط نہیں -  
لا ہاشمی یعنی شرط نہیں ہے اولاد ہاشم سے ہونا  
جیسے شیعہ کہتے ہیں بسبب باطل کرنے امامت  
حضرت ابوبکرؓ کے اور عمرؓ کے اور عثمانؓ کے امدان کو  
(دلیل کا) تشبیہ بھی نہیں حجت ہونا تو درکنار لا علویاً  
یعنی شرط نہیں ہے ہونا امام کا اولاد علی بن ابی طالب  
سے جیسا شیعہ کہتے ہیں بسبب باطل کرنے خلافت  
بنی عباس کے اور معصوماً یعنی شرط نہیں ہے  
امام کا معصوم ہونا جیسا اسماعیلیہ اور امامیہ کہتے  
ہیں یعنی اس کی طحطاوی سے  
(مکملہ بالاحوال طحطاوی کے علاوہ فتاویٰ شامی ص ۵۱۲ طبع مصر  
میں بھی بعض تغیر کے ساتھ مذکور ہے)  
(۳۱۲ محمد)

(لایزال عہدی الظالمین سے شیعہ استدلال عصمت کا رد)

یہ جو بعض کم فہم معصومیت امام کی لایزال عہدی الظالمین سے کہتے ہیں قرآن کے مذاق  
سے غافل ہیں کیونکہ جملہ لایزال عہدی الظالمین (میرے عہد کو ظالم نہیں پائیں گے) لفظاً خبر  
ہے اور معنی امر جیسے فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ (اگر تم میں  
بیس صابر ہوں دو سو پر غالب ہوں گے) معنی اس کے یہ ہیں کہ جو ظالم ہوں اس کو عہد امامت پہنچے گا۔  
یعنی وہ اس بات کے قابل نہیں کہ وہ متوالی امور خلق اللہ بنایا جاوے۔ اور آیت ....



وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا

(نورع)

اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل اچھے کئے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنا دیگا جیسا خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے اور برقرار کر دیگا ان کے واسطے ان کا وہ دین جو ان کے لیے پسند کیا ہے اور البتہ بدل دیگا ان کے لیے بعد ان کے خوف کے امن اللہ کی عبادت کریں گے کسی کو میرا شریک نہیں کریں گے۔

اس کے ساتھ ملانے سے یہ ثابت ہوا کہ جب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم امامت پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ظالم نہ تھے بلکہ وہ عادل تھے۔

## سوال ہفتم از جانب شیعہ

وہ پوری پوری شرائط حضرت علیؑ میں موجود تھیں یا شیخین میں۔

جواب سوال ہفتم کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ شرائط مذکورہ حضرت علیؑ میں بھی موجود تھیں اور شیخینؓ میں بھی، پر ایسا فرق تھا جیسے ملا محمود بھی عالم اور مولانا محمد یعقوب بھی عالم پر مولانا محمد یعقوب صاحب ان سے زیادہ عالم اور کامل ہیں اسی واسطے شیخینؓ کو اول خلیفہ کیا حضرت (علیؑ) کو بعد میں پھر اس میں یہ بھی غلطی نکل آئی کہ سب کے سب خلیفہ بھی ہو گئے اگرچہ پہلے حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ ہی کو خلیفہ کرتے تو جو جو ان سے زیادہ مستحق تھے محروم رہ جاتے رہی وجہ تقدیم اور تاخیر شوق ہو تو رسالہ انتباہ المؤمنین بغور و انصاف دیکھیں سمجھ میں نہ آئے تو شرم نہ کریں کبھی ذی استعداد عالم سے پڑھ لیں اگر انصاف اور فہم ہو گا تو انتشار اللہ اطینان ہو جائے گا۔ ورنہ ہم تو کس شمار میں ہیں خدا اور رسول کے کلام سے بھی ایسوں کو تو اثر نہیں ہوا۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

وہ شرائط شیخینؓ اور حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ اور دیگر صحابہؓ میں پوری پوری موجود تھیں پر چونکہ اجماع



حل و عقد کا بسبب دلالت آیات اور احادیث مذکورۃ الصدور کے اولاً حضرت ابو بکر کی خلافت پر ہو گیا اس لیے وہ خلیفہ اول ہوئے۔ اور افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسئلہ دوسرا ہے کہ اس کا ثبوت بھی اجماع سے ہے ثبوت خلافت میں اس کا کچھ دخل نہیں بوقت تقرر اس امر کے سب صحابہ نے ان کو افضل پایا لیکن معصومیت امام کی کہیں سے ثابت نہیں ہوتی چنانچہ نبی البلاغہ میں جو معتبرات امامیہ سے ہے نص صریح حضرت امیر المومنین سے موجود ہے۔  
لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ إِمٍٍّ بَیِّنًا أَوْ فَاجِرًا لَوْ ظَنَوا أَنَّهُمْ لَا مُعَادَاةَ لِلَّهِ فَإِنَّهُ جَمَعَهُمْ عَلَىٰ هَٰذَا مَا هُم بِأَشِدَّاءُ لَهَا وَلَا بِيَأْسَ وَلَا يُخَالِفُونَ بِهَا لَئِنْ أَرَادَ اللَّهُ بِهَاجِرَةٍ تَذَكُّرًا لِّمَا كَانُوا فِيهَا يَسْتَفْتِنُونَ

## سوال ہر دہم از جانب شیعہ

حجۃ الوداع اور غدیر کے دن صحابہ کرام کو پیغمبر نے یہ ہدایت کی یا نہیں کہ میرے بعد تم قرآن اور میری عترت کی پیروی کرنا۔  
جواب :- یہ تو معلوم نہیں کہ آپ کے ارشاد بھی اسی روز فرمایا ہے پر اس میں شک نہیں کہ یہ فرمایا اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ شعر ہے  
تمہیں ہو قبلہ و کعبہ ہمارے دین و دنیا میں  
اگر تم سے پھر حق سے پھر اس اور کے فرماں  
پر مشفق من سمجھ کا پھیر ہے اگر ہر کوئی ایسی باتوں کو سمجھ لیا کرتا تو اہل فہم کی کیا قدر رہ جاتی منجملہ  
جوابات اربعہ مشارالہا ایک جواب خاص اسی حدیث کی شرح میں ہے آپ دیکھیں گے  
تو انشاء اللہ محفوظ ہی ہوں گے۔ ہاں انصاف اور سینہ صاف کی ضرورت ہے

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(حدیث ثقلین میں تمسک عترت سے مراد ان کی مجاہدیت۔)

یہ حدیث جو مذکور ہوئی بنام حدیث ثقلین مذکور ہے اور اس میں لفظ تمسک واقع ہوا ہے  
ان تمسکتم لہما۔ اور تمسک بقراآن تفسیر فرمایا ہے اتباع کے ساتھ۔ اور تمسک بعترت کو تفسیر کیا  
ہے مجتہد و الفتن کے ساتھ جو شخص تمام اس حدیث اور وجہ اس کے فرمانے کی ملاحظہ کریگا  
اس کو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اس حدیث سے حکم اتباع کلام مجید کا اور تعظیم و محبت اہل بیت کی



ثابت ہوتی ہے خلیفہ بنانے سے اور وہ بھی کہ بعد وفات متصل ہوں اس مسئلہ کو اس حدیث سے لگاؤ بھی نہیں۔

اور اس حدیث سے حضرت علی کریم اللہ وجہہ کی دوستی کا حکم اور دشمنی کی منی نکلتی ہے فعلی الرأس والعین۔ لیکن ایسے الفاظ تنہا کچھ حضرت علیؑ ہی کے واسطے ثابت نہیں بلکہ حضرت عباسؑ اور ان کی اولاد کے حق میں اور ازواج مطہراتؑ اور حضرت فاطمہؑ کے وارث ہوتی ہیں اور نیز حضرت ابو بکرؓ کی بھی شان میں وارث ہوتی ہیں۔

عَنْ أَبِي الدُّدَّادِ فِي قِصَّةِ مُشَاجِرَةِ مَعَهُ  
قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَتَلَّوْا كَذِبَتْ  
وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقَ وَأَسَافِي بَعْضِهِمْ  
وَمَالِهِمْ فَهَلْ تَارِكُوهُ إِلَى صَاحِبِهِ (بخاری ص ۱۴)

ترجمہ :- ابو الدرداء سے روایت ہے کہ فرمایا  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف  
بھیجا تم نے کہا جھوٹا ہے اور ابو بکرؓ نے کہا سچا  
ہے اور میری مدد کی اپنے جان و مال سے پس چھوڑ  
دو تم میرے لیے میرے ساتھی کو۔

اور شیعہ کے نزدیک بھی اتباعِ عترت سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ اگر عترتِ مُضِل و گمراہ  
ہو تو بھی اطاعت کرو غرضیکہ عترت کی اطاعت مادامیکہ وہ مطیع کلام اللہ و سنت رسول اللہ  
ہوں ضرور ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ اہل سنت و جماعت تمام اہل بیت کے بہتر اول و جانِ محبت  
و تعظیم کرنے والے ہیں جتنی محبت اہل بیت کی ہو سکے فخر و عزت سے غرضیکہ وہ کسی کے اہل  
بیت میں سے منکر نہیں جیسا کہ حضرات شیعوں کا سوا بارہ اماموں کے اکثر عترت کو برائی سے یاد  
کرنے کے مخالف اس حدیث کے ہو گئے ہیں اور قرآن شریف کے باب میں جو کچھ ان صاحبوں  
نے کہا ہے قابلِ ذکر نہیں کوئی یا ض عثمانی کتاب ہے کوئی کئی بیشی تبدیل و تحریف کا قائل ہے۔  
لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ دَقْرَانِ مِثْلُ بَاطِلٍ لَا آتِيهِ  
نَزْهِي (سے) کو باور نہیں رکھتے۔ تعجب ہے کہ قرآن کو امام مہدی کے ساتھ کہتے ہیں اور حدیثِ ثقیین  
کے الفاظ کو دعیان نہیں کرتے۔



# سوال نوزدہم از جانب شیعہ

بعد انتقال پیغمبر خدا کے صحابہ اور نیز اس زمانہ میں اہل سنت اس حکم کے پابند ہیں یا نہیں  
جواب سوال نوزدہم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک اہل سنت  
اس حکم کے غلام ہیں ہاں شیعوں میں یہی وجہ ہے کہ نہ کلام اللہ کی سنتیں ہیں اور نہ اہل بیت کے فیوض  
باطنی سے بہرہ ور ہیں یہ دولت بجز اللہ نصیب اہل سنت ہوئی قرآن اور اہل بیت دونوں سے  
اپنی اپنی قسم کا فیض لیا اور دونوں کو ہاتھ سے چھوڑا چونکہ تفصیل اس اجمال کی جواب سوال سوم مثالیہ  
میں مرقوم ہے مکرر لکھنے کی حاجت نہیں۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(صحابہ اہل سنت متمسک بقرآن و محبت اہل بیت ہیں)  
صحابہ کرام کا تمسک بقرآن تو ایسا ظاہر ہے کہ اس میں کسی کجائے شک نہیں۔ جمع قرآن  
شریف اور پھیلانا اس کا اور تلاوت کا عمدہ انتظام و تعلیم قرآن کے تمام اسباب صحابہ کے مقرر  
فرمائے ہوئے ہیں اور اسی پر آج تک اہل سنت قائم ہیں چنانچہ لاکھوں حافظ قرآن اور ہزاروں  
قاری اس زمانہ آخری تک میں کہ انتہائی کوتاہی کا (زمانہ) ہے موجود ہیں۔ اور تمسک بالعتیق  
کا حال یہ ہے کہ خدمت ازواج مطہرات اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے  
رشتہ داروں کی تعظیم و تکریم۔ اور توسل ان کے ساتھ اپنی دعاؤں میں اور درود بھیجنا ان پر اپنی نمازوں  
میں زمانہ صحابہ میں معمول و مروج تھا اور شبہات اس باب میں اسلاف شیعہ نے نکالے اور  
آج تک ان کے متبعین انہیں خیالات کو دست و پز اپنے صحت مذہب کی گردانتے ہیں علماء  
اہل سنت نے چہ سلف اور چہ خلف جواب ثانی دے کر یہ سخ و بنیاد ان شبہات کی اکھاڑ دی چنانچہ جو  
کچھ اس عجالہ میں مذکور ہے یہ بھی ایک دانہ اسی خرمن کا ہے اور اہل سنت آج تک محبت اہل  
بیت میں متبع ہی قاعدہ مستمرہ کے میں چنانچہ درود صلوة التم صل علی محمد و علی آل محمد معمول  
متواتر ہے اور مودت فی القربی کو ضروریات جانتے ہیں۔



## (شیعہ علماء اقلین مخرف ہیں)

مگر حضرات شیعہ ہر اہم اللہ الی الصواب جو دعویٰ تمسک بالاعتزات ہیں ان کا حال کچھ تو جواب سابق میں تحریر ہوا اور کچھ یہاں معروض ہوتا ہے یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے لے کر تاتامی آئمہ سب حضرات بظاہر طریق اہل سنت رکھتے تھے یعنی اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الخصوص شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے مداح اور ثنا خواں ہے ہیں اور جن ناما قبست اندیشوں نے کوئی کلمہ بے ادبی کا بھی کہا اور ان کے مجمع شریف تک اس کی خبر پہنچی تو نہایت منع فرمایا ہے شیعہ کے نزدیک یہ سب محمول تقیہ پر ہے جو ضروریات دین سے ہے ہمیں اس سے کام نہیں مقصود یہ ہے کہ ظاہر ان کا ایسا تھا اور باطن کی کیفیت ان کی اللہ جلنے کی عقلی و کالمیں اور اکابر کا حال ہم جیسے قاصر ہمت اور کوتاہ بینوں کو سوا استدلال آثار کے معلوم نہیں ہو سکتا اس لیے جب ان کے احوال پر نظر ہوتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہد اور تقویٰ اور اعراض دنیا اور ابتلاء دنیا سے اور تنفر تکلف اور تصنع سے اور گوشہ نشینی اور خلوت گزینی اور کثرت عبادات اور ملایم ذکر خداوندی اور خشیت الہی اور کمال اظہار عجز و بیعت جو بعینہ طریقہ ان کے جدا مجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ بزرگوار اس کے نمونہ تھے اب ہم نے اپنے زمانہ کے شیعوں کا حال دیکھا ہے اور ان کے اسلاف کا سنا ہے سوا اس کے کہ وظیفہ تبہ اور طعن تشنیع اہل سنت کوئی امر ان امور میں ان پر غالب نہیں معلوم ہوتا۔

مختص انصاف کر کے فرمائیں کہ شیعوں کا دعویٰ اتباع کس وجہ سے درست ہے نہ طرز ظاہر ملت ہے اور نہ وضع باطن پھر یہ دعویٰ سر در مرغیے فروغ ہے اور تمسک قرآن شریف کا تو یہ حال کہ اول تو اس قرآن موجود کی نسبت عقیدہ ہی صاف نہیں اور اگر بہت کچھ مصلح کے ان کے اسلاف اسکا پورا کلام اللہ ہونا بے تحریف مان بھی لیا تب بھی خدمت قرآن یعنی اہل کتاب اللہ سے علماء و عملاً محروم ہیں حافظ ہونا کسی کو نصیب نہیں لے شیعہ کا قرآن کو نقلی غیر اصلی اور مخرف و بدلہ ہونا مانا ایک بنیادی عقیدہ ہے جو محتج ثبوت نہیں اصول کافی جہ طہ و ہدیہ ایران میں ص ۴۲ تک تحریف قرآن کا باب پھیلا ہوا ہے۔ ترجمہ مقبول کے حاشی میں دسیوں آیات کی نقلی تحریف کی نشان دہی کی گئی ہے شیعہ کے صرف چار مندرجہ ذیل علماء قرآن کو پورا اور بے تحریف مانتے ہیں۔ الشیخ الصدوق۔

والشرف المرتضیٰ ۱۔ الشیخ ابو جعفر الطوسی ۲۔ الشیخ ابو علی طبرسی صاحب مجمع البیان ۳۔ ۱۲ مرتبہ



اور قاری باوجودیکہ قرآن فرض جانتے خال خال کوئی ہوتا ہے اور مکمل تو جیسا قرآن پر ہے شیعہ کے مجموعہ عقائد اور مسائل سے بخوبی واضح ہوتا ہے جس کا جی چاہے مقابلہ کر کے دیکھ لے علماء اہل سنت نے خاص کر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ (اشاعتیں) میں ایسے مطلب کو بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ عقائد اور فہیات میں یہ گمراہ مخالفت ثقیلین ہے۔ فقط۔

## سوال بستم از جانب شیعہ

عقبہ پر کون کون صحابی بارادہ قتل پیغمبر خدا کے لیے آئے تھے ان کے نام اور وجہ آنے کی بیان کیجئے اور یہ کہ وہ صحابی تھے یا نہیں؟

جواب سوال بستم

(ارادہ قتل پیغمبر کا صحابہ پر بیان ہے) ————— عقبہ پر کوئی صحابی بارادہ قتل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کیا آپ تو افضل الہی عاقل ہیں ایسا سوال مہمل جاہلانہ بھی کوئی کیا کرتا ہے اجماعی صاحب کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ صحابی معتقدہ باایمان کو کہتے ہیں سو آپ ہی فرمائیے اہل اعتقاد بھی کہیں اپنے بزرگوں کے قتل کا ارادہ کرتے ہیں ورنہ یزید یوں کو یہ گنجائش ہوگی کہ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یا کرایا تو کیا! پھر امیر یزید اور عبداللہ بن زیاد وغیرہ سب معتقدان بالا ختصاص اور مریدان خاص تھے ہاں میں بھی چوکاٹ ہے باوجود اس دعوئے مجتہد کے حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کے خون کے پیلے ہیں وہ خود نہ ملے تو ان کی نعشوں کی تصویروں کے سامنے وہ کرتے جو سوا یزیدیوں کے اور کوئی نہ کرے۔

غرض کہ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی نہیں کیا نام کس کا بتایا جائے یہ کام منافقوں اور کافروں کا تھا باقی آپ کو اپنا مطلب پوچھنا منظور ہے تو جیسا آپ گوگو پوچھتے ہیں ہم بھی رلا رلا جواب دیتے ہیں پر اتنا فرق ہے کہ ہمارے رلاؤ کا تو یہ فائدہ ہے کہ ایک اعتراض کے ساتھ آپ کے سارے اعتراضات اور شیعوں کے سارے دوسوں کا جواب دیتا ہوں سو آپ ہی کیجئے کہ کیا اچھا رلاؤ ملاؤ ہے اور آپ کے گول مول کہنے کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر ہم بہت چھان بین نہ کریں تو بدوئے انصاف ہمارے ذمہ اس سے زیادہ جواب دہی نہیں جتنی ہم کر چکے



خیر مطلب کی بات سنئے صحابہ کرام کی شان میں کچھ آیتیں جو اس اجمالی میں مرقوم ہوئیں اور ایک آیت جو اس سوال نمم میں مرقوم ہوئی اور ان کا ترجمہ بھی بقدر ضرورت معروض ہو چکا اس کو دیکھئے اور پھر ہماری طرف مذکور کے فرمائیے تمہیں خدا کی قسم! کیا تمہارے خیال میں آسکتا ہے کہ خدا کی اتنی تعریفوں کے بعد بھی شیخین کو یہ خیال باقی ہے اور اگر پھر بھی یہ بات تصور ہے تو یوں کہو تمہارے نزدیک نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجب القتل اور خدا کے دشمن تھے جو ان کے دشمنوں کی اتنی لمبی چوڑی تعریفیں کیں کہ العنلہ للہ۔

جناب من! ہم تو فقط اس بھروسے پر کہ منشی شیخ احمد مولوی وجیہ الدین صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں دیوبند کے رئیس نے چال چلن کے اچھے راہ روش کے عمدہ۔ اگر کوئی یوں کہے کہ بلند شہر کے ڈاک میں شک ہے تو تصدیق نہیں کر سکتے بلکہ دل و جان سے تکذیب کرتے ہیں آپ خدا کے بھروسے بھی اس بات کی تکذیب نہیں کرتے جو چند شیطانوں نے مل کر آپ کے کان میں پھونک دی ہے۔

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے بارہ منافقوں نے جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برائی سے پیش آئیں عمار بن یاسر و حذیفہ بن یمان کو اس بھید سے آگاہی ہوئی انہوں نے اس وقت جاکر ان خبریث طینتوں کو دفع کیا اور شیخین کو اصحاب میں شامل کرنا عین حماقت ہے کیونکہ نعوذ باللہ منہا اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برائی منظور ہوتی تو وہ غلامیں یا عریش بدر کے روز کرتے اس وقت کیا کچھ موقع تھا اور اگر خدا نخواستہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں غرابی ہوتی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتلاً نہ ہوتے نہ بیہوش نہ ہوتے نہ قتل نہ ہوتے حضرت عمرؓ کی دلی غرابی معلوم کر کے مثل اخبار دیگر منافقین کے واشگاف فرماتے اور سب کو احتیاط کا حکم فرماتے اور خود بھی احتیاط بدرجہ کمال ہر وقت رکھتے حالانکہ یہ خلاف اس کے بہت سی آیات اور احادیث سے ان کے فساد اور اتحاد حضرت کے کمال درجہ کا ثابت ہوتا ہے چنانچہ ان کو وزیر فرمانا اور بسبب ان کے اسلام کے عزت اسلام کی سمجھنا اور کوکان نسبی



من بعدی لکان عند فرمانا وغیرہ ذلک۔

پس جاننا چاہیے کہ جن لوگوں کو یہ رسوخیت اور یہ اتحاد ہو پھر وہ کیوں موقعہ ڈھونڈیں گے ان کے لیے تو ہر وقت موقعہ ہی تھا۔ وائے برا فنام ناکسان ایسے متحدین (مُجْتَمِعِین) کی نسبت یہ تممت اللہ سے ڈرنا چاہیے ان آخذہ الیم شدید۔

(اس اہتمام میں بختیار بنوی پر حملہ اور آیت الطہارین کا انکار ہے)

ایسا الزام شیخین کی طرف نسبت کتنا درپردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کم فہمی ثابت کر رہی ہے نعوذ باللہ منہا۔ کوئی شخص کیسا ہی بے وقوف ہو جی کہ محوش و ظہور جو حوالہ مطلق ہیں وہ بھی اپنے دوست دشمن کو پہچانتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیخین کی دوستی یا دشمنی کو نہ جانتے ہوں گے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ باوصف ان کی طبائع کو جان کر چشم پوشی فرماتے تھے تو گویا اپنی جان اور دیگر دوستوں کی جان کے حضرت دشمن گویا (معاذ اللہ) کھار کی تعظیم و تکریم اور اختلاط و محبت با دشمنان خدا رکھتے تھے اور یہ فعل اس آیت کے سراسر مخالف ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (فتح ۲۴)

(وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت دے کر اور مجاہدین دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے)

جب بزرگم شیعوہ کفار کے ساتھ خلا ملا ہوا تھا ہدایت و غلبہ دین حق کا کہاں ہوا اور کلام اللہ الہی العلیٰ کے بھی معارض ہوا کیونکہ بزرگم امامیہ کفار و فجار کا عمل و فعل رہا نعوذ باللہ من هذه العتية الفاسدة۔

شیخین کی برائی کرنے میں کچھ تو آگے تیجھے کی خبر رکھا کر و جاننا چاہیے کہ اول تو منافقین کی شناخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت مذکورہ سے ثابت ہو چکی اس کو بھی جانے دیجئے نعوذ باللہ منہا۔ کیا خدا کو اپنے حبیب خاص اور محبوبان دیگر سے عداوت حتیٰ کہ وہ ان کے دشمن جان سے نہ آگاہ کر دیتا کیا حضرت جبریلؑ کو بار بار آنے میں تھکان ہوتا تھا یا کچھ حکم خداوندی میں عذر تھا سو اول بات کو تو ان کی قوت بازو کے حالات قطع کرتے ہیں اور دوسری بات کو آیت اَلَا يَعْلَمُونَ اللّٰهُ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (روہ فرشتے اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور اگر گزرتے ہیں جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے) قطع کرتی ہے



دوسرے یہ کہ جو آیت اس قصہ والوں کے حق میں نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور ان کا کوئی مردگار نہ ہوگا یہ تو سب امور سوائے منافقین کے اور کس کس کے لیے ہوئے بلکہ شیخین کے لکھو کچا متبعین و معین ہوئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو بھی ہدایت کرے آمین ثم آمین فقط

## سوال بست و یکم و بست و دوم از جناب شیخ

حضرت پیغمبر خدا نے ان لوگوں کے نام خذیفہؓ کو بتلائے تھے یا نہیں اور حضرت عمرؓ نے خذیفہؓ سے یہ سوال کیا یا نہیں کہ پیغمبر خدا نے میرا نام تو نہیں لیا۔ فقط

جواب سوال بست و یکم۔ حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ صاحب سر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو جو باتیں بعض نے ان کو معلوم نہیں وہ کسی کو معلوم نہ تھیں نہ حضرت علیؓ کو نہ حضرت ابو بکرؓ نہ حضرت عمرؓ نہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم اور اگر ان اصحاب کبار کو بھی وہ باتیں معلوم ہوں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی دیر دیر کی نشست بر خاست ہو بوجہ دوستی اور خلعت اسلامی جس پر احادیث صحیحہ شاہد ہیں یہ بات مترشح بھی ہوتی ہے۔ تو پھر حضرت خذیفہؓ کے صاحب السرنہ کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اپنے ہم قسم لوگوں میں اس بات میں ممتاز تھے بہر حال راز کی باتوں کو کوئی کیا جانے پھر وہ بھی میں اور آپ۔ اب تک یہ بھی نہیں کہ ایمان کس کا نام ہے باقی یہ نام کا ایمان کس کا کام کا اور اگر ثابت ہے تو اس قدر ثابت ہے کہ بعض صحابہؓ کو اسماہ منافقین اور سلاطین جو معلوم تھے پر آپ کو اس سے کیا مطلب؟ آپ کو ان باتوں سے اپنے مطلب پنہانی کی امید رکھنی ایسی ہے جیسے بیل کے پیٹ سے مرغی کے انڈے کی امید۔

## جواب سوال بست و دوم

(علماء اور کاملین انجام سے خائف ہوتے ہیں) ہم نے آج تک اپنی یاد میں کوئی روایت اس مضمون کی نہیں دیکھی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خذیفہؓ سے یہ پوچھا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام تو نہیں لیا۔ پر پوچھ لیا ہو تو حضرت عمرؓ کے



قربان جانا چاہیے۔ ایسا خدا کا خوف کس کو ہوگا جو یوں خدا کی بے نیازی سے ڈر کر اپنے خاتمہ سے اندیشہ مند ہے۔ جناب من ! کلام اللہ میں سورۃ مؤمنوں میں تو اچھے بندوں کی تعریف میں یہ ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ  
مُشْفِقُونَ  
جس کے معنی یہ ہیں تحقیق وہ لوگ جو خدا کے خوف سے ڈرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد ان کا انجام بیان فرماتے ہیں  
أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ  
لَهَا سَابِقُونَ  
یعنی ایسے ہی لوگ خیرات میں دیر نہیں کرتے اور وہی لوگ خیرات کو سب سے پہلے جہاں جاتے۔

اور صریحاً فرماتا ہے۔  
إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ  
جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا سے وہ ہی ڈرتے ہیں جو خدا کے جاننے والے ہیں۔ علیٰ ہذا العتاس اور سائے کلام اللہ میں ایک جہاں نہیں دیکھیں جہاں جاتی ہیں سو حضرات شیعہ کی ہم نہیں کہتے سو ان کے جس سے چاہیے پوچھ لیجئے ان باتوں کو بشادست کلام اللہ منجملہ کمالات ایمانی ہی سمجھنے کا ہاں شیعہ اگر خوف خدا کو کھنکھتے ہوں تو دور نہیں۔ ورنہ پھر حضرت علیؑ کی محبت ہی کی کیا قدر دہ جائے گی۔

بہر حال یہ بات تو اس قابل تھی کہ آپ زنازدلی کو توڑ کر حضرت عمرؓ کی زیارت کا احرام باندھتے۔ تو یہ استغفر اللہ حرام نہیں صاحب زیارت کا سامان کرتے پڑا لے آپ تو مزے آئے مگر ان کہیاں سنانے لگے سو اس کا جواب بجز اس شعر کے اور کیا دیا جائے۔ شعر۔

چشمہ اندیش کہ برکنہ باد عیب نماید ہنر شش در نظر

غرض جواب تو بندہ نے عرض کیا آگے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ روایت صحیح ہے یا غلط بایں ہمہ اگر اسی کا شوق ہو تو مولانا محمد یعقوب صاحب۔ مولانا سید احمد و ملا احمد صاحبوں سے دریافت فرمالیں زیادہ سمجھ جڑا شنی ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(قصہ عقبہ اور حضرت حذیفہؓ) بڑے افسوس کی بات ہے



کہ سائل کو قصص تک کی بھی خبر تھیں علی الاکمل زمین اور آسمان کے قلابے ملتا ہے کجا قصہ عقبہ اور کجا حضرت خذیفہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علامت اتفاق بتانا اور کجا حضرت عمرؓ کا اپنے باب میں دریافت کرنا۔ قصہ عقبہ کا تو ذکر جواب بستم میں یہ تفصیل تمام مذکور ہے نہ اس بارہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خذیفہؓ کو اسماء منافقین بتائے اور نہ حضرت عمرؓ نے کچھ ان سے اپنے باب میں پوچھا بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بطور قاعدہ کلیہ کے حضرت خذیفہؓ کو علامت اتفاق کی فرمائی تھی تاکہ وہ معلوم کر لیں اور حضرت عمرؓ کا ان سے اپنے لیے پوچھنا یہ کمال حضرت عمرؓ کے خوف خدا اور کمال ایمان پر دلالت کرتا ہے لَئِنْ اَتَيْنَاكَ بَيِّنَ الْخُوفِ وَالرَّجَاءِ اور بدرجہ غایت تقویٰ و پرہیزگاری پر دلالت کرتا ہے کہ اگر حسب اتفاق کوئی شخص برائی ہوگی بھی تو اس کے درپے اصلاح و استیصال کے ہوں گے یہ سائل کی فطرتیں ہیں کہ تین قصوں کا ایک قصہ بنا دیا تاکہ ناواقف دھوکے میں آجائے چنانچہ مدارج النبوة میں حضرت خذیفہؓ کے فضائل میں لکھا ہے اور اس کو قصہ عقبہ سے کچھ علاوہ نہیں۔

وہكذا عبارة مدارج النبوة بالاختصار خذيفه  
 ایمانی کیفیت ابو عبد اللہ از کبار صحابہ است  
 صاحب سر رسول اللہ بود و نزد وی سلم  
 منافقین تعلیم کردہ بعد از آن حضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم اور اصفاست اتفاق دانانیدہ بود و  
 اشخاص منافقان و اسماء ایشان را کہ کدام  
 اند و بود عمر کہ سوال میکرد اور از حدیث فتنہ  
 سوال میکرد از علامات اتفاق و میگوید کہ  
 یک بارے پسید عمر از خذیفہ آیا چیزیکو سے  
 یعنی تو از علامات اتفاق در من گفت نمی  
 بینم۔

مدارج النبوة کی عبارت مختصر یہ ہے کہ خذیفہ ایمانی  
 کی نسبت ابو عبد اللہ ہے اکابر صحابہ سے ہیں حضور  
 علیہ السلام کے ملازمان تھے حضور علیہ السلام نے ان  
 کو منافقین کا پتہ بتلایا تھا اور اتفاق کی علامت بتلانی  
 تھیں اور منافقین کے اشخاص اور ان کے نام بھی  
 بتائے تھے کہ کون کون ہیں۔ حضرت عمرؓ ان سے  
 فتنوں کی حدیث کے متعلق پوچھا کرتے تھے اور  
 اتفاق کی علامات کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ  
 حضرت عمرؓ نے خذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا اتفاق کی علامات  
 میں سے کوئی میرے اندر بھی آپ پائے؟ فرمایا میں آپ  
 میں کوئی علامت اتفاق نہیں دیکھتا۔



غور کرنے کا مقام ہے کہ سائل نے دھوکہ بازی کر کے کیا جوتی سے کان گاسٹھے تھے پھر کیا ہوا۔

جاء الحق وذهب البطل

(حضرت خلیفہ مہدویؑ کو منافقین کے نام اور علما کا گلیہ بتلائی تھیں۔)

جاننا چاہیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خلیفہ مہدویؑ کو منافقین عہدیہ ہی کا نہیں بتایا بلکہ تمام منافقوں کے نام بتائے اور چند نشانیاں بطور کلیہ جیسے کہ حدیث میں منافق کی وارد ہوتی ہے اِذَا حَدَّثَكَ كَذِبًا وَافَا وَعَدًا خَلَفَ (منافق جب بولتا ہے جھوٹ کہتا ہے جب وعدہ کرتا ہے خلاف دہری کرتا ہے اور جھگڑاتا ہے تو گالی بجاتا ہے۔)

(بخاری ص ۱۱۱ مسلم ص ۵۶)

ہے جب امین بنایا جاتا ہے تو خیانت کرتا ہے۔) فرمائیں تاہم ان منافقین کو پہچان لیں حضرت عمرؓ کا ان سے اپنے باپ میں دریافت کرنا عین حقانیت و پاک طینتی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انہوں نے بطبع اصلاح اپنے حال کو دریافت کیا نہ بوجہ شبہ کیونکہ وہ لوگ بسبب حال عرفان ذات باری کے باوجود ہزار ہا بشارت کے ہر وقت اسی شان بے نیازی سے لرزاں و تر سال جیتے تھے کہ مبارک کوئی خرابی نہانی خلاف مرضی ربانی ہم میں ایسی نہ ہو کہ جس سے انحطاط مرتبہ کا ہو جائے۔ حضرت خلیفہ مہدویؑ کے جواب سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی علامت نفاق کی نہ تھی اور بایں وجہ حضرت خلیفہ مہدویؑ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی قبول کی فقط (یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی)

سوال ۲۳۳ بست سوم از جانب شیعه (بسنہ حدیث و طلاس)

حضرت عمرؓ نے آخری وقت میں پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وصیت کرنے سے کیوں منع کیا۔

جواب سوال بست سوم: حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کرنے سے کہاں منع کیا ہے اور ان کی کیا مقدور تھی جو منع کرتے اتنا طوفان بھی کہیں سنا ہے پہلے تو آپ ہی فرماتے کہ وہ وصیت ہی کب تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستور العمل کے طور پر کچھ لکھوانا چاہا تھا چنانچہ یہ ارشاد اُکْتُبْ لَكُمْ صِتًا بَلَّغُوا بَعْدِي اس پر



شاید ہے اس لیے کہ اس کا حاصل قابلِ سمیت یہ ہے کہ دو است قلم لاؤ ایسی کتاب لکھو ادوں جو تم پھر کبھی گمراہ نہ ہو مگر اس وقت آپ کو مرض کی شدت تھی کسی نے یہ سمجھ کر کہ کتاب اللہ کے بعد بشادۃ آیتہ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (اور ہم نے آپ پر کتاب اتا دی جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے)

اور نیز بہستاورت حدیث ثقلین جس کے الفاظ اور معنی جواب سوال سوم منجملہ سوالات اربعہ میں مرقوم ہے اویس چیز کی حاجت ہے۔ یہ رائے دی کہ کیا حاجت ہے کہ ایسے وقت میں یہ تکلیف دی جاتی ہے آپ بوجہ کمال شفقت فرماتے ہیں بطور ایجاب نہیں فرماتے کسی نے امثال ارشاد کو مقدم سمجھا آخر کار حضرت عمرؓ بھی یہ بولے جتنا کتاب اللہ۔ (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی رائے حضرت عمرؓ کے موافق ہو گئی)

حضرت پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی اسے برقرار رکھا اور حضرت امیرؓ نے بھی اسی رائے کو عمدہ سمجھا ورنہ حکم ایجابی ہوتا ہے۔ اور یہ رائے لکھوانے کی) ناپسند ہوتی تو جناب رسالت مآبؐ تو بھکم یَاٰیٰہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَبِّكَ (اے رسول تبلیغ کیجئے ان امور کی جو آپ پر رب کی طرف سے نازل کئے گئے) ضرور اس کام کو کر کے چھوڑتے اور حضرت امیرؓ دولت قلم لے آتے بافرمانوں کے زمرہ میں داخل نہ ہتے بہر حال حضرت عمرؓ کے اتنے کئے سے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹ سکتے ہیں نہ حضرت امیرؓ کی استگاری متصور ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہم یہی کہیں گے سب حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی ہیں اس رفاقت پر تو خیال کرو کہ خدا کا خلاف کیا (بقول شیخ) پر حضرت عمرؓ کا خلاف نہ کیا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیرؓ کا اتنا پیارا ہو کہ اس کے سامنے خدا کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوں پھر تم کس منہ سے بد کہتے ہو۔ استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

شاید یہ پیارا اور محبت اس وجہ سے ہو گا کہ آخر کار داماد مہر صوبی ہونے والے تھے۔  
(تقیہ کے عذر رنگ کا ازالہ :-)

اکثر ایسے مقاموں میں اکثر حضرات شیعہ وہ عذر تقیہ جس کو عذر گناہ بدتر از گناہ کہتے پیش کیا کرتے ہیں سو یہ ہمارے جاننے کی باتیں ہیں تقیہ کی رد سے تو کلام اللہ بھرا ہے پر تقیہ کا اثبات



کہیں نہیں دوچار دلیلیں تقیہ کے ابطال کی بہت بسط کے ساتھ یہ الشیعہ میں بھی موجود ہیں اگر طلب حق ہے تو دیکھنی لازم ہیں باقی بعتر ضرورت تو اوراق گذشتہ میں بھی مذکور ہو چکا ہے ۔  
 یائیں ہمہ حضرت رسول اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر نے تقیہ کیا تو کیا بشر تھے اگرچہ شیعوں کے طور پر خدا سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں اور کم بھی ہیں تو اتنے نہیں کہ تقیہ کی ضرورت ہو چنانچہ علم کی یہ وسعت علم ماسکان و مایکون ہو گئی اس پر شاہد ہے اور قدرت کی یہ زور کہ درخبر چھوڑ آسمانوں کو ہلا ڈالیں پر یہ تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے بھی تقیہ ہی کیا جو چپ چاپ ہو کے بیٹھ رہے پھر خبر ہی نہ لی کہ ہمارا حکم امت محمدی کو پہنچایا نہیں ۔ میں پوچھتا ہوں اگر حکم مشار الیہ پہنچ چکا تھا ۔ تو حضرت عمرؓ کی یہ گزارش ایسی تھی ۔

(حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ادب اراکم کی خاطر یہ کہا)

جیسے حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں لفظ رسول اللہ کے ملنے کو فرماتے تھے اور نہ مانا تمہیں کہو ایسے محلوں کا نہ ماننا بے ادبی ہے ؛ یا عین ادب ۔ اگر آپ کی والدہ ماجدہ خدا نخواستہ بوقت شدت بیماری آپ کے اس بات کی خواستگار ہوں کہ تمہارے کام میں ہی کروں گی تو گویا ان کا ارشاد بوجہ محبت ہی یہ کیا آپ کی یہی سعادت مندی ہے کہ بے ضرورت ان سے کام لینے کو تیار ہوں ۔ اگر حضرت عمرؓ کی اس عرض کو بھی اسی قسم سے سمجھ لیتے تو کیا گناہ تھا بہت ہو گا تو اتنا ہو گا کہ ایک ممدوح خدا کی بات بنا دیتی تم ہی کہو یہ بات بری ہے یا بھلی اگر بری ہے تو پھر اس کا کیا جواب کہ اگر عمرؓ ایسے تھے تو خدا نے کس مہر و سر پر تعریف کی تھی اور کہا تھا ۔ والذین معه استدلوا علی الکفار الخ ۔ والسا بقون الاولون الآئینہ ۔ الذین

أمنوا وصابروا الغیوم لا یخزی اللہ النبی الخ  
 (قلم دوات لانا گھر والوں کا کام تھا ۔)

ہاں اگر یہ معنی اور یہ احتمال اس احتمال سے عمدہ نہ ہو جب ہی کہو آپ ہی فرمائیں اول تو وصیت کو اس سے کیا علاقہ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہی ۔ پھر کئی روز حضرت



یقینہ حیات ہے حضرت عمرؓ کیا اسی در کے دربان تھے جو نہ ملے اور گنجائش نہ ملی پھر بیار کے خطاب  
 تو اپنے تیار داروں کی نسبت ہوا کرتے ہیں جو کار خدمت ہوا کرتے ہیں اہل و عیال کو کہا کرتے  
 ہیں۔ آنے جاتے والوں عیادت کرنے والوں کو کوئی نہیں کہا کرتا۔ یہ حضرت علیؓ کا کام تھا  
 انہوں نے کیوں نہ کہا۔ حضرت عمرؓ نے بھی انہیں ہی دیکھ کر ان کی پیروی کی سو اس میں کیا برائی  
 ہے اگر حکم مذکور قبل ارشاد مذکور اعمیٰ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ امت کو پہنچانے  
 تھا اور پھر بدستور بات وہ نہیں مہیٰ تو یہ دور تک پہنچتی ہے تمہارے خیال کے موافق نہ  
 حضرت امیرؓ پچیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچیں نہ خود خداوند کریم سالم ہیں نعوذ باللہ  
 من هذا المذهب۔ اے مذہب پر کیا کہوں تم سمجھ جاؤ۔ اور اگر یہ وصیت ہی تھی اور  
 وصیت بھی خلافت ہی کی اور آپ کو اس چھپر ٹھپاڑ سے غرض یہی ہی ہے تو آپ کو یہ الہام  
 کیونکر ہوا کہ حضرت علیؓ کے لیے وصیت تھی ہم کہتے ہیں حضرت ابو بکرؓ کے لیے لکھواتے تھے  
 چنانچہ حدیث ویابی اللہ ویذبح المومنون جو سوال اول کے جواب میں مرقوم ہو چکی۔  
 اس پر شاہد ہے اس سے زیادہ تفصیل منظور ہو تو کچھ اوراق گذشتہ کو پلٹ کر مطالعہ فرمائیں یا  
 ہدایتہ الشیعہ کو مطالعہ سے مشرف فرمائیں۔ پر غور کی حاجت ہے انصاف کی ضرورت ہے  
 فہم و فراست بکار ہے ورنہ ہدایتہ الشیعہ کیا چیز ہے دعویٰ اعمال ہی بے کار ہے۔

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(قرآن و سنت اور اہل بیتؑ شیعہ کی محرومی)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب وصیت کی اور حضرت عمرؓ نے کہاں منع کیا  
 کچھ پتہ تو کیا ہوتا۔ رنج ہے کہ باوجود ہزیم خود مجبان عترت ہونے کے خدمت قرآن سے  
 تو بدولت حضرت عثمانؓ بنہ کے محروم ہے اور اکثر اشخاص عترت سے بدولت



عقیدہ فاسدہ اپنے کے اور قرطاس آخری سے بدولت حضرت عمرؓ کے محروم ہے یہ ہی تین چیزیں ہدایت کی نقیصہ انہیں سے محروم ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ ہو گئے افسوس ہے کہ ان کے لیے کوئی صورت ہدایت کی نہ ہوئی وادی جہل میں ٹکراتے رہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کسی کی کیا خطا خیالاً خام کو مقتدی و پیشوا بننے کا یہ ہی ثمرہ ہے وَذُو قُوَّةٍ اَعْدَابُ الْمُخْلَبِ بِمَا كُنْتُ تَقَعِّلُون (رب السجۃ ۲) چونکہ حضرت عمرؓ کی رائے اکثر امور میں موافق وحی کے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ چند قصص سے معلوم ہوتا ہے اگر اس مقدمہ میں بھی ذخیل ہو گئی تو کیا برا کیا یہ رد وحی نہیں ہے۔

اور اگر نہیں مانتے تو حضرت علیؓ نے اَتَخَلَّفُنِي فِي النَّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ (مسلم ص ۲۶۸ ترمذی ص ۲۱۷) کیا آپ مجھے عمر قول اور بچوں میں جا شین بنا کر جلا ہے ہیں) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ لیجانے پر کیوں فرمایا اور جو صدر حکم کے خاموش کیوں نہ ہے اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض لے کر ساتھ اہل بیت میں سے صرف ایک کو قابل تاراج مانا اور پھر ان کے تفتیہ کرینی وجہ سے ان کے فیوض سے محروم ہے اور آخر حجبت خدا امام العصر ۱۲ سال سے غائب ہیں اور شیعوں ان کی اتباع و ہدایت سے یکسر محروم ہیں قاضی نور الدین شوتری نے مجالس المؤمنین ص ۵ میں شیعوں اہل بیت عزت کو کہتے ہیں بدتر کہا ہے تو بے اصل کفر کفر نہ باشد اذ الحلوئی تابع ماصیبا۔ بعد ذہب فمأهون من ابیہ۔ وَكَانَ الْكَلْبُ خَيْرًا مِنْهُ طَبْعًا۔ لِأَنَّ الْكَلْبَ طَبَعَ أَبِيهِ فِيهِ۔ حضرت علیؓ کی اولاد جب سنی مذہب پر چلے تو وہ اپنے باپ کی نہیں۔ اس سے تو کتنا مزاج کے لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ اس میں اپنے باپ کی عادت پائی جاتی ہے۔

۱۔ اہل سنت عیب جوئی اور ضرر دہ گیری کی نیت سے کسی شخصیت کا مطالعہ نہیں کر سکتے ورنہ شیعی ذہن سے ذرا کام لیا جائے تو ان کے ممدوع آفاق اکابر بھی ایسے الزام سے بچ نہیں سکتے مجبوراً چند مثالوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ ۱۔ حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ لفظ رسول اللہؐ مٹا دو لیکن انہوں نے تعمیل نہ کی (قصہ حدیث عمدة البیان ص ۲۶۲)۔ حضرت علیؓ کو حضور علیہ السلام کا حکم تھا کہ میرے ذمہ جو لوگوں کی امانتیں ہیں ادا کر کے میرے اہل بیت کو ہمراہ لے کر مدینہ آنا لیکن انہوں نے سرانجامی نہ کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عارفت اور ابو طلحہ کو ۵۰ درہم اور دو اونٹ دیکر مدینہ سے مکہ کو لمانتیں ادا کرنے کی خاطر بھیجا اور عبد اللہ بن ابی بکرؓ اہل بیت کو ہمراہ لے کر مدینہ پہنچے و شیعوں حضرات کی کتاب سیر الابرار ص ۱۵۱۔ ۲۔ حضرت فاطمہؓ کو اپنے فرمایا میں سحر کو جاتا ہوں۔ میرے آنے تک جو تمہارا بیٹا ہونے والا ہے اسے دودھ نہ دینا مگر حضرت فاطمہؓ نے تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یقیناً



مصلحت و دفع مشقت امتیوں کی بمشورہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تو بار کیوں حکم الہی امتیوں میں رد بدل رکھا اگر ایسے امور خدا نخواستہ رومی ہوتے تو محاذ اللہ انبیاء علیہم السلام سب سے اول اس گناہ میں شامل ہوتے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کا فرمانہ بخیاں رعایت اور آرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا جبکہ خود حضرت نے بسبب شفقت و محبت امت مذنبہ کے کیا۔

### سوال بست کو چہارم از جانب شیخ

بیمار پر آخری وقت میں وصیت کرنی واجب یا نہیں اور خصوصاً پیغمبر خدا پر؟

### جواب سوال بست چہارم

بیمار کے ذمہ پر کسی کا لینا دینا ہو تو وصیت واجب ہے تنہا تو نہیں۔ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں جو وصیت فرماتے اور جو کچھ تھا اس کی نیت نہ دیا مَا كُنْ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا كُنْتُ مَكَ (ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ مَرَكْنَا صَدَقَهُ) (بخاری ص ۹۹۹، ۵۹۱ ترمذی ص ۱۹۲) (صدقہ بن جاتا)

باقی دربارہ دین بست سی وصیتیں فرماتے ہیں منجملہ یہ بھی ہیں۔

۱۔ اِقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي ابْنُ بَكْرٍ عَمْرُو (ترمذی ص ۲۰۰، ازالۃ الخفاء ص ۸۹، بحوالہ تدرک حاکم) (میرے بعد دو شخصوں ابو بکر اور عمرؓ کی پیروی کرنا) ۲۔ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ۔ (ابوداؤد ص ۲۸۴) (تم پر لازم ہے کہ میری سنت پکڑو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی) باب فی لزوم السنۃ ترمذی ص ۹۲

مَا إِلِي تَارِكُ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ الْمَرْسُومَيْنِ (میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں)

### بقیہ حاشیہ

کے آنے کی انتظار کی جب آپ تشریف نہ لائے تو حضرت فاطمہؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو دودھ دے دیا آپ ہی بتلائے کہ حضورؐ کے حکم کی تعمیل ہوتی یا نہ (جلال العیون شیعہ)۔ ۱۲ مہر محمد۔ ۴۔ حضرت حنین رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ اے حسن و حسین! لا تَخْلُوْهُمَا بِقَتِيْمٍ۔ یعنی جب تک تم زندہ رہو مکہ معظمہ سے نہ نکلنا نہ حج ابدانہ ۲۲ کیا آپ نے مکہ کو خالی کر کے شہید ہو کر اپنے والد کے ارشاد کی تعمیل کی ۹۔ ۱۲ مہر محمد۔



۵ لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ  
(مسلم ج ۲۱ بخاری ص ۶۲)

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد گاہ بنا لیا۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(تفسیر مآرک (بقبرہ کی آیت وصیت) میں ہے۔)

۱۰ (کُتِبَ) فُرِضَ رَعْلُكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ  
الْمَوْتُ (أَيُّ إِذَا دَنَا مِنْهُ فَظَهَرَتْ لَمَعَاتُهُ  
إِنْ تَرَكَ خَيْرًا) مَالًا كَثِيرًا لِمَا رَوَى  
عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ مَوْلَى لَهُ  
أَرَادَ أَنْ يُوَصِّيَ وَلَهُ سَبْعُمِائَةِ فَنَحَتْهُ  
وَقَالَ: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: إِنْ تَرَكَ خَيْرًا  
وَالْخَيْرُ هُوَ الْمَالُ الْكَثِيرُ وَلَيْسَ لِلشَّعَالِ  
وَفَاعِلٌ كُتِبَ (الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَوْ  
قَرَبِينَ) وَكَانَتْ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ فِي  
بَدءِ الْإِسْلَامِ فَنَحَتْ بِآيَةِ الْوَارِثِ  
كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي شَرْحِ الْمَنَارِ، وَقِيلَ  
هِيَ غَيْرُ مَنْسُوخَةٍ لِأَنَّهَا نَزَلَتْ فِي  
حَقِّ مَنْ لَيْسَ بِوَارِثٍ بِسَبَبِ الْكُفْرِ  
لِأَنَّهُمْ كَانُوا أَحَدِيثِي عَهْدٍ بِأَدْوَانِ  
سُلَامٍ يُسَلِّمُ الرَّجُلُ وَلَا يُسَلِّمُ الْوَاهُ  
وَقَرَأَتُهُ وَالْإِسْلَامُ قَطَعَ الْوَرِثَ  
فَشَرَعَتِ الْوَصِيَّةُ فِيمَا بَيْنَهُمْ قَضَاءً

یعنی تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے جب تم میں سے  
کسی کو موت آئے اور نشانیاں ظاہر ہو جائیں اگر  
وہ مال چھوٹے (یعنی) مال بہت کیونکہ حضرت علیؓ  
سے روایت ہے کہ ان کے آزاد کردہ قلام نے  
وصیت کا ارادہ کیا کہ... درہم اس کے پاس تھے  
تو آپ نے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ  
بہت مال چھوڑ کر مرے (تب وصیت کرے)  
یہ مال زیادہ نہیں کتب کا فاعل الوصیہ ہے کہ  
فرض کی گئی ہے مال باپ کے لیے اور رشتہ داروں  
کے لیے۔ وصیت ابتدائے اسلام میں (لازم)  
تھی تو آیت وراثت سے منسوخ ہو گئی جیسا کہ  
ہم نے شرح منار میں بیان کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا  
ہے کہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کے  
حق میں اتنی جن کا کفر کی وجہ سے کوئی وارث  
نہ بن سکتا تھا۔ کیونکہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے  
تھے ایک شخص مسلمان ہوتا تو اس کا باپ یا رشتہ دار  
مسلمان نہ ہوتے اور اسلام نے ان کو وراثت سے  
محروم کر دیا تو وصیت اسی دوران جائز کر دی گئی



لَحَقَّ الْقَرَابَةُ نَدْبًا وَعَلَى هَذَا لَا مِرَادُ  
بِكُتُبِ فِرْعَضٍ (تفسیر مدارک ص ۹۲)  
تاکہ بطور استحباب شترت داری کا حق وا کیا جائے اس موت  
میں کتب سے فِرْعَض (فرض کیا گیا ہے) ملو نہ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ وصیت مال کثیر میں جاری ہوتی ہے اول تو حضرت کے پاس مال ہی کہاں تھا  
اور پھر کثرت کی بھی شرط۔ اذافات الشرط فاف المشرط۔ اور بایں ہمہ ہم یوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خواہ مال قلیل تھا یا کثیر اس کو تو وہ صدقہ کمرہ ہی چکے تھے چنانچہ محسن معاشر  
الانبياء لا نودث ما ترکنا صدقۃ سے یہ ثابت ہوتا ہے بایں وجہ مدعی کا دعوئے  
وراثت بھی غلط اور وصیت بھی کس جگہ جاری ہو۔

(حضور علیہ السلام کی مٹروکہ اشیاء)  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ چند اشیاء چھوڑی ہیں جو اس حدیث سے ثابت  
ہوتی ہیں۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَلَا عِلْقًا  
وَلَا أَمَةً وَلَا شَيْئًا إِلَّا بَعْلَتَهُ الْبَيْضَاءُ  
وَسِلَاحَهُ وَأَيْضًا جَعَلَهَا حَقْدَةً  
(بخاری ص ۳۸۲)

(حضرت علیؑ کے لیے خلافت کی وصیت بالکل نہیں کی)  
اور وصیت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی طرح ثابت نہیں۔ کیونکہ حضرت  
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

مَنْ شَى أَوْصَى إِلَيْهِ وَقَدْ كُنْتُ  
مُسْنِدَتَهُ إِلَى صَدْرِي أَوْ قَالَتْ حَجْرِي  
فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَلَقَدْ رَجَحْتُ فِي  
حَجْرِي فَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ  
فَمَنْ شَى أَوْصَى إِلَيْهِ۔

(بخاری ص ۳۸۲)  
(حضرت علیؑ کے نام آپ نے کب وصیت کی  
حالانکہ آپ میرے سینے کے ساتھ یا میری گود میں  
ٹیک لگائے بیٹھے تھے ایک تھاں  
تھا آپ کی روح مبارک میری گود میں قبض ہوئی مجھے  
پتہ نہ چلا آپ وفات پا گئے تو کب حضرت  
علیؑ کو وصیت کی تھی۔)



خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وصیت کا پتہ بھی نہیں ملتا دو تین باتیں بلور وصیت عامہ فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ مشرکین کو جزیہ عرب کے نکال دینا۔ دوسری کہ جو جماعت و فرد کی تمنا سے پاس آئے اس کی خاطر داشت کرنا اور جائزہ سے پیش آنا جیسے میں پیش آتا تھا۔ تیسری وصیت راوی سے فراموش ہو گئی غالباً وہ تجھیز و تمیز اسامہ تھی ہاں بالخصوص حضرت علیؓ کو علیہ السلام میں ہر سال انجیہ کا فرمایا کہ تم میری طرف سے کرو یا کرو چنانچہ امیر المومنین تا دم زیست اس پر قائم رہے اگر کوئی اور بھی وصیت در باب خلافت ہوتی کیا ایسی بڑی وصیت کو چھوڑ دیتے اور بروقت خلافت شکنین مدعی نہ ہوتے یہ بات ان کی علوظی اور بلند ہمتی سے بعید ہے کیا حدیث مَنْ قَتَلَ دُونَ حَقِّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ بھی یاد نہ ہوگی۔

## سوال بست و پنجم از جانب شیعہ

اس وصیت کی تحریر نہ ہونے سے اسلام میں رخنہ واقع ہوا یا نہیں

جواب سوال بست و پنجم

(عدم تحریر سے اسلام میں رخنہ نہ پڑا ہاں مذہب شیعہ ثابت ہوا۔)

اول تو ارشاد مثار الیہ یعنی اکتب لکم کتابا من تفسیر بعدی وصیت نہیں۔ اور در بارہ دین وصیت کیسے تو کچھ رخنہ نہیں پڑا ہاں کلام اللہ باقی نہ رہتا یعنی مبنی یاد نہ کرتے اور شیعوں کی طرح اس کے عوض مرثیہ کتاب سوز لوحہ مقرر کر لیتے تو البتہ دین میں رخنہ پڑ جاتا کتاب مفصل کے ہوتے کتاب مجمل کی کچھ ضرورت نہیں ہاں یہ کیسے شیعہ بگڑ گئے مگر جیسے احوال (بھینگے) کم ایک کے دو نظر آتے ہیں اور وقت ہجوم استفراغ لڈو پیڑے بھی نہیں بھالتے۔ حضرت عمرؓ کی ایسی اچھی بات جو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر سب کو پسند چنانچہ عرض کر چکا ہوں شیعوں کو بڑی لگتی ہے سو یہ ان کا قصور ہے حضرت عمرؓ کا قصور اور وصیت کے نہ کہنے کا قصور نہیں جیسے احوال کا قصور ہے اس شے کا قصور نہیں مرنے کا قصور ہے لڈو پیڑوں کا قصور نہیں۔ یہاں بھی شیعوں کی آنکھوں کا قصور ہے اور ذوق و فہم کا فتور نہ دین میں رخنہ نہ حضرت عمرؓ کا کچھ گناہ غرض جیسے یہاں لڈو پیڑوں میں کچھ رخنہ نہیں پڑا ہاں دین میں کچھ رخنہ نہیں پڑا۔



## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

سنیوں کے اسلام میں تو کچھ رخنہ واقع نہیں ہوا مگر ہاں جو تحریر ہو جاتی تو آگاہیت کا شیعوں کے بھی ہاتھ آ جاتا یوں چوبیس کی طرح کورے گھڑے میں نہ رہ جاتے اے حضرات امامیہ قرطاس وصیت نہ ہونے پر اتنے کیوں بگڑتے ہو سنیاں سلم اللہ تعالیٰ کو اس وصیت قرطاس کی حاجت بعد واقع غدیر کیا تھی جنہوں نے بزعم شیعہ ہزاروں کے سامنے کی بات کو چھپایا ان سے ایک کاخذ کا خلاف نہ ہو سکتا نعوذ باللہ من هذه الهفوات۔

اور اس وصیت کی تحریر کے نہ رخنہ انداز ہونے پر یہ دلیل ہے کہ امام احمد سے روایت ہے۔  
 عَنْ سَفِينَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ عَامًا ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَ ذَلِكَ الْمَلِكُ (منذ احمد ص ۲۲ ترمذی ص ۴۵)

حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے ہیں خلافت تیس سال ہوگی اس کے بعد حکومت ہوگی۔  
 فرمایا علماء ہمارے نے کہ تیس برس تک خلافت خلفاء اربعہؓ اور امام حسن بھٹی اور بعض بعض روایات میں ثم یكون ملکا جبرية ہے۔

معلوم ہوا کہ بالفرض اگر حضرت لکھ بھی دیتے تو کیا ہوتا بعد خلافت کے ملک جبریت کا

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خلافت علی منہاج النبوة تیس سال تک ہوگی اور یہ بھی خلفاء کے ذاتی مناقب و فضائل کی حیثیت سے ورنہ رعایا میں امن و امان اور استحکام خلافت کے لحاظ سے ۲۵ برس حضرت عثمانؓ کی شہادت تک رہی پھر قتن کا دور شروع ہو گیا۔ مگر اس کے بعد جو خلافت ہوگی اس میں باقی صفحہ ۱۲۵ پر۔



تو ظہور ہونا ہی تھا کہ جس کی خبر اتنی مدت پیشتر حضرت نے بطور پیش گوئی فرمائی غرضیکہ نہ لکھے جانے سے بھی جب تک خداوند تعالیٰ نے چاہا بات بنی رہی سب باہم شیر و شکر کی طرح بیٹھے اور جب کسی قسم کا فتنہ اور فساد منظور ہوا صد آیات قرآنی اور احادیث رسول سبحانی در باب اتحاد و ایتلاف فی مابین کے لکھے رہ گئے ایک وصیت بچاری کیا بگاڑ کرتی۔

## سوال بہت و ششم از جناب شیعہ

شیخین اور دیگر صحابہ نے حبش اسامہ سے تعلق کیا یا نہیں باوجود تاکید سخت پیغمبر خدا کے۔

بقیہ حاشیہ :- ملکیت کی آمیزش بھی ہوگی اور وہ خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ سے کم درجہ ہوگی۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت معاویہ کی خلافت ہی نہ تھی مطلق العنان بادشاہت اور حکومت تھی کیونکہ بعض دفعہ مرتبہ کمال کی نفی کو اصل چیز کی نفی سے جیسے کیا جاتا ہے جیسے احادیث میں آتا ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد کے نہیں ہوتی، اور بے امانت آدمی کا کوئی کام نہیں ہوتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی خلافت عادلہ کے سلسلہ میں مرفوع احادیث بھی آئی ہیں چند یہ ہیں۔  
اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًا وَاهْدِبْهُ هَذَا  
حدیث حسن (ترمذی ص ۲۲۵)  
بنی اور اس سے لوگوں کو ہدایت دے۔

لے اللہ سے کتاب اللہ اور حساب (محجہ) سکھا اور اسے  
شروں میں اقتدار عطا کر۔  
لے معاویہ اگر تو حاکم بن جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل  
کرنا اور ایک ہدایت میں ہے کہ جب تو بادشاہ بنے تو عمدہ سلوک کرنا۔  
اللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَمَكِّنْ  
لَهُ فِي الْبِلَادِ (طبرانی مجمع الزوائد ص ۳۵۶)  
یَا مُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ وَاَعْدِلْ  
وَفِي رِوَايَةٍ اِذَا مَلَكَتْ فَاحْسِنِ (تطبیع الجنان ص ۱۵)

حضرت ابن عباس سے ایک مرفوع حدیث یہ ہے کہ امت کے انتظام کا آغاز نبوت اور رحمت سے ہوا پھر خلافت اور رحمت ہوگی پھر سرداری اور رحمت ہوگی پھر اس کو کاٹ کھانے کے لیے قید حمیر کی طرح بادشاہ لڑیں گے تم پر اس وقت جہاد ضروری ہوگا (رواہ الطبرانی رجالہ ثقات) تطبیع الجنان ص ۱۶۔

اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بادشاہی اور حکومت، صاف، عادلہ اور ظلم سے پاک دکھائی دیتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخنارہ ص ۵ پر قطر از میں، بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶ پر



## جواب سوال بست و ششم

نہ شیخین حضرت اسماءؓ کے ساتھ گئے نہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سو شیخین کے نہ جانے کی آپ کو وجہ چاہیے وہ ہم سے وجہ لیجئے پر پہلے یہ آیت سن لیجئے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ  
يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ  
يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ  
شَأْنِهِمْ فَاذْهَبْ مِنْهُمْ شَتَّى مَسْجِدٍ  
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

تو مجھ کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول  
پر ایمان لائے اور جب کسی ہنگام میں اس کے ساتھ ہوں  
تو جب تک اجازت نہ لیں ملتے نہیں سو اگر وہ لوگ  
اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو مجھے چاہو اجازت  
میں دو اور ان کے لیے اللہ سے دعا کرو معفرت  
کرو بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

اس آیت میں اول تو ان لوگوں کی تعریف ہے جو بے اجازت ملتے نہیں پھر تعریف  
بھی کیسی کہ سوا ان کے کوئی مومن ہی نہیں اس کے بعد خداوند کریم اپنے رسول سے ان کی سفارش  
کرتا ہے اجازت کی جدا اور استغفر کی جدا۔  
حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے اجازت لی۔

اب ہماری یہ غرض ہے کہ شیخین نے حضرت اسماءؓ کی معیت میں تقصیر نہیں کی حضرت ابو بکرؓ

## لقبہ حاشیہ

تنبیہ باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ عمر کے ازواج  
آنحضرت ابو دعلی اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت جلیلہ  
در زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم زہار در حق او مؤمن  
نکئی و در و طم سب او نہ افحی تا ترکیب حرام نشوی۔  
و بحوالہ عدالت صحابہ کرام ص ۳۱۹ مولفہ مرخص میا نوالوی

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ  
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محترم اور بڑے صاحب فضیلت  
صحابی تھے اور صحابہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے کبھی ان  
کے حق میں بدظنی نہ رکھنا اور آپ کی بدگویی کے ورطہ  
ضلالت میں نہ پڑنا تاکہ حرام کار کے ارتکاب سے بچے



صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اجازت لی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اجازت کا لینا صاف حدیثوں میں موجود ہے اس پر اپنے لیے اجازت کو قیاس کیجئے آخر اتنا تو آپ بھی سمجھے ہوں گے کہ اگر رنجرول اور دھینگا دھینگی ہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اجازت ہی کی کیا ضرورت تھی خلیفہ ہو کر اجازت مانگنا اطاعتِ اسمائہ پر چند دلائل کرتا ہے اتنا تعزیر بنانا حُبِ اہل بیت پر دلالت نہیں کرتا مرثیہ پڑھنا سنا غم حسین کی خبر نہیں دیتا پھر جس شخص کو باوجود اس دبدبہ خلافت کے کہ (اس میں) حضرت امیر جیسے شیر خدا کو بھی تقیہ ہے۔ کہتے ہیں حضرت اسمائہ کی اطاعت اس قدر منظور ہو اس نے اپنے واسطے بھی ضرور ہی اجازت لی ہوگی (تحدیث مشرقیہ منہج اردو) بعد ازیں یہ گزارش ہے کہ آپ کو اجازت لینے میں کلام ہے تو اس کا جواب تو بحوالہ احادیث مرقوم ہو چکا اگر جواب طلب اجازت میں گفتگو ہے تو اس کے لیے خداوند کریم گواہ ہیں ابھی آیت سورت نورؑ چکا ہوں اور اگر اس میں غلبان ہے کہ حضرت اسمائہؓ نے کیوں اجازت دی تو اول یہ اعتراض شیخین پر نہیں حضرت اسمائہؓ سے محدثا حضرت اسمائہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کا اتباع کیا جس کے لیے علم بالا سے ارشاد ہوا ادھر درگاہوں سے پروانہ آچکا تھا۔

### دوسرا جواب

یہ ہے کہ حاکم بالا دست اگر کسی ملازم کو ایک کام کے لیے نوکری بولے اور پھر اس کام کو آپ ہی منسوخ کر دے اور اس کی جادوسر کام سپرد کر دے تو کیا پھر بھی وہ نوکر بوجہ تعمیل نہ کرنے حکمِ اول کے مستوجب عتاب رہے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے آخر ایامِ حیات میں ابو بکر کو امامت نماز پر مامور فرمایا اول تو (یہ) جواب عام فہم بھی بہت ہے دوسرے بشاراتِ جواب سوالِ اول (یعنی) بہ تقرر امامت نماز امامت کبریٰ کا تقرر تھا جس کو خلافت کہتے ہیں اب اس غلامِ خاندانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کی خدمت میں اور سوائے آپ کے جو صاحبِ اہلِ انصاف ہوں ان کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ آخر حضرت اسمائہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو زیرِ حکم ہی تھے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایسی طرح اپنا قائم مقام کیا کہ صاف کہنے سے بڑھ کر چنانچہ آیت فَلَا تَقُولُ لَهُمْ عَاقِبَةً وَّلَا تَهَرَّهٗمْ اَسْ کے اثبات کے لیے



پیش کشی کی تھی۔ اب فرمائیے حضرت اسامہؓ زیر حکم حضرت صدیقؓ فرمائیے یا ہنوز حضرت صدیقؓ ہی زیر حکم اسامہؓ ہے آپ ہی فرمائیے اگر اطلاق نوایس وغیرہ ملازمان محکمہ تحصیل جو زیر حکم پیش کش کار بہتے ہیں قائم مقام تحصیلدار ہو جائے اور ہوئے جاتے ہیں سب کے نصیب ایسے ہی نہیں ہوتے جیسے کسی کم نصیبوں کے نصیب تو کیا اب بھی وہ اطلاق نوایس زیر حکم حضرت پیش کش کار ہی رہا؟ شیخ صاحب! جب یہ باتیں تو تمہارے آپ سے سمجھ لینے کی تھیں۔ مائے افسوس آپ ہم سے پوچھتے ہیں اس صورت میں حضرت عمرؓ کے لیے اجازت لینا بھی بتھا مگر ادب ظاہر امر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھی ورنہ حاجت نہ تھی دیکھئے جواب ایسے ہو کرتے ہیں۔

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(جیش اسامہؓ کا اصل واقعہ)

جب اصل اس قصہ کی معلوم ہو جائے گی تو یہ مختلف کا خدشہ رفع ہو جائے گا اصل یہ ہے۔ ۲۶ صفر (۱ھ) روز شنبہ کو حضرت عائشہؓ نے لشکر کی تیاری کا حکم بقتال رومیوں کے صادر فرمایا اور بروز شنبہ اسامہؓ بن زیدؓ کو سردار لشکر کا بنایا اور چار شنبہ کو مرض حضرت کو لاحق ہوا اور روز پنج شنبہ کو باوجود علالت طبع شریف اپنے ماتھے سے ایک نشان بنا کر اسامہؓ کو دیا۔ اسامہؓ نے بریدہؓ کو اپنا نشان برادر بنایا اور وہ نشان ان کے سپرد کر دیا اور موضع جحرف میں بانتظار اجتماع لشکر کے قیام کیا اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ اور سعید بن زیدؓ اور قتادہ بن نعمانؓ و سلمہ بن اسلمؓ رضی اللہ عنہم نے اپنا سب سامان بمقام جحرف بھیج دیا تھا اور خوب چلنے پر تیار تھے کہ آخر روز چار شنبہ، اول شب پنج شنبہ حضرت کا مرض بڑھ گیا اور وقت عشاء شب پنج شنبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ نماز پڑھانے کا بنایا چونکہ روز شنبہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قدسے افادہ ہو گیا جو لوگ کہ ہمراہی اسامہؓ کے متعین ہوئے تھے (انہوں نے) رخصت چاہی پھر دوبارہ شدت مرض نے عود کیا حتیٰ کہ جحرف میں اسامہؓ کو حالت نزاع کی خبر پہنچی بمجرّد استماع اس خبر کے حضرت اسامہؓ اور دیگر صحابہ افضال



خیزاں حضرت کے پاس آئے اور نشان دروازہ حجرہ مبارک پر نصب کر دیا ہر گاہ کہ دفن سے فارغ ہوئے اور امر خلافت کا حضرت ابوبکرؓ پر قرار پایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسی دم روانگی حبش اسامہؓ کا حکم فرمایا جب وہ جوف تک پہنچے بسبب انتقال حضرت کے بعض قبائل مرتد ہو گئے۔ بعض اصحاب نے حضرت خلیفہ اول کو یہ رائے دی کہ "در صورتیکہ بغل میں دشمن پیدا ہو گئے ہیں لشکر سنگین کا دور دراز بھیجا خلاف مصلحت ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر مدینہ میں درندے میرا لقمہ کر لیں تو بھی میں خلافت فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کروں گا۔ یعنی حبش اسامہؓ کو نہ واپس کروں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے باجائت اسامہؓ حضرت عمرؓ کو اپنے پاس بلا لیا اور غزوہ ریح الثانی کو اسامہؓ نے بسوئے اپنی کہ ایک مقام ہے کوچ کیا۔

(حضرت ابوبکرؓ کو غلطی سے طعن تخلف کا ازالہ)

اب جانتا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف اس بات کا طعن ہے کہ وہ حسب ضرورت حضرت تیار نہ ہوئے تو یہ بھی سب غلط ہے کیونکہ وہ سب سالان جوف میں بھیج چکے تھے۔ اور اگر ان کی طرف یہ اعتراض ہے کہ بعد وفات کے انہوں نے تجھیز حبش نہ کی تو یہ بھی صریح غلط ہے کیونکہ بسبب ارتداد قبائل عرب بعض اصحاب کی تو یہ رائے ہی ہو گئی تھی پر حضرت ابوبکرؓ نے تسلیم نہ کر کے اسی دم لشکر کو روانہ کیا اور اگر اعتراض حضرت ابوبکرؓ کی طرف تخلف حبش کا ہے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ تخلف ان کا باہر الرسول بخلافہ الصلوٰۃ تھا کیونکہ ایک امر دوسرے ماقبل کا نسخ ہوتا ہے اور یہاں دونوں امور کا تقدم و اخرا واضح ہو چکا ہے اور بعد وفات کے اس وجہ سے تشریت نہ لے گئے کہ تمام امت کے امور کے متولی ہو گئے تھے۔

لے حبش اسامہؓ کے سلسلے میں شیعہ نے ایک ظلم عظیم یہ بھی کیا کہ حضور علیہ السلام کی نیک نیتی اور جذبہ جہاد پر (اتفاق کامل) بدترین الزام لگایا ملاحظہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اسامہؓ کو اور اس جماعت (چار ہزار مہاجرین و انصار) کو مجاذ جنگ پر بھیجنے سے تھی کہ مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور کوئی منافق مدینہ میں نہ رہے۔ حضرت بیت زیادہ اہتمام اس لشکر کے روانہ کرنے میں کرتے تھے اور ان کو خوب ترغیب اور شوق دلاتے تھے کہ اچانک آپ (مرض) وفات میں بیمار ہو گئے جب منافقوں نے حضور کی بیماری دیکھی تو باہر جانے میں دیر لگائی (حیات اقلوب مج ۵۵۹ جلد العیون ص ۲۹ منہی الامال ص ۱۲۲) مگر محمد



اگر ان کو چھوڑ کر وہاں تشریف لے جاتے تو اوّل تو قبائل عرب مرتدین کے ازدحام کا خوف  
دوسرے امر خلافت میں رخنہ پڑے تیسرے یہ کہ کوئی منجیز یعنی ہاں پناہ بنا ہے تاکہ وقعت واحدہ  
استیصال دین کا نہ ہو اور دارالسلطنت بالکل خالی نہ ہو جائے۔

## سوال سبت و مفتّم از جانب شیعه (سقیفہ بنی عثمین حضرت ابو بکر کا انتخاب)

شیخین اور دیگر صحابہ پیغمبر کو بلا تجیز و تحقین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں واسطے قرار و امام خلافت  
کے چلے گئے یا نہیں؟

### جواب سوال سبت و مفتّم

(خلافت کا بوجھ اٹھانا کا نبوت کی تعمیل تھی۔)

شیخین کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا بغرض نفسانی نہ تھا جو آپ اتنا بڑا مانتے ہیں وہ بھی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام تھا تجیز و تحقین میں حضرت وہ بات نہیں جو سقیفہ بنی ساعدہ  
کے جانے میں پر جیسے کہا کرتے ہیں، دیکھئے کہ چشم بینا چاہیئے ایسی باتوں کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں  
عقل صائب ذہن رسا چاہیئے مگر ہر چہ با و ابادہم کہ آپ کو سمجھنا ہے۔ انشاء اللہ بال کی بلی بنا کر دکھائے  
ہیں تپس بھی آپ (نہ) دیکھیں تو ہماری قسمت اوقات کھوئے قلم گھسیا کاغذ سیاہ کیا انگلیاں تھکائیں  
اور پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ قائم! یہ کیا بات ہے۔ منشی شیخ احمد صاحب مرد ہو شیار  
ہیں کہہ تو رہی کچھ جانتیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

منشی صاحب آپ سنئے کچھری میں نوکری کر آئے ہیں کچھری کی بات آپ خوب سمجھیں  
گے ایک سرکار کے بہت سے کارخانے (محکمے) ہوتے ہیں پھر ہر کارخانے میں مختلف کام ہوتے ہیں۔  
ہر کام پر ایک جدا نوکر ہوتا ہے دیکھئے کلکٹری کا کارخانہ بھی سرکار ہی کا ہے فوجداری کا کارخانہ بھی  
سرکار ہی کا ہے۔ عدالت کا اسٹام کا، ڈاک کا، نہر کا ایک ہو تو گناؤں سب کارخانے سرکار انگلشیہ  
ہی کے ہیں پھر ہر کارخانے میں دیکھئے کیا کیا کام ہیں ایک کارخانہ میں کوئی تحصیلدار ہے کوئی پیشکار  
کوئی پٹواری کوئی خزانچی کوئی کچھ کوئی کچھ بیان تک کہ ایک سٹریسی آسامی محرر آمد محصول منشیات بھی  
ہے۔ غرض مختلف کام ہیں ہر کام پر ایک ایک جدا ملازم تعینات ہیں ہاں کوئی معزز کام ہے



ہلکا، سو ایسا ہی تجزیہ و تکھین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے اور سنلانا اور نماز جنازہ بھی آپ ہی کا کام ہے قبر کھودنی بھی آپ ہی کا کام ہے امامت نماز بھی آپ ہی کا کام ہے انتظام خلافت بھی آپ ہی کا کام ہے اس میں گھٹ کر تو قبر کنی ہے اور بڑھ کر امامت نماز اور انتظام خلافت حضرت علیؑ نے تو تجزیہ و تکھین کو سنبھالا اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خلافت کا انتظام کیا اس میں تقدیر سے حضرت ابو بکرؓ ہی کو لوگوں نے گھیر لیا اور خلیفہ بنالیا اس میں ان کا کیا قصور وہ بیچارے تو بہت کچھ ٹالتے رہے پر ان کے ہوتے کوئی نظروں ہی میں نہ بچا اس کی ایسی مثال ہے کسی بادشاہ پر کسی غنیم نے تلوار چلائی سپاہی کوئی حاضر نہ تھا رعیت کے ایک آدمی نے بنظر خیر خواہی وہ وار اپنے سر پر لیا اور پھر غنیم کا سر قلم کیا۔ بادشاہ قدر شناس تھے اس خدمت کے انعام میں منصب سپہ سالاری پر اسے مامور کر دیا۔ دیکھتے اس شخص کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ میں اور سپہ سالار ہوگا پر تقدیر کی ٹاپلٹی نے کہاں سے کہاں پہنچا یا ظاہر میں خدمت مذکورہ بالا بہانہ ہو گیا۔ سو ایسے ہی بشارت قصہ بیعت۔ ابو بکرؓ کو خلافت کا خیال تک نہ تھا بلں دفع مقدمہ مد نظر تھا۔

(شیخین کا جانا ہی حضرت علیؑ رقریش اور مہاجرین کیلئے سودمند ہوا)

اگر یہ دونوں دیاں نہ جلتے تو انصار سعد بن عبادہ کو (غیض) کر چکے پھر حضرت امیرؓ کو اول بار ملتی نہ چوختی بار شیخین چاہے نہ ہو سکتے پر ناشکری کا کیا علاج حضرات شیعہ قس پر بھی نہیں مانتے غرض کار پر دزان تقدیر نے ان کی حسن نیت اور حسن خدمت کے بلو میں کہ دین کے سر سے شیطان ایسا بھاری وار ٹالا ان کو خلیفہ بنا دیا باس ہمہ وہ لوگ کچھ خلافت کو ایسا بڑا کام نہیں سمجھتے تھے جس کے واسطے یہ انتظار کرتے کہ فلاں کو آجائے دو اور فلاں کو بھی تشریف لانے دو یہ تو حضرات شیعہ نے غل مچا چکا کہ اس کا انتظام کر دیا ورنہ حضرت علیؑ اور حضرت ابو بکرؓ تو اس کو اتنا بھی نہ سمجھتے تھے جتن سیماں پٹواری کا یا چوکیدار کا عہدہ ہے۔ جو آپ کو کوئی پٹواری یا چوکیدار بندے تو آپ کیا خوش ہوں گے اور کوئی نہ بنائے تو آپ کی شکایت کریں گے۔

بہر حال سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا خدا ہی کے لیے تھا اس (تجزیہ) کو چھوڑ کر جانا سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سن کو چھوڑ کر قبر کھودنے کو جانا سو جیسے اس کام میں لگنے والے کو بوجہ بے غرضی اس کام کا چھوڑ کر چلے جانے والا اور میت کا دشمن کوئی عاقل نہیں سمجھتا سیماں بھی اہل عقل کا فرمایا۔



انتظام خلافت کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ بوجہ بے عمری تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر چلے گئے اور جو یوں ہی دھینکا دھینکی ہے تو یوں ہی ہی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اگر تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر چلے تو پھر ابھی گئے نماز پڑھی دفن میں شریک ہے، یہ حضرت علیؓ انتظام مذکورہ میں بالکل شریک ہی نہیں ہوئے۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ خلافت اور امامت کیسا بڑا کام ہے اور تجہیز و تکفین کو اس سے کیا نسبت ہے امامت تو وہ کام ہے جس پر بقا دین کا مدار ہے اور دین وہ چیز ہے جس کے لیے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے بھیجا یہ کام عام نہیں۔ ہاں مناجینا کفن کا بھی قبر کنی ایسی عام باتیں ہیں جس میں ممکن کافر نیک و بد سب شریک ہیں سو اگر حضرت ابو بکر صدیق ایک دو عام کام میں (بقول شیعوں) شریک نہ ہوئے تو حضرت علیؓ کے لیے خاص کام میں شریک نہ ہوئے جس پر مدار کار دین و ایمان تھا اگر یہ کام وصیت نہ ہوتا تو دین کا پتا بھی نہ تھا اور اگر یہ عذر ہے کہ حضرت علیؓ کو کسی نے پوچھا نہ بلایا تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی کسی نے پوچھا نہ بلایا۔

## جواب مکی زمرہ مولوی عبد الصاحب

(مسلمانوں کے لیے والی ناگزیر تھا۔)

جاننا چاہیے کہ تجہیز و تکفین اہل بیت کے متعلق تھے اور تمام صحابہ کرامؓ کا اس میں شریک ہونا

لے طلقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضور پر جنازہ پڑھا اور صفت اول میں تھے شیعوں کتاب حیات القلوب ج ۲۹ اور جلد العیون ص ۶۹ میں ہے کہ کلینی شیخ طوسی نے ابنہ حسن حضرت صادق سے روایت کی کہ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ تمام لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ حضرت رسولؐ کو یقین میں دفن کریں اور ابو بکرؓ ام بن کر حضور پر جنازہ پڑھائے لڑ پتلا کہ شیخین یقیناً حاضر جنازہ تھے۔ شیخ طبری نے امام محمد باقرؓ سے روایت کی ہے کہ دس دس آدمی مجھ میں داخل ہوتے تھے اور بغیر امام کے (بمشورۃ) آپ پر جنازہ پڑھتے تھے پیر کے دن منزل کی رات صبح تک اور پھر صبح سے شام تک حتیٰ کہ تمام چھوٹوں بڑوں مردوں عورتوں مدینہ والوں اور مدینہ کے آس پاس والوں نے تمام لوگوں نے حضور پر نماز اسی طرح پڑھی (حیات القلوب ج ۲۹ ص ۶۹) لے یعنی رفع متاع کے لیے ایک شخص کو بلا کر طے کیا۔ خلیفہ بننے بننے کا پردہ گرام کسی کا نہ تھا وہاں کی مستحکم حال سے مجبور ہو کر سب صحابہؓ نے آپ کو خلیفہ چن لیا۔ ۱۲ مہر محمد



لازم نہ تھا۔ پس جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار فانی سے بلکہ جاودانی انتقال فرمایا اور جمع جماعت دینی اور دنیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر موقوف تھے اور کفار بھی بسبب تسلط حضرت کے مغلوب تھے اب اگر ان کے بعد کوئی ان جماعت کا متولی نہ ہوتا تو طرفہ العین میں کارخانہ ریاست اسلام کا درہم برہم ہو جاتا سالہا سال کی محنت و مشقت رائیگاں جاتی نئے سے نئے کفر کا جھنڈا کھڑا ہو جاتا اور شیطان علیہ اللعنة سب کو اپنی راہ لگالیتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہوتی اگر پھر فیلے ہی تاریکی جبل پھیل جاتی پھر کہاں سے آفتاب ہدایت کا نکلتا لہذا ضرور ہوا کہ کوئی شخص مجروح وفات حضرت کے متولی تمام امور کا ہو جائے تاکہ جوں کی توں بات بنی رہے اور ریاست و سیاست کا کام بہستور جاری رہے اس میں اصلاح تمام امت کی مقصود ہوتی۔ بایں وجہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے اس امر میں مبادرت کی اس لیے کہ تجبیز و تکھین کی طرف سے تو بسبب اہل بیت کے ہٹ کر ہو گئے تھے اور یہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ہی تھی جیسا کہ ناسب کا بڑھانا عین مدرسہ کی خدمت ہے۔ اور اگر بالفرض و التقدر تجبیز و تکھین ان پر ہی موقوف ہوتی تو بھی بوجہ ہمت مذکورہ بالا امر خلافت میں مبادرت کرنی ضروری تھی پس جس حالت میں تجبیز و تکھین کے متولی دیگر شخص ہوں تو ان کا امر خلافت میں مبادرت کرنا اولیٰ ہوا۔

(اگر انتخاب خلیفہ صحیح نہ ہوتا تو امت کا بڑا المیہ ہوتا۔ کیونکہ اگر تجبیز و تکھین میں دیر ہو جاتی جیسا کہ تہ فین میں نہیں ہونے لگے تو کچھ عرج نہ ہوتا پر امر خلافت میں کچھ دیر کرنے سے کچھ کی کچھ بات ہو جاتی شعر  
سدا دور دوراں دکھاتا نہیں گیا وقت بھپڑا تھا آتا نہیں

تکھین رتہ فین بھی خلافت سے نہ ہوتی خدا جانے کیا کیا خرابیاں دم کے دم برپا ہو جاتیں چنانچہ بعد وفات بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ شریک ہم کو ملے بہت سے بہت یہ ہو کہ ایک ہم میں سے سردار ہو اور ایک تم میں سے پس نہ وہ مبادرت نہ کرتے اور بیعت کسی انصاری کے ہاتھ پر نہ عقد ہو جاتی تو اب اس میں دو صورتیں تھیں۔ یا تو مجاہدین بھی اسی شخص کی بیعت اور اطاعت قبول کرتے یا کوئی اور عبد گانہ اپنا خلیفہ بناتے در صورت اول کے اس حدیث کے مخالف ہوتا۔ المملک فی قریش والقصناۃ



فی الانصار والاذان فی الحبشة الموبعد روایات میں الخلافۃ فی قریش صراحتہ آیا ہے جب انصار کو ہی خلافت مل جاتی پھر کہاں سے مہاجرین کو خلافت نصیب ہوتی اور دوسری صورت میں یعنی مہاجرین کا خلیفہ جداگانہ بنیلئے میں تفرق کلمہ لازم آتا اور منشاء خدا و رسول اتحاد و اتفاق کو چاہتا ہے چنانچہ آیت

لَوْ اَلْفَقْتُ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَا اَلَقْتُ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَفَ بَیْنَهُمْ۔  
(اگر آپ زمین کے سب غزائے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈالی)

اور حدیث تطویل قرآنہ معاذ بن جبلؓ کہ باوجود ان پر عنایت بے حد کے حضرت کا افتان یا معاذ فرما دالت کرتی ہے اس صورت میں وہ بات ہاتھ سے نکل جاتی اور کاربایست و سیاست کا بخوبی انجام دیتا اور باہمی منازعت کا بھی خوف تھا چنانچہ لو کان فیہما الہمۃ اللہ لفسدنا سے متفہم ہے کہ اگر ایک سلطنت میں دو حاکم ہوں تو وہ برباد ہو جاوے گی معلوم ہوا کہ ایک امر خلافت میں دو خلیفہ کا ہونا موجب خرابی کا ہے بایں نظر شیخین نے اس کی تاسیس و توثیق میں مبارکت کی۔

حضرات شیعہ جیسے خود ملوث بطمع دنیا و تیرہ اور ملک دنیا ہیں جیسے ہی خیالات معاذ اللہ اکابر و ارکان دین کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں کیسے کج فہم ہیں اس موٹی بات کو نہیں جانتے کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں۔

## حوالہ بہت ہوشتم از جانب شیعہ

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اہل حل و عقد ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تو ان کو کیوں شامل نہیں کیا اجماع میں

جواب سوال بہت ہوشتم (اجماع کیلئے بر دقت تمام اہل حل و عقد کی حاضری ضروری نہیں)

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اول حبیب کے اہل حل و عقد ہیں سے تھے پراجماع کے انعقاد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سارا جہان ایک آن واحد اور ایک ہی لحظہ میں ایک بات منہ سے کہیں







کافر تھے نفوذ باللہ۔ کیونکہ جیسے ہمارے نزدیک ایمان کے دو جزے ایک لا الہ الا اللہ، دوسرا محمد رسول اللہ (سے) شیعوں کے نزدیک ایک تیسری شلخ امامت کی اور بھی ہے۔ جیسے ہمارے نزدیک آدمی انکار لا الہ الا اللہ یا انکار محمد رسول اللہ سے کافر ہو جاتا ہے ان کے نزدیک انکار امامت حضرت امیر وغیرہ ائمہ صدیق سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ بہر حال اگر حضرت علیؑ شیعوں مذہب ہوں تو ان کو بھی اپنی امامت پر ایمان لانا ایسا ہی ضرر ہوگا جیسے بشادیت آیت

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ أَوْ نَزَلَ بِشَادَتِ آيَتِ

قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي (فرمائیے میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب)

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ

أُمِرْتُ وَأَنَا أَقْلُ الْعَالَمِينَ۔ (اللہ کی رضا کے واسطے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ہوا میں پہلا ماننے والا ہوں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت پر ایمان ضرور ہے۔ اور ظاہر ہی تو ہے اگر رسول اور امام ہی کو اپنی رسالت اور امامت کا انکار ہو تو پھر دوسروں کو کیونکر کہہ سکتا ہے کہ مجھ پر ایمان لاؤ اس صورت میں حضرت امیر منکر ان امامت کو ایسا ہی کافر سمجھتے ہوں گے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر ان رسالت کو۔ پھر فرمائیے حضرت علیؑ جو ہمیشہ ان منکر ان امامت کے پیچھے نماز پڑھتے رہے تو کیا باعث تھا؟ کافروں کے پیچھے نماز درست ہو جاتی ہے؟ یا یہ لوگ امامت پر ایمان رکھتے تھے اور شیعیان پاکیزہ سے تھے یا امامت کی شاخ ایسی ہے جس کا کسی نے کہا ہے شر۔

عسریاں ہی دفن کرنا تھا زیر زمین مجھے اک اور دوستوں نے گادی کفن کی شاخ ہم سے اگر پوچھتے ہیں تو یہی صحیح ہے۔ ورنہ پھر مذہب امامیہ کی خیر ہے نہ حضرت امیر کی امامت اور بزرگی کے صحیح سالم رہنے کی کوئی تدبیر بالجملہ تین پانچ کرنے کو تو بہت سی باتیں ہیں اس بات کا جواب نہ مجتہد صاحب کے آئے نہ اہم زمان کے پاس سے کوئی جا کر لائے یہ بات لا جواب ہے اور کیوں نہ ہو دروغ گوراء حافظہ بنا شد بانیاں مذہب شیعوں کی ہیں اگر چو کوٹھی بھول گئے۔ آگے سنئے یہی نہیں کہ نمازیں پڑھیں حضرت امام زین العابدینؑ کی والدہ بلکہ حضرت امیرؑ کی حرم محرم انہیں خلیفوں کے جہاد میں آئی تھیں جن کو کافر نہ کیئے تو مذہب شیعوں کا ہے اور کافر کیئے تو پھر جہاد کی کوئی صورت نہیں جو کچھ ہوا پھر ان حرموں کے مالک ہوئے تو کیونکر ہوئے جو ان کے زیر تصرف



دیکھنے کی گنجائش ہو اگر یوں ہو تا کہ مسلمان کر کے آگے پیچھے نماز ہی پڑھوا لیتے تب بھی ایک بات تھی یہ بھی نہ ہوا۔ کیسے تو سہی کیا ہوا۔ اور (درا) یہاں نکاح کا بہانہ کر لینا تو مال کا تو نکاح ہی نہیں ہوتا۔

اس سے آگے بڑھ کر اور سینے۔ طاہرہ مطہرہ جگر گوشہ رسول سیدۃ النساء فاطمہ الزہراءؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرۃ العین۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی راحت جان۔ حضرت حسنینؑ کی قوتِ دل تمام اہل ایمان کے دین و ایمان کو حضرت ام کلثومؑ و دختر شکم خاص حضرت بولؑ کو حضرت عمرؓ سے بیاہ دیا ایسی پاک طاہر پاک باطن کو سن غور و سالی میں ایسے کافر کہنے سال کے کوئی حوالہ کرتا ہے؟۔ ذرا سی بات پر فوج شام و عراق سے تو لڑ مرے اور ایسی پاک دامن کو یوں بے چون و چرا عمرؓ کے حوالے کر دیا یہ مسلمان کا کام تو نہیں کہ ایسے افسانوں کو بے موقع احتمالوںؑ محمول کیسے خدایا میرا تو بال بال کا پتا ہے۔ یہ خبیث کس طرح ایسی بے ہودہ باتیں بکب دیتے ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ کا لحاظ نہیں تو سنگ و ناموس اہل بیت نبوت کا تو لحاظ کیا ہوتا دیکھئے اس نکاح سے زید بن عمر پیدا ہوئے اور پھر اہل بیتؑ الہی اپنی والدہ کے انتقال ہی کے دن خانہ جنگی میں مارے گئے یہاں تک کہ اکٹھی دونوں جناحوں کی نماز پڑھی گئی۔

بہر حال حضرت علیؑ و حضرت عباسؑ دونوں معتقد خلافت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور اعتقاد اجماع کے لیے اتنی بات کافی ہے ہر شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں یوں تو بہت کچھوٹے بڑے نزدیک و دور کے لوگ رہ گئے ادھر آج کل کے اہل سنت سب اجماع میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں اور بیعت کا کچھ حساب نہیں۔

(کچھ دن بعد بیعت کر کے حضرت علیؑ نے تمام شبہات کا ازالہ کر دیا۔)

الغرض اعتقاد دلی اور شہادت مالی یا مقالی چاہیے۔ سو بھلا اللہ یہ بات قبل بیعت بھی حضرت علیؑ کو حاصل تھی اور بعد بیعت بھی باقی رہی پر جب حضرت امیرؑ نے دیکھا کہ مردمانِ ظاہر بین اور سادہ لوحانِ صحرائین اس بیعت کے نہ کرنے کو اور بات پر محمول کرتے ہیں۔ ادھر موافق مرسوم شیعہ علم ماکان و مایکون حاصل تھا یہ سمجھ کر کہ آخر زمانے کے ہمارے نادان دوست جن کو شیعوں کہیں گے کچھ اور دسریہ کشی کے پتے بہت ہاتھ پاؤں پھیلا دیں گے زبان کے رستے اور بہت کچھ کہیں



گے۔ حضرت صدیقِ حق کے ہاتھ پر بیعت کر کے شبہ مکھنوں مترددین کے دل سے مٹا دیا پر جن کے دل کو یہ خیالات فاسدہ ایسی طرح کھا گئے تھے جیسے تلوار یا کسی اور ہتھیار کو مورچہ ان کی اصلاح نہ ہوئی وہ اسی پیکر کو پیٹتے جاتے ہیں اور حضرت امیر کی راہ پر نہیں آتے۔  
(اعتذار و دعائے مولف)

اب بس کیجئے اور جانے دیجئے یا اللہ تیرا شکر ہے یہ تیری عنایت ہے کہ مجھ جیسے چھپان  
بلکہ نادان سے ایک دن اور کچھ اوپر آدھی رات میں اکھٹے اکھٹے سوالات کا جواب لکھوا دیا تیرا  
شکر کس زبان سے ادا کروں مہربن و مومنین بھی زبان ہو تو پھر بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ احسان کا  
شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ اے میرے اللہ! میری نیت تو ویسی ہی ہے جیسا میں ہوں تو اپنے  
کرم سے اس کو قبول فرما کر میرے لیے ذریعہ آخرت کر دے اور اس تحفہ محفہ کی بدولت حضرات  
اہل بیت اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رضی اللہ عنہم) کی خوشنودی میرے نصیب  
کر پھر ان کے طفیل سے اپنے حبیب پاک سید لولاک کی عنایت میں اس کمینہ عالم کو شامل کر اور  
مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور تمام احباب کو بخش کر مجھ کو مسرور کر آمین ثم آمین فقط۔

## الناس بخیر منشی شیخ احمد صاحب

منشی صاحب! میری کم فرصتی اور کم توجہی کا حال اگر نہ سنا ہو تو صاحبی ظہور الدین احمد صاحب  
سے دریافت فرمائیں آپ کے لیے یقین جانئے انگلیاں تھک گئیں کل شام بیٹھ کر آدھی رات  
تک لکھا آج صبح سے اسی خیال میں تھا اس وقت بعد عشاء فراغت پائی اب بھی انگلیاں نہ  
تھکیں تو اور کیا ہو گا بار بار یہ شعر ادا آتا ہے۔ شعر۔

حال دل لکھوں کب تک جاؤں اس کو دکھلا دوں انگلیاں افکار اپنی خامہ خون چکا اپنا  
آپ نہ مانیں تو بجز اس کے اور کیا لکھوں مصرع غنچو اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو پھر اس کو خدا  
سمجھے۔ خیر یہ تو آپ کے حسن اخلاق کے بھر دے سے عرض معروض تھی۔ دوسری عرض یہ ہے  
کہ آپ نے وہی پرانے سوالات کئے جو اول سے شیعوں نے ایجاد کیے اور صد ہا جواب اس  
کے سینوں کی طرف سے ہو چکے۔ بروئے انصاف! یہ تو تنگ کرنا ٹھہرا۔ آپ کو تو نہیں



کہہ سکتا۔ شیعوں کو تو ڈوب مرنے کی جابجواب دندان شکن سختی پہنچاتے ہیں اور پھر بھی اپنی گالی گفتار سے باز نہیں آتے۔ بجھے مانسوں کو تو منہ پر کھا کر تاپ مقابلہ نہیں رہتی۔ ہاں یہ سجا البتہ پٹتے جاتے ہیں اور گالی گفتار سے باز نہیں آتے۔ آپ نے یا جس نے یہ سوال کیا یہ سمجھا ہوگا کہ سنیوں میں ایسا کون فارغ بیٹھا ہے جو اپنا نماز روزہ چھوڑ کر اس طور مار کے طومار کا جواب لکھے گا ہمیں کہنے کو جبکہ ہو جائے گی۔ یہ نہ سمجھا ہوگا کہ قاسم سے گنہگار بھی بہت ہیں جن کو (نفلی) نماز روزہ کی چنداں توفیق نہیں پھر تیسریلے الے صدائے بے معنی اکویوں ہی چٹکیوں میں اڑا دیتے ہیں اور اوروں کا وار بھی نہیں آتا، سو آپ خدا کے لیے غور فرمائیں،

اور پھر بھی راہ پر نہ آؤ تو مجتہدان ضلع سہارن پور و مظفر نگر سے ان جوابوں کا جواب اور میرے سوالات مرسلہ کا جواب لکھوا کر بھجواؤ۔ جواب ہو تو ایسا بے ٹکانہ ہو جیسا جاٹ سے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ کے جواب میں کہا تھا۔ "تیرے سر پر کولہو! اگر بوجھ ہی میں دباؤ منظور ہو تو آپ ہی بہت ہیں مگر ہمیں کون بھلائے۔ ہم دونوں علم پڑے ہیں بے ٹنگی کہنی بھی آتی ہے، غرض ان اٹھائیس سوالوں کا بوجھ جیسے مجھے یاد ہے گا انشاء اللہ اس سے زیادہ جناب مجتہدین چکر میں آئیں گے فقط۔

## جواب ثانی از جانب مولوی عبدالمصاحب

یہ دونوں صاحب داخل حل و عقد ہیں پر تمام اہل حل و عقد کا آن و آمد میں اجتماع محال ہے اور نیز انعقاد بیعت کے لیے تمام کا موجود ہونا ضروری نہیں ہاں اکثر الجمع ہونا ضروری ہے سو اکثر لوگ مہاجرین اور انصار جمع ہو ہی گئے تھے اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اگرچہ بضرورت مشغول تھیں و تکفین اجماع میں شامل نہ تھے مگر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت و فضیلت کے منکر بھی نہ تھے افضلیت حضرت ابو بکرؓ کی ہر صغیر و کبیر کی زبان زد تھی کس نے بایں وجہ بیعت میں تاخیر نہیں کی کہ حضرت ابو بکرؓ لائق امامت و خلافت کے نہیں یہ تو شیعہ ہی سمجھ کر اپنا دونوں جہاں کا برا کرتے ہیں۔

(حضرت علیؓ کا ملال و عتاب دوستانہ تھا)

صرف حضرت علیؓ کا ملال تھا کہ باوجود اس اتحاد باہمی کے پھر مجھ کو کیوں نہ شامل



کیا کس لیے ایسی جلدی کی چونکہ حضرت امیر السد اللہ الغالب تھے بسبب کمال شجاعت کے ان کے خیال شریف میں یہ بھی درجی سلطنت کا کچھ خطرہ نہ گزرا اور بے وجہ حضرت ابو بکر و عمرؓ کی مبادت کو پسند نہ فرمایا حالانکہ ان کے نزدیک امر سلطنت کا اہتمام پیشتر کر لینا اولیٰ واقعہ ہوتا کہ دفن حضرت اور دیگر امور بجمع خاطر ہوں اور اگر خدا نخواستہ اس امر کا پیشتر سے اہتمام نہ کیا جاتا اور انصار جہاد سرور، مقرر کر لیتے تو حضرت عباس و حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کیونکر روکتے نہ بیٹھے بٹھائے طرفۃ العین سلطنت اسلام جاتی رہتی۔ اور حضرت علیؓ کی اتنی شکایت کچھ بے موقع نہ تھی بلکہ اپنوں ہی کی شکایت کیا کرتے ہیں غیر کا کون شاکی ہوتا ہے شعر۔

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت گزے بے شکایت نہیں اے ذوق محبت گزے  
اگر ان کو شکایت تھی تو محبت بھی تھی کبھی قبل خلافت یا بعد خلافت حضرت ابو بکرؓ کی حضرت علیؓ نے برائی نہیں کی بلکہ تتبع احادیث سے تعریف کرنی ثابت ہوتی ہے چنانچہ خاص اس قصہ میں بھی کی ہے۔

اِنَّهُ لَمْ يَجْعَلْهُ عَلَى الَّذِيْ صَنَعَ نَفَاثَةً  
عَلٰى اَبٰى بَكْرٍ وَلَا اِنْكَارَ لِلَّذِيْ فَضَّلَهُ  
اللّٰهُ بِهِم - (بخاری ص ۶۹)

(حضرت ابو بکرؓ کے بیعت لینے پر حسد کے طور پر نہیں کی اور نہ اس فضیلت سے انکار کی بدولت جس کا شرف اللہ نے ابو بکرؓ کو بخشا ہے)

اور حضرت صدیقؓ نے جو مرتدین بنو حنیفہ سے جہاد کیا وہاں کی سبایا میں سے ایک لونڈی خولہ نامی حضرت علیؓ مر قنسی کو بھی ملی اور آپ نے اس پر تملک میں تصرف فرمایا اور محمد بن حنفیہ اس کے بطن سے پیدا ہوئے اور شہر بانو یزدگرد بادشاہ شاہ ایران کی بیٹی کہ حضرت عمرؓ کے وقت میں پکڑی ہوئی آئی اور حضرت امام حسینؓ کو ملی اور امام زین العابدینؓ اس کے بطن سے پیدا ہوئے۔  
اور جو کچھ باہم اتحاد اور رشتہ و قرابت پیش رہا ہر چند اصول شیعہ پر تقیہ کی رو سے تھا مگر (تعلق مذکور) ان خیالات کو زیح و بن سے اکھاڑتا ہے اور تقیہ بقدر ضرورت ہوتا ہے نہ ہر امر میں۔ تردید تقیہ کے لیے تو اتنی ہی بات کافی ہے کہ حضرت علیؓ کے دل میں جب تک طال رہا بیعت نہ کی اور جب صاف ہو گئے فوراً کمر لی اگر خدا نخواستہ تقیہ کرتے تو بیعت میں اتنی مدت کیوں لگاتے معلوم ہوا جو کرتے تھے بے باکانہ صاف دلی سے کرتے تھے۔ فقط۔



# مادہ تاریخ از مولوی عبدالحق صاحب

قَالَ تَعَالَى - جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا ط

مادہ تاریخ بیعتہا از فکر رسا عزیزم حافظ مولوی معین الدین صاحب خلیفہ الرشید مولوی محمد یعقوب صاحب

مولوی میر بھائی عبد اللہ جن میں حق نے بہت بھمے ہیں گن  
ان سوالوں کے ایسے لکھے جواب جن سے شیعوں کی اکھڑی زنج و بٹن  
سن روافض نے ان جوابوں کو سر کو اپنے کس یہ سنی دھن  
یوں تو بود اتھا پہلے ہی مذہب ان جوابوں سے لگ گیا اور گن  
ہاتھ غیبی نے مذا تب کی سال تاریخ میں یہ آیت سن  
یوں ازل میں ہی لے معین حق نے کدیا فِ قُلُوبِهِمْ ذِئْبٌ

الضامنہ سلمہ

مَنْ تَوَاضَعَ وَفِدَا وَمَنْ تَكَاطَفَ صُغْرَا

## ۴۲ سوالات از جانب اکمل الکمل الفضل النخبۃ الاکارم

جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب بخدمت علما اہل تشیع

۱۔ عقیدہ امامت جزو ایمان ہے اس کا ثبوت یقینی چاہیے پر نہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ احادیث متواترہ میں اس کا ذکر جواب موجد بیان فرمائیے اور آئیں خائیں نہ اڑائیے۔

۲۔ اگر آیت انما ولیکم اللہ سے امامت حضرت امیر علیہ السلام ثابت ہوتی ہے تو اس سے اور اماموں کی امامت باطل ہوتی ہے۔ چنانچہ لفظ انما سے ظاہر ہے۔

۳۔ لفظ اہل کے بمعنی حاکم ہونے پر کون سی کتاب لغت شاہد ہے اور اگر کوئی کتاب اس پر دلالت کرتی ہے تو کون سی ضرورت ہے کہ معنی مشہور محبوب چھوڑ کر یہ معنی لیتے ہیں بایں ہمہ جب احتمال آگیا تو پھر کلام شتبہ ہو گئی قابل استدلال نہ رہی وہ بھی ایسی ضروریات دین کے لیے۔

۴۔ امام زمان بابہ کیوں نہیں آتے اور تشریف لاکر دین نبی کی تائید کیوں نہیں کرتے اگر عذر



تقیہ تھا تو بھی شیعیان ایران دہند و مخلصان دکن و سندھ کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہاں اگر شیعوں کو حضرت امام ایماندار نہیں سمجھتے اور نظام ہو گا تو یہی ہو گا ویسی فرمائیے۔

۵۔ اگر امام کا تقرر اس غرض سے ہے کہ امتیوں کو غلطی نہ ہو تو حضرت امام روپوش بہتے ہیں خطاوار ہیں اور اگر کوئی اور غرض ہے تو ضرورت ہی کیا تھی جو ایمان میں ایک دوسری امامت کی پھر لگائی اور پھر سینوں پر بوجہ خلافت خلفاء کے جو معصوم نہیں کیا اعتراض رہا؟

۶۔ کلام اللہ محفوظ ہے۔ تو اول احادیث کلینی اور اتفاق مذہب کا کیا جواب؟ دوسری آیات مدح صحابہ مثل والسابقون الاولون اور الذین امنوا وھاجرو وجاہدوا الخ اور والذین معہ اشداء علی الکفار وغیرہ پر ایمان میں کیا دیر ہے۔ اور اگر صحابہ کے ایمان میں کلام ہے تو سو ان کے جو کوئی ان آیات کا مصداق ہے اس کے ایمان پر کیا دلیل ہے۔ ایسی دلیل جس سے خوارج کو ساکت کر سکو پیش کرو۔

۷۔ اگر کلام اللہ غیر محفوظ ہے تو اول تو انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون (ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا اور ہم ہی اس کے یقیناً محافظ ہیں) وغیرہ کا کیا جواب دو کر بشادست حدیث ثعلین شیعوں کو ثعلین کے ساتھ تمسک باقی نہ رہے گا۔

۸۔ حضرت امام حسن عسکریؑ نے جو اسی کلام اللہ کی تفسیر لکھی باقی کلام اللہ کی نہ لکھی تو کیا ان کو بھی مثل اور شیعوں کے کلام اللہ یاد نہ تھا۔

۹۔ تقیہ کی کیا سند ہے یعنی کہیں کلام اللہ میں حکم ہے یا ارشاد نبویؐ ہے کہ کیا کرو۔

۱۰۔ تقیہ کس غرض سے دین میں داخل ہوا اگر نبی و امام دین بتانے کے لیے ہیں تو چھپانے کے کیا معنی اور چھپانے کے لیے ہیں فاصدع بما توءمروا واعرض عن المشرکین (پہنچاؤ) دبو تم آپ کو ملے واثکاف سناو اور شرکوں سے اعراض کروا کے کیا معنی ہیں۔

۱۱۔ غار میں آپ کے ساتھ کون تھا حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے؟ اور یہی کہو گے تو بعد اس کے کہ خدا ان کو بشادست لفظ "صاحبہ" صحابی کہتا ہے تم کیوں نہیں کہتے۔

۱۲۔ حضرت ابو بکرؓ کی شان میں کلام اللہ میں اِنَّ اللہَ مَعَنَا فرمایا ہے خدا تو ان کا ساتھ دے تم کیوں نہیں دیتے۔



۱۳۔ حضرت علی یا ائمہ اہل بیت کی شان میں کہیں ان اللہ معتب ہے۔

۱۴۔ حضرت ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بنایا اگر وہ کافر تھے یا فاسق تھے (معاذ اللہ تو کیوں بنایا؟)

۱۵۔ حضرت امیرؓ نے شہینشاہ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھیں اور ان کے زمانے کے جہادوں کی باندی غلام کیوں اپنے تصرف میں رکھے اگر وہ کافر تھے تو یہ نماز نہ ہوئی نہ جہاد پھر نہ مال حلال ہوا نہ باندیاں اور مسلمان تھے تو بے اقرار امامت کیوں کر مسلمان ہو گئے۔ جواب معقول دیجئے۔

۱۶۔ موافق ارشاد آیت۔ الذین اتیناھم الکتاب یتلونہ حق تداوتہ (جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کو کما حقہ پڑھتے ہیں وہی اس کے مومن ہیں (البقرہ ع ۱۲) جو منجملہ علمائے ایمان ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس فرقہ کے لوگ بحضرت تلاوت قرآن کریں گے وہ تو مومن ہوں گے باقی کافر اب فرمائیے کہ ایسے لوگ شیعہ ہیں یا اہل سنت جواب معقول لکھئے اور اگر حق تلاوت سے خشوع و خضوع مراد لیتے ہو تو شیعوں میں وہ بھی نہیں اس لیے کہ خشوع کے لیے اعتقاد چاہیے شیعہ کلام اللہ کو بیاض عثمانی سمجھتے ہیں بایں صحیح تلاوت مفعول مطلق ہے اور عامل اس کا یتلونہ ہے اس لیے ضرور ہے کہ وہ بھی از قسم تلاوت ہو۔ خشوع و خضوع امر قلبی ہے اور تلاوت امر لسانی۔

۱۷۔ آیت۔ اِنَّا خُنُّنَا الَّذِیْنَ اٰتٰہُمَا الْکِتَابَ مِنْ سَبْعِ مَیْمَنٍ یَسْمَعُوْنَ سَوَیًّا مِمَّا یُتْلٰی عَلَیْہِمْ اَوَّلَ الْبَیِّنٰتِ (ہم ان کو جو کتاب دی گئی تھی ان کے سامنے سب سے پہلے پڑھتے ہیں) اللہ خدا کا کام ہے اس صورت میں سنی بندگان خاص بھٹکے کہ خدا کا کام کرتے ہیں اور ان کا کیا خدا کی طرف ایسی طرح منسوب ہو جاتا ہے جیسے راج مزدوروں کا بنایا ہوا مکان صاحب مکان کا بنایا کر کرتے ہیں۔

۱۸۔ شیعوں کو کلام اللہ یا دکیوں نہیں ہوتا اگر یہ وجہ ہے کہ صحابہ استاذ کلام اللہ ہیں اور استاذ کا برا کہنے والا کامیاب نہیں ہوتا تو بیکہجے باقی یہ جو کہیں کہیں شیعہ ملقب بحافظ ہیں یا ایک دو کا کہیں کہیں نشان دیتے ہو البتہ اول تو کہنے کی باتیں ہیں اور اگر سچ بھی ہو تو اہل سنت کے مقابلہ میں ایک دو کا حافظ ہونا بہت شرمانے کی بات ہے۔

۱۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں تو حضرت فاطمہؓ نے ترکہ کیوں مانگا زندوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اور شہیدوں کی نظیر دو تو یہ نظیر کام کی نہیں کیونکہ شہداء یہاں کے



بدن سے زندہ نہیں اس بدن کے حساب کے تو مردہ ہیں ہاں جنت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے اور مولت کا جواب بھی کام کا نہیں کیونکہ موت سے حیات جاتی رہتی ہے تو آپ حیات الہی نہیں اور نہیں جاتی تو میراث کی کوئی صورت نہیں۔

۲۰۔ کلینی وغیرہ کتب شیعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فذک منجد اموال فے ہے اور آیت ما افاء اللہ علی رسولہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال فے مملوک بنوی نہ تھے اس لیے کہ اول تو بشہادت آیت ذوی القربی یتیمی، مساکین وغیرہ شریک جن کی کوئی تعداد معین نہیں جو ان سب کو پہنچاتے دو سر بشہادت آیت والذین جاءوا امن بعدہم سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ منجد مصارف وہ لوگ بھی ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے سو ان کی شریکیت کی کوئی صورت نہیں کیونکہ مالک بالفعل موجود ہونا چاہیے بایں ہمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انواع کے ہر ہر فرد کو نہ زمین فذک باغٹی نہ اس کی آمدنی بانٹی اگر ملک ہوتی تو ان سب ہی کی ملک ہوتی اور آپ ضرور تقسیم کرتے۔ ہونہ ہو وقت ہو اس صورت میں حضرت فاطمہؓ نے کیوں طلب کیا کیونکہ وقت میں نہ میراث جاری ہونہ ہبہ۔

۲۱۔ اگر خطاب فائکھو اعام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی وجہ بیان فرما کہے اور خاص ہے تو خطاب یومیکم اللہ بھی خاص ہو گا۔ اس صورت میں حضرت فاطمہؓ نے دعویٰ میراث کیوں کیا اور اگر آیت یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَعْلَلْنَا لَكَ مِنْ تَحْصِیْسِ فَاکھو کرتے ہو اول تو بعد ثبوت تاخر نزول آیت یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ یہ بات مخصوص ہے اور ثبوت تاخر معلوم دوسری ایسی تخصیص بلکہ اس سے بھی زیادہ تو بوسیلہ اِحْدٍ لَكُمْ مَا وُءَاذَ ذَالِکُمْ

دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بدن جہاد غنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قربت مندوں کا اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا تاکہ وہ مال غنیمت تمہارے دولت مندوں کے

لَهُ مَا آفَاةً اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَمَا يَكُونُ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ



سب کے لیے متصور ہے

۲۲۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا فرقہ (الحیاء باللہ) تو حضرت علیؓ نے دختر مظلومہ حضرت ام کلثومؓ کا نکاح ان سے کیوں کیا اور نہ تھے تو باوجود اسلام کے تبرائی کیا وجہ؟

۲۳۔ تبرائی کوئی کلام اللہ یا حدیث متواترہ میں سند ہے یا نہیں اگر ہے تو پیش کیجئے نہیں تو ایسے دسوسہ اندازوں کی جھوٹی پچی باتوں پر ان قطعی نصوص کو جو مثل روز روشن کے، رفیلہ اور کبیرہ ہونے پر سب و شتم کے دلالت کرتے ہیں کسی کو بڑا کمنا کیوں ثواب جانتے ہو؟

۲۴۔ اگر فقہ فرض یا استحباب یا مباح تھا تو حضرت سید الشہداءؓ نے کیوں نہ کیا اور اس بھڑکی جماعت کو کہ دشمن کے عشر عشر بھی نہ تھے کیوں مظلوموں کو قتل کرایا اور ان کا بار اپنی گردن پر لیا اور نہ تھا تو حضرت امام حسنؓ نے باوجود خون کشیر کے کیوں صلح کی اور جہاؤ نہ کیا اور دین کو برباد کیا۔ اگر عذر علم انجام ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ امام تھے تو کیا حضرت امام حسینؓ کو علم انجام نہ تھا یا اس وقت امام نہ تھے۔

۲۵۔ اماموں کو علم ماکان و مایکون ہوتا ہے تو اس آیت کے اور سوا اس کے اور ایسی ہی آیتوں کے کیا معنی ہوتے ہیں۔

قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
غیب کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ (ترجمہ مقبول)

اور اگر نہیں تو پھر اس عقیدہ کی کیا وجہ اور کلینی کی روایتوں کا کیا جواب ہے۔

۲۶۔ اماموں کی موت ان کے اختیار میں ہے تو اِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً قُلًا يَسْتَقْدُمُونَ (جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ بھیچے ہو سکتے ہیں نہ آگے) کا کیا جواب ہے اور نہیں تو اس عقیدہ فاسدہ کی کیا بنا ہے۔

۲۷۔ متعہ اگر جائز ہے تو آیت اِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (کہ مومن اپنی دائمی بیویوں اور باندیوں کے ماسوائے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتے ہیں) کے مخالف ہوتا ہے کیونکہ متعہ کی عورت باتفاق علماء شیعہ نہ منجملہ ازواج ہے اور نہ منجملہ ما مملکت ایمانہم اور اگر جائز نہیں تو پھر یہ فضائل کیونکر حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور قصہ خیر سے استدلال کرتے ہو تو



وہ حدیث متواتر نہیں جو ناسخ کلام اللہ ہو دوسرے وہ حکم منسوخ ہو چکا۔ نہیں تو اس سے تو کم نہیں کہ احتمال ہے بہر حال تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ حکم باقی ہے احتمال یہ بھی تو ہے کہ اس آیت کا حکم جوں کا توں ہو فقط برائے چندے بوجہ ضرورت رخصت ہو گئی ہو۔

علاوہ بریں آیت وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ کو بوجہ حلت متوفسوخ نہیں کر سکتے کیونکہ بزعم شیخہ۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً رِط (۱) (پس جب تم عورتوں کے خاص حصہ سے فائدہ اٹھاؤ تو تم ان کو مقررہ مهر دیدو)

اس آیت پر مخرج ہے اور یہی آیت (بزعم شیخہ) استاورز متعہ ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ عدت والی عورت محصنات میں داخل ہے یا نہیں اگر داخل ہے تو یہ ممانعت ہے جو احصان کہنے بوجہ بقائے نکاح کے تو کہہ بھی نہیں سکتے کیونکہ نکاح ایک امر اضافی ہے جو وجود نا کحین پر موقوف ہی ہوگی تو بوجہ محافظت نسبت ہوئی لیکن اس صورت میں محصنین غیر ممانعین کے محنتی میں بھی یہی احصان ملحوظ ہے گا پھر آپ ہی فرمائیے متعہ میں یہ بات کہاں ہے اگر ہوتی تو یہاں بھی عدت ہوتی۔ اور اگر معتدہ داخل محصنات نہیں تو فرمائیے پھر کس وجہ سے اس کا نکاح ممنوع ہے حالانکہ یہ ارشاد موجود ہے وَاِذَا لَكُمْ مَوَدَّةٌ مِنْ النِّسَاءِ فَكُلُوا مِنْهُنَّ مَا يَشَاءُ مِنْهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَافِرَاتِ (۲) (اور اگر تم ان سے مودت رکھو تو ان سے جو چاہو کھاؤ اور کافروں کی عیصمت نہ پکڑو) اس صورت میں یہاں نہیں کہہ سکتے کہ معتدہ محصنات میں تو داخل نہیں مگر آیت وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَكَ مِنْكُمْ اس کی حرمت ثابت ہے۔

چنانچہ اہل عقل پر ظاہر ہے جواب محقول عنایت ہو ورنہ حرمت متعہ کا اقرار کیجئے۔ ۲۸۔ منکوحۃ الابن یا ام ولد الوالد سے متعہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو کیا دلیل ہے۔ آیت وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ سے تو فقط ممانعت نکاح ثابت ہوتی ہے اور جائز ہے تو نکاح ہی میں کیا نقصان تھا۔



۲۹۔ لواطت زمان جو مذہب شیعہ کے موافق جائز ہے اور دینوں میں بھی جائز ہے یا یہ پاکبازی اور سنت قوم لوط خاص مذہب شیعہ ہی کے لیے رکھی ہوئی تھی۔

۳۰۔ لواطت کے جواز کی کیا دلیل ہے۔ اگر لفظ غُلّٰی شَتْمُ پر اعتماد ہے تو اس سے تو تعمیم مقام ثابت نہیں ہوتی وقت محمود زوجہ کی روپشت اپنی طرف رکھنے کی اجازت نہ سکتی ہے بایں عمر جملہ نساء کہ وحدث لکھ سے صاف یہ ثابت ہے کہ عورتیں اولاد کی کھیتی میں پھر آپ ہی فرمائیں کہ بچہ و بر زن میں سے نکل سکتا ہے یا نہیں اگر کوئی خاص کرامت زمان مذہب شیعہ میں ہو تو مطلع فرمائیے۔

۳۱۔ باندیوں کی فرجوں (شرمگاہوں) کا عاریت دیدینا جو علامہ حلی کی کتاب ارشاد میں موجود ہے۔ اس کی کیا دلیل ہے پھر آیت الاعلیٰ از واجہہ او ما ملکت ایمانہم کی مخالفت کا کیا جواب ہے۔

۳۲۔ لواطت سے ثبوت نسب کی وجہ تعلیم فرمائیں تو بڑی عنایت ہو۔

۳۳۔ وَجْہٌ یُّؤَمِّدُ نَاصِرَةً اِلٰی رِجْلِهَا فَاطْرَةً (اس دن بہت چمکے ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے) دیدار خداوندی پر شاہد ہے اور لفظ الی کو بمعنی نعمت لینا جڑیوں سے کان کا ٹھننا ہے۔ کیونکہ اول تو ناصرة فرمایا اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ لہجہ خداوندی کے استعمال کی نوبت آگئی اس کے بعد پھر نعمتوں کے دیکھنے کی کیا حاجت تھی

۱۔ مثلاً حدیث ما عبد اللہ بن ابی العزیز نے امام صادق سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنی بیوی سے لواطت کرتا ہے۔ قال لیس از رضیت (اگر عورت خوش ہو تو کوئی حرج نہیں) الاستبصار ج ۲ ص ۱۳۲۔ امام رضا سے راوی نے عورت کے ساتھ لواطت کرنے کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔ اللہ کی کتاب میں لوط علیہ السلام کے قول نے (معاذ اللہ) حلال کر دیا ہے کہ میری لڑکیاں تمہارے لیے حلال ہیں حالانکہ معلوم تھا کہ وہ آگے کی راہ سے جماع نہیں کرنا چاہتے۔ (ایضاً)۔ مثلاً حدیث ما محمد بن مسلم نے امام باقر سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنے بھائی کے لیے اپنی باندی کی شرم گاہ حلال کرے یہ اس کیلئے حلال ہے الاستبصار ج ۲ ص ۱۳۲۔

۲۔ ابن مضا رب کہتے ہیں مجھ سے امام جعفر صادق نے فرمایا یہ باندی لے لو آپ کی خدمت کرے اور آپ جماع کریں پھر

ہیں واپس لوٹا دینا (ایضاً) ۳ جن عطار کہتے ہیں میں نے امام صادق سے فرج ملنے کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا کوئی حرج نہیں (استبصار ج ۲ ص ۱۳۲)۔



جو یہ ترقی معکوس ایسے کلام مجر نظام میں آئی بایں ہمہ آیت

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمِئِذٍ لَّخَبِيرُونَ (ہرگز نہیں سدن وہ اپنے رب کی زیارت سے محروم ہونگے)  
 کا کیا جواب دو گے اور آیت لا تدركه الابصار پر نظر ہے تو وہ سالیہ جزئیہ ہے بایں ہمہ  
 سلب اور اک پر دلالت کرتا ہے نفی رؤیت پر دلالت نہیں کرتا علیٰ ہذا القیاس لن متدانی سے  
 عدم قابلیت البصار دنیوی حضرت موسیٰؑ ثابت ہوتی ہے عدم دیدار ثابت نہیں ہوتا ہاں اگر  
 لن ادری بصیغہ متکلم مجہول ہوتا تو یہ خیال بجا تھا اور اگر رؤیت اور البصار کے لیے خواہ مخواہ تقابل کی  
 ضرورت ہے اور وجہ سے تامل ہے تو اول تو خدا کے بصیر ہونے کے لیے جہاں سے تقابل لاؤ  
 گے وہیں سے اس کے دیدار کے لیے سی۔ اگر ضرورت ہوگی تو البصار کے لیے خدا کو بھی ہوگی  
 کیوں کہ تقابل تو طرفین ہی سے ہوتا ہے بایں ہمہ سامنے کا مکان سامنے کی جہت جس طرح  
 بے جہت اور بے مکان سامنے ہے ایسے ہی خدا (بے جہت و مکان) بھی ہو تو کیا عجیب ہے  
 پھر کلام اللہ کی تکذیب کیوں کی جاتی ہے۔

۳۴- آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم کہ میں جو خلافت کا وعدہ ہے پورا ہونا تو اس  
 کا ضرور ہے کیونکہ خدا کا وعدہ ہے اور ادھر دیکھتے ہیں تو خلیفہ موصوف باوصاف مندرجہ آیت  
 مستورہ سوا چار یا ار کوئی نہیں ہوا خاص کر یبب لکھتے ہیں مَنْ بَعْدَ خَوْفِهِمْ اَمْتًا  
 میں ضرور ہر ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا اسے تو روشن ہی ہو گیا حضرت امیر معاویہؓ  
 کو کفار سے کبھی خوف ہی نہیں ہوا اور اگر خاص حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہؓ کو دیکھتے تو مخی لغت

۱۔ سورہ نور کی آیت اختلاف کا ترجمہ مقبول شیعہ کا یہ ہے۔ ان سب لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور جنوں  
 نے نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں جہشتیں بنائیگا جیسا کہ ان سے پہلوں کو بنائیتھا اور ضرور ان کے  
 دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے ان کی خاطر سے پائیدار کر دیگا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا اس وقت  
 وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی  
 ہیں حضرت عمرؓ کے دور میں خلافت راشدہ کی صداقت اور موعود خداوندی ہونے پر خود حضرت علیؓ نے اس آیت سے  
 استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام فقہی زیر خلیہ مشورہ فارسی دغنی علی موعود من اللہ - ۱۳ مہر محمد



وَعَدَ الَّذِينَ آمَنُوا لَازِمٌ آتِيٌّ بِهِ اس لیے کہ اس سے جمیعت ثابت ہوتی ہے نہ وحدہ۔  
اور اہم زمان کو مراد لیجئے تو وہ منہج کے مخالف ہے اس لیے کہ اس کے موافق تو ان حلیفوں کا  
صحابی ہونا بھی ضرور ہے ورنہ یہ لفظ بے کار ہوگا۔ اس کا لغو ہونا لازم آئے گا اس صورت میں  
کیا وجہ ہے کہ ان کو خلیفہ راشد نہیں سمجھتے۔

۳۵۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَتْلِهِمْ  
یہ بات ثابت ہے کہ جو لوگ مرتدین سے جہاد کریں گے وہ اللہ کے پیارے اور بڑے ہی کامل  
ہوں گے مگر سوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کے اور کسی نے مرتدین  
سے قتال نہیں کیا اور خوارج کو مرتدین کہنا ہی نہایت بے جا ہے ان کو بدعتی کہیے نہایت کافر  
بدعتی غرض اس دین اسی نبی کے معتمد ہیں

۳۶۔ خَدَاكَ ذَمُّهُ عَدْلٌ وَاجِبٌ تَوَاضَعْتَ لَدَيْهِ عَمَلًا يَفْعَلُ وَهُدًى يُسَلُّونَ  
(جو وہ کرتا ہے اس سے پوچھ نہیں اور سب کے کاموں کی پوچھ ہوگی) کا کیا جواب ہے۔  
۳۷۔ بِنْدَهُ أَمْرٌ أَوْ نَهْيٌ أَوْ تَوَكُّلٌ أَوْ تَوَكُّلٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (تم نہیں جانتے  
مگر جب اللہ چاہے) کا کیا جواب؟

۳۸۔ حَدِيثُ أَصْحَابِي كَالْحَبُّومِ بِأَيْدِيهِمْ أَقْتَدِيْتُمْ أَهْدِيْتُمْ رَمِيْتُمْ رَمِيْتُمْ  
تاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے بشہادت رسالہ المکاتیب آپ کی  
کتا بوں میں موجود اس سے صاف مذہب اہل سنت ثابت ہے۔

۳۹۔ آيَةُ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ بِشَهَادَاتِ  
سباق و سیاق ازواج کے حق میں نازل ہے اس کا کیا جواب؟ باقی حدیث اہل  
عبا اہل البیت کے یہ اعتراض نہیں اٹھ سکتا کیونکہ اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ برکت  
وعلائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور  
حضرات حسین رضی اللہ عنہما بھی اہل بیت ہو گئے علی ہذا القیاس ضمیر مذکور سے  
استدلال کرنا غلط ہے۔ اول تو یہی کلمہ کُم جو ضمیر مذکور ہے دوسری جا حضرت سار کے  
خطاب میں موجود ہے علاوہ بریں یہ اعتراض خدا پر ہوگا۔ شہادت سیاق اور سباق



۴۰۔ آیت الطیبات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہے اس کا شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے یہ لفظ جس قدر ان کی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اتنا لفظ لیذہب عنکم الرجس اهل البيت ویطہرکم تطہیرا دلالت نہیں کرتا کیونکہ لفظ طیبات صفت مشبہ ہے جو اصلی پاکیزگی پر شاہد ہے اور یذہب ویطہر تجدد پر دلالت کرتے ہیں جس سے اول سے اتنا پاکیزہ ہونا ثابت نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آیت تطہیر کے بھروسے اہل بیت کو معصوم کہو حالانکہ وہ بھی اصلی نہیں بلکہ ازواج کی شان میں عارضی ناپاکی زائل ہو جانے پر دستاویز ہے اور باعتبار آیت الطیبات حضرت عائشہ صدیقہ اور سوا ان کے اور ازواج کو معصوم نہیں کہتے اگرچہ مورد خاص ہے پر الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۱۔ شیعوں کی عورتوں کو مثلاً بوجہ متو جو فضائل شہوں تو وہ مل سکتے ہیں یا نہیں۔ چوتھے متو

میں بشارت۔ تفسیر میر فتح اللہ شیرازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ میسر آجاتا

ہے۔ پنجویں متو میں خدائی مل سکتی ہے یا نہیں فقط

۴۲۔ زمیں میں جو یہ حکم رہا کہ زمانہ واحد میں ایک شوہر سے زیادہ سے عورت نکاح نہ کرے تو مقرر بضرر محافظت نسب اور جب نسب پر نظر ہی نہیں جیسے متو میں ہوتا ہے چنانچہ جواب تعلق متو خوب واضح ہے۔ تو متو دور یہ بلکہ نکاح دور یہ اور مہرہ زن منکوحہ

۱۔ تفسیر منہج الصادقین ۱ کے اول میں ہے کہ حضرت نے فرمایا جو ایک تہ متو کے اس کا رتبہ چاہیں جیسا ہوگا اور جو دو دفعوں کے اس کا رتبہ چاہیں جیسا ہوگا اور جو تین دفعہ متو کرے اس کا رتبہ علی بن ابی طالب جیسا ہوگا اور جو چار دفعہ متو کرے اس کا رتبہ میرے مرتبے جیسا ہوگا۔ جو شخص دنیا سے رخصت ہوا اور اس نے متو نہ کیا تھا وہ قیامت کے دن ناک اور کان کٹا اٹھایا جائے گا (ایضاً)

۲۔ قاضی زکریا شوشتری نے مصائب النواصب میں لکھا ہے کہ نواں الزام ہم شیعوں پر یہ ہے کہ کئی آدمی بیک وقت ایک عورت (متو) کر سکتے ہیں اگرچہ وجہ حیض والی ہو یہ نسبت افہام اور جھوٹ ہے۔ ہاں اس وقت (متو دور یہ) بعینہ نہیں ہے جب کہ عورت کا حیض بند ہو چکا ہو کیونکہ مقصود تو رحم کو دو مردوں کے نقطہ سے بچانا ہے جس طرح کہ عدت میں یہی حکمت مقصود ہوتی ہے تو اگر (بند حیض والی) میں یہ حفاظت خود بخود حاصل ہوتی ہے تو بیک وقت

کئی مردوں کے متو کرنے سے نہ نقطہ ٹھہرتا ہے نہ نقطہ ملط کا اندیشہ ہے) ۱۲۔ مہر محمد



اور عاریت زن منکوحہ و زن متعہ کیوں جائز نہیں فقط۔

## (۱۵) پندرہ سوالات از جانب مولیٰ عبد اللہ صاحب

اتماس بخیریت علماء شیعہ کہ ان سوالوں کے جواب معقول مرحمت فرمائیے اور ناحق زمین و آسمان کے قلابے نہ ملیئے ورنہ خلفاء اربعہ کی خلافت و مرتبہ پر ایمان لائیئے۔

۱۔ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوسفیانؓ نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو کہا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں مدینہ کو سواریا دوں، اگر مہاجرین و انصار نے بیوفائی کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپایا تو باوجود اس سامان کے پھر وجہ تقیہ کی کیا تھی اور اگر بنو امیہ کا اعتبار نہ تھا تو بقول شیعوں مانعین زکوٰۃ کی وجہ منع زکوٰۃ کی یہی تھی کہ ابو بکر خلیفہ برحق نہیں اس صورت میں مالک بن نویرہ اور اس کی مانند سردار بنی تمیم و غیرہ مدد کو موجود تھے اور اتباع امام برحق کے مشتاق پھر اس سب خرابی اٹھانے اور گمراہی کی جڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی اگر بالفرض حضرت امیر جہاد فرما کر مثل اپنے زمانہ خلافت کے غالب نہ آتے یا مثل حضرت امام حسینؓ شہادت پاتے تھے تو تمام ہو جاتی۔

۲۔ امیر المومنین اور جملہ ائمہ کے تقیہ کرنے کے دلی وہ لوگ ہیں جو آپ ہی خادم خاص ان حضرات کے بنتے تھے مگر یہ حضرات ان لوگوں کے حق میں بیزاری ظاہر فرماتے تھے اگر کوئی ثبوت تقیہ کا بایں نہج کہ جان بچانے کے لیے دین اور ابر و عیب کچھ برباد ہو جائے تب بھی تقیہ ہی کیجئے اگر کچھ سند قرآن و حدیث سے ہو تو بیان فرمائیے یا عقل سلیم کا اتفاق ہو کیسے۔

۳۔ انبیاء اور امام ہدایت خلق کے واسطے ہوتے ہیں جب انہوں نے تقیہ کیا اور حق بخوف دشمنوں کے چھپایا تو حق کا پھیلنے والا کون ہوا۔ اور آپ لوگوں تک کیوں کر حق پہنچا۔ اور جب دوزبانی ہوئی اور دوزنگ تو تیز حق کی کیسے اور اب لوگوں نے کس نہج سے حق پہنچانا۔

۴۔ اس زمانے کے بعض علماء شیعہ یا عوام جو تقیہ نہیں کرتے اب ان کو کیا اصل ہو گیا ہے اور اگر وہ ایسے مامون ہیں کہ تقیہ کی حاجت نہیں تو حضرت امام موسیٰ کیوں غارِ ثمرینؑ رائی تیں اس دم تک غیبت کبریٰ میں مصروف ہیں یا حضرت امام خطا پر ہیں۔ یا یہ لوگ خلاف امام عمل کر رہے ہیں۔



۵۔ بعد گزرتے زمانہ عیسویوں کے تسلط چنگیز خانی میں جس میں علماء شیعہ کو نہایت فروغ ہوا اور زمانہ سلاطین ایران اور اصرار ہندوستان میں حضرت امام نے خروج کیوں نہ فرمایا اور اگر دعوت سلطنت میں امید یہود نہ تھی تو بطور ائمہ سابق ان ممالک میں ظہور فرما کر مجسین کو ہدایت فرماتے اور اعداء پر حجت قائم کرتے طول عمر امام کا ایک ایسی کرامت ہوتی کہ سنی تو سنی یہود و نصاریٰ اور کفار چین و ہند پر حجت تمام ہوتی کوئی وجہ محقول ارشاد ہو۔

۶۔ شیخین کے باب میں علماء شیعہ کے اقوال مختلف ہیں بعضوں نے منافق اصلی اور بعض نے مرتد بعد واقع غدیر اور بعض نے مرتد بعد وفات اور بعض نے ایمان سے خارج اور اسلام میں داخل اور بعض نے ترکیب اکبر کیا ہے یعنی حق چھپانے والا کہا ہے۔ ان وجوہ پر یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ نادان یا نہایت عاجز تھے اور خداوند کریم بھی ٹوڑتا اور ان کی نجات پر قادر نہ ہوتا ان باقی صورتوں میں (لازم آیا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نہایت بے تاثیر تھی کہ سواد و ایک کے کوئی مخلص نہ رہا اور حضرت امیر المومنین کو خمس اور فے ان کے جہادوں کا لینا اور لوٹداریوں پر تصرف کرنا کیونکر جائز ہوا اور نہ ان کا لڑنا جہاد تھا اور نہ وہ دین کے مدگار تھے نہ یہ کچھ غنیمت اور فے تھی۔

۷۔ مذہب شیعہ خلاف ظاہر ہے اس لیے کہ حضرت امیر سے لیکر تا جملہ ائمہ بظاہر اہل منت تھے اور شیعہ کو اس میں گنجائش انکار کی نہیں دعویٰ تقیہ جو بہت امور کا جواب ہے اسی پر مبنی ہے اور اثبات خلافت کے واسطے دلیل یقینی چاہیے وہ کیا دلیل عقلی یا نقلی ارشاد ہو۔

۸۔ آیت انما ولیک اللہ ورسولہ نص نہیں ہو سکتی اور شان نزول اگر خاص ہو تو حکم عام ہوتا ہے اور الذین امنوا صیغہ جمع کا ہے۔ اور انگشتری دینی نمازیں اس روایت کا کیا ثبوت ہے اور سوائے حضرت امیرؑ کے اور کوئی مراد نہ ہو اس کی کیا دلیل ہے۔ اور انگشتری دینا زکوٰۃ تھا جیسا ظاہر لفظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے تو اس میں کیا وجہ کمال کی ہے کیونکہ فرض ادا کرنا ہر مسلمان کا کام ہے۔

۹۔ حدیث ثقلین یعنی خطبہ غدیر وہ بھی پوری حجت نہیں مولیٰ کا لفظ مشترک ہے اور اللہ وال من ولایہ وعاد من عاداہ اے اللہ اس سے محبت رکھ جو علیؑ سے محبت



رکھے اور اس کے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے (قرینہ مجرت کے معنی کا موجود ہے پھر شیعوں کے پاس کیا حجت ہے کہ امر ضروری کو کہ مثل اقرار توحید و رسالت ہے ایسے چیتان کی طرح ثابت کرتے ہیں۔

۱۰۔ آذان کے اندر جو "اشہد ان امیر المؤمنین علی ولی اللہ" مذہب شیعہ میں زائد ہوا ہے اور معمول ہے۔ اگر ایسی آذان زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروج اور مروی ہوتی آئی ہے تو اس کی سند ارشاد ہوا اور اگر بعد میں ارشاد ہوئی تو کون سے امام وقت میں یہ سنت اعلان مذہب کی ہوئی۔

۱۱۔ حضرات! امیر المؤمنین امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو گروہ تفتیہ کی میدان کر بلا میں مار دی علی الخصوص جب سب رہتا شہید ہو چکے تھے۔ تو اس کی کوئی وجہ معقول ارشاد ہو اور فسق پر یہ کیا کفر و ارتداد و فساد و غفار سے کچھ بڑا ہوا تھا جو حضرت امام نے ایسا کیا۔

۱۲۔ اولادِ المرۃ نے جیسے حضرت زید شہید اور یحییٰ بن زید اور اسماعیل نے دعویٰ امامت کیا شیعوں کے اصول پر ناہمی بلکہ اسلام سے خارج ہوتے ہیں اور چاہیے یوں تھا کہ اہل البیت اور اہل بیہ سافید (گھروالا گھر کی چیز سے زیادہ واقف ہوتا ہے) کے تحت تص امامت ان کو زیادہ آگاہی ہوتی اور آیت تطہیر کا اثر اور عزت کے متمسک ہونے کی کچھ تو تاثیر ان میں باقی رہتی۔ علاوہ بریں المرۃ نے جو اس زمانہ میں تھے ان کے فعل کو گناہ تک نہ گنا اس کا کیا جواب ہے۔

۱۳۔ یہ زمانہ بزعیم شیعوں امام سے خالی نہیں اور امام سے یہ غرض ہے کہ حجت قائم ہو اور طالب حق کو حق مل سکے اب امام کی یہ غیبت کہ آشنا و بیگانہ کسی کو رسائی نہیں اب سارے جہان میں موافق و مخالفت ہیں کوئی طالب حق نہیں یا دین میں کوئی حاجت پیش نہیں ہوتی یا یہ صورت امام سے خالی ہونے کی نہیں ہوتی اگرچہ یہ وجود عدم کے برابر ہے

۱۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں شیخین کے مناقب پر سبہر بیان فرمائے بلکہ تفصیل (کہ علیؑ ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ سے افضل ہیں) پر حد افزار سے تہدید کیا اگر یہ تفتیہ تھا تو ان مردوں سے لوگوں سے تھایا زندوں سے زندے تو آپ کے سب شیعوں



تھے اور جہاں نہ تھے اور بعض منافق بھی ہوں گے تو ایسے لوگوں کا کیا ڈر تھا اور مردوں سے اتنا ڈر خارج قاعدہ سے ہے بہت ہوتا سکوت فرماتے یا قلیل سی کچھ تعریف کر دیتے اس کی کیا وجہ ہے ارشاد ہو۔

۱۵۔ جب اپنی خلافت کے وقت میں حضرت امیر المؤمنین کو حاجت تھی تو فرمائیے شیخین کے زمانہ میں اگر خلافت ہو بھی جاتی تو کیا کام نکلتا اس سے معلوم ہوا کہ جزو وعدہ موبہوم خرمج مہدی (علیہ و علی آباء السلام زمانہ غلبہ حق کا کوئی نہیں ہوا جب گیارہ اہم اس رنگ کے ہوئے اب بارہویں اہم سے باوجود اتنی غیبت کے کوئی عاقل کیا توقع رکھ سکتا ہے اس مخافت کی کوئی وجہ محقول بیان فرمائیے فقط۔

خط شکایت امیر مثنیٰ شیخ احمد صاحب  
مع حال صفائی عقیدہ خود بجا نسب مولوی عبد الصاحب

حضرت مولوی صاحب! جوابات جو آپ نے بھیجے ہیں وہ واقعی نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہیں جس جس معاملہ میں مجھ کو شک واقع ہوا تھا وہ معاملات طے ہو گئے اور جو کچھ معاملات اور شک سے باقی ہیں وہ بوجہ برہمی مزاج خدام میں پوچھ نہ سکا مگر عالم و فاضل کو سوال کے جواب دینے میں سختی اور برہمی کرنی واجب نہیں کیونکہ علماء کا یہی کام ہے اور سائل جس کو پوچھنا کسی امر کا منظور ہوتا ہے وہ کس سے پوچھے سوائے عالم کے مگر افسوس کہ یہاں برخلاف معاملہ ہوتا ہے کہ آئندہ سائل سوال نہ کرے فقط بندہ شیخ احمد

خط مولوی عبد الصاحب کو خط مثنیٰ شیخ احمد صاحب  
مہربان والا شان حسانتہ لاتعد مثنیٰ شیخ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خاکسار عبد اللہ بن مولوی محمد انصار بعد سلام مسنون الاسلام منظر مزاعم ہے کہ خط فرحت پہنچا باعث فرحت بے غایت کا ہوا جو کہ آپ نے شکایت برہمی مزاج کی تحریر فرمائی۔ یہ تحریر بسبب ناواقفیت کتب مناظرہ کی ہے جب آپ داب مناظرہ سے واقف ہوں گے



یہ بڑی ہی بے موقع اور خلافت طبع معلوم نہ ہوگی خصوصاً مذہبی مناظر میں کہ ایک دوسرے کو گمراہ اور ناحق شناس جانتا ہے اس کی تصدیق آپ کو ان تحریرات سے ہوگی جو کہ سید احمد خان کی طرف بطور فتویٰ ہوئی ہیں۔ ہوجاوے گی اور واللہ ثم باللہ آپ ہمارے کلام کے مخاطب نہیں بلکہ ہمارے کلام کے مخاطب وہ ہیں کہ جس کی مجاورت سے تم کو شبہات دین متین میں پڑ گئے اور وہ لوگ درحقیقت عند المسیین خصوصاً نزد علماء ایشاں ایسے ہیں جیسا کہ ہم نے ان کو لکھا ہے۔

(شیعہ تبرہ باز کا حکم)

کیونکہ سہارنہ میں علماء شیعہ نے اظہار دیا کہ ہم نے مذہب میں تبرہ اقرض عین ہے اور جس طرح بن پڑے کہلے ہیں یہاں تک کہ دہلیز اور فرش کے نیچے خندقار کے نام لکھ کر توہین کے لیے رکھتے ہیں (معاذ اللہ)

جب ان کا یہ حال ہے تو علماء حنفیہ موافق قول فقہار سب شیخین کفر (شیخین کو گالی دینا کفر ہے) کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور ہم نے تمہارے اس شبہ کی پیش بندی کر دی تھی چنانچہ عبادت سوال سے واضح ہے کہ ہم نے مخاطب علماء شیعہ کو بنایا ہے آپ نے اس کا کچھ خیال نہ فرمایا۔ کہ جو سوالات آپ نے کئے تھے وہ درحقیقت ہم نے شیعوں کی طرف سے سمجھے اور تم کو سفیر محض جانا اس لیے ہم نے انہی سے سوال کے لئے خاص تم سے سوال کرتے۔ مگر واللہ ہم تم کو سفیر جانتے ہیں کیونکہ درحقیقت آپ کو پوچھنا مد نظر ہوتا تو آپ کو یہاں آنے سے کیا پرہیز تھا جیسے اور لوگ مسئلہ پوچھ جاتے ہیں آپ بھی پوچھ لیتے پر چونکہ آپ نے لکھ کر بھیجے ہیں ہم نے جانا کہ یہ اور ہے درپردہ سوال کرتا ہے۔ کیونکہ آپ کا تو عقیدہ ایسا نہیں اس لیے ہم نے اس کو مدہوت بنایا آپ کو کیوں ایسا برا معلوم ہوتا ہے۔ ہرگز ہرگز آپ کی طرف خطاب نہیں شوق سے جو چاہو پوچھو تم ہمارے مہربان اور کرم گستر ہو۔ آپ کے حسن ظن سے نہایت بعید ہے کہ جو آپ ایسے خطاب اپنی طرف جانیں اور ہماری عین خوشنودی ہے کہ جو شبہات تم کو اور باقی ہوں وہ بھی پیش کر دتا کہ مذہب میں



میں نہ رہو اور اپنے دین کی بچھگی معلوم ہو جائے حدیث میں آیا ہے کہ ناواقف کی شفاعت سوال ہے یعنی جس کو شبہ لاحق ہو اس کو پوچھ لینا چاہیے ورنہ شیطان بلکہ بعض انسان صورتہ شیطان حقیقہً مثل روافض کے اس شبہ کو اور پختہ کر دیتے ہیں حتیٰ کہ خارج از اسلام ہو جاتا ہے اس لیے التماس ہے کہ ضرور بر ضرور طبیعت شریف کو شبہات باقیہ سے صاف کر لیجئے آپ کے والد ماجد مکن دین کے تھے بمقتضای التواضع لیکر آپ کو بھی صفائی درباب عقیدہ ضرور حاصل کرنی چاہیے جب کہ ہمارے تمہارے اتحاد حاصل ہے تو مناسب یہ ہے کہ آپ بے تکلف تشریف لا کر بالموافقہ خواہ علانیہ یا درپردہ صفائی باطنی کر لیجئے نقل مشہور ہے ”شرح میں کیا شرم ہے“

(عام آدمی کو غیر مذہب کی کتابیں نہ پڑھنی چاہئیں)

جب تک آدمی اپنے دین کی کتابوں سے واقف اچھی طرح نہیں ہوتا اور دوسرے  
دین کی کتابیں نظر سے گذرتی ہیں تو یقیناً شبہات پڑ جاتے ہیں اسی واسطے رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے تواریت دیکھنے سے حضور پھر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو منع فرمایا اس واسطے  
عاقل کو مناسب ہے کہ جب تک طرفین کے دلائل نہ سنے ایک طرف نہ ڈھل جائے  
حاکم بھی دونوں کی ہی بات سُن کر فیصلہ کرتا ہے خاص کر دین کے باب میں نہایت  
احتیاط رکھنی چاہیئے اس قاعدہ کو اگر آپ بھی ملحوظ خاطر فرمائیے رکھیں گے تو انشاء اللہ کبھی  
کسی بے دین کے دھوکے میں نہ آئیں گے۔

اور جو کتاب تمہارے سوالات کے جواب میں (آپ کو) پہنچی تھی یہ مدرسہ عربیہ دلیوبند کی طرف سے تھی اور انہی سوالات کے جوابات جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نے میرے بھیسے ہیں بعد نقل کے وہ بھی خدمت میں مرسل ہوں گے جیسا کہ جواب مدرسہ سے ازالہ شہادت ہو کر آپ کو نفع حاصل ہوا انشاء اللہ مولوی صاحب ممدوح کے جوابات سے اس سے زیادہ نفع حاصل ہوگا اور باقی شہادت اگر پیش کرو تو فہماور نہ ان کو بھی شہادت زائدہ پر قیاس کر کے گواہ شہر جان لو مگر پیش ہی کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔

والسلام على من اتبع الهدى فقط



اشعار طبع زاو مولوی عبداللطیف صاحب سندھ پوری طالب علم مدرسہ عربیہ دیوبند ضلع سہارنپور

حمد خدا و نعمت نبی میں میری زبان  
کیا تاب ہے قلم کو لکھے وصفت چار بار  
کیا پوچھتے ہو خوبی حضرات اہل بیتؑ  
اے سالکانِ سنت خیر البشر سنو  
شیخین کی جو شان میں کرتے ہیں اعتراض  
کرتے ہیں جہ خلافت شیخین میں کلام  
شیر خدا کی زور شجاعت سے منہ کو موڑ  
کہتے ہیں صاف صاف خلافت علیؑ کی  
ایسا ہی بن خطابؑ نے ان سے کیا لوک  
دعویٰ جب حیدر کمار دیکھتا  
ظاہر میں پختن کی محبت میں دم بھریں  
عبداللہ بن سبا جو یہودی تھا بد گھر  
لعنت پر جبکی ٹھہرے ہے بنیاد آن کے  
صدیقہؑ جن کی شان میں نازل ہو طیبات  
کچھ بھی لحاظ ننگ علیؑ نہیں  
مرثیہ کو کتاب الہی سمجھتے ہیں  
بولیں کھپاچ خانہ کو سب خانہ امام  
صد ہا بنائے شاہِ نجف اور کمر بلا  
ہر سال تعزیر یہ بنا کر کے روسیاہ  
کہتے پھرے ہیں شہر کے کوچوں میں بھلا  
اللہؑ سے یہ حب علیؑ اور یہ گھنت گو  
باغِ فدک کے باب میں ناگھنتی کہیں

لرزاں ہے مثل بید کہ میت کا ہے مکان  
ملاح جن کا آپ ہی رب دو جہاں  
مضمونِ انما اُسے کرتا ہے خود عیاں  
شیعوں کا حال نظم میں کرتا ہوں کچھ بیان  
ہیں محض بے وجود کچھ ان کا نہیں نشان  
بے اہل ہے سمجھتے نہیں ہر وہ بنگان  
دھبہ لگائیں ہائے تقیہ کا ناگہاں  
ازراہ ظلم حضرت صدیقؑ نے میاں  
عثمانؑ ذی حیا کا بھی ایسا یہ بیان  
ٹپکے ہے اس کلام سے جو کچھ ہے عوستان  
باطن میں سو طرح کی عداوت لکھیں ہناں  
ہر واسی کے ہیں یہ بھی خور و اور کلاں  
چھوڑو محب آلِ نبی ہوں بھلا کہاں  
یہ ان کا منہ جو ان کو کہیں کچھ خدا کی شان  
دامادِ مصنیؑ کو کہیں میر خاستاں  
قرآن کو بتاتے ہیں پندرت کی پوتھیا  
مسجد کو گاؤ خانہ سمجھتے ہیں بد زبان  
لکھا بنائیں گور شہِ فخرِ خاندان  
روحِ یزید و شمر کو کرتے ہیں شادمان  
قیدِ یزید میں ہوا حضرت کا خاندان  
پردہ میں دوستی کے کریں دشمنی عیاں  
لا لوث وہ سنتے نہیں ہیں جگوشِ جان



جو جو کہیں ہیں غلام زہرا کی شان میں  
متو کا ایک بہانہ عجیب ہاتھ آگیا  
وہ ان کے مجتہد تھے کہ جن کے قیاس سے  
مومن وہی ہے جو کہے اصحاب کو بُرا  
سمجھائے کوئی لاکھ پر یہ مانتے نہیں  
میں چند اعتراض قدیمی گھڑے ہوئے  
علماء دیندار بھی دے کر انہیں جواب  
ہے شیخ احمد ایک جوان دیوبندی  
دیکھا جو ان کو مولوی یعقوب نے تمام  
دندان شکن جواب لکھوائے کاکل تک  
پھر وہ سوال مولوی صاحب کے بلند تر  
لکھ کر جواب مولوی قاسم نے فی البدیہہ  
عبداللہ مولوی نے بھی ان کا لکھا جواب  
وہ سب جواب مسجد جامع میں الغرض  
شبابش و آفریں کی صد چار سو ہوئی  
پھر وہ جواب بھیجے گئے جبکہ لکھنؤ  
تاریخ کا جو فکر تھا عبداللطیف کو  
کس فکر میں ہے دیکھ لے حال لکھنؤ

### ایضاً منہ

پہٹ جائے زمین قریب گرجائے آسمان  
مصرف سہ زمانہ میں ہر ایک پر اور جوان  
جاری ہو جہان میں ایک فعل لوطیاں  
میں نے سنا ہے بار بار یہ قول شیعاں  
سنتے نہیں کسی کی حدیث ہوے یا قرآن  
کرتے ہیں بار بار وہی پیش موناں  
تردید میں ہیں مذہب باطل کے جاوہر  
بیٹھے تھے مدرسہ میں سوال اس نے ناگہاں  
عبداللہ مولوی کو بلا کر کہا کہ ہاں  
تا آئیں راہ راست پر بدراہ گھڑاں  
ایک خط میں بند کر کے میرے گھر کو بھیج دو  
بیٹھے وہ دیوبندی فی الفور اے میاں  
کس شان و اہتمام سے دو دن کے دریا  
کس لہجہ سے پڑھے گئے پیش شائخاں  
احضت مرجیا کی نڈاسے کھلے دہاں  
ہر مجتہد کی آیا زبان پر کہ الاماں  
ہاتھ نے کان میں کہاں یوں ناگہاں  
چکر میں آ رہا ہے ہر اک مجتہد پہاں

(۱۲۹۰ھ)

جوابات شیعہ بطرز نحو  
ملک گفت رو افوض بگو  
(۱۲۹۱ھ)

بفضل خدا طبع فرمودہ اند  
سن انطباعات چو میخو استم

طبع دوم ۱۳۰۱ھ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ



إِنَّ الَّذِينَ فَتَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا أَنتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

(انعام)

# اجوبہ العین

ردِّ روافض

حصہ دوم

از: حجت الاسلام محمد دین و علوم بانی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب انوار توحید

(۱۲۴۸ھ ————— ۱۲۹۷ھ)

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم نزد گنجینہ کھر گوہر انوار



# پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد حمد و صلوات کے یہ اجوبہ اربعین کا دوسرا حصہ پیش خدمت ہے حضرات شیعہ کی طرف سے جو چالیس سوال حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے تھے ان میں سے اٹھائیس سوالوں کا جواب حصہ اول میں دے دیا گیا باقی ماندہ بارہ سوالات میں سے سات سوالوں کے چار سوال بنائے گئے یعنی سائل نے ایک سوال کی مختلف شعبوں کو علیحدہ علیحدہ سوال بنا کر پیش کیا تو حضرت نانوتویؒ نے ان شعبوں کو ایک ہی سوال کے نیچے جمع کر کے سوال کی ایک ہی تقریر کر دی اور پھر اس کے جواب میں سوال کی ہر شق کا جواب تحریر فرمایا۔ اس حصہ میں نصاب ہر بارہ کی بجائے نو سوال و جواب ہیں لیکن حصہ ہذا کا سوال ۱۲ حقیقت میں تین سوالوں کا جواب ہے جیسا کہ حصہ اول کے سوال ۱۱ کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے خود اشارہ فرمایا ہے اور اسی طرح حصہ ہذا کے سوال ۱۳ کا جواب حقیقت میں دو سوالوں کا جواب ہے اس میں دو سوال (فدک اور وراثت انبیاء) جمع کر کے ایک سوال کر دیا گیا، اور پھر ایک ہی جواب دیا گیا تو سوال ۱۱ کے جواب اصل میں دو سوالوں کا جواب ہے یہ حصہ کافی مشکل اور اذوق ہے۔ خصوصاً سوال ۱۲ کے جواب۔ اس حصہ میں مستند فدک وراثت، مستند حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحنہ کئی اہم مسائل اور دقیق علمی نکات حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمائے ہیں جو صرف پڑھنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ان چار جوابوں کے بعد پانچ جواب گذشتہ سوالوں کے ہیں۔ ان کا انداز بیان نسبتاً کافی آسان اور عام فہم ہے۔ اس حصہ میں عزائمات اصل میں مولانا مسر محمد صاحب نے قائم کئے ان کی تصحیح مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور فیصل نوجوان مولوی محمد اشرف نے کی اور مفتی صاحب اور مولوی محمد اشرف کی خواندگی کے بعد احقر عبد الحمید سواتی نے بھی اس کی ریڈنگ کی ہے۔ حوالوں کی تلاش اور عبادت کی مددگی میں مولوی محمد اشرف نے بہت کادوش اور محنت کی ہے بعض حواشی لگائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور اخلاص میں برکت عطا فرمائے۔

اب اجوبہ اربعین کے بارے میں یہ کتاب جانے ہوگا کہ انشاء اللہ یہ کتاب استفادہ کے قابل ہوگئی ہے۔

واللہ علی ما نقول وکیل

احقر  
عبد الحمید سواتی

خادم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ / ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۱ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## (عرض ناشر قدیم ۱۳۹۲ھ)

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم ملك يوم الدين  
والصلوة والسلام على سيد المرسلين وآله وذريته وصحبه اجمعين

اما بعد !

طالب نجات محمد حیات عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب لا جواب دوسرا حصہ اجوبہ اربعین کا  
ہے پہلے حصہ میں اٹھائیس سوال مع جواب چھپے ہیں اب باقی ماندہ بارہ سوالات اہل تشیع کے  
جوابات جو خاص ریختہ قلم صواب رقم فاضل بے نظیر علم عزیز فاقم المحققین سلطان المدققین نجات الاکامہ  
جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ہیں اس حصہ میں طبع ہوئے اب یہ کل سوالات بھی  
اور جوابات بھی چالیس چالیس پورے ہو گئے۔

(مولانا نانوتوی کا تبحر علمی)

مگر افسوس کہ اس نالائق کی جی کی جی میں رہی اور جو جی میں نہ تھی وہ بے ساختہ زبان قلم سے  
نکل گئی یعنی اس کتاب کا دیباچہ میری طرف سے لکھا گیا تو بے اختیار جی میں آیا بلکہ فرض واجب  
تھا کہ میں کچھ ذکر خیر جناب مولانا ممدوح سلطان الاذکیاء امام الاتقیاء امیر الفقراء تحریر العلماء کا بھی لکھوں  
اور اس فرصت و مدت قلیل میں اور ان کے قلم برداشتہ تحریر مستنیر کی کچھ تحریریت واقعی اور توصیف  
حقیقی بلا مبالغہ بیان کروں مگر اول تو مجھ میں نہ قوت بیانی نہ طاقت لسانی نہ چنداں معنی فہمی سخندانہ  
پھر کس حوصلہ پر نصحا سے ہمدستانی۔ دوسرے اگر کچھ سنے سنائے سیکھے اڑائے سڑ پڑ خاک بدتر دوچار



حرف شاید کچھ بھی سکتا تو اس اندیشہ نے ہاتھ روکا کہ مبادا صرف ان منہ فرسات کے ہی جوابات  
 کہنے میں کوئی جناب ممدوح کی تعریف کا حصر سمجھ لے یا خدا نخواستہ ان جوابات کی غفلت پر سوالات  
 کی متانت اور سائل کی لیاقت پر بھی کسی قدر احتمال کرے اس لیے میری زبان تو دلی تمنا کے ادا  
 سے عاجز و قاصر رہی مگر ہاں قلم بے ہودہ رقم سے بہ نسبت سوالات کے نفرین کی جگہ بے ساختہ  
 آفرین نکل گئی کیونکہ اگر اہل شیعہ یہ زہر نہ اگلتے تو مولانا کی قلم سے یہ مضامین تریاقِ فاروقی کیسے نکلتے اگر  
 یہ لوگ محرک نہ ہوتے تو مولانا ممدوح اہل تسنن کی بے علمی پر رحم فرما کے اپنے احباب کے اصرار سے کیوں  
 اپنے اوقات قدسیہ کو اس طرف ضائع کرتے اور پھر کس ذریعہ و وسیلہ سے یہ جوابات و مذاکرے ممکن  
 اور جوابات سخن آویزہ گوش ہوتے اس ظلمات میں تو ہم کو آبِ حیات ملا ہے شجرۃ الایمان کے  
 سرسبز و نشوونما ہونے کے لیے یہ عمدہ کھات ملا ہے۔ اسی کیس نے تو مولانا کے شمشیرِ قلم  
 کے جوہر دکھائے ہیں۔ اس خاک نے تو آئینہ قلوب کے زنگ مٹائے ہیں۔ اللہ۔ اللہ۔ ع

یہ لعل بے ہما پائے ہیں ہم نے کوٹے کرکٹ میں

اب ان سوالات کی رکاکت اور ان کے جوابات کی وجہ تخریب کی نسبت جو جناب مولانا  
 لکھتے ہیں وہ دو تین سطریں بھی ہم بلفظہ سوال و جواب سے پہلے لکھ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر  
 چند تحریر سوالات سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم الیہا آشکارا ہے جیسے کالے توڑے میں  
 سے چاند مگر بائیں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا ہے اور یوں سمجھ کر کہ "جواب  
 جاہلان باشد غموشی" اگر ایسے خرافات کے جواب میں سکوت کیا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور  
 بھی جرات ہوتی جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے مختصر مختصر جواب  
 سوالات مرقوم ہیں وباللہ التوفیق۔

### سوال اول از جانب شیعہ

سنی کہتے ہیں کہ یہ شیعہ گمراہی کس سے ایجاد ہوئی فقط ایران سے نکاس اس فرقہ کا ہے  
 یہ پاپے ایران والے تعزیر نہیں بناتے البتہ اور طرح کی بدعت قبیحہ کرتے ہیں سوائے اللہ  
 تعالیٰ بیوم الحساب معلوم ہو گا۔ آدمی کو چاہیے کہ جس میں دخل نہ ہو اس میں داخل نہ دے۔  
 سنیوں کو معلوم نہیں کہ شیعہ کسے کہتے ہیں اور سنی کسے۔ آخر اس کہانی کو کسی کتاب سے کتنا تھا



جب کہ سنی کے کلام سے معلوم ہوا کہ شیعہ ایران سے ہوئے تو ضرور سنی مسلمانوں نے حضرت  
 امام حسینؑ کو فوج اور مالک حسنؑ کو زہر دیا پھر یزید ہونے سے کیوں برا مانتے ہیں۔  
 واضح ہو کہ شیعہ اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام  
 کو جانشین حضرت کا جانے اور سنی اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیخینؑ و  
 جناب امیر و معاویہ و یزید و عبد الملک و ولید و ہشام و سیمان و ولید بن یزید کو اعمق و کریں چنانچہ  
 تصریح کی اسکی ابن حجر مکی نے صواعق محرقة میں ص ۱۵ اور ابن حجر عسقلانی نے و ملا علی قاری شارح فقہ  
 اکبر و قاضی عیاض وغیرہم نے کی ہے۔

## جواب (سوال) اول

(ہندوستان میں شیعیت ایران کی بدولت پہنچی)

اجی صاحب آتنا کیوں برا مانتے ہو اور مذہب شیعہ کے ایران سے نکلنے سے ایسا کیوں  
 کانوں پر ہاتھ دھرتے ہو سنیوں کا یہ مطلب نہیں جو آپ سمجھ لے یہ فرقہ یوں تو بہت دنوں سے کار  
 فرمائے بدعت و فساد ہے ہاں ہندوستان میں یہ بدعت البتہ ایران ہی کی بدولت پہنچی ہے  
 نہ ہمایوں اور بادشاہان ایران کے باہم یہ ربط و اتحاد ہونا نہ دلائل کے امرار علماء یہاں آکر سادہ لوحان  
 ہندوستان کو گمراہ کرتے بالکلہ ہندوستان میں یہ فساد ایرانیوں ہی کے طفیل پھیلا ہے۔ ورنہ یہ فرقہ  
 یوں تو قدیم سے چھپا چھپا یا چلا آتا تھا۔

(شیعہ کی بدعہدی و مظالم)

اور انہی صاحبوں نے جگر گوشہ سیدۃ النساء رضى اللہ عنہا حضرت شہید کربلا رضى اللہ عنہ  
 کو شہید کیا تفصیل اس بات کی مطلوب ہے تو کان دھریئے اور سنئے کوفیان باوفا جنوں نے  
 سالہا سال داو شیعہ گری دی تھی پھر حضرت مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے پھر گئے اور  
 میدان کربلا میں آکر خون شہیدان اہل بیت علیہم السلام سے ۱۰ دشت کربلا کو رنگین کیا۔  
 کوئی صاحب حضرات شیعہ سے پوچھے یہ کون تھے اور کس کے مرید تھے حضرت امیر رضى اللہ عنہ  
 رونق افروز کوفہ ہے یا حضرات اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں یہی مدعیان محبت تھے۔



جنہوں نے دعوتِ تشیع کر کے انجام کار یہ وفائی کی یا اور کوئی؟ بالجلہ حضرت امیرِ مومنین علیؓ کی کتاب میں ہمیشہ یہی مدعیانِ دروغ ہے جن کی مداخلت کے باعث دوستانِ بااخلاص کو رسائی نہ ہونے پائی۔ الغرض یہی باوقایانِ بے وفا حضرات ائمہ رحمہم اللہ کو ہمیشہ دھوکہ دیتے ہیں۔ حضرت امیرِ علیہ السلام کی شکست کا باعث یہی ہوئے اور حضرت مسلم کو اسنوں ہی نے شہید کر دیا حضرت سید الشہداءؓ کو شہید کر بلا کی جان نازنین پر اسنی کی تیغ ستم چلی حضرت زید شہید صاحبِ جزا وہ حضرت سجادؓ اسنی بزرگواروں کے بھروسے جان بحق ہوئے۔ سنی بیچائے تمہارے گمان کے موافق مسکن ساتھ ہوئے تھے؟ سچ یوں ہے حضراتِ شیعہ، ناسبانِ یزید و ثمر اور کاہنِ داذان عبداللہ بن زیاد ہیں۔ زمانہ کے گزر جانے سے ناچار ہیں ورنہ جو کچھ کرتے حضرت امم ہی کے ساتھ کرتے۔

۱۔ ملا محمد باقر مجلسی کہتے ہیں: شیخ منیدہ وغیرہ نے ہندوئے معتبر روایت کی ہے کہ جب حضرت علیؓ نے لوگوں سے بیعت کی اس وقت عبداللہ بن عجم دی بھی آپ کی بیعت کرنے آیا جناب امیرؓ نے اس کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ وہ تین مرتبہ آپ کی خدمت میں آیا اور تیسری دفعہ جناب امیرؓ سے بیعت کی جب وہ پٹا جناب امیرؓ نے دوبارہ اس کو بلایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا اور اس سے پختہ وعدہ لیا، وجہ العیون مستحکم ۱/۲۸۲

عبداللہ بن زیاد بھی حضرت علیؓ کے ساتھ رہا ملا صاحب کہتے ہیں: ہم حادیہ نے زیاد کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا چونکہ وہ شیعوں کو پہچانتا تھا اور ایک مدت تک جناب امیرؓ کے ہمراہ رہا تھا۔ (ایضاً ص ۴۲)

قاتلانِ جگر گوشہ رسول حضرت ام حسینؓ کو کون لوگ تھے شیعہ کا اپنا الت سرار ملاحظہ ہو: پھر بیس ہزار اہل عراق نے ام حسینؓ سے بیعت کی اور جنہوں نے ام حسینؓ سے بیعت کی تھی خود اسنوں نے ام حسینؓ کے مقابل میں شمشیر کھینچی اور ابھی بیعت ام حسینؓ ان کی گردنوں پر تھی کہ ام حسینؓ کو شہید کر دیا اس کے بعد ہمیشہ اہل بیت پر ستم کے ہم کو ذلیل کیا۔ (ایضاً ص ۴۲)

قاتلانِ امام حسنؓ کی مذہبی شیعہ کا اپنا اقرار جب امام حسنؓ کو مدائن میں خنجر مارا زید بن وہب جہنی امام حسنؓ کی خدمت میں آیا اس وقت آپ دروالم کی حالت میں تھے۔ زید نے کہا یا بن رسول اللہ کیا مصیبت ہے تحقیق کہ لوگ اس کام میں متحیر ہیں حضرت نے فرمایا قسم بخدا اس جماعت سے میرے لیے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں اور میرے قتل کا ارادہ کیا اور میرا مال لوٹ لیا۔ (ایضاً ص ۴۱) دیکھو حضرت نافوتویؒ نے ہی نہیں کہا بلکہ حضرت امام حسنؓ نے اپنا تجربہ بھی ان لوگوں کے بارے میں ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔ ۱۲ (محمد اشرف۔)



ناچاری ان کے مقبرہ کی تصویر اور ان کے ہمراہیوں کی نعشوں کی خبر لیتے ہیں ڈھول بجاتے ہیں علم اٹھاتے ہیں شدائی دکھلاتے ہیں یہ کام اس روز کس نے کئے تھے۔ مشے منونہ خنزوارے۔

قیاس کُن زگلستان من بہار مرا

(اہل سنت حق چار یا س کے قائل ہیں)

اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چار یا س کو بہتر ترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد (موجود علی منہاج النبوة) اعتقاد کرتے ہیں پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کوفیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد (موجود) نہیں سمجھتا۔ ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے۔ دروغے راجز اب راشد دروغے۔

اس لیے یہ عرض ہے کہ حضرات شیعہ البتہ ان بزرگواروں کو امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں ورنہ یوں ان کا اتباع نہ کرنے کہ حضرت امام ہاتھ نہ لگے تو ان کے روضہ کے بانس جدا کر ڈالے اور حضرت قاسم پر بس نہ چلا تو ان کی نعش پر تیر چل کر دل کے پھپھوٹے پھوٹے۔ مرثیے گائے اور شادیانے بجا کئے باقی جو آپ ابن حجر مکی اور ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری اور قاضی عیاض کا حوالہ دیتے ہیں یہ آپ کا قصور نہیں یہ آپ کے مذہب کی خوبی ہے تقیہ کی کڑ میں جہاں خدائے تعالیٰ اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سینکڑوں طوفان باندھے خدا والوں اور رسول والوں پر بھی ایک تہمت لگاتے چلے تو کیا بچا گیا۔ اجماعی صاحب اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے خلیفہ راشد نہیں سمجھتے اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں ملے۔

لے امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤ فرماتے ہیں۔

”درجہ اول۔ خلافت راشدہ خاصہ جس کو خلافت علی منہاج النبوت بھی کہتے ہیں۔ یہ درجہ خلافت سوا ان لوگوں کے جو مہاجرین اولین میں سے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہیر خیر مثل بدر واحد و حدیبیہ و تبوک وغیرہ کے شریک رہے ہوں اور آیات الہی کے وعدوں کے موجود امام ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عالی مرتبہ اور حق خلافت ہونیا فرمایا ہے اور ان کا خلیفہ بنانا امت پر لازم کر دیا ہے اور دین الہی کی تکمیل ان کے ہاتھ سے ہوئی ہو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے اور علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ درجہ خلافت کا باقی ص ۱۸۲



(مُلک اور مُلک کا لفظ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اور نبی علیہ السلام کے لیے بھی آیا ہے)  
حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں وَشَدَدُنَا مُلْکَهُ دُجَم نے ان کی حکومت کو مضبوط کیا اور حضرت  
سیمان علیہ السلام کی شان میں وَهَبَ لِي مُلْکًا کَلَام (اے رب مجھے بادشاہی دے) وارد ہوا ہے۔

بقیہ حاشیہ : حضرت ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا اور انہی پر ختم ہو گیا ان تینوں خلافتوں میں نبوت کا رنگ اس قدر غالب  
تھا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر دھیسٹے ہیں اور یہ تینوں خلیفہ مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہیں آپ جس طرح  
چاہتے ہیں ان لکڑیوں کو حرکت دیتے ہیں اور جو کام چاہتے ہیں ان سے لیتے ہیں یہ تینوں خلیفہ مثل حجرِ سرفراز کے ہیں۔  
کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آواز بھری ہوئی ہے جو آواز ان سے نکل رہی ہے ان کی آواز سنیں  
بلکہ سرورِ انبیاء کی آواز ہے ان تینوں خلافتوں میں بھی شیخین کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے۔ درجہ دوم خلافت راشدہ  
مطلقہ پہ درجہ خلافت کا گو پیٹے درجہ سے درجہ میں کم ہے مگر پھر بھی اس کی شان نہایت ارفع ہے آسمان نسبت پرورشِ کفرو  
در زلزل عالی ست پیش خاک۔ یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لیے ہے جن کا متعلق خلافت ہو جیسا کہ فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم نے بیان فرمایا ہو مگر است پر ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا ہو۔ یہ درجہ عالی خلافت کا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الشریف  
کو حاصل تھا اور چھریٹے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا اور ان پر ختم ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا  
کہ میرے بعد خلافت تین سب سے ہے اس سے مراد یہی دونوں قسمیں ہیں خلافت کی قسم سوم۔ خلافت عادلہ یہ درجہ  
پیٹے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے اور اس وجہ کے حامل ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع شرائط  
ہو اور مقصد خلافت اس سے فوت نہ ہوتے ہوں اس کی ضرورت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا  
استحقاق خلافت بیان فرمایا ہو حضرت معاویہ کی خلافت اسی قسم میں داخل ہے اس قسم میں بعض خلافتیں ایسی کامل  
ہوتی ہیں کہ بوجہ خلافت راشدہ کا ہر رنگ ہونے کے بعض علماء نے ان کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے۔ جیسے حضرت  
عمر بن عبد العزیز کی خلافت اس خلافت کا سلسلہ باقی ہے۔ قسم چہارم۔ خلافت ناقصہ یا خلافت عامہ۔ یہ درجہ بالکل ہزبرنگ  
بادشاہت و سلطنت ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام شرائط خلافت کے جامع نہ ہوں صرف  
بڑی بڑی شرطیں مثلاً اسلام و عقل و بلوغ و ذکوریت و حریت وغیرہ ان میں پائی جاتی ہوں بعض خلفائے امیر و اکثر خلفائے عباسیہ یہ قسم میں داخل  
ہیں۔ تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء مقصد اول ملاحظہ فرمائیں ۱۲ و مقدر تفسیر آیات خلافت صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲



بلکہ خود آپ خداوند کریم اپنی شان میں **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** الشُّمُوسُ اور **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ فرماتا ہے پر اس لفظ سے کسی خوش فہم نے یہ نہ سمجھا کہ جناب باری اور یہ دونوں نبی علیہما السلام بھی ایسے ہی تھے جیسے اور ملک والے مثل فرود شداد اور فرعون کے گز سے ہیں یا بادشاہان مذکور فقط بوجہ ملک داری خدا اور انبیاء مذکورین کے برابر ہو گئے۔ یہ خوش فہمی البتہ شیعہ حضرات پر ختم ہوئی اور لفظ ملک کو جو میم کے پیش کے ساتھ ہے، کچھ چنداں مفید مطلب اہل سنت نہیں سمجھتے تو کلام اللہ ہی میں الملک (بادشاہ) لام کے زیر اور میم کے پیش کے ساتھ فرماتے ہیں اگر کلام اللہ یاد نہ ہو اور کیوں ہوگا تو اٹھائیسویں پارہ میں سورہ حشر کا مطالعہ فرمائیں۔ اور یہ فرماویں کہ لفظ ملک جو میم کی زیر اور لام کی زیر سے ہے کیا معنی ہیں؟ بادشاہ کو کہتے ہیں یا کچھ اور معنی ہیں۔ اگر حضرات شیعہ اس بات کو تسلیم کریں کہ لفظ مذکور معنی بادشاہ ہے اور بادشاہ سب ایک رنگ کے ہوتے ہیں۔ خواہ یوں کہو کہ بادشاہان مذکور خدا کی سی شان رکھتے ہیں، یا خداوند کریم معاذ اللہ ان کا ہم رنگ تھا تو اہل سنت والجماعت کی طرف سے ہم ذمہ کش ہیں کہ ہم بھی جس کو خلیفہ کہا کرتے ہیں اس سے خلیفہ راشد مراد لیا کرتے ہیں۔

اور اگر حضرات شیعہ اس بات میں تین پانچ دین تو بڑی ستم کی بات ہے کہ اہل سنت پر صفت الزام لگاتے ہیں اور آپ نہیں شرکائے، اجماع حضرت! اہل سنت کو سب کو خلیفہ کہیں پر (موعود) خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یا رہی کو سمجھتے ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف الرشید اس کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو ورنہ یا تو ناخلف ہے یا کوئی صفت بجلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے، سو خلیفہ راشد تو چار یا رہی اور یزید، ولید، عبد الملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

(حضرت امیر معاویہ و حضرت امیر معاویہ کا معاملہ حضرت ہارون مومنی علیہما السلام جیسا تھا)

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ خلف ہیں۔ ہاں فضیلت نے آج بادشاہی کس کی ہے صرف ایک خدائے زبردست کی۔ بلکہ حضرت امیر معاویہ کا ولید و یزید سے الگ ذکر حضرت ہارون مومنی کے ہاں علیہ عادل لائق ہر گز محبت کا کہ آپ سابق و سابقین کے مقرر چار یا رہ کی طرح راشد اور موعودہ خلیفہ نہ تھے مگر بعد والوں کی طرح جائز اور نا لائق مجتہدین بھی تھے اس قلم سیاق و سباق کا نتیجہ سمجھنا چاہیے اور حضرت معاویہ کے حق میں یا موافق کے حق میں بدگمانی ہرگز نہ رکھنی چاہیے۔ صحیح ۱۲ مہر



صحبت اور بزرگی صحابیت اور انوۃ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی اور اس لیے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے۔ کیونکہ خداوند کریم تمام صحابہ کی نسبت فرماتا ہے یَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جِسْمٌ كَاحْصَلٍ يَرَىٰ سَبْعَ كَرْمٍ لِّمَنْ فِيهَا ثَمَرٌ يَوْمَئِذٍ مَّوَدَّةُ اللَّهِ الَّذِينَ اتَّوَعَّدَ لَهُمُ الْغُيُوبُ فَالَّذِينَ لَا يَجِدُوا فِي اللَّهِ غَايَةً فَهُمْ فِي اللَّهِ مَوَدَّةٌ فَذَلِكَ اللَّهُ يَتُخَذُ الْأَوْلِيَاءَ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام امیر معاویہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اگر باہم کچھ منازعہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ اور خضر میں یہ جب گڑے قینے ہوئے۔ یہ سب قصے کلام اللہ میں مذکور ہیں انکار کی گنجائش نہیں ورنہ اے حضرات شیعہ خوف کھڑے ہے پھر بھی کو بزرگ سمجھنا لازم ہے۔ مناقشات صحابہؓ نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں نہ حدیث میں ذکر ہے تاریخوں میں ان افانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخ کا اعتبار ہے حضرت موسیٰ وغیرہ کو باوجود مناقشات معلوم ہوا نہیں کہتے اگر ایسا ہی ان حضرات کو کچھ نہ کہو تو کیا پیٹ پھول جائے گا کلام اللہ کے مخالف نہیں حدیث کے منافی نہیں کہہ سکتے تو موافق ہے۔

بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کو کہہ دیا کرتے ہیں اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدعاش بیٹھ جائے۔ تو اس کو جانشین تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلتے گی۔ ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد یہ تو چار بار اور پانچویں پانچ چھ بیسٹے کے لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے دوسرے خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں یزید اور عبد الملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں ہاں عمر بن عبد العزیز البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ فقط

(شیعہ کے منافی اسلام خصائص)

باقی رہی یہ بحث کہ شیعہ کے کہتے ہیں اور سنی کے کہتے ہیں سو اس سے ہمیں کیا بحث؟ پر بات میں بات آگئی تو ہم بھی تفصیل وار نہیں تو بالا جہاں ہی اس امر میں کوئی چٹھلا سنا کے چلیں۔



صاحبو! شیعہ اتنی ہی باتوں سے نہیں ہو جاتا شیعہ ہونے کے لیے بڑے بڑے سامانوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت علیؓ اور باقی ائمہ اطہار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین سمجھے دوں کہ یہ کہ ان کی نسبت نزول وحی کا بھی اعتقاد رکھتے تیسری یہ کہ ان حضرات کو دربارہ نسخ احکام مختار سمجھے جو سمجھنے والے اب سمجھ گئے ہوں گے کہ اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بالکل بے معنی ہو جائے گا کیونکہ حضرات ائمہ جب دربارہ تحریم و تحلیل احکام خود مختار ہوئے چنانچہ یحلوں مایشادون و یحرمون مایشادون جو کتاب نوادر میں اسی بارہ میں موجود ہے اس مطلب کے لیے دلیل قاطعہ ہے تو ان کی نبوت میں حالت منتظرہ ہی کیا باقی رہ گئی گو اطلاق اسم نبی ان پر نہ کیا جاوے اور در صورت ثبوت نبوت حضرات ائمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاقیت کا ابطال ان ایسا ظاہر و باہر ہے کہ کوئی کور باطن ہی انکار کرے تو کرے بلکہ اگر فہم سلیم ہو تو جملہ یحلوں مایشادون و یحرمون مایشادون سے فقط انکار خاقیت ہی نہیں نکلتا اس انکار کے ساتھ حضرات ائمہ کا جملہ ابیاء سے افضل و اعلیٰ ہونا بھی مفہوم ہوتا ہے ان تینوں باتوں کے سوا دواور بھی شیعہ بننے کے لیے ضروری ہیں بلکہ اگر ان کو اصل اصول مذہب تشیع کہا جائے تو مناسب ہے۔

اول بدا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم نعوذ باللہ نا عاقبت اندیش اور عواقب امور سے جاہل محض ہے۔ دوسرے تقیہ جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات ابیاء و ائمہ تو ہمت اور انکار کے بھروسے ہم رنگ کفار و فئاق بنے ہیں اور بوجہ خوف اعداء ہیئتہ و ضروریات دین کو چھپاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

کافی کلینی میں اس کے علاوہ اس عجیب تر یہ بھی ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مقابلیں حضرت علیؓ کی شریعت کے قائل ان کو حضرت کا ہم مرتبہ اور واجب الاتباع مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو "امام ابو عبد اللہ فرماتے جو شریعت علیؓ لائے ہیں میں دہانتا ہوں جن باتوں سے وہ روکیں رکنا ہوں ہوں ان کو وہی شان ملی ہے جو محمدؐ کو ملی ہے اور محمدؐ کی فضیلت تمام مخلوق النبی و بحر ملی ہے۔ آپ پر حضرت خدا اور رسول پر عرض ہے کسی چھوٹی بڑی چیز میں آپ پر تخیل کرنے والا مشرک باللہ کی طرح ہے امیر المؤمنین وہ دروازہ میں کہ صرف ان سے اسلام میں داخل ہوتا ہے یہ وہ واحد راستہ ہے کہ جو سے چھوڑ کر چلا وہ ہلاک ہو گیا اور یہی شان و مرتبہ کے بعد دیگرے باقی ائمہ بھی رکھتے ہیں۔



(شیعہ اکثر اہل بیت کے منکر ہیں)

ان شروط کے بعد ایک شرط شیعہ ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ چند حضرات اہل بیت کی محبت کا براہ نام دعویٰ کر کے باقی جملہ حضرات اہل بیت کو کلمات گستاخانہ مثل کافر و فاسق و خالد فی النار کے ساتھ یا دیکھا جادے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ شیعہ بہ نسبت ازواج و مطہرات عموماً اور بہ نسبت حضرت عائشہ صدیقہ محبوبہ خاص حضرت خاتم النبیین خصوصاً کیا ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ باوجودیکہ ازواج و مطہرات کا اہل بیت میں داخل ہونا شرعاً و عرفاً و عقلاً ظاہر و باہر ہے اس کے سوا حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو بخلاف جملہ علماء سنت و اہل تاریخ بلکہ خلاف احادیث و اشارات قرآنی جناب ختمی مآب کی صاحبزادیوں میں ہی نہیں کہتے اور نسب سے ہی خارج کیے دیتے ہیں۔

(شیعہ کلمہ کی اولاد کو بدترین جانتے ہیں)

علاوہ ازیں زید بن علی بن حسین اور ان کے بیٹے یحییٰ بن زید کو دشمن سمجھتے ہیں۔ جعفر بن موسیٰ کاظم (اور جعفر بن ثقی برادر حسن عسکری) کو مفت کذاب کہہا ہے جس بن حسن المثنیٰ وغیرہ کو کافر و مرتد و خالد فی النار جانتے ہیں اس کے سوا اور عقائد و خصائص مذہب شیعہ کو اس پر قیاس کر لینا چاہیے۔ قیاس کُن زنگھتان شان بہار شان۔ پھر باوجود ان ظلمتوں اور گستاخیوں کے جو شیعہ حضرات اہل بیت کی شان میں کرتے ہیں اگر کوئی شیعہ محبت اہل بیت کا بغرض محال دعوئے کرے وہ جھوٹا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مذہب حضرت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم علیہ علیہ آلہ اجمعین کا تعلیم کردہ ہو ورنہ آپ ہی کی اولاد کو کیوں قتل کرتے۔

(مذہب شیعہ کا بانی یہودی تھا)

ہاں یوں کہیے کہ آپ کے پیشوا عبد اللہ بن سبا یہودی نے اس مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اول

ذکر بعض اہل العلم ان عبد اللہ بن سبا کان یہودیاً فاسلم ووالی علیاً علیہ السلام وکان یقول وهو علی یہودیۃ فی یوسع بن یوسف وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفاتہ

بعض اہل علم نے بیان فرمایا ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا پھر وہ سلمان ہو گیا اور اس نے علی علیہ السلام کے دستار لیا اور یہ یہودیت کی حالت میں فلو کے ساتھ یوسع بن یوسف کو نبی علیہ السلام کا وصی کہتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



اول تو یہ لوگ یونہی چھپے کے رہے اور جیسے خوارج اور معتزلہ وغیرہ فرقہ ہائے باطلہ گئے چنے تھے یہ بھی دس دس پانچ پانچ کہیں ہوتے تھے۔ پھر جب اتفاق سے سلاطین ایران نے یہ مذہب قبول کیا تب البتہ اس مذہب کو کھسی قدر فروغ ہونا شروع ہوا مگر پھر بھی مجدد اللہ ایران میں بھی اہلسنت بہت ہیں اور کیوں نہ ہوتے وہ ملک کس کا فتح کیا ہوا ہے مع ہذا یہ فروغ اہل سنت کے فروغ کے سامنے ایسا ہے جیسے آفتاب کے سامنے کرم شب تاب (جگنو) کا فروغ۔ اب فرمائیے آپ کو یہ کہنا مناسب یا ہم کو کہ انشاء اللہ یوم الحجۃ میں معلوم ہو جائے گا۔ آدمی کو چاہیے کہ جس بات میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ لے اپنے قصور کو اہل سنت کے ذمہ لگاتے ہو اور خدا سے نہیں شرماتے اہل کو ذمہ سب شیعہ تھے ہاں یزید اور عبداللہ بن زیاد کو اگر یوں کہو کہ وہ شیعہ نہ تھے تو بجا ہے مگر ان کو سنی ہی گمان کہتا ہے وہ نہ سنی تھے نہ شیعہ تھے ناصبی تھے۔ بہر حال آدمی کو چاہیے جس بات میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ لے مگر ہاں ایک حساب اپنے بھی سچ فرمایا بیشک اس مذہب فاسد کی جزا روز قیامت ملے گی۔

سوال دوم از جانب شیعہ (شیعہ کے نزدیک خلافت اجماع سے ثابت نہیں ہو سکتی)  
سبئی کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت کے ابو جبر امام اور بعد ان کے عمر امام تھے سو واضح ہو کہ بعد مرتبہ نبوت کے مرتبہ خلافت اور امامت کا ہے جس طرح خلافت اپنی طرف سے رسول اور نبی

### بقیہ حاشیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فی علیہ  
السلام مثل ذلک وکان اول من اشهد القتل  
بفرض امامۃ علی واطهر البراءۃ من اعدائہ و  
کاشف مخالفیہ واکفرہم فمن  
ہمنا قال من خالف الشیعۃ اضر  
التشیع ماخوذ من الیہودیت۔  
کی وفات کے بعد اپنے اسلام کے نام میں حضرت علی علیہ السلام کے بارے  
میں یہی ایسا ہی کہنا ایران یا پہلا شخص ہے جس نے  
امامت علی کے فرض ہونے کو مشہور کیا اور ان کے  
دشمنوں پر تبر کیا اور ان کے مخالفوں سے کھٹل کھیل  
اور ان کو کافر کہا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالف کہتے  
ہیں شیعت کی بنیاد یہودیت سے ماخوذ ہے۔

(رجال کشی ص ۱۰ طبع کربلا ۱۲ محمد شرف)







# جواب سوال دوم

(امامت و خلافت کا نبوت پر قیاس مع الفارق ہے)

اس سوال میں تو آپ نے اپنے گمان میں آسمان کے تارے توڑ لیے اور ایسی دھنکی لی (گھٹیا بات کی) کہ خدا کی پناہ۔ مگر صنعت قیاس مع الفارق تو کوئی آپ سے سیکھ جائے۔

فرماتے ہیں کہ بعد مرتبہ نبوت کے خلافت و امامت کا مرتبہ ہے جس طرح خلقت اپنی طرف سے رسول نبی نہیں بنا سکتی اسی طرح امام و خلیفہ بھی نہیں بنا سکتی۔ خدا خیر کرے شاید اسی قیاس کے موافق حضرات شیعہ یہ بھی کہنے لگیں کہ خلیفہ نبی بھی نبی اور رسول بھی ہوتا چاہیے اور انصاف سے دیکھئے تو یہ کام ہی آپ کر چکے کیونکہ حضرات ائمہ کو دربارہ نسخ و تبدیل احکام شرعی مجاز و مختار کہنے کے، سوا اس کے اور کیا معنی ہیں کہ حضرات ائمہ کو بھی مرتبہ نبوت حاصل ہے مگر حجاب ختمی مآب کی خاتمیت بلا سے باطل ہو جائے مگر اپنے قیاس فاسد میں ذرا غفل نہ آئے یہاں مدعیان اسلام کے ہوتے کفار و دشمنان دن کو کون پوچھتا ہے شعر ۷

آپچہ بغیضی نظر دوست کرد  
حیف کہ آن دشمن جانی کند

اور کیا عجیب ہے کہ حضرات شیعہ اسی قیاس کے بھروسے دربارہ ناسبان ائمہ مثل قضاۃ وغیرہ اور رفتہ رفتہ مجتہد بننے کے لیے یہی مثل ناسبان انبیاء علیہم السلام معصوم و افضل الناس معصومین چنانچہ ائمہ کے بعد مجتہدین کو ملال و حرام ممانی اور فرض الکا تاق نبوت ہے چکے میں شوق مال محقق شیخ عباس قمی مبنی الکمال ص ۲۲ میں رقمطراز ہیں۔

لایح و واضح است کہ مخالفت حکم مجتہدین کہ حافظان شرع حضرت  
سیلہ سلیمین ائمہ باشرک و دیک درجاست پس ہر کہ مخالفت حکم  
مختم المجتہدین و وارث علوم سیلہ سلیمین و ناسب الائمۃ المعصومین  
کند و در مقام متابعت نباشد بے شائبہ ملعون و مظلوم و دور میں  
آستان ملائک آستین مظلوم است و بایستیا عظیمہ و تادیبات  
یع مع مواخذہ خواہد شد کتبہ طلبا سب بن شاہ اسماعیل معصومی موسوی  
بالکل روشن اور واضح ہے کہ مجتہدین کے حکم کی مخالفت جو حضرت سیلہ سلیمین کی  
شریعت کے مخالفین، شرک کے دہ میں ہے پس جو کوئی ائمہ معصومین کے ناسب علم  
دول کے وارث اور قائم المجتہدین کے حکم کی مخالفت اور انہی تابعہ دی رکھے وہ  
بدشاہ یعنی پھٹکارا اور اس ملائک کے آستان سے دشمنکار ہو جائے بڑی  
سزائیں دی جائیں۔ اور خوب نکتہ گوشمالی کے ساتھ اس کا مواخذہ کیا جائے  
یہ فتویٰ طہا سب بن شاہ اسماعیل معصومی موسوی نے لکھا ہے۔ ۱۲۰



من اللہ ہونے کی شرط لگانے لگیں۔ ادھر حضرت آدم علیہ السلام کا خلیفہ خداوندی ہونا خود کلام اللہ میں موجود۔ اس پر سجد ملائکہ ہونا جو آیات متعدد سے ثابت ہے۔ اس کا مؤید پھر ضرور اسی قیاس کے موافق حضرات شیعہ بہ نسبت حضرت آدم علیہ السلام ضرور معتقد الوہیت و جمیع صفات خداوندی ہوں گے سبحان اللہ قیاس ہو تو ایسا ہو۔

(تقرر امام نص کے بجائے شوریٰ سے بھی ہوتا ہے)

اس کے سوا ہم کہتے ہیں کہ تقرر امام بواسطہ وحی کوئی اور کہے تو کہے شیعہ کس منہ سے کہتے ہیں دیکھئے نبج البلاغہ جو شیعوں کے نزدیک قرآن سے بھی زیادہ معتبر ہے اس میں حضرت امیر اپنی خلافت کی حقیقت کے ثبوت کے لیے بمقابلہ امیر معاویہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں۔

انما الشوری للمہاجرین والانصار فان  
اجتمعوا علی رجل وسموه اماما کان  
یعنی معتبر دربارہ تقرر خلیفہ مہاجرین و انصار کا مشورہ ہے  
سو مہاجرین و انصار جس شخص کو بالاتفاق خلیفہ بنالیں  
ذالک للورضی۔ وہی عند اللہ پسندیدہ ہوگا۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دربارہ ثبوت خلافت کوئی نص صریح موجود تھی تو جناب امیر نے اس کو کس روز کے لیے چھپا رکھا تھا۔ کیا قیامت کو کام آئے گی۔ حالانکہ شوریٰ مہاجرین و انصار میں تو آخر کس قدر مجال گفتگو بھی تھی نص صریح تو ہر کسی کے نزدیک واجب التسلیم ہے اس کو چھپو کر اس کو اختیار کرنا اس پر حجت قاطع ہے کہ حضرت امیر کے پاس دربارہ خلافت کوئی نص موجود نہ تھی ورنہ وفات نبوی کے بعد سے لے کر اجیغ تک کبھی تو ظاہر ہوتی۔ بالجلہ بضرر محال امام کا منصوص من اللہ ہونا کوئی اور ضروری کہے تو کہے مگر شیعہ کو تو بوجہ ارشاد مرقضوی اس کا قائل ہونا درپردہ جناب امیر کے قول کی تکذیب کرنی ہے۔

(خلیفہ خاص کا تقرر نص سے نہیں ہونا چاہیے عقل نقل کا یہی تقاضا ہے)

علاوہ ازیں روایتیں کثرت شیعہ میں اس کی مؤید موجود ہیں بلکہ احادیث مرفوعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ باوجود استفسار جناب رسالت مآب نے بالتحصیل کسی نام لے کر خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔ ہاں یہ پتہ و نشان بطور قواعد کلیہ جو قیامت تک تقرر خلیفہ کا رآمد ہوں بیان فرمائے اور یہی امر قرین عقل بھی ہے۔ کیونکہ خاص خلیفہ کا تقرر جناب



شارع سے ہوتا موجب حرج عظیم ہے۔ جیسا تمام امور شرعیہ میں مثل نکاح و بیع وغیرہ کے شارع نے لازم و شرائط و اسباب جواز و عدم جواز وغیرہ بطور قواعد کلیہ کے بیان فرمائے اور تعین شخصی مکلفین کے ذمہ رکھی گئی ورنہ بہت تنگی اور وقت پیش آتی۔ علیٰ ہذا القیاس تقرر خلیفہ کے لیے بھی علامات و لوازم بیان کئے گئے اور تقرر شخصی مکلفین کے اختیار میں رہا۔ اپنی حاجت و ضرورت کے موافق جب کو مناسب سمجھیں سب دل مل کر اس کو خلیفہ بنا لیں۔

( خلفاء کے ساتھ ولیعہد کا برتاؤ حضورؐ نے فرمایا )

اں اس میں شک نہیں کہ جناب رسالتؐ نے خلفاء اربعہ کے ساتھ عموماً اور شخیں بالخصوص صدیق اکبرؓ کے ساتھ خصوصاً ایسے معاملات کئے اور ان کے ایسے اوصاف بیان فرمائے کہ جن سے ہر آدمی و اعلیٰ کو ان کا خلیفہ اول و نباشین نبوی ہونا ظاہر و باہر ہو گیا تھا یہی وجہ ہے کہ بعد وفات نبوی بلا اختلاف ہر کسی نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی اور خاص حضرات شیعہ کو تو بوجہ نہ ہونے نص صریح کے بے نفع بھی بہت بڑا ہوا کہ اگر دین خلافت صدیق اکبرؓ کوئی نص صریح موجود ہوتی تو سب جانتے ہیں کہ اس کے منکر کا کیا حال ہوتا۔ جواب ہوگا، انشاء اللہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہوتا۔ اور تقریر بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ سائل کا یہ کہنا واپس باتفاق شیعہ و سنی منصب امامت و خلافت واسطے شخیں کے کسی کمیت وحدیث سے ہرگز ثابت نہیں

۱۔ امام اہلسنت مناظر اسلامؒ کا ذکر عبدالشکور لکھنوی فرماتے ہیں۔

۱۱ خلافت کے شارع کی جانب سے منصوص ہونے کے تین معنی ہیں (۱) شارع یہ بیان فرمائے کہ فلاں شخص یا اشخاص میں خلافت کی ریاست موجود ہے یعنی تمام شرائط خلافت کے اس میں پائے جاتے ہیں اگر وہ خلیفہ بنایا جائے گا تو خلافت کے مقاصد اچھی طرح پورے ہوں گے اس معنی کے لحاظ سے تو کافی صحابہ کرامؓ کی خلافت منصوص اچھ خصوصاً مہاجرین کے لیے۔

(۲) یہ کہ قابلیت خلافت کے بیان کر دینے کے علاوہ شارع کی طرف سے ان اشخاص کو خلیفہ بنانا مسلمانوں پر واجب و لازم کر دیا گیا ہو اس معنی کے لحاظ سے حضرات شخیں کی خلافت منصوص ہے۔ (۳) یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا ہو کہ فلاں شخص یا اشخاص کو میں نے اپنا خلیفہ بنا دیا ہے تم لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو اس معنی کے لحاظ سے کسی کی خلافت منصوص نہیں۔ اس مقام پر حضرت تانقوٹی اس تیسرے معنی کے لحاظ سے خلافت صدیقی کے منصوص ہونے کا انکار فرماتے ہیں۔ ۱۲ (مقدمہ تفسیر آیات خلافت ص ۲۷ و ۲۸) محمد اشرف



بالکل لغو ہے کیونکہ اگر مراد اس سے یہ ہے کہ تعین شخصی بالتصریح دربارہ شخص موجود نہیں تو ہم سب اس میں سہارا کیا نقصان چنانچہ مذکور ہوا اور خود جناب امیر و دیگر ائمہ کے باب میں اس قسم کی نص موجود نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ شیخین کا لائق خلافت ہونا بھی کسی نص سے ثابت نہیں تو اور کیا کہوں جھوٹوں کے منہ میں کچھ اور معاملات نبوی و احادیث نبوی کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حضرات شیخین کا مستحق خلافت ہونا ایسا روشن ہے کہ بجز تیرہ درجہ کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا سو دیکھتا چاہیے کہ ان احادیث کا منکر کون ہے شیعہ یا اہل سنت ؟

## (لایتال عہدی الظالمین کا مطلب)

باقی یہ جو بحال نازل آیت لایتال عہدی الظالمین پڑھی جاتی ہے۔ اس کے انجام کی خبر بھی ہے کیا ہوتا ہے؟ اجماعی حضرت کلام اللہ کے معنی سننے جائیں۔ آپ کیا جانیں۔ آپ نے کیوں اس بیچ میں ٹانگ لگا کر اپنی ٹانگ تڑائی کوئی آپ سے پوچھے عند معنی امامت کون سی کتاب میں آپ نے لکھا دیکھا۔ قاموس نے آپ کی ہمت بندھائی یا مطالعہ صراح سے یہ بات ہاتھ آئی اگر آیت انی جاعلک للناس اماما آپ کی نظر ہے تو اس کے معنی ہم سے سنئے خداوند کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چند باتوں میں امتحان لیا جب اس امتحان میں حضرت پورے اترے چنانچہ آیت ماقبل اس پر دلالت کرتی ہے ترجمہ دیکھ لیجئے۔ یوں تو آپ کیا سمجھیں گے تو خداوند والجلال نے اس کے جلو میں پیشوائی عالم کا وعدہ فرمایا چنانچہ لفظ للناس اس پر شاہد ہے۔ سو خداوند کریم صادق القول نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اس زمانے سے لے کر آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام سب انبیاء اور اولیاء کے پیشوا ہے یہاں تک کہ خود حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد ہے۔ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا جس کے یہ معنی ہیں کہ تم بھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جائیں بڑے بڑے امیر بادشاہوں کے آگے راہ کی درستی اور صفائی کے لیے چلا کرتے ہیں اور بادشاہ اس باب میں ان کی پیروی کیا کرتا ہے۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیشوا ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت



تو معلوم ہو چکا۔ باقی حضرت یوسف علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔ **وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ هٰدِيَةً**  
**وَاسْحٰقَ يٰعْقُوْبَ**۔ جس کا حاصل یہی ہے کہ میں اپنے باپ وادوں حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق  
 اور حضرت یعقوب کی ملت کا پیرو ہوں علیٰ ہذا القیاس اور انبیاء کو اسی پر قیاس فرمائیے۔

( **جَاعَلْتُ لِلنَّاسِ اِمَامًا سَے مراد پیشوائی نبوت ہے** )

جب یہ بات مقرر ہو چکی تو یہ عرض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بمعنی خلیفہ و نائب نہیں تھے۔  
 امام بمعنی نبی و رسول تھے اگر اس امام کے پیشوائی نبوت و رسالت مراد ہے تو اہل سنت کب کہتے  
 ہیں کہ جو لوگ پہلے بت پرست ہوں وہ نبی ہو سکتے ہیں اور اگر امامت بمعنی خلافت مراد ہے تو یہ محض  
 ہوئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی نہ تھے نعوذ باللہ بلکہ نائب نبی تھے سو یہ بات اور یہ مذہب شیعہ  
 ہی کو مبارک ہے اہل سنت تو بجان و دل ان کی نبوت اور رسالت کے معتقد ہیں کہ وہ سب کے سب  
 منیب ہیں کسی کے نائب نہیں مگر اس تقدیر پر شیعہ ان کو کس کا نائب کہیں گے آذر کا کہیں گے  
 نعوذ باللہ منہا یا کسی اور کا مہربانی فرما کر ہم کو بھی اطلاع فرمائیے۔

( **آیت امامت کا بالمثل معارضہ** )

بایں ہمہ ہم پوچھتے ہیں جیسے یہاں لادینال عہدی الظالمین ہے اسی صورت میں  
 دوسری جگہ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** (اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں  
 دیتا) بھی فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں اس سے بہت کچھ زیادہ تاکید ہے جس کے باعث  
 یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ وعدہ اس وعدہ سے بدرجہا محکم ہے۔ سو اگر ظالمین ظلم گزشتہ اور ظلم حال  
 دونوں کو شامل ہے۔ تب تو لازم آتا ہے کہ کسی بت پرست کو ہدایت نہ ہو کرے اور یہ ہدایت  
 نبوی و ائمہ اطہار اور انبیاء سابقین ایک افسانہ غلط ہو جائے اور تمام شیعیان زمانہ حال و گزشتہ بٹہاوت  
 آیت مذکور مسلمان نہ ہوں اس لیے کہ گناہوں سے کوئی خالی نہیں۔ تسپر اسلاف اکثر شیعہ بت  
 پرست تھے جو بت پرستی چھوڑ کر اس مذہب میں داخل ہوئے اور اگر ظلم حال مراد ہے تو اصحاب  
 ثلاثہ ایام اسلام میں ایسے جرائم کے مرتکب نہیں ہوئے اور نہ اور کبار کا صدر ان سے وقوع میں آیا  
 اگر فرق بالقوة اور بالفعل مراد ہے یعنی جو لوگ اصل طہیبت میں ظالم اور گنہگار ہیں ان کو تو ہدایت  
 نہیں ہوتی جیسے جو اصل سے کالا ہو وہ سفید نہیں ہو سکتا اور جو اصل طہیبت میں گنہگار نہیں اس کو



ہدایت ہو جاتی ہے جو کپڑا وغیرہ کو ٹکوں کے رنگ سے سیاہ کر لیا ہو اس کو سفید کر سکتے ہیں تو یہ فرق مسلم ہے۔  
 مگر یہی فرق بہ نسبت آیت لا ینال عہدہی الظالمین بھی محفوظ رکھنا پڑے گا اور یہ کہنا ہو گا کہ جو  
 لوگ باعتبار اصل طبیعت ظالم ہیں وہ قابل خلافت و امامت نہیں اور جن لوگوں کی طبیعت اصل میں  
 نیک ہے وہ قابل ہوں تو اس میں کچھ عرج نہیں اگرچہ زمانہ سابق میں بوجہ امور خارجیہ  
 ظلمت ظلم ان کی طبیعت پر اسی طرح عارض ہو گئی جیسے آئینہ مصطفیٰ و مجلی پر اوپر سے سیاہی گر پڑے  
 سو ظاہر ہے کہ آئینہ کی صفائی اصلی اس سیاہی سے زائل نہیں ہو جاتی بلکہ سیاہی عارضی سے صفائی اصلی  
 اس طرح پرستور ہو جاتی ہے جیسے نور آفتاب پر وہ ابر میں چھپ جاتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے  
 کہ اگر سیاہی مذکور پانی سے دھو ڈالے تو صفائی اصلی خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہی صورت بعینہ لا ینال  
 عہدہی الظالمین میں خیال فرمایا جائے۔ چنانچہ ظاہر ہے۔

(حضرت ابو بکر صدیق ثابت پرستی سے پاک تھے)

علاوہ ازیں آپ جو حضرات شیخین کو نعوذ باللہ ظالمین میں شمار کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے  
 اگر یہ وجہ ہے کہ ان کی عمر کا ایک حصہ زمانہ جاہلیت میں بسر ہوا تو اتنی بات میں تو خود جناب ستر  
 کائنات بلکہ حضرت امیر بھی شریک ہیں اور اگر مطلب سائل یہ ہے کہ شیخین زمانہ جاہلیت میں  
 مرتکب کفر بھی تھے بخلاف جناب سالکین و حضرت امیرؓ اور اس وجہ سے ان کو ظالمین کہا جاتا  
 ہے تو قطع نظر اس غرابی کے جو اوپر مذکور ہوئی اس دعویٰ کے لیے اچانک کوئی دلیل بھی تو چاہیے اور ظاہر  
 ہے کہ بدون دلیل نقلی اس باب میں کام چلنا معلوم؛ مگر کتب معتبرہ کا حوالہ ہو یا روایات کی گھڑی ہوئی  
 بات نہ ہو۔ کتب معتبرہ میں تو اس کا خلاف ہی الشاہد بالکلیہ گا چنانچہ جملہ لم یسجدوا الصنم قط وغیرہ شیخین کی شان  
 میں موجود ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے تصدیق اکبر پر لکھتے ہیں حضرت ابو بکر کی فطرت شریعہ سے ہی سلیم تھی چنانچہ آپ کو اسلام سے پہلے بھی  
 بت پرستی سے نفرت تھی اور شراب نوشی کو برا جانتے تھے جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ابو نعیم کے حوالہ سے حضرت عائشہ کا یہ قول  
 نقل کیا ہے کہ لقد حدثم ابو بکر الخضر علی نفسه فی الجاہلیۃ (ابو بکرؓ نے عہد جاہلیت میں بھی شراب پینے اور حرام کر رکھی تھی۔  
 ریاض النضر ۱۶۹ پر شراب و ٹمکر یہ شعر گوئی وغیرہ سے برأت پر ابو بکرؓ کا انبیا ان موجود ہے۔ ۱۲ مہر محمد



باقی فضل اللہ روز بہان پر آپ کا یہ اعتراض کرنا کہ اقرار خلیفہ میں اجماع سے کام نہیں چلتا بلکہ خلیفہ کے لیے اعلم الناس وازعد الناس واورع الناس واعدل الناس واشجع الناس وافضل الناس وارضع الناس ہونا ضروری ہے۔ محض ہڈیاں سرائی و دعوتے بلا دلیل ہے پہلے گزر چکا کہ اہم کا بواسطہ وحی مقرر ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اس کی جانب مخالفت کی تائید کے لیے دلیل بلکہ خود قول مقرر ہوئی موجود ہے حکام اور اسی قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل اصول اقرار خلیفہ میں اجماع مسلمان ہے۔ ہاں اہل اجماع کو چاہیے کہ مستجمع شرائط خلافت کو خلیفہ بنا دیں اور آپ جو امام کا اورع الناس (سب سے زیادہ پرہیزگار) وارضع الناس وغیرہ ہونا ضروری فرماتے ہیں اول تو ان سب کے ثبوت کے لیے دلیل چاہیے سو یہ امید رکھنی آپ کے بے جا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر افضل التفضیل آپ کا یہ دھٹے کیفیت ما اتفق نقل فرمادیے۔

(حضرت ابو بکر صدیقؓ ان تمام صفات میں انبیاء کے بعد افضل الناس تھے)

دوسرے اگر ان امور کو دربارہ نبوت میں خلافت شرط مانا جائے تو ذرا بیئے تو سی سینوں کا کون سا قول غلط ہو جائے گا۔ سب جانتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ موصوف بہ صفات کمال تھے ان کے اعلم ہونے پر تو وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز یہ ارشاد فرمایا کہ ایک بندہ کو خدا نے دنیا کی نعمتوں اور آخرت کی نعمتوں میں مخیر کیا تھا کہ ان میں سے جسے چاہو لے لو سو اس نے آخرت کو اختیار کیا دنیا کو اختیار نہ کیا اس پر ابو بکر صدیقؓ روتے اور یہ کہا کہ قربان آپ پر ہمارے مال اور باپ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ہم کو تعجب ہوا اس شخص کو دیکھو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں اور یہ روتا ہے سو عبد مخیر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابو بکر صدیقؓ ہم سب میں اعلم تھے علاوہ بریں آخر ایام حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو امام بنانا اور ان کو مکتبہ صدیقؓ کرنا چنانچہ صحیح میں آئے۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۲۲) بخاری ج ۱ ص ۲۲۲ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صد بار پرچہ آپ کے ساتھ

ابو بکرؓ و عثمانؓ تھے اور انہوں نے کہا انھوں نے قرآن شریف احد فاما علیؓ نبی صدیقؓ شہید ان بخاری ج ۱ ص ۲۲۲

فرماتے ہیں ہم حضرت علیؓ کے ساتھ باتیں کرتے رہے باتوں باتوں میں ہم نے ابو بکرؓ بن ابی قحافہؓ کے پاس سے میں سوال کیا حضرت علیؓ نے فرمایا وہ ایک ایسے شخص ہیں

سواء اللہ الصدیق علیؓ سان جبرئیل علیہ السلام وعلیؓ سان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کان خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما انفرقہ



اس پر شاہد ہے میں نے یہ بحث کسی قدر آگے اتنی ہے یہاں اتنی پر اکتفا کرتا ہوں اور وجہ شہادت کا دریافت کرنا تحقیق آئندہ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اور از مدہ ہونے پر حضرت علیؑ کی روایت جو مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے۔ دلالت کرتی ہے یعنی وہ روایت جس میں یہ ذکر ہے کہ آپؐ در باب خلافت عرض کیا گیا تو یہ فرمایا کہ اگر ابو بکر کو امیر کرو گے تو اس کو امین اور زاہد فی الدنیا اور راعی غلب فی الآخرة پاؤ گے کیونکہ یہ وصف کسی صحابی کی شان میں آپؐ کے نہیں فرمایا۔

اور ان کے اور مع ہونے پر آیت وَ سَيَجْعَلُهَا لِلَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ شہد ہے کیونکہ اتقی اور اور مع کے معنی ایک ہی ہیں بلکہ کچھ زائد کیئے تو بجا ہے۔ اور ان کے اشجع ہونے پر وہ حدیث گواہ ہے جس میں حضرت علیؑ سے یہ روایت ہے کہ ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غار نے اٹھیا میں دیکھتا رہا اور مجھ سے کچھ نہ ہو سکا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس مجمع میں گھس گئے عرض آپؐ کی مدد کی اور اس کو مارا اس کو مارا آپؐ کو بچا لیا۔ کیونکہ یہ روایت غالباً بایں طور ہے کہ آپؐ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؓ نے آپؐ کو چھپا کہ سب میں زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپؐ نے یہ فرمایا کہ ابو بکر! اور پھر اس کے ثبوت میں یہ فرمایا (صدیق کی افضلیت پر خدا کی گواہی)

یہ حدیث صحاح میں موجود ہے فقط شبہ ہے تو اتنی بات میں ہے کہ یہ روایت آپؐ کے صاحبزادے سے ہے یا کسی اور سے ہے اور ان کے افضل الناس ہونے پر بقول خدا تو یہی آیت سورت الباقیہ کی اعنی و سيجعلها للذي يؤتي ماله يتزكى شہد ہے کیونکہ دوسری آیت سورہ ہجرات کی اعنی وان اكرمكم عند الله التقاكم (اللہ کے ہاں بڑا معزز بڑا پرہیزگار ہے) اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو اتقی ہوتا ہے وہی افضل اور اکرم ہوتا ہے۔ دوسری آیت

إِذَا تَنَصَّرُوهُ فَقَدْ تَنَصَّرُوا اللَّهَ إِذَا خَرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا تَانِي أَتْنَيْنِ إِذَا هَا فِي الْغَدْرِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخُنْ إِنْ اللَّهَ مَعَا

(اگر تم اس پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ نے تو اس وقت بھی مدد کی جب کہ اس کو کافروں نے نکالا تھا جب کہ وہ دو میں دوسرے تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے

۱۰ مشکوٰۃ ص ۵۶) کہ اور یقیناً دوزخ کی آگ سے وہ سب لوگوں سے بڑا پرہیزگار پچایا جائے گا جو (اللہ کی راہ میں) مال دیتا ہے تاکہ وہ ممان بھیجے۔ فتح الباری ص ۱۰۰ عن محمد بن علی



اس پر شاہد ہے۔

(حضرت علیؑ کی گواہی)

چونکہ اس کی شرح و بسط ہدیتہ الشیعہ میں بوجہ اقم مرقوم ہے تو ہم کو حاجت تھری نہیں جس کو شوق ہو مطالعہ کر دیکھے تیسرے بحوالہ نہج البلاغہ جو شیعوں کے نزدیک وحی آسمانی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس سے ہدیتہ الشیعہ میں حضرت علیؑ سے حضرت ابو بکرؓ کی وہ وہ تعریفیں جو بعد انبیاء و اوصیاء ائمه اکبر اور کسی میں تصور نہیں یہ قسم منقول ہیں جس کو شوق ہو کتاب موجود ہے مطالعہ فرمائیں عنوان اس روایت کا یہ ہے۔

خدا ہی کے واسطے میں شہر ابو بکر کے، (یعنی ابو بکر میں خدا دو خوبیاں ہیں) پس قسم ہے کہ انہوں نے سیدھا کر دیا کجی کو اور اصلاح کر دیا ستون کو اور قائم کر دیا سنت کو اور پس پشت ڈالا انہوں نے بدعت کو، دنیا سے پاک دامن بے عیب ہو گئے، خوبی خلافت کی ان کو نصیب ہوئی، اور آگے چل کر خلافت کے فسادوں سے، انکا انہوں نے خداوند کے حکم کی اطاعت پر ہرگز گام نہ نہا، چلے گئے اور لوگ محنت و مشق میں حیران ہیں کہ نگاہوں کو راہ ملی پہنچانے کے لئے ہاتھوں کو اپنی برکت میں ہے

لِللّٰهِ مِلَادٌ اِلٰی بَعْضِ فُلُكٍ قَوْمٌ اَلْفُ قَدَوْدَاوِی  
اَلْحَمْدُ وَاَقَامَ السَّنَةَ وَخَلَفَ الْبِدْعَةَ  
ذَهَبَ لِقَى السُّوْبِ قَلِيْدُ الْكَيْبِ صَاحِبِ  
خَيْرِهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدْنٰی اِلٰی التَّلَاعُطِ  
وَالْقَاهُ حَقِّهٖ رَحَلٌ وَتَرَكْهُهُ فِيْ مَلْرِیْقٍ  
مُّشْعَبَةٍ لَا يَهْتَدِیْ فِيْهَا الْهَالُ وَلَا  
يَسْتَقِيْنُ الْهَدٰی

بلکہ ان لفظوں سے ایک دو زیادہ ہی ہوں گے۔ علاوہ بریں بروایت محمد بن الحنفیہ بخاری میں حضرت علیؑ سے صاف منقول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب میں افضل ہیں۔  
(حضرت صدیق اکبرؓ میں اوصاف کمال بدرجہ اتم پائے جاتے تھے)

اور ان کے افضح الناس ہونے پر وہ خطبے جو بعد وفات و قبل دفن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے ہیں شاہد عادل ہیں علیؑ ہذا القیاس لفظ ارحم امتی بامتی ابو بکرؓ جو جمعہ کے خطبوں میں بحوالہ حدیث پڑھا جاتا ہے ان کے ارحم ہونے پر دلالت کرتا ہے باقی رہا عدل ہونا سو اس کے ثبوت کے لیے بعد اثبات اوصاف مذکورہ کچھ حاجت نہیں کیونکہ عدل کے لیے فقط امانت و دیانت اور زہد تقویٰ



اور علم کی ضرورت ہے ظالم میں بھی اوصاف نہیں ہوتے جو وہ مترکب ظلم ہوتا ہے عرض باعث  
ظلم حب دنیا اور خیانت اور عدم توہم ہوتا ہے جس میں وہ اوصاف ہیں اور یہ خرابیاں نہیں وہ  
لا جرم اعدل الناس ہوگا۔

(ایک شبہ کا ازالہ)

آب اگر کسی صاحب کو اس وجہ سے تامل ہو کہ اکثر روایات مذکورہ اہل سنت کی روایات ہیں۔ تو  
اول تو وجہ ثبوت دعاوی مذکورہ فقط روایات ہی نہیں آیات بھی ہیں۔ اگر آیات کو اہل سنت ہی  
کی روایت سمجھتے ہو۔ تو نہ ہی نصیب اہل سنت۔ اور بڑے کھوٹے نصیب شیعوں کے جن کے  
پاس طلب کے ثبوت میں کلام اللہ تک بھی نہیں بلکہ ان کے طلب کے مخالفت ہے پھر اس پر حضرت  
علیؑ کے اوصاف میں سے افضل ہونے پر کیا دلیل ہے۔ اگر روایات شیعہ ہیں تو کیا اعتبار۔ اور  
روایات اہل سنت یا آیات کلام اللہ ہیں تو لایئے دکھائیے مثل استدلال مذکور جو آیت  
ینال عہدی الظالمین سے ماخوذ تھا انشاء اللہ اس کے کیل پرزے بھی اوصاف جانیئے۔  
(مشورہ میں خلقت کی طرف رجوع خلیفہ کے لیے غیب نہیں۔)

اور یہ جو ارشاد ہے کہ اس طرح خلیفہ چاہے کہ اس کی طرف تمام خلقت علوم خدا میں رجوع  
کرے اور جو سوال اس سے کرے بخوبی تمام تسلی و تشفی کرے تاکہ خلافت و نیابت آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ثابت ہو۔ اگر سچ ہے تو ابو بکر صدیقؓ وغیرہم بحمد اللہ ایسے تھے اور اگر کسی  
بات میں ان کو اوروں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی تو اس سے ان کی فضیلت کو بڑھانیں  
لگتا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے وَشَاوَرَهُمْ فِي الْأَمْرِ (یعنی صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے)  
اگر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم نے کسی بات میں کسی کی طرف رجوع کیا اور اس سبب ان کا رتبہ نفع و بالہ  
کچھ محض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود حکم خداوندی ہے ابو بکر و عمرؓ نے تو اپنی طرف رجوع کیا  
ہوگا اس صورت میں نفع و بالہ حضرات شیعہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھیں نہ کہ  
ایسا برا۔ تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیسیوں جالیے وقائع ثابت ہوتے ہیں اور لوگوں نے ان  
کی غلطیاں پکڑی ہیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں (مگر) خارجیوں سے اپنی تسلی کر لیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔  
غرض ایک دو جا غلطی ہو جانے سے منصب امامت کو زوال نہیں ہو سکتا حضرت موسیٰؑ



اور حضرت خضر کا قصہ کلام اللہ میں مذکور ہے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کا کیا سمجھ گئے اور پھر منصب نبوت میں کچھ فرق نہ آیا منصب خلافت تو ایک نمبر اور بھی کم ہے اتنا غل کا ہے کے لیے ہے۔

(خلافت راشدہ کے لیے فتوحات و تمکین موعودہ اور ضروری تھیں)

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ انتظام دنیاوی اور ملکوں کا فتح کر لینا باعث خلافت حقہ کا نہیں ہو سکتا اگرچہ بظاہر حق معلوم ہوتا ہے پر شیطان نے اپنی بات پھر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دی آپ کے اس آڑ میں اپنا کلمہ کہلا لیا۔ اسی حضرت آپ کس خیال میں ہیں یہی اعتراض بعینہ نصرانی اور یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کرتے ہیں آپ کو ان کا طریقہ ایسا کیوں مرعوب ہے آیت

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ عَمَّا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ (پہلا ۱۳۴)

(اور اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کے ساتھ کہ یقیناً ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اپنا پسندیدہ دین قائم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل ڈالے گا۔)

کو بخور دیکھئے کیا ارشاد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین کی یہی نشانی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور بزرگمشیہ و مسندت دین متین کو جادیں چونکہ اس آیت کے مضامین بھی درج ہدیتہ الشیعہ ہو چکے ہیں اس لیے ان کے ذکر اور اس آیت کی تفسیر سے محذور ہوں۔ اہل شوق خود مطالعہ کریں گے۔

ہاں اگر خلفاء راشدین کے زمانے میں ترقی اسلام نہ ہوتی بلکہ مثل تیمور فقط ملک گیری ہوتی تو ان کو تیمور چھوڑ کر انگریزوں سے تشبیہ دے دی ہوتی اور در صورت کہ عرب کے ایران تک انہیں کی بدولت کلمہ اسلام جاری ہوا تو پھر یہ کہہ کر مصداق وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (جو اس نعمت کے ہو چکنے کے بعد اس کا انکار کرے تو یہی فاسق ہیں) جو بعد آیت مذکورہ واقع ہے۔ بنتے ہو کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ رسوخ خلافت اسلام اور تمکین



دین کے بعد جو شخص ان بزرگواروں کا شکر ادا نہ کرے وہ فاسق ہے اور بھی کوئی نہیں تو شیعوں کو تو شکر گزاری اصحاب ثلاثہ لازم ہے اگر یہ صاحب نہ ہوتے تو نعرہ یا علی یا علی کر بلا سے لے کر ادھر کی حدایہ ان تک جاری نہ ہوتا۔

مجل تقریر یہ ہے کہ جب کلام اللہ و حدیث سے بزرگی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت ثابت ہو گئی اور شیعوں کا دعوے ثابت نہ ہوا تو مذہب اہل سنت حق ٹھہرا اور مذہب شیعہ باطل۔

## سوال سوم از جانب شیعہ

(بحث متعہ)

متعہ میں اختلاف شیعہ و اہل سنت مشہور و معروف ہے مگر شیعہ کہتے ہیں کلام اللہ میں تو آیت  
فَمَا اسْتَسْتَعْمِ بِهٖ مِنْہُمْ فَاَتَوْہُمْ اَجُورَہُمْ  
ذَرِیضَةً ط  
درپھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو مدد ان کے حق جو مقرر ہوئے۔

اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے خاص کر قرائت عبد اللہ بن مسعود جو اہل سنت کے عمدہ پیشوا ہیں کیونکہ ان کی قرأت میں بعد منحن لفظ الی اجل بھی زائد ہے اور ظاہر ہے کہ تحدید اجل متعہ ہی میں ہوا کرتی ہے نکاح میں تحدید مدت کی کوئی صورت نہیں۔ اور احادیث میں حدیث اباحت متعہ کا بعض غزوات میں شہرہ عالمگیر ہے بایں ہمہ لفظ اجور من ان کے مطلب کے بھی مؤید ہے اس لیے کہ اجر عقد اجارہ میں ہوا کرتا ہے اور صحت اجارہ کے لیے تعیین مقدار کی یا تحدید زمانہ و روزگار ضرور ہے مثلاً روزی ایک دو انگڑ کھسی مینے کا نوکر ہوتا ہے یا ایک دو روز کا یہ نہیں ہو سکتا کہ زمانہ کی کوئی حد نہ ہو نہ کام کی کوئی مقدار ہو اس صورت میں اگر مرد و زن میں کوئی زمانہ مقرر ہو گیا تب تو ثبوت متعہ بطور شیعہ سینوں ہی کے اقرار سے لازم آجائے گا اور اگر عدد کراستہ مجامعت معقود علیہ ہے تب بھی وہی بات ہے کیونکہ کرات مجامعت ایک زمانہ معین میں پوری ہو سکتی ہے اس لیے پھر وہی انجام نکل آتا ہے۔

(اہل سنت کا استدلال)

مگر شاید اہل سنت و جماعت کو۔ آیت



وَالَّذِينَ هُمْ لِأُوجُهِهِمْ حَافِظُونَ ۖ إِنَّا  
عَلَىٰ أُنُوجِهِمْ أَوْعَا مَمْلُوكَاتٍ أَيْمَانُهُمْ فِـ  
لَهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمِنْ ابْتِغَايِ وَدَاعِ ذَٰلِكَ  
فَاذْكُرْكُ هُمْ الْعَادُونَ

دو اور وہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز  
اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے کہ اس میں ان پر ملامت  
نہیں۔ پس جو شخص ان دو کے علاوہ جنسی تعلق چاہے  
پس وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔

پرنظر ہو اور یہ خیال ہو کہ آیت مسطور سے زوجہ اور باندی کے سوا اور عورتوں سے اجتناب نکلتا ہے  
اور زن متعہ بالیقین دونوں قسم سے خارج ہے۔ باندیوں کی قسم سے علیحدہ ہونا تو محتاج بیان ہی  
نہیں ہاں احتمال زوجیت ہو تو ہو لیکن اول علماء شیعہ نے ان زن متعہ کو زن نکاح سے جدا رکھا ہے  
بلکہ جیسے اہل سنت موافق اشارہ آیت مسطورہ زن حلال کی کل دو قسمیں بتلاتے ہیں ایک اپنی  
زوجہ دوسری اپنی باندی جیسے ہی علماء شیعہ زن حلال کی چار قسمیں بتلاتے ہیں دو تو یہی قسمیں جو مذکور ہوئیں۔  
اور دو اور۔ ایک زن متعہ دوسری زن عاریہ یعنی وہ باندی جس کا مالک کسی کو صحبت کرنے کے لیے  
مستعار دے دیوے سوا اس سے صاف ظاہر ہے کہ زن متعہ زوجہ نہیں کہلاتی۔ دو سکر لازم و آثار  
نکاح زن متعہ میں یک نخت مفقود ہیں نہ پیار کی حد نہ عدل کی ضرورت نہ طلاق کی کوئی صورت نہ  
عدت کی حاجت اور ظاہر ہے الشئ اذا ثبت ثبت بلوازم اگر زن متعہ منجلہ ازواج ہوتی  
تو یہ سارے لوازم و اکھار پائے جاتے بالجلہ علماء اہل سنت کو بمقابلہ شیعہ آیت والذین ہم  
لفروجہم حافظون الخ پرنظر ہو تو ہو اور اس لیے متعہ کو حرام کہتے ہوں  
(شیعہ کی طرف سے جواب)

تو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ یہ آیت دو جاکلام اللہ میں آئی ہے ایک سورت مؤنون  
میں دوسری سورت محارج میں اور باتفاق مفسرین یہ دونوں سورتیں مکی ہیں یعنی قبل ہجرت نازل  
ہوئی ہیں اور حدیث اباحت متعہ منی ہے کیونکہ غزوات سب مدنی ہیں اس لیے واقعہ اباحت  
آیت حرمت کے بعد کا قصہ ہے اس صورت میں حدیث ہی ناسخ آیت معلوم ہوگی آیت  
کو ناسخ حدیث نہ کہہ سکیں گے باقی یہ حسن ادب کہ آیت حدیث سے اعلیٰ اور افضل ہوتی  
ہے پھر حدیث سے کیونکہ منسوخ ہو اسی شخص کا کام ہے جو وجہ ثبوت قرآنیت قرآن مجید سے  
خبردار نہ ہو پر جس شخص کو اتنی بات کی اطلاع ہے کہ قرآن کا قرآن ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



کے ارشاد سے معلوم ہوا اور ان احکام کا احکام خداوندی ہونا امتیوں نے آپ کے فرمانے سے جانا۔ تو اس شخص کو اس بات میں ہرگز تامل نہیں ہو سکتا کہ نسخ قرآن شریف حدیث نبوی سے ممکن ہے چنانچہ علماء اہل سنت خصوصاً حنفی اسی جانتے ہیں اور اس لیے حدیث "کلامی" لایسج کلام اللہ کی تاویلیں کرتے ہیں۔ ہاں افضلیت قرآن مسلم مگر یہ افضلیت باعتبار الفاظ ہے باعتبار احکام نہیں جو احکام کہ احادیث سے ثابت ہوں بشرط ثبوت احکام قرآنی سے کم نہیں کیونکہ احکام مندرجہ احادیث بھی احکام خداوندی ہیں گویا اعتبار ظاہر احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوتے ہوں اس لیے کہ آپ رسول اور پیغام بر ہیں بذات خود حاکم متقل نہیں۔ باقی رہی روایت نسخ اباحت متعہ یعنی وہ روایت جس میں بعد اباحت حکم حرمت بھی موجود ہے شیعوں کے نزدیک ضروری التسليم نہیں اس لیے کہ اس کے راسی نقطہ اہل سنت ہیں اور انہوں نے اپنے مطلب کے موافق بنالی ہوگی۔

## (جواب از اہل سنت والجماعت)

الجواب : بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِیْنُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنُتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنُشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ وَنُشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرٰهٖمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهٖمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَارْزُقْهُ اَمَہَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتَهُ وَاهْلَ بَیْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرٰهٖمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدُ - اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُبَارَكَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارْزُقْنَا الْبَاطِلَ بِالْاِطْلَاقِ وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ۔

بعد حمد و صلوة بندہ گنگار محمد قاسم عرض پر داز ہے کہ تقریر سوال شیعہ تو اس کھترین نے اس زرق برق سے کر دی ہے کہ خود شیعوں کو بھی اس انداز سے بیان کرنا نصیب نہ ہوا ہوگا اور اس وجہ سے میرے ممنون ہوں تو بجا ہے مگر مقتضائے احسان مندی یہ ہے کہ تقریر جواب کو بھی بغور و انصاف دیکھیں مطلب کے یا تو سمجھی ہوتے ہیں پر انصاف پرستی جو ہر انسانی ہے تقریر سوال تو دلچسپ ہی تھی پر تقریر جواب اس سے بھی بڑھ کر۔ لیجئے حضرات شیعہ کا مطلب نہ آیت استماع سے نکلتے



نہ حدیث سے ثابت ہو اور نہ آیت سورت مومنون و سورت محارج حدیث مذکور سے غسوخ ہوتی  
اور نہ ہو سکے۔

(حرمیت متعہ کی عقلی وجوہ)

علاوہ بریں عقل صائب اس بات پر شاہد ہے کہ تجویز متعہ ہمیشہ کے لیے ہر کسی کے لیے خدا  
تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہو سکتی اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ادیان سابقہ  
میں سے کسی دین میں متعہ جائز نہیں ہوا اور اس دین میں سوا حضرت شیخہ اور کوئی اس طرف نہ گیا بلکہ  
ابتداء عالم سے لے کر اس زمانہ تک اطراف عالم میں کسی دین میں آسمانی ہویا نہ ہو سوائے مذہب شیخہ  
یا مشرب جابلان زمانہ جاہلیت ملک عرب اس امر کا پتہ نہیں سینکڑوں تاریخین موجود ہیں یا حوں کے  
افسانے مشہور ہیں کہ یہیں متعہ کا نام و نشان نہیں ملتا خیر یہ بات تو اتفاقی تھی کلام اللہ اور حدیث سے  
استدلال کا حال بیان کیجئے اور حقیقت نسخ کا پتہ دیکھئے تو کام چلے۔

(نکاح کا اولین مقصد اولاد کی پیداوار ہے)

اس لیے بطور تمہید اول کچھ گذارش ہے بگوش ہوش سنئے کلام اللہ میں فرماتے ہیں فِئْسَاءُ  
کہ حدث لکم یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیت ہیں اس سے صاف روشن ہے کہ نکاح  
سے مقصود اولاد ہے کیونکہ کھیت سے مقصود پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کھیت کی پیداوار یہی  
اولاد ہے گیہوں چنا وغیرہ نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعوں کے نزدیک جو سات جہان کے  
خلاف یہی سے اغلام درست ہے وہ کلام اللہ کے بھی مخالف ہے کیونکہ اغلام سے تولد اولاد  
متصور نہیں مگر ہاں شاید شیعوں میں یہ کرامت ہو اور موافق شعر ذوق  
نہیں ہیں خون سے شرکان تر یہ خار و لہشیں نکلے  
جنوں یہ بیشتر کیسے کہیں ڈوبے کہیں نکلے

اور ہر سے نطقہ اور چلا جاتا ہو باقی رہا جملہ فاتحہ احد شکہ انی شتم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آؤ  
اپنی کھیتوں میں جہاں سے چاہو شیعوں کو کچھ مفید نہیں کیونکہ اول تو انی بمعنی کھیت بھی آتا ہے پھر ان  
کو کیا اختیار کرے وجہ انی کو بمعنی طرف مکانی رکھیں مستدل اور مدعی کے لیے وہ بات مفید نہیں ہو سکتی  
جس میں احتمال مخالف بھی موجود ہو بایں ہمہ جملہ فِئْسَاءُ کہ احتمال مخالف یعنی کھیت کے مؤید



اور معنی ظرف ہستی کے مخالفت ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے اور اگر اتنی بمعنی ظرف مکانی ہی ہو پھر بھی یوں کو کچھ مفید نہیں کیوں کہ بیسے کوئی یوں کہے کہ اپنی زمین میں بیج ڈالنے کے لیے شرق کی طرف جاؤ یا غرب کی طرف بہر حال تم کو اختیار ہے اور اس سے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مقصود اصلی بوزا ہے دونوں طرف جانے میں برابر محال ہے پیداوار دونوں طرح ایک ہی ہوگی ایسے ہی اس جملہ سے ہر عاقل یہی سمجھے گا کہ اپنی بیویوں سے الٹے سیدھے جس طرح چاہو عجت کرو تولد اولاد میں دونوں صورتیں برابر ہیں یہ نہیں کہ سیدھے صحبت کیجئے تو بچہ اچھا ہو اور الٹی کیجئے تو احمول پیدا ہو جیسے یہودی کہا کرتے تھے چنانچہ اسی وہم و فاسد کی مدافعت کے لیے یہ ارشاد ہوا کہ فاء تو وحدۃ کواۃ شتم۔ مگر علماء شیعہ کی خوش فہمی دیکھئے کہ بات کیا بھتی اور کیا مطلب کی سمجھ گئے۔ مگر وہ بھی کیا کریں اگر متعہ اور اغلام نہ ہوتا تو خواص تو متعہ تھے ہی عوام کا لانعام بھی اس مذہب کو پسند نہ کرتے۔

(ولد صالح باقیات صالحات میں سے ہے)

علاوہ بریں ولد صالح کا باقیات صالحات میں سے ہونا بھی اولاد کے مقصود ہونے پر شاہد ہے کیونکہ انہما الا اعمال بالنیات۔ اگر شہوت رانی ہی مقصود ہوتی اور اولاد مقصود نہ ہوتی تو ان کے حسابے اولاد کا ہونا نہ ہوا برابر تھا۔ اگر صالح ہوئی تو کیا اور فاسق ہوئی تو کیا علیٰ ہذا القیاس ستمی ماء غیر یعنی عورت حاملہ من الغیر سے جماع حرام نہ ہوتا چنانچہ ظاہر ہے بہر حال مقصود اصلی نکاح سے اولاد ہے شہوت رانی مقصود اصلی نہیں ہاں جیسے اکل غذا سے بدل مانتھل مقصود ہے اور بھوک مشل چپڑا سی سرکاری اس بیگار کے لیے متقاضی ہے ایسے ہی عورتوں سے اولاد مقصود ہے اور شہوت جماع تقاضا جماع کے لیے ساتھ لگا دی گئی ہے۔

(وقت واحد میں ایک عورت کے لیے زیادہ خاوند نہ کر سکی وجہ)

مگر جب اولاد مقصود پٹھری چنانچہ آیت مسطور اس پر شاہد ہے اور نیز عقل سلیم اس پر گواہ تو پھر ایک عورت کو زمانہ واحد میں دو یا زیادہ مردوں سے نکاح کی اجازت قرین عقل نہ بھتی۔ اس لیے کسی دین میں یہ امر جائز نہ ہوا۔ کیفیت شہادت آیت مرقوم ہو چکی ہاں عقل صائب کی گواہی باقی ہے اس لیے یہ گزارش ہے کہ درخت بار آور نہات خود مطلوب نہیں ہوتا پھل مطلوب ہوتا ہے سامان اور اسباب مطلوب نہیں ہوتا۔ نتیجہ مطلوب ہوتا ہے۔ اب دیکھئے کہ شہوت رانی اور جماع اولاد کے لیے سامان اور اسباب میں



سے ہے یا قصہ برعکس ہے؟ سوایا کون نادان ہوگا جس کو وقار و جماع کے سبب ہونے اور اولاد کے سبب ہونے میں تامل ہو۔ علاوہ بریں آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن وانس کو خاص اپنے کام کے لیے بنایا ہے اور آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ السَّمَوَاتِ اس بات پر شاہد ہے کہ زمین و آسمان بنی آدم کے لیے بنائے گئے ہیں برعکس نہیں۔

(کائنات انسان کیلئے بنی اور انسان عبادت الہی کے لیے بنایا گیا)

زمین اور زمین کی پیداوار کا بنی آدم کے لیے ہونا تو لفظ لَكُمْ سے ظاہر ہے اور آسمانوں کا بنی آدم کے لیے بنایا جانا بقرینہ عطف ظاہر ہے یعنی قید لَكُمْ یہاں بھی بقرینہ عطف ملخوذ ہوگی علاوہ بریں آیت الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً وَغَيْرَ آيَاتٍ میں یہ بات زیادہ مصرح ہے اور کیوں نہ ہو زمین و آب ہوا و آتش و آفتاب و کواکب و افلاک نہ ہوں تو ہماری ہزاروں حاجتیں بند ہو جائیں بلکہ یوں کہ وہ ہم مر جائیں اور ہم نہ ہوں تو ان اشیاء کا کچھ حرج نہیں۔ پھر یوں نہ کیئے تو اور کیا کیئے کہ وہ ہمارے لیے بنائی گئی ہیں ہم ان کے لیے نہیں بنائے گئے مگر اس صورت میں یہ بات ظاہر ہے کہ زمین ہو یا آسمان ہو جو کچھ بنی آدم کے لیے بنایا گیا اس کو حصول عبادت میں دخل ہے یعنی اگر وہ نہ ہو تو پھر عبادت میں کمی یا نقصان پیش آئے یا وہ نہ ہو تو عبادت نہ ہو سکے کیونکہ اس وقت بنی آدم اور باقی مخلوقات مشارالہا کی ایسی مثال ہوگی جیسے یوں کیئے گھوڑا سواری کے لیے اور گھاس دانہ گھوڑے کے لیے سو جیسا یہاں ہر کوئی سمجھتا ہے کہ اگر گھاس دانہ نہ ہو تو پھر سواری کی بھی کوئی صورت نہیں بلکہ گھوڑا تڑپ تڑپ کر مر جائے ایسا ہی بنی آدم اور ان چیزوں کو سمجھئے جو اس کے لیے بنائی گئی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوں تو پھر عبادت ہی نہیں سو کھانے پینے کی ضرورت تو ظاہر ہے کون نہیں جانتا کہ اگر خورد و نوش کی نوبت نہ آئے تو آدمی مر جائے پھر عبادت کون کرے۔ ادھر کھانے پینے کے لیے زمین و آسمان کی ضرورت ظاہر۔ زمین کو تو ہم خوب جانتے ہیں رہا آسمان اس کی ضرورت کھانے پینے کے لیے آیت وَانْزِلْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخُذْ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ نِزَالًا لَّكُمْ (اور آسمانوں سے پانی اتارا جس کے ذریعے پھل نکال کر تمہارا رزق بنایا) سے ظاہر ہے پر شہوت جماع کو اس کام



میں کچھ دخل نہیں سویہ کیونکہ ہو سکے کہ امور خارجہ میں ذات العابد میں تو حصول عبادت پر نظر ہے اور شہوت کو جو ایک امر دخلی ہے باوجود ارشاد **لَا تَجْنُ الْعِبَادَاتِ** میں کچھ دخل نہ ہو۔  
 الغرض شہوت کا نبی آدم میں پیدا کرنا بذات خود بے مصرف معلوم ہوتا ہے ہاں اگر تولد اولاد پر نظر کیجئے تو پھر اس کے برائے خود دو نوش بھی عبادت میں دخل نہیں رکھتے کیونکہ کھانے پینے سے اگر طاقت عبادت پیدا ہوتی ہے تو جماع سے خود عبادت کرنے والے پیدا ہوتے ہیں بالحد عقل و نقل اس بات پر شاہد ہیں کہ شہوت رانی بذات خود مقصود نہیں تولد اولاد مقصود ہے (کثرت اولاد سے کثرت امت پر حسنہ علیہ السلام فخر کیونگے)

چنانچہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو دربار ترغیب نکاح مشہور ہے اس میں یہ جملہ کہ **اَنْفِ مَكَاتِدِ بَيْكُمُ الْاَوَّلَادُ** اس مضمون کو اور بھی واضح کئے دیتا ہے کیونکہ غرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب نکاح سے اس وقت یہ نکلی کہ امت کے لوگ کثرت نکاح کریں گے تو اولاد کثیر پیدا ہوگی اور اس وجہ سے یہ امت بڑھ جائیگی اور ایک سامان افتخار آپ کو ہاتھ آئے گا۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے شہوت رانی مقصود نہیں تو اب وجہ مانعت تعدد نکاح زن بھی ایک زمانہ میں بھی بیان کرنی چاہیے۔  
 (عورت کے لیے بیک وقت تعدد نکاح کی مانعت کی عقلی دلیل)

سنئے زمین کی پیداوار تو سب ایک سی ہوتی ہے اور اس کے سب دانے باہم متشابہ ہوتے ہیں خوش میں سب یکساں کسی کو کسی پر کچھ فوقیت نہیں اس لیے کثرت میں کوئی خرابی پیش نہیں آتی علی السویہ تقسیم ہو سکتی ہے۔ پر اولاد میں اگر اشتراک تجویز کیا جائے تو ایک نزاع عظیم برپا ہو امید کثرت عباد و عبادت تو درکنار پہلے ہی عابدوں کی خیر نہ ہو کیونکہ اول تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ ایک سے زیادہ بچہ پیدا ہو اور دو تین پیدا بھی ہوئے تو کچھ ضرور نہیں کہ سب لڑکے ہی ہوں یا سب لڑکیاں ہی ہوں اور پھر ایک ہی قسم کے ہوں تو وہ سب عابد و زاہد ایک ہی نمبر کے ہوں اور عاقل و فاضل ایک ہی درجہ کے ہوں بلکہ عادات اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جیسے پانچوں انگلیاں یکساں

لے اور اولاد کا مطلوب ہونا اور بعد حصول اولاد کے متاخر شہوت پیش آنا اسی پر دال ہے کہ اولاد مقصود طبع سلیم انسانی ہے۔ ۱۲۔

اور حسین جمیل ایک ہی طرح کے ہوں اور قوی تو انما ایک ہی طاقت کے ہوں۔ ۱۲۔ (حاشیہ طبع قدیم)



نہیں ہوتیں۔ ایسے ہی تمام اولاد یکساں نہیں ہوتی اور محبت پر ہی سب کے ساتھ خدا داد۔  
 سو بالفرض ایک عورت کے اگر کئی خاوند ہوں اور وہ بھی فرض کرو ایک پورب کا رہنے والا  
 ہو ایک کچھم کا تو پھر تقسیم اولاد کی کوئی صورت نہیں۔ بوجہ تفاوت معتاد جو باہم اولاد میں ہوا کرتا ہے  
 اول تو ناقص حصہ والے کا اپنے نقصان پر راضی ہونا دشوار ہے۔ دوسرے بوجہ محبت تمام اولادوں  
 کا صبر کرنا معلوم۔ اور اس وجہ سے یہ بھی ممکن نہیں کہ روپیہ وغیرہ سے جبر نقصان کر کے ایک  
 کو راضی کر دیجئے خاص کر جب کہ بچہ ایک ہو اور عورت کے خاوند کئی۔ یا عدد ازواج زن، زوج،  
 (جفت) ہو اور عدد اولاد طاق۔ ہاں اگر اولاد کاٹنے پھانٹنے کے قابل ہوتی تو مثل غلہ مشترک  
 یا گوشت مشترک جامہ مشترک کاٹ پھانٹ کر برابر کر لیتے اور نزاع رفع کر دیتے یا مثل غلام عورت  
 کا ہر وقت ایک حال رہتا اور یہ تفاوت احوال اور اختلاف کیفیات مزاجی نہ ہوا کرتا تو ہفتہ وار  
 یا ماہوار یا سال وار ایک خاوند کے پاس رہا کرتی۔ مگر اول تو ہر دم اور ہر حال میں رحم زن نطفہ کو  
 قبول نہیں کرتا دوسرے اختلاف احوال زن بیشتر موجب اختلاف ذکورت و انوث و عقل  
 و بے عقلی وغیرہ احوال و اخلاق ہو جاتا ہے۔  
 (والدین خصوصاً ماں کا طبعی اثر بچے کے مزاج و اخلاق پر پڑتا ہے)

جو لوگ دقائق طبعیہ اور حقائق موجبات اختلاف امراض اولاد سے واقف ہیں وہ خوب  
 جانتے ہیں کہ وقت جماع و وقایع جو کیفیت والدین خصوصاً والدہ پر غالب ہوتی ہے وہی  
 کیفیت اولاد کے حق میں خلق اور طبیعت بن جاتی ہے اول تو اہل عقل کو مشاہدہ بقاء النواع  
 سے یہ بات ظاہر ہے کیونکہ آدمی کے گھر آدمی کا پیدا ہونا اور سنگ و خاک سے سنگ و خاک کا پیدا  
 ہونا اور اسپ و خر سے خچر کا پیدا ہونا جس میں دونوں کا اثر مشہود ہوتا ہے اس بات کے سمجھ  
 لینے کو کافی ہے۔ کہ کیفیت مزاج والدین کو اخلاق و عقل اولاد میں دخل تام ہے۔

دوسرے اولاد کے اثرات بھی جو جملہ مسئلہ ہر عام و خاص ہے اس بات پر شاہد ہے کیونکہ  
 کسی کو کسی کا اب حقیقی اور والد تحقیقی باعتبار وقت علوق نطفہ ہی کہہ سکتے ہیں اور اوقات کے  
 حساب سے یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے۔ سو وقت علوق جو کیفیت مزاج والدین پر غالب ہو اسی  
 کا اثر اولاد میں آنا چاہیے ورنہ الولد سرلابیہ کیونکہ صحیح ہو گا۔



(حضرت مریم کے پاس بشر بن کر جبریل کے آنے کی وجہ)

ادھر محققان اہل اسلام نے حضرت مریم کے سامنے حضرت جبریل علیہ السلام کے آدمی کی شکل میں آنے کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ اگر حضرت جبریل علیہ السلام اپنی شکل ملکی میں ان کے روپ و نمودار ہوتے تو حضرت مریم علیہا السلام بقا خدا و بشریت ڈرجاتیں اور وہ کیفیت خوف مزاج عیسوی میں اثر کر جاتی آپ نامرد اور بزدل پیدا ہوتے اور کارسالت ادا نہ کر سکتے کیونکہ اس کام کے لیے ہمت عالی اور شجاعت تامہ کی ضرورت ہے نامردوں سے ایسے بڑے کام جس میں ایک جہان سے مقابلہ اور عداوت کھڑی ہوتی ہیں سکتے۔ باقی رہا صورت ملکی سے خوف کھانا وہ حضرت مریم سے کیا بڑے بڑے مردوں سے بھی مستبعد نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت جبریل کی صورت ملکی سے مرعوب ہو گئے تھے اور کسی کا تو کیا ذکر ہے۔ علاوہ بریں یہ قصہ اکثروں نے سنا ہو گا کہ وقت جماع کسی عورت کو سانپ نظر پڑ گیا تھا بچہ جو پیدا ہوا تو سانپ ہی کی شکل تھی بالجلد بوجہ تفاوت احوال معلوم یہ بھی ممکن نہیں کہ غلام کی طرح نوبت بہ نوبت ہر خانہ کے پاس رہا کرے کیونکہ عورت کے لیے اگر یہ امر تجویز کیا جائے تو مقتضائے انصاف یہ ہے کہ خدمت فراش یعنی وقاع و جماع کی مقدار قدر نوبت مقرر ہو اور بہت دراز کر دو تو ایک شب رکھ لو اس لیے کہ عورت کے متعلق یہی خدمت ہے اور اس خدمت کے ادا کرنے میں اتنی ہی دیر کافی ہے اور اس باب میں غلام پر قیاس ممکن نہیں اس لیے کہ خدمت غلام کو فی امر معین نہیں جو اس کی مقدار تعین نوبت میں ملحوظ ہے۔ اس لیے وہاں وہ زمانہ جس میں خدمت معتد بہ تمام شرکار کے نزدیک ادا کر کے معین ہو گا۔ علیٰ ہذا القیاس مردوں کی نوبت پر بھی قیاس نہیں کر سکتے جو کم از کم ایک شب ہی مقرر ہو اس لیے کہ غرض اصلی یعنی جماع جو تعین نوبت سے مقصود ہے مرد کے لیے اختیار میں نہیں ہے کہ جب چاہے سبکدوش ہو جائے کم سے کم ایک شب میں البتہ اس کے وقوع کا احتمال ہے یہی وجہ ہے کہ عدل ربین المنکوحات) کے لیے

لہ علاوہ انہیں مرد کو ہر وقت قدرت علی الجماع ہوتی معلوم اور حاجت الجماع کا ہر لحاظ احتمال اور یہ حاجت بدون عورت رقع ہونی محال یعنی مثلاً اگر غلام نہ ہو تو بیچائے غلام کا دوبار اپنے ہاتھ سے بھی انجام دے سکتا ہے اور جماع میں یہ بھی مقصود نہیں تو ان وجوہ سے بھی شرکت زوجہ میں خلاف مصلحت ہونی چاہیے۔ ۱۲۔ (حاشیہ طبع قدیم)



جماع ضرور ہوا، ہاں خدمت فراش البتہ عورت کے ہر وقت اختیار میں ہے۔

(نسب و حمل میں اختلاط بھی تعدد زوج سے مانع ہے)۔ بایں ہمہ عورت قبل طور حمل اگر دوسرے کے پاس ہے تو یہ تعیین نہیں ہو سکتی کہ یہ حمل کس کا ہے اور بعد طور حمل اگر دوسرے کے پاس جائے تو اس کے نطفہ کے اختلاط کی وجہ سے پھر وہی صورت اشتراک پیدا ہوتی ہے دو بچے پیدا ہوتے ہیں تو تعیین مشکل ہو جاتی ہے اور اتنا زمانہ دراز نوبت کے لیے مقرر کیا جائے کہ ایک کا نطفہ دوسرے کے نطفہ کے ساتھ مختلط نہ ہو سکے تو یہ وقت تو کہیں نہیں گئی کہ کسی وقت رحم زن نطفہ قبول کرتا ہے اور کسی وقت نہیں کرتا اور کرتا ہے تو کسی وقت کیفیت صالحہ عارض حال زن ہوتی ہے۔ کسی وقت کیفیت فاسدہ لاحق حال ہو جاتی ہے اور در صورت وحدت مرد و تعدد زنان بھی اگرچہ یہی احتمال ہے مگر چونکہ وہ صاحب حرث ہے تو اگر وہ وقت کیفیت صالحہ عورت کے پاس نہ جائے تو کچھ اپنا ہی نقصان کرے گا کسی دوسرے کا حق تلف نہ کرے گا جو گنجائش اعتراض ہو۔

جب یہ سب باتیں ذہن نشین ہو گئیں اور وجہ جماعت تعدد مرد و وحدت زن معلوم ہو گئی تو یہ بھی عرض کرنا مناسب سمجھا ہے کہ ایام عدت و فوات و طلاق میں جو نکاح ممنوعہ رہا تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اگر ساعت دو ساعت بیشتر مرگ و طلاق سے باہم جماع کا اتفاق ہوا ہو اور بعد وفات زوج و طلاق پھر دوسرے سے نکاح کر کے جماع کی نوبت آئی تو وہی خرابی لازم آئے گی جو وقت واحد میں کئی خاندانوں کے ہونے میں متصور تھی کیونکہ وہاں بھی وقت واحد میں تو دونوں کا جماع متصور ہی نہ تھا ساعت دو ساعت کے فاصلہ کی ضرورت بالضرورت تھی جب باوجود اس کے خرابیہائے مذکورہ لازم آتی تھیں تو یہاں کیوں نہ لازم آئیگی۔

(والمحصنات من النساء اللہ فیہن الا انکاح ما فیہن من النکاحات یا لفظ متزوجات وغیرہ الفاظ دالہ علی النکاح میں سے کوئی اور لفظ کیوں نہ اختیار فرمایا۔ یعنی اگر والمحصنات نہ فرماتے بلکہ والمنکوحات یا والمتزوجات فرماتے تو معتدہ خاص کر معتدہ وفات یا معتدہ طلاق مخلفہ کو یہ لفظ شامل نہ ہوتا اور پھر بدالائت و احل لکم ما ودا ذالکم معتدہ سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا مگر جن خرابیوں کے باعث حیات زوج اول یا نکاح زوج اول کے وقت نکاح ممنوع تھا وہ سب خرابیاں اس نکاح میں لازم آتیں الغرض لفظ والمحصنات کے اختیار فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ حرمت نکاح معتدہ کی طرف بھی اشارہ منظور ہے۔



تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ لفظ احسان بمعنی حفظ آتا ہے سو یہاں جو وہ مذکورہ بالا یہ عرض ہے کہ خاوند  
اپنی عورت کو غیر مرد سے محفوظ رکھے اور جو وہ نہ ہو تو جیسے فرض کیجئے سرگھ آدیتے تو ہوں کی کس کو (کنسہم) اور خویش و اقربا  
حافظ تنگ و ناموس ہیں۔ مگر چونکہ بنا حفظ تنگ و ناموس پاس نسب ہوتا ہے تو اگر بعد موت زوج اول یا طلاق  
زوج اول عورت ایک ساعت کے بعد ہی بچہ جن اٹھے تو اب حفظ تنگ و ناموس کی کچھ ضرورت نہ رہی کیونکہ  
اب اختلاط نسب متصور نہیں۔ اس لیے اس صورت میں مجروح وضع حمل اس کو اختیار دینا مناسب سمجھا اور یہ ارشاد ہوا  
وَ اُولَاتِ الْاَحْمالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (حمل والی عورتوں کی عدت بچہ جننے تک ہے۔)

ہاں اگر حمل کے ہونے نہ ہونے میں اشتباہ ہو اور کسی کی زوجہ کی نسبت ہر دم یہ اشتباہ رہتا ہے کیونکہ اول علوق  
میں تو جانوروں میں تمیز حمل ہونہ آدمیوں میں تو اس صورت میں انتظار ظہور حمل مناسب تھا۔

(عدت بیوہ اور عدت طلقہ میں فرق کی وجہ سے) اس لیے عدت بیوہ دس دن چار مہینے مقرر ہوئی وجہ  
اس کی یہ ہے کہ اس مدت میں حمل ہوگا تو خود ظاہر ہو جائے گا کیونکہ موافق احادیث صحیحہ چالیس دن تک لطفہ پر  
صورت لطفہ باقی رہتی ہے اگرچہ اول و دوم وقت میں فرق زمین و آسمان ہونا الغرض جیسے خون سیاہ و سرخ و  
زرد میں باوجود تفاوت الوان وہ بات مشترک ہے جس کے باعث اس کو خون کہے جاتے ہیں ایسے ہی لطفہ  
پر روز اول اور رنگ ہو اور چالیسویں دن اور رنگ ہو۔ ہاں یہ کہ کوئی ایسی بات باہم مشترک ہوتی ہے جس کے باعث  
اس وقت تک لطفہ ہی کہہ سکتے ہیں علقہ یا مضغ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں دوسرے چلے میں وہ حالت اس پر عارض  
رہتی ہے جس کے سبب علقہ یعنی خون کا لوتھڑا اس کا نام ہو جاتا ہے پھر تیسرے چلے میں مضغ ہو جاتا ہے اور  
چالیس دن تک مضغ رہتا ہے بعد تیسرے چلے کے پورے ہو جانے کے لطفہ زوج کی نوبت آتی ہے۔ مگر  
اول اول جان پڑتی ہے تو نہایت درجہ کی ناتوانی ہوتی ہے حرکات کی طاقت کجا۔ کسی قدر عرصہ کے بعد حرکات  
ظاہر ہونے لگتی ہیں سو تین چلوں کے تو پورے چار مہینے ہوتے۔ ربع چلہ بغرض ظہور حرکات اور بڑھالیا تاکہ حمل کے  
ہوتے میں کوئی شبہ باقی نہ ہے یعنی جب مقدار شک زیادہ ہو گئی اور حرکات نمایاں ہوئیں تو پھر یہ احتمال ہو ہی  
نہیں سکتا کہ استسقاء یا رجاء وغیرہ امراض ہوں ہاں اگر اتنے عرصہ میں ہی حمل ظاہر نہ ہو تو پھر یقین کامل ہو گیا کہ  
حمل زوج مردہ نہیں جو اس کے تنگ و ناموس کو ملحوظ رکھیں اور نسب کی حفاظت کی جائے اس لیے یہ ارشاد ہوا۔  
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمُ فِيمَا  
فَعَلْنَ فِي الْاَنْفُسِ بِالنِّسَاءِ (بقرہ) (پھر جب وہ اپنی عدت (کے ختم) تک پہنچ جائیں تو تم پر کوئی  
گناہ نہیں جو وہ اپنے متعلق جائز صورت اختیار کریں۔)



اس تقریر سے فائدہ لفظ تریبصن بھی ظاہر ہو گیا اور مقول تریبصن بھی معلوم ہو گیا یعنی غرض اس لفظ سے یہ  
 بھتی کہ جن عورتوں کے خاوند مر جائیں وہ عورتیں دس دن چار مہینے انتظار کیا کریں سو اس تقریر سے واضح  
 ہو گیا کہ انتظار ظہور حمل مقصود ہے تاکہ حمل ظاہر ہو جائے تو وضع حمل تک اور کسی سے نکاح نہ کیا جائے اور  
 اگر ظاہر نہ ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ الغرض لفظ یتر بطن کے ساتھ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ کو ملائے  
 تو یہ مطلب نکل آتا ہے کہ اگر پچھلے چار ماہ دس روز انتظار رہی میں گزر جائیں تو پھر عورت کو اختیار ہے مگر  
 انتظار اسی حالت کا نام ہے جس میں اس چیز کے ہونے نہ ہونے کا یقین نہ ہو سکا انتظار ہے۔ سو پورے چار  
 ماہ دس دن تک انتظار بھی مقصود ہے کہ آخر ساعت تک یقین حمل نہ ہوا ہو اور در صورتیکہ حمل کا یقین پہلے  
 ہی ہو چکا تو اب اس حالت کو تریبصن بمعنی انتظار نہیں کہہ سکتے جو موافق فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ ایسی حالت  
 میں بعد چار ماہ دس روز کے اباحت نکاح مل جائے بلکہ اس وقت وہ عورت منجلدہ اُولَاتُ الْأَحْمَالِ  
 أَجَلَهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ سمجھی جائے گی۔ اس طور پر آیت

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا  
 يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ  
 وَعَشْرًا (بقرہ ۲۰۶)

اور آیت وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ میں کچھ تعارض نہ رہا۔

(وفات کی عدت میں انتظار سے) | اور آیت فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ میں جو لفظ بالمعروف موجود ہے اس کا  
 مقصود فقط ظہور حمل ہے) | فائدہ یہی معلوم ہو گیا یعنی مدت معلوم کے بعد باوجود ظہور حمل اگر

عورت نے کسی سے نکاح کر لیا تو بوجہ مذکور یہ نکاح بھی معروف (جائز) نہ سمجھا جائے گا بلکہ چونکہ وجہ تریبصن  
 بعد موت زوج فقط انتظار حمل ہی تھا اور وجہ تریبصن بعد طلاق انتظار رضا زوج بھی ہے۔ تو عدت وفات  
 میں تو حمل کے چھپانے نہ چھپانے میں جداگانہ کچھ ارشاد نہ فرمایا کیونکہ یہاں تو خود ظہور حمل ہی کا انتظار مقصود  
 ہے ادھر دس دن چار ماہ ایک مقدار معین ہے جس میں کمی بیشی مقصود نہیں پھر کیا حاجت جو بروئے احتیاط  
 اور تاکید کی جائے اور عدت طلاق کے ذکر کے بعد یہ بھی ارشاد کر دیا۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكُنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي  
 أَنْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
 (اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان  
 کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پیچھے



کیونکہ انتظارِ حمل کے سوا یہاں انتظارِ رضا و زوج بھی ہے اور طہر و حیض اول تو منجملہ امور مخفیہ ہیں اور اگر ان کے لیے مقدار معین نہیں۔ موافق بعض مذاہب اور سالیس دن میں تین حیض متصور ہیں اور اس قدر مدت میں حمل اوروں پر خوب ظاہر نہیں ہو سکتا غرض انتظارِ طہر و حمل مقصود نہ تھا جو بیان مدت دربارہ ممانعتِ نفا کا کافی ہو جاتی اور بوجہ نفا امر طہر و حیض و عدم تعین مدت چھپا لینے کا احتمال تھا اس لیے یہاں بقصرِ حج ارشاد کی ضرورت ہوئی۔

(طلاق کی عدت میں مقصود | باقی رہی یہ بات کہ عدتِ طلاق میں انتظارِ رضا بھی مقصود ہوتا ہے اور خاوند کی رضا بھی ہے) عدت و فوات میں فقط انتظارِ حمل ہے۔ یہ خود ظاہر ہے رجعت کا طلاق

میں مقرر ہونا اور بے نکاح زوج کو زوجہ پر تصرف کر لینا خود اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح بالکل منقطع نہیں ہوا اور کیوں ہو حقیقت نکاح تو قطعی ظرفین بنتی اور بنا تراصنی اتحاد نوعی اور احتیاجِ طرفین ہے جو ایک کو دوسرے لگی ہوئی ہوتی پھر احتیاج بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ اس احتیاج کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ مرد و عورت کا مل مجت بنا یا گیا اور عورت منظرِ جمال محبوبیت بنائی گئی تاکہ احتیاج اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر احتیاج کی کوئی صورت ہی نہیں کہ ایک محشوق ہو اور اہل فہم جانتے ہوں گے کہ جذبِ محبوب جذبِ محب سے کہیں زیادہ ہے۔ اس صورت میں یہ کب ہو سکتا ہے کہ محبتِ محبوب محبتِ محب سے کم ہو۔ ورنہ ضعفِ جذب جو آنا طلبِ محبت میں سے ہے اور حرم ہوتا اور ادھر نہ ہوتا۔ اس صورت میں محب محبوب، محبوب بیکہ گر ہوں گے اور محتاج بیکہ گر، مگر سوا اس کے اور احتیاجیں اس کے برابر ہوں گی یا اس سے کم توجہ اس کی یہ ہے کہ بنا را احتیاجِ محبت پر ہی یا تو ہو یعنی عدتِ طلاق رجعی میں انتظارِ حمل رضا اگر بے واسطہ محبت ہے تو وہ احتیاجِ عشق کی ہم وزن ہے بلکہ خود عشق ہے اور اگر بواسطہ ہے جیسے روپیہ وغیرہ وسائل و ذرائع رزق کی محبت جو بذاتِ خود فرض کر دے محبوب ہے یا متعلقاتِ اشیاء بجز محبہ ہی کی محبت۔ تو وہ اس سے کم تر، بہر حال احتیاجِ عشق و محبتِ جمال سے بڑھ کر کوئی احتیاج نہیں اور بنا را طلاق ناخوشی اور شکرِ رنجی معاملات خانگی پر ہے اور ظاہر ہے کہ اتحاد نوعی اور محبتِ عشقی کوئی امر تا پایدار نہیں جو یوں کہے کہ آج ہے کل نہیں۔ ہاں شکرِ رنجی معاملات بیشتر ایک امر تا پایدار ہوتا ہے اس لیے انتظارِ رضا نکاح ثانی کے لیے ضرور محظرا۔ بالجلد تقررِ رجعت جو عدم انفطار نکاح پر دلالت



کرتا ہے ضرورت انتظار رضا کے لیے دلیل کامل ہے۔ ہاں جب دوبار یا تین بار پاک صاف ہو کر لباس نہ  
 زیور سے آراستہ ہو کر عورت پیش نظر ہے اور پھر بھی زوج کو ادھر التفات نہ ہو تو یوں کہو یہ ناخوش دلی  
 مکتی اور یہ نفرت نہ دل کی مکتی جو باوجود اس بھاننے کے کچھ خیال نہ آیا۔ الغرض عدت طلاق میں ایسی  
 مقرر کی گئی جس میں حفظ و نسب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور نوبت تا مقدور مفارقت کو بھی نہ آئے جو مخالفت  
 اصل طبیعت اور منجملہ البغض المباحات ہے وجہ ثانی کا اس حکم میں ملحوظ ہونا تو آشکارا ہو چکا۔

(عدت میں حفاظت نسب کی کیفیت) | پر حفظ نسب کی کیفیت بیان کرنی ضرور ہے حالت حمل میں  
 سب جانتے ہیں کہ حیض بند ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان ایام کے خون کو اگر اتفاق سے آجائے تو حیض  
 میں شمار نہیں کرتے، مرض استحاضہ میں محسوب ہوتا ہے سو جب مکرر سر کر حیض آیا تو احتمال حمل اصلاً نہ رہا،  
 بایں ہمہ تقریباً یہ مدت بھی دس دن چار مہینے کے قریب آپڑتی ہے۔ کیونکہ اکثر عورتوں کی عادت یہی ہے  
 کہ مہینے میں ایک بار آئے اور زیادہ سے زیادہ دس دن آئے سو اگر شروع عہد میں کسی نے اپنی زوجہ کو  
 طلاق دی تو ایک ایک ماہ کے تین طہر اور تین حیض کا ایک ماہ جس کا ماحصل وہی چار ماہ نکلے مگر چونکہ  
 خاوند یہاں زندہ ہے اور اس کو سب سے زیادہ اپنے نسب کے بنے بگڑنے کا خیال ہے تو اس قسم کی احتیاط  
 عورت کو کرنی ضرور نہ ہوئی جس قسم کی احتیاط عدت و قات میں ضروری مکتی جو اور دس روز کا بھی حساب لگایا جاتا۔  
 (طلاق مغلطہ میں عدم انتظار رضائے) | اب شاید یہ شبہ باقی ہو کہ طلاق مغلطہ میں تو احتمال رجعت باقی نہیں  
 زوج کے کسبہ کا ازالہ) | پھر یہ عدت کا ہے کے لیے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چار ماہ  
 دس روز بغرض کمال احتیاط مقرر ہوئے تھے اور وجہ اس احتیاط کی یہی مکتی کہ صاحب نسب مرگیا دوسروں  
 کو ایسا کیا خیال ہوگا اور نہ حیض اس امر میں کافی تھا۔ کیونکہ حیض کا آنا خود حاملہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔ سو  
 جب صاحب نسب زندہ ہو تو پھر اس احتیاط کی کیا ضرورت۔ وہ خود تحقیق کرتا ہے گا بہت ہوگا تو دیکھے گا  
 کہ دو باتوں میں ایک ہے۔ خود محتاج ایہ سے بے واسطہ محبت ہو یا بواسطہ۔ اور انتظار تھا دونوں ہی کا۔  
 طلاق مغلطہ میں فقط انتظار حمل ہی رہ گیا۔

(طلاق مغلطہ میں عدت کا فائدہ خاوند کو ناشکری کی) | بلکہ غور سے دیکھئے تو یہاں انتظار رضائے کے  
 سزا میں ذہنی کوفت میں مبتلا کرنا بھی ہے) | بدلے ایک اور غرض ساتھ لگ گئی وہ کہ  
 زوج کا جلنا۔ یعنی جب طلاق ثالث کے بعد عورت نے مکرر (دہل) بھجایا تو اگر اس کو کچھ بھی محبت ہوگا۔



تو اب بجز سوز و گداز اور کیا ہاتھ آئے گا۔ اپنے جی میں جل بھن کر رہ جائے گا۔ اور اس کا یہ اضطراب و قلق اور یہ سوز گداز آگے کو تو اس کے یوں کام آئے گا۔ اور عورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے گا۔ اور اوروں کو یوں مضید ہو گا کہ انہیں بھی اپنے دن نظر آئیں گے اور عبرت پکڑ کر ایسے خیالات سے باز رہیں گے ہر حال طلاق خلاف مرضی خداوندی تھی اس لیے یہ جرمانہ مقرر ہوا۔ سو یہ بات حیض و طہر ہی کے ساتھ خوب مربوط ہے اس دن چار ماہ کو اس سے علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس عدد کو بھلنے میں کچھ دخل نہیں علاوہ بریں کسی طلاق کا ثانی یا ثالث ہونا ایک امر اضافی ہے بلحاظ ما قبل یہ وصف اس پر عارض ہوتا ہے ورنہ فی حد ذاتہ اول اور دوم اور سوم سب برابر ہیں اور عدت مذکورہ حسب بیان بالا طلاق کے مقتضیات ذات میں سے ہے۔ یعنی یہ انتظار رضا بوجہ اتحاد نوعی محبت باہمی وقت ناخوشی قابل لحاظ تھا اور حرمت مغلطہ بوجہ امر اضافی مذکور عارض ہوئی اس لیے عدت حوں کی توں رہی۔ کیونکہ مقتضیات ذات عوارض خارجیہ کے باعث زائل نہیں ہو سکتے۔ ہاں جیسے نورش وقت کسوف زائل نہیں ہوتا چاند کی اوٹ میں ستور ہو جاتا ہے لازم مقتضیات ذات بھی عوارض خارجیہ کی اوٹ میں مستور ہو جاتے ہیں اور اپنا اثر نہیں کرتے سو یہاں بھی بعینہ قسم ہے کہ عدت وہی کی وہی رہی پر فائدہ عدت منقطع نہ ہوا یعنی انتظار رضا بے کار گیا اور زوج اول کے ہاتھ پہلے کچھ نہ پڑا۔ بالکل حالت عدت میں خاص کر عدت وفات اور عدت طلاق مغلطہ میں مکمل باقی نہیں رہتا اگر رہتا ہے۔ تو اس کا اثر یعنی احسان باقی رہتا ہے۔ سو اگر لفظ والمحصنات نہ فرماتے بلکہ والمتزوجات یا والمکوحات فرماتے تو بارہ **وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ مَعْتَدَ طَلَاقٍ مَّغْلُظَةٍ** اور محدثہ وفات و وول حلال سمجھی جاتیں پر علت حرمت حوں کی توں باقی رہتی۔ چنانچہ بخوبی واضح ہو گیا۔ اس لیے جناب باری تعالیٰ نے لفظ والمحصنات اختیار فرمایا اور سو اس کے اور خدا جانے کیا کیا حکمتیں ہوں گی۔

(علت احسان سے متعہ حرام ہے) | لیکن جب وجہ اختیار لفظ والمحصنات معلوم ہو گئی اور معنی احسان بخوبی ظاہر ہو گئے تو اب التماس دیگر یہ ہے کہ یہی وجہ اور یہی معنی **وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ** اَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُصَافِحِينَ (اور حلال میں تم کو سب عمرتیں ان کے سو



بشرطیکہ طلب کرد ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکلنے کو) میں ملحوظ رکھنے چاہئیں بلکہ یہاں یہ لحاظ بدرجہ اولیٰ ضروری ہے اس لیے کہ غیر مسافحین بھی یہاں تو ساتھ لگا ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ شہوت رانی مقصود نہ ہو غرض یہاں احصان مذکور زیادہ تر ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور باوجود اس دلالت سیاق اور تاکید غیر مسافحین اگر احصان مجہنی مذکور ملحوظ نہ ہو تو یوں کہو کہ منکوحات امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم منجلد و ملحوظ نہ ہوں اور سوا ان رشتہ داروں کے جن کے ساتھ نکاح کرنا حسب ارشاد سابق حرام ہو چکا ہے اور سب کو منکوحات امت محمدیہ سے حالت نکاح اول میں بھی نکاح درست ہو نعوذ باللہ منہا۔ ہاں اگر احصان کے یہ معنی نہ ہوتے اور وجہ امر احصان یہ نہ ہوتی جو بندہ کمترین عرض کر آیا ہے تو البتہ کسی صاحب کو مجال دم زندہ بھی تھی مگر قطع نظر اس بات کے کہ اشارہ حفظ نسب جملہ احکام متعلقہ نکاح سے مترشح ہے۔ چنانچہ معروضات سابقہ اس باب میں کافی ہیں۔ اور وہ اشارات ارادہ معنی معروض پٹھل آفتاب روشن دلالت کرتے ہیں اور کوئی معنی یا وجہ اگر حکم احصان کے لیے توجہ کی جائے تو بجز اس کے اور کیا ہو کہ وجہ احصان انتساب فی ما بین یعنی عورت کا مرد کے نام لگ جانا موجب حکم احصان ہو اور تفسیر احصان غیرت جاہلیت اہل ہند ہو۔ یعنی تمام عمر کی عدت عورت کے ذمے پڑے۔ سو ایسے مضامین نے تسلیم کرنے کے لیے عقل جاہلانہ اور مذہب ہندوانہ کی ضرورت ہے اہل اسلام کو ایسے خرافات سے کیا مطلب۔

کون نہیں جانتا کہ ہندی غلام جگہ اور اموال مملوک کہ بھی بعد مرگ مالک اس کی ملک سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اجارات بعد موت مستاجر فرسخ ہو جاتے ہیں سو ملک منافع بضعہ یا عمارت نکاح ایسا کیا پایدار اور مستحکم ہے جو بعد مرگ بھی باقی ہے اور طلاق خود قطع نکاح کے لیے موضوع ہے۔ نہایت کار ایک دار میں عقدہ نکاح منقطع نہ ہو۔ تین بار میں منقطع ہو جائے۔ آخر کلاماً نہایت وغیرہ آلات تجارتی جو قطع اشجار وغیرہ کے لیے موضوع ہوئے ہیں ایک بار اور ایک دار میں تو نہیں قطع کر دیتے۔ بالجلد طلاق تو قطع نسبت عقد کے لیے موضوع ہے اور موت اگرچہ بالذات قاطع نسبت ہمیں پر قاطع رشتہ حیات منتبہین ہے مگر منتبہین یا احد المنتبہین نہ ہوں تو نسبت منقطع کیا معدوم ہی ہو جائے گی اس صورت میں بقار علاوہ نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

(وضع حمل سے پہلے حرمت نکاح کی حسی مثال) | ہاں ایسے کیسے کہ جیسے ظروف مبیعہ میں بائع کا روغن یا شہد و شیر وغیرہ مثلاً رکھا ہوا ہو۔ اور اس وجہ سے مشتری اپنا روغن وغیرہ تا وقتیکہ وہ ظروف خالی نہ ہوں۔



ان میں ڈال نہیں سکتا کیونکہ ڈالنے تو اتلاف حق غیر اور افساد حق غیر لازم آتا ہے یعنی بعد اختلاط تمیز حق مشکل ہے ایسے ہی تابقائے حمل زوج اول، زوج ثانی زراعت ولد یعنی حمل جس میں البقا، تخم ولد یعنی نطفہ ہوتا ہے۔ نہیں کر سکتا۔ ہاں مگر اتنا فرق ہے کہ روغن و شیر و غیرہ کا برتنوں میں رکھنا کوئی خواہش طبعی اور لذت قلبی نہیں جو بعد یسع قبل استفراغ ظروف اندیشہ اختلاط ہو۔ ادھر روغن و شیر و غیرہ ایسی اشیاء نہیں کہ سوا ظرف اول بے نقصان اور کسی ظرف میں منتقل ہی نہ ہو سکیں، بایں ہمہ قطع نظر تعلق حق غیر سے روغن و شیر و غیرہ ایسی اشیاء نہیں کہ زمین پر گرا دیجئے تو یہ گرا دینا اس کے حق میں کوئی ظلم و ستم سمجھا جائے اس لیے قبل استفراغ یعنی خالی کرنے سے پہلے ان کی یسع میں کوئی نقصان یا اندیشہ نہ تھا البتہ قبل وضع حمل اگر نکاح تجویز کیا جائے تو یہ ساری عریاں موجود ہیں نہ یہ ہو سکے کہ شکم زوجہ سے نکالو کسی اور شکم میں رکھ دیں یہی ہو سکے کہ اگر زوج اول اپنے حمل کے نکلوانے میں دیر کرے تو زمین پر ہی گرا دیجئے کیونکہ قطع نظر حق زوج اول سے حمل کا گرا دینا بھی تو مجملہ خون ہے جو اول درجہ کا ظلم ہے بایں ہمہ یہ زراعت یعنی البقا، تخم نطفہ جو بوسیلہ جامع ہوتا ہے، ایسی خواہش غالب اور لذت عجیبہ ہے کہ بعد قدرت، صبر قریب محال ہے۔ اس لیے ایسے وقت میں اجتناب زنا کے وہ فضائل مقرر ہوئے کہ کیا کیئے، بایں نظر نکاح ہی ایسے اوقات میں ممنوع ٹھہرا گیا نہ یہ کہ بقاء نکاح، مانع نکاح ثانی ہے اور ظاہر ہے کہ بعد انقطاع نکاح اول سوا اندیشہ اتلاف حق غیر یا افساد حق غیر دوسروں سے نکاح کا ممنوع ہونا ایسا ہی ہے جیسا بعد انقطاع علاقہ ملک کسی غلام باندی کا کسی سے عقد اجارہ خدمت کا ممنوع ہونا سو جیسا اس کو کوئی عاقل تجویز نہیں کر سکتا ایسے ہی قطع نظر اتلاف و افساد حق غیر سے بعد انقطاع نکاح اول ممانعت نکاح ثانی کوئی تجویز نہیں کر سکتا۔ ورنہ قطع نظر مخالفت ہدایت کے پھر عدت ہی کی کیا تخصیص تھی مثل بیوگان، مہند ساری عمر ہی نکاح ممنوع ہونا تھا۔

بہر حال سوا اندیشہ اختلاط نسب وجہ ممانعت نکاح وقت بقاء نکاح اول یا وقت عدت اور کوئی امر نہیں اس لیے ایسے نکاح کی تحریم کے وقت ایسا لفظ جامع اختیار فرمایا جو اس وجہ مشترک پر دلالت کرے اور پھر اس کے بعد وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا دَرَأَ ذَلِكَ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرُ مُسَافِحِينَ۔ ارشاد کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو عورتیں باقی رہیں وہ کیف ما اتفق حلال نہیں بلکہ بشرط ارادہ احسان ہی حلال ہیں ورنہ موافق قاعدہ مذکورہ لازم آتا ہے کہ منکوحا



اہل اسلام اوروں پر حرام نہ ہوں۔ کیونکہ جب احسان ملحوظ نہ رہا تو وہ منجملہ محضات نہ ہوئیں سو جو لوگ ایسے ہوں کہ ان سے کوئی رشتہ موجب حرمت منجملہ رشتہ ہائے مذکور الصدر نہ ہو ان سے نکلح حرام نہ ہو۔  
(حرمت متعہ کی وجہ شہوت رانی ہے) مگر جب معنی احسان اور تفسیر احسان یہ ہو کہ جو اوپر معروض ہوئی تو نکلح متعہ حلال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں شہوت رانی مقصود ہوتی ہے۔ احسان مقصود نہیں ہوتا۔  
 اگر احسان مقصود ہوتا تو عدت ضرور مقرر ہوتی کیونکہ تا بقدر مدت متعہ خاوند جماع کا مجاز ہے اور کیوں نہ ہو عورت کو اور نوکر ہی کہے کے لیے رکھا ہے اور جب آخر ساعت مدت متعہ میں جماع کی نوبت آئی تو پھر احتمال حمل باقی ہے اس صورت میں عدت کا مقرر ہونا ضرور تھا حالانکہ باقرار شیعوہ متعہ میں عدت نہیں ہوتی اور کلام اللہ میں اس کی عدت کہیں مذکور نہیں۔ یعنی جیسے عدت طلاق اور عدت وفات جدا جدا کلام اللہ میں مذکور ہیں عدت متعہ جدا گانہ کلام اللہ میں کہیں مذکور نہیں۔ الغرض نہ شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ عدت متعہ مثل عدت طلاق یا عدت وفات ہے اور نہ کلام اللہ سے اس کا کہیں پتہ نکل سکتا ہے۔

(از روئے عقل متعہ عدت کا متقاضی نہیں) اور یہ عدم عدت متعہ بروئے عقل بھی دیکھئے تو بجائے خود ہے کیونکہ یہاں نکاح متعہ وقت اختتام مدت تمام ہو چکا اور ظاہر ہے کہ کسی شے کے تمام ہو جانے کے بعد اس کے آثار باقی نہیں رہ سکتے ہاں انقطاع شے کے بعد وہ آثار جو بوسیلہ اتصال ظاہر ہوتے تھے کسی قدر باقی رہتے ہیں مثلاً ایک تو درخت کا تمام ہو جانا ہے اس صورت میں تو آثار نمو بھی مثل تازگی وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگر شاخ درخت سے ٹلی ہوئی کوئی چوب خشک رکھی ہوئی ہو تو آثار نمو یعنی تازگی اس میں نہیں جاتی اور اگر درخت کو یا اس کی شاخ کو قطع کر ڈیکھے تو وہ تازگی جو اوپر کے کسی ٹکڑے کو بوجہ اتصال نیچے کی طرف پہنچی تھی کس قدر دیر تک باقی رہتی ہے اور پھر ایک زمانہ معین کے بعد مبدل خشکی ہو جاتی ہے۔ سو ایسے ہی نکلح حلال اور متعہ میں فرق ہے۔ متعہ میں تو ملک منافع اختتام کو پہنچ جاتی ہے اور طلاق و وفات میں ملک نکلح منقطع ہو جاتی ہے اگر ان دونوں کی نوبت نہ آئی تو نکلح کے بقا میں کوئی شک نہیں اور متعہ میں ظاہر ہے کہ طلاق دو یا نہ دو مر و یا نہ مر و بعد اختتام مدت مثل دیگر اجارات تمام لازم آجاتا ہے سو یہ عدم جواز نکلح ثانی جو آثار و لوازم نکلح اول میں سے تھا نکلح متعہ میں باقی ہے تو کیونکہ یہ ہاں اگر نکلح حلال کے انقطاع کے بعد جو کسی قدر باقی ہے تو بجائے خود ہے



(استبراء کا عذر لنگ مفید نہیں) | اس صورت میں اگر کوئی شیعہ بوجہ دور اندیشی آج استبراء کی کچھ بھی لگائے تو اس کا کیا جواب دیں گے کہ یہاں استحقاق استبراء زوج اول کو باقی نہیں کیونکہ اس کا حق تمام ہو چکا منقطع نہیں ہوا اگر منقطع ہو جاتا تو مضائقہ بھی تھا غرض نکاح اول باقی ہے نہ اثر نکاح اول پھر استحقاق زوج اول ہی کیا ہے جو ثانی سے معاملہ نہ ہو سکے۔ ہاں اگر ممانعت نکاح محضات کی علت سواہ پاس زوج اور کوئی امر ہوتا تو مضائقہ بھی نہ تھا مگر ناظران تقاریر گذشتہ پر یہ بات بخوبی واضح ہے کہ یہ ممانعت بے شک بوجہ حق زوج ہے اور کیوں نہ ہو۔ ازواج متعدد ہوں تو شہوت رانی میں چندال صرح نہیں تولد اولاد میں کچھ نقصان نہیں اگر شہوت رانی کو تعدد ازواج مانع ہوتا تو زندگیوں کی دوکان کا سب کو چلتی۔ تولد اولاد میں نقصان کا خیال تو غلط۔ ہاں اُمید کیے تو بجا ہے ایک زوج ہو تو یہ بھی احتمال ہے کہ عنین ہو یا اس کا نطفہ صالح نہ ہو متعدد ہوں تو یہ احتمال بھی اٹھ جاتا ہے غرض تکثر بنی نوع اور تکثر نسل حضرت آدم میں یہ امر خارج نہیں۔ ہاں بنی آدم بوجہ اقلاوت و افساد حقوق یقینی تھا اس لیے ممنوع ٹھہرا گیا۔ (زن متعہ کو باندی پر قیاس کرنا باطل ہے) | باقی رہا باندیوں پر قیاس کرنا اس سے بھی بڑھ کر جہالت ہے۔ کیونکہ وہاں نکاح زوج اول یعنی کافر تمام نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس ملک ملک اول تمام نہیں ہوتے یہ دونوں منقطع ہو جاتے ہیں اگر تمام ہوتے تو بے احترامی بے رعیت بھی وقت معلوم پر زوج اول اور ملک اول سے زمان معلومہ جدی ہو جاتیں اور جب انقطاع حکم اواب عدت بوجہ مذکور بجائے تو وہ بے مگر چونکہ بشادت آیت۔

فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (پ ۴۷)  
 رتو اگر کرسی بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے  
 بیبیوں کی سزا سے)

جو چند آیتوں کے بعد آگے موجود ہے یہ بات معلوم ہوئی کہ احترام اہل مثل احترام حرائر نہیں بلکہ باندیوں کا احترام حرائر سے آدھا ہے تو عدت اور طلاق بھی ان کی آدھی مقرر ہوئی کیونکہ یہ دونوں باتیں بھی بوجہ احترام ہی مقرر ہوئی ہیں یعنی بایں نظر کہ اولاد حرائر زیادہ مرغوب و معزز سمجھی جاتی ہے۔ تو ان کی اولاد کا نسب بھی زیادہ قابل حفاظت سمجھا گیا اس لیے ان کے لیے پوری عدت مقرر ہوئی یعنی وہ مقدار مقرر ہوئی جو بشادت عقل زیادہ سے زیادہ ہے مگر جب باندیوں کی اولاد زیادہ معزز اور محترم نہ ہوئی تو بقدر کمی احترام احتیاط اور حفظ میں کمی آئے گی سو وہ کمی چونکہ بقدر نصف تھی تو طلاق عدت میں بھی



مثل حدود و تناصف لازم آیا۔ اس لیے کہ عدلت تنصیف دونوں جا موجود ہے یعنی تناصف احترام ہی باعث تناصف عذاب ہوا تھا۔

قاعدہ ہے جن کا اعزاز زیادہ کیا جاتا ہے انہی سے مواخذہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ع  
نزدیکا نرا بیش بود حیرانی

انسان کو ترک صوم و صلوٰۃ اور ارتکاب ظلم و فساد اور زنا اور شرب خمر وغیرہ پر عذاب ہوگا جانوروں کو نہ ہوگا۔ وجہ کیا ہے؟

یہی احترام و اکرام بنی آدم اور عدم احترام و اکرام حیوانات ہے اسی طرح تناصف احترام موجب تناصف طلاق اور تناصف عدت ہونا چاہیے۔

(باندی میں طلاق کی تجویز نہ ہونے کی وجہ) | ہاں اتنا فرق ہے کہ ماہیت عذاب مشارالیه یعنی حدود اگرچہ قابل تنصیف حقیقی نہیں پر عدو عذاب یعنی حدود قابل تنصیف حقیقی ہے۔ اس لیے تو ستودہوں کی جا پچاس اور انہی کی چالیس مقرر ہوئے مگر طلاق کو دیکھا تو زمانہ ماہیت طلاق قابل تنصیف ہے اور نہ عدو طلاق لائق تنصیف۔ عدو کا قابل تنصیف نہ ہونا تو اس کے طاق ہونے سے ظاہر ہے اور اگر کسی کو بوجہ تجویز کسور شبہ واقع ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کسور محدود میں ہوتی ہیں عدو میں نہیں ہوتی ورنہ وہدات آیا احاد عدد، وحدت، واحد نہ رہیں مگر اب اور متعدد ہو جائیں اس سے زیادہ علماء کو ضرورت نہیں اور حکم فہم زیادہ بھی بدقت ہی سمجھیں گے یہی ماہیت طلاق اس میں تنصیف درکنار مطلق انقسام ہی کی گنجائش نہیں۔ ہاں وہ اگر منجملہ کمیات ہوتی ہو تو یہ بات ہوتی البتہ بوسیلہ عدد انقسام عددی تصور ہے۔ اس لیے اس کی طلاق مغلطہ دوسری طلاق ہوگی کیونکہ اگر بالفرض کوئی شخص بزعیم خود آدمی طلاق دے تو اس کے اقرار کے موافق وجود مادہ طلاق تو ہوا مگر طلاق واحد حسب بیان بالانہ باعتبار ماہیت قابل تقسیم ہے نہ باعتبار عدد جو یوں کہا جائے کہ آدمی آدمی نہیں اس لیے جب ہوگی تو پوری ہی ہوگی۔

(حیض و طہر بذات خود قابل انقسام نہیں) | علیٰ ہذا القیاس عدت طلاق کو خیال فرمائیے کیونکہ حیض و طہر بذات خود تو قابل انقسام ہی نہیں اگر ہیں تو باعتبار زمانہ قابل انقسام ہیں وجہ اس کی اسی سے ظاہر ہے کہ ان کے لیے کوئی مقدار معین نہیں یعنی کوئی ایک زمانہ مقرر نہیں کہ اس سے کمی بیشی تصور



نہ ہو قلیل و کثیر سب پر ان دونوں کا اطلاق درست ہے سو یہ بات کہ قلیل و کثیر دونوں پر برابر اطلاق ہو سکے اشکال و صورت یعنی حدود کے خواص میں سے ہے خواہ وہ شکل و صورت مدرکات بصری میں سے ہو یا کسی اور حاسہ کے مدرکات میں سے ہو۔ غرض اس جگہ صورت مصطلح اہل منطق سمجھتی چاہیے صورت حاصلہ فی العقل سے جو وہ مراد لیتے ہیں وہی مراد لیتا ہوں۔ اور وجہ اس اختصاص کی کہ اس قسم کا اطلاق انہیں کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ حدود و صورت اگرچہ حدود و صورت کمیات و مقادیر کیوں نہ ہوں اقام کیف میں سے ہیں اقام کم میں سے نہیں جو مقدار کی کمی بیشی باعث اختلاف مقصود ہو جائے اگر مثال سے تسکین خاطر مقصود ہے تو سینے کسی کی تصویر اس سے چھوٹی ہو یا اس سے بڑی صورت وہی کی وہی رہتی ہے ورنہ تبدیل صورت ہو کر تا تو پھر اس کا تصویر ہونا اور اس پر اس کا دلالت کرنا غلط ہو جاتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کمی بیشی معروض تصویر میں ہوتی ہے خود تصویر میں نہیں ہوتی اس صورت میں حیض و طہر کا انقسام بھی بذات خود ممکن نہ ہو جو ملاشتہ قرد کی جگہ بانڈیوں کے لیے ڈیڑھ قرہ بلا کم و کاست مقرر ہو اس صورت میں جب ڈیڑھ قرہ کسی کے ذمہ رکھا جائے گا تو پورے دو ہی قرہ لازم آئیں گے۔

معنی قرہ میں حنفی شافعی اختلاف اور اگر قرہ بمعنی حیض ہے جیسے حنفی کہتے ہیں تو دو حیض۔ اور علم ریاضی سے اس کی وضاحت)

معروض طہر و حیض یعنی زمانہ مثل معروض تصویر البتہ محل انقسام ہوتا ہے سو وہ اور چیز ہے اس سے یہاں بحث نہیں۔ بحث کے قابل یہ بات ہے کہ تصویر یعنی وہ صورت جو کاغذ وغیرہ پر مرقوم ہوتی ہے۔ قطع نظر کاغذ سے بھی قابل انقسام ہے یا نہیں۔ سوال فہم سلیم پر روشن ہو گا کہ اگر وہ اس طرح قابل انقسام ہوتی تو لاریب اس کے لازم ذات بھی قابل انقسام ہوتے اگر صورت حسین ہو تو حسن بھی بعد انقسام منتقم ہو اور قبیح ہو تو قبیح بھی بعد انقسام منتقم ہو۔ علیٰ ہذا القیاس در صورت حسن جس قدر محبت پوری صورت سے ہتی وقت تنصیف وہ بھی نصفاً نصفی ہو جائے حالانکہ تنصیف میں تو بہت کچھ نقصان آجاتا ہے۔ یہاں تو فقط ایک آنکھ ناک کی کمی بیشی میں حسن مبدل بقتح ہو جاتا ہے۔ اور محبت مبدل بنفرت سو وجہ اس تبدیل و انقلاب کی یہی ہے کہ صورت سابقہ منتقم نہیں ہوتی بلکہ بدل جاتی ہے اور کیونکہ نہ ہو بعد انقسام منتقم کا اقام پر صادق آنا ضرور ہے۔ غلہ آب زمین وغیرہ اشیاء کو اگر تقسیم کرتے ہیں تو تمام اقام اور اجزاء کو بعد تقسیم بھی غلہ، آب، زمین ہی کہتے ہیں اور صورت کا یہ حال ہے کہ بعد



عروض اس حالت کے جس کو بظاہر انقسام کہتے طلاق مقسم درست نہیں ہوتا بلکہ اس کا اور کچھ نام ہو جاتا ہے مثلاً مربع کو اگر قطر وغیرہ سے تقسیم کیجئے تو پھر ان ٹکڑوں کو جو بعد انقسام مشار الیہ حاصل ہوئے ہیں مربع نہیں کہہ سکتے بلکہ شدت یا منحرف کہیں گے۔ وجہ اس انقلاب کی وہی ہے کہ یہ تقسیم صورت مربع پر عارض نہیں ہوتی بلکہ معروض مربع اعنی سطح پر عارض ہوتی ہے۔ اس لیے اطلاق سطح ہنوز بدستور ہے۔ مگر چونکہ سطح مذکور کو بوجہ عروض صورت مربع، مربع کہہ دیتے ہیں اس لیے عوام کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مربع اعنی صورت مشار الیہ منقسم ہو گئی اسی طرح آب و زمین وغیرہ اشیاء جنس کو سمجھئے کہ جو چیز قلیل و کثیر پر برابر بولی جاتی ہے وہ صورت آب و زمین ہے مگر وہ قابل انقسام نہیں اور جو چیز قابل انقسام ہے وہ معروض صورت آب ہے وہ بیوقوفی ہو یا اجزاء، لایتحزی یا بعد مجرد۔ سو کوئی صاحب اس بات سے کہ آب بعد انقسام پھر آب ہی رہتا ہے حالانکہ قلیل کثیر پر بولا جاتا ہے دھوکا نہ کھائیں اور اس بات کو غلط نہ سمجھیں کہ جو چیز قلیل و کثیر پر یکساں بولی جائے وہ مثل صورت حدود قابل انقسام نہیں ہوتی وجہ اس شبہ کی یہ ہے کہ کبھی حدود خود محدود ہو جاتی ہیں۔ جیسے سطح حد جسم ہے اور بہ نسبت خطوط خود محدود ہے۔ سو ایسی ہی چیزیں ایک حد ہوتی ہے ایک محدود ایک صورت ہوتی ہے، ایک معروض۔ صورت انقسام تو عوارض محدود و معروض میں سے ہوتا ہے۔ اور اطلاق علی القلیل و الکثیر لازم و موجبات صورت محدود میں سے ہوتا ہے اور جہاں دونوں باتیں مجتمع ہو جاتی ہیں یعنی ایک شے کسی کی حد اور صورت ہو اور کسی کی محدود اور صورت۔ تو انقسام اور عدم انقسام کا بھی یہی حال ہو گا کہ ایک اعتبار سے انقسام ہو گا اور ایک اعتبار سے نہ ہو گا۔ مثلاً سطح اگر منقسم ہے تو عرض و طول میں منقسم ہے مگر اس اعتبار سے وہ حد اور صورت جسم نہیں۔ حد اور صورت جسم ہے تو باعتبار عمق ہے اور ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے سطح قابل انقسام نہیں۔

القصد حیض و طہر طہارت و نجاست مجملہ صورت و حدود ہیں اور احکام دینے میں بحیثیت صورت ہی ملحوظ ہیں۔ کیونکہ ان سے یا تحدید زمانہ مقصود ہے جیسے عدت میں ہوتا ہے یا تفسیر مکلفین مثلاً جب یوں کہتے ہیں کہ نماز بے وضو درست نہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ مومن مطلق کی نماز صحیح نہیں بلکہ مومن ظاہر کی نماز صحیح ہے سو جیسے غسل، وضو قابل انقسام نہیں ورنہ آدھے وضو سے آدھی نماز صحیح ہو جایا کرتی اور آدھے غسل سے اس کے متعلق آدھے کام نکل آیا کرتے۔ ایسے ہی حیض و طہر



کو سمجھئے۔ سو جب ان میں انقسام ہی نہیں تو اگر کہیں نصف حیض یا نصف طہر لازم آئے گا تو سارا ہی حیض و طہر لازم آئے گا کیونکہ آدھا کہو یا تنائی وجود مادہ پر دلالت کرتا ہے مگر مادہ چونکہ قابل انقسام نہیں اور قلیل و کثیر پر اطلاق برابر درست ہے تو آدھا ہے جب سارا ہوگا اور تنائی ہے جب سارا ہوگا۔

(استبراء بیک حیض اور عدتِ کامل میں فرق) | اور استبراء بیک حیض جو بعد ملک باندلیوں کے باب میں ضرور ہوا اور تین حیض ہے نہ دو۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عدتِ طلاق میں فقط حفظ نسب ہی مقصود نہ تھا بلکہ انتظارِ رضا، زوج بھی ملحوظ تھا تو یہاں انتظار تو ہے نہیں اگر ہے تو فقط حفظ نسب ہے اس کے لیے ایک حیض کافی ہے کیونکہ حیض آنا حمل کے نہ ہونے کے لیے دلیل کامل ہے بایں سہرہ اندیشہ افلا افسا وحق غیر نہیں کیونکہ اگر حمل ہوا بھی تو وہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ داخل ملک ملک ہو چکا۔ اس لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت نہ ہوئی مگر بہر حال یہاں بھی انقطاع نکاح ہے اتمام نکاح نہیں جو زن متعہ کو ملک یمین پر قیاس کر کے استبراء کا قائل ہو جائے۔ اس تقریر سے یہ شبہ بھی مرتفع ہو گیا کہ عدت متعہ کلام اللہ میں مذکور نہیں تو کیا ہوا استبراء زن غنیمت اور باندلیوں کی عدت بھی مذکور نہیں۔ کیونکہ یہ سب کلام اللہ ہی سے ثابت ہوا۔ بایں سہرہ ان وجوہ میں سے ایک وجہ بھی مذکور ایسی نہیں جو زن متعہ کو اس وجہ سے ان احکام میں سے کسی میں شریک کر دیجئے اور انشاء اللہ قیامت تک علماء شیعہ کو کوئی وجہ مقتضی استبراء عقل و نقل سے ملے کہ برعکس آرزو شیعہ وجہ عدم استبراء عقل و نقل سے نمایاں ہیں۔ سو اگر علماء شیعہ کو عقل و نقل سے سروکار ہے اور اس دین کو موافق انشاء و یُعَلِّمُہُوْا الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ عین حکمت سمجھتے ہیں تو عدم وجوب استبراء کے قائل ہوں گے اور پھر وجہ عدم دخول فی المحسنات متعہ کی حرمت پر ایمان لاویں گے۔ ورنہ وہ جانیں۔

بالجملہ مجملہ محصنین الا اس پر شاہد ہے کہ وہ عورتیں جن کو مَا وَرَاءَ ذٰلِكَ کہہ کیے اگر حلال ہیں تو بشرط احصان حلال ہیں اور ظاہر ہے کہ رعایت احصان ان عورتوں کے محصنات بنادینے کو مقتضی ہے اور بالا التزام زن متعہ کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔ غرض یہ مضمون الیبا عام نہیں کہ زن نکاح اور زن متعہ دونوں کو شامل ہو اور تصریح فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ از قسم بیان احکام خاص بعد ذکر العام ہو۔







اللہ و علی آلہ وسلم کا منصب نصیب ہو۔ اور متعہ کا یہ رتبہ کہ ایک (مرتبہ) کرے حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی مسند اڑائے اور دو کرے تو حضرت سبط اکبر کی گدی اڑائے اور تیسرا کرے تو پھر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت میں شریک ہو اور جو بھتی میں تو خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہیسم ہو جائے۔ اور پھر قیاس کو دوڑائے تو حسب خیالات و افہام شیعہ پانچویں متعہ میں خدا ہونے کی امید کا موقع ہے۔ اور غسل میں یہ پاکیزگی کہ ہر قطرہ غیر یک ملک (فرشتہ) ہے جس کو سوا تسبیح و تقدیس ربانی اور کچھ کام نہ ہو۔ اس صورت میں متعہ کا نکلج کے ساتھ بیوند ایسا ہے جیسا خراب مرد بازاری سے تاج شہانہ کو سی دیکھئے۔

۱۰۰  
۱۰۱  
۱۰۲  
۱۰۳  
۱۰۴  
۱۰۵  
۱۰۶  
۱۰۷  
۱۰۸  
۱۰۹  
۱۱۰  
۱۱۱  
۱۱۲  
۱۱۳  
۱۱۴  
۱۱۵  
۱۱۶  
۱۱۷  
۱۱۸  
۱۱۹  
۱۲۰  
۱۲۱  
۱۲۲  
۱۲۳  
۱۲۴  
۱۲۵  
۱۲۶  
۱۲۷  
۱۲۸  
۱۲۹  
۱۳۰  
۱۳۱  
۱۳۲  
۱۳۳  
۱۳۴  
۱۳۵  
۱۳۶  
۱۳۷  
۱۳۸  
۱۳۹  
۱۴۰  
۱۴۱  
۱۴۲  
۱۴۳  
۱۴۴  
۱۴۵  
۱۴۶  
۱۴۷  
۱۴۸  
۱۴۹  
۱۵۰  
۱۵۱  
۱۵۲  
۱۵۳  
۱۵۴  
۱۵۵  
۱۵۶  
۱۵۷  
۱۵۸  
۱۵۹  
۱۶۰  
۱۶۱  
۱۶۲  
۱۶۳  
۱۶۴  
۱۶۵  
۱۶۶  
۱۶۷  
۱۶۸  
۱۶۹  
۱۷۰  
۱۷۱  
۱۷۲  
۱۷۳  
۱۷۴  
۱۷۵  
۱۷۶  
۱۷۷  
۱۷۸  
۱۷۹  
۱۸۰  
۱۸۱  
۱۸۲  
۱۸۳  
۱۸۴  
۱۸۵  
۱۸۶  
۱۸۷  
۱۸۸  
۱۸۹  
۱۹۰  
۱۹۱  
۱۹۲  
۱۹۳  
۱۹۴  
۱۹۵  
۱۹۶  
۱۹۷  
۱۹۸  
۱۹۹  
۲۰۰  
۲۰۱  
۲۰۲  
۲۰۳  
۲۰۴  
۲۰۵  
۲۰۶  
۲۰۷  
۲۰۸  
۲۰۹  
۲۱۰  
۲۱۱  
۲۱۲  
۲۱۳  
۲۱۴  
۲۱۵  
۲۱۶  
۲۱۷  
۲۱۸  
۲۱۹  
۲۲۰  
۲۲۱  
۲۲۲  
۲۲۳  
۲۲۴  
۲۲۵  
۲۲۶  
۲۲۷  
۲۲۸  
۲۲۹  
۲۳۰  
۲۳۱  
۲۳۲  
۲۳۳  
۲۳۴  
۲۳۵  
۲۳۶  
۲۳۷  
۲۳۸  
۲۳۹  
۲۴۰  
۲۴۱  
۲۴۲  
۲۴۳  
۲۴۴  
۲۴۵  
۲۴۶  
۲۴۷  
۲۴۸  
۲۴۹  
۲۵۰  
۲۵۱  
۲۵۲  
۲۵۳  
۲۵۴  
۲۵۵  
۲۵۶  
۲۵۷  
۲۵۸  
۲۵۹  
۲۶۰  
۲۶۱  
۲۶۲  
۲۶۳  
۲۶۴  
۲۶۵  
۲۶۶  
۲۶۷  
۲۶۸  
۲۶۹  
۲۷۰  
۲۷۱  
۲۷۲  
۲۷۳  
۲۷۴  
۲۷۵  
۲۷۶  
۲۷۷  
۲۷۸  
۲۷۹  
۲۸۰  
۲۸۱  
۲۸۲  
۲۸۳  
۲۸۴  
۲۸۵  
۲۸۶  
۲۸۷  
۲۸۸  
۲۸۹  
۲۹۰  
۲۹۱  
۲۹۲  
۲۹۳  
۲۹۴  
۲۹۵  
۲۹۶  
۲۹۷  
۲۹۸  
۲۹۹  
۳۰۰  
۳۰۱  
۳۰۲  
۳۰۳  
۳۰۴  
۳۰۵  
۳۰۶  
۳۰۷  
۳۰۸  
۳۰۹  
۳۱۰  
۳۱۱  
۳۱۲  
۳۱۳  
۳۱۴  
۳۱۵  
۳۱۶  
۳۱۷  
۳۱۸  
۳۱۹  
۳۲۰  
۳۲۱  
۳۲۲  
۳۲۳  
۳۲۴  
۳۲۵  
۳۲۶  
۳۲۷  
۳۲۸  
۳۲۹  
۳۳۰  
۳۳۱  
۳۳۲  
۳۳۳  
۳۳۴  
۳۳۵  
۳۳۶  
۳۳۷  
۳۳۸  
۳۳۹  
۳۴۰  
۳۴۱  
۳۴۲  
۳۴۳  
۳۴۴  
۳۴۵  
۳۴۶  
۳۴۷  
۳۴۸  
۳۴۹  
۳۵۰  
۳۵۱  
۳۵۲  
۳۵۳  
۳۵۴  
۳۵۵  
۳۵۶  
۳۵۷  
۳۵۸  
۳۵۹  
۳۶۰  
۳۶۱  
۳۶۲  
۳۶۳  
۳۶۴  
۳۶۵  
۳۶۶  
۳۶۷  
۳۶۸  
۳۶۹  
۳۷۰  
۳۷۱  
۳۷۲  
۳۷۳  
۳۷۴  
۳۷۵  
۳۷۶  
۳۷۷  
۳۷۸  
۳۷۹  
۳۸۰  
۳۸۱  
۳۸۲  
۳۸۳  
۳۸۴  
۳۸۵  
۳۸۶  
۳۸۷  
۳۸۸  
۳۸۹  
۳۹۰  
۳۹۱  
۳۹۲  
۳۹۳  
۳۹۴  
۳۹۵  
۳۹۶  
۳۹۷  
۳۹۸  
۳۹۹  
۴۰۰  
۴۰۱  
۴۰۲  
۴۰۳  
۴۰۴  
۴۰۵  
۴۰۶  
۴۰۷  
۴۰۸  
۴۰۹  
۴۱۰  
۴۱۱  
۴۱۲  
۴۱۳  
۴۱۴  
۴۱۵  
۴۱۶  
۴۱۷  
۴۱۸  
۴۱۹  
۴۲۰  
۴۲۱  
۴۲۲  
۴۲۳  
۴۲۴  
۴۲۵  
۴۲۶  
۴۲۷  
۴۲۸  
۴۲۹  
۴۳۰  
۴۳۱  
۴۳۲  
۴۳۳  
۴۳۴  
۴۳۵  
۴۳۶  
۴۳۷  
۴۳۸  
۴۳۹  
۴۴۰  
۴۴۱  
۴۴۲  
۴۴۳  
۴۴۴  
۴۴۵  
۴۴۶  
۴۴۷  
۴۴۸  
۴۴۹  
۴۵۰  
۴۵۱  
۴۵۲  
۴۵۳  
۴۵۴  
۴۵۵  
۴۵۶  
۴۵۷  
۴۵۸  
۴۵۹  
۴۶۰  
۴۶۱  
۴۶۲  
۴۶۳  
۴۶۴  
۴۶۵  
۴۶۶  
۴۶۷  
۴۶۸  
۴۶۹  
۴۷۰  
۴۷۱  
۴۷۲  
۴۷۳  
۴۷۴  
۴۷۵  
۴۷۶  
۴۷۷  
۴۷۸  
۴۷۹  
۴۸۰  
۴۸۱  
۴۸۲  
۴۸۳  
۴۸۴  
۴۸۵  
۴۸۶  
۴۸۷  
۴۸۸  
۴۸۹  
۴۹۰  
۴۹۱  
۴۹۲  
۴۹۳  
۴۹۴  
۴۹۵  
۴۹۶  
۴۹۷  
۴۹۸  
۴۹۹  
۵۰۰  
۵۰۱  
۵۰۲  
۵۰۳  
۵۰۴  
۵۰۵  
۵۰۶  
۵۰۷  
۵۰۸  
۵۰۹  
۵۱۰  
۵۱۱  
۵۱۲  
۵۱۳  
۵۱۴  
۵۱۵  
۵۱۶  
۵۱۷  
۵۱۸  
۵۱۹  
۵۲۰  
۵۲۱  
۵۲۲  
۵۲۳  
۵۲۴  
۵۲۵  
۵۲۶  
۵۲۷  
۵۲۸  
۵۲۹  
۵۳۰  
۵۳۱  
۵۳۲  
۵۳۳  
۵۳۴  
۵۳۵  
۵۳۶  
۵۳۷  
۵۳۸  
۵۳۹  
۵۴۰  
۵۴۱  
۵۴۲  
۵۴۳  
۵۴۴  
۵۴۵  
۵۴۶  
۵۴۷  
۵۴۸  
۵۴۹  
۵۵۰  
۵۵۱  
۵۵۲  
۵۵۳  
۵۵۴  
۵۵۵  
۵۵۶  
۵۵۷  
۵۵۸  
۵۵۹  
۵۶۰  
۵۶۱  
۵۶۲  
۵۶۳  
۵۶۴  
۵۶۵  
۵۶۶  
۵۶۷  
۵۶۸  
۵۶۹  
۵۷۰  
۵۷۱  
۵۷۲  
۵۷۳  
۵۷۴  
۵۷۵  
۵۷۶  
۵۷۷  
۵۷۸  
۵۷۹  
۵۸۰  
۵۸۱  
۵۸۲  
۵۸۳  
۵۸۴  
۵۸۵  
۵۸۶  
۵۸۷  
۵۸۸  
۵۸۹  
۵۹۰  
۵۹۱  
۵۹۲  
۵۹۳  
۵۹۴  
۵۹۵  
۵۹۶  
۵۹۷  
۵۹۸  
۵۹۹  
۶۰۰  
۶۰۱  
۶۰۲  
۶۰۳  
۶۰۴  
۶۰۵  
۶۰۶  
۶۰۷  
۶۰۸  
۶۰۹  
۶۱۰  
۶۱۱



دامتہ سے متعہ کے فضائل دراصل ہاں اگرچہ کعبہ سے متعہ کو جوڑیئے تو برائے باطن تو یہ مناسبت کرج متعہ حج کے لیے ہیں) اگر موجب مغفرت معافی ہے تو متعہ سرمایہ ترقی مدارج ہے وہ اگر عنوان محبت ہے تو یہاں صدق مجبوریت ہے۔

تفصیل اس اجمال کی احکام حج اور فضائل متعہ سے عیاں ہے۔ احرام۔ سروپا رہنے نعرہ لبیک زبان حجر اسود کا بوسہ اور ملتزم کی ہم آغوشی اور کعبہ کا طواف اور کوچہ صفائیں مائے مائے پھر ناز و رمی جملہ، ناصح نادان کو سنگ باراں کرنا اور پھر آخر کار قربانی۔ یعنی جان و مال کو قربان کر دینا یہ سب عاشقوں کے کام ہیں اور مقامات حسنین رضی اللہ عنہما اور مناصب حضرت امیر رضی اللہ عنہ، اور مدارج حضرت بشیر و نذیر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں سرمایہ مجبوریت ہے۔

ادھر نکاح میں بجز حصول اولاد یا قضا بہت اور کچھ منفعت دینی ہے نہ دنیوی اس لیے وہاں اگر مہر میں زخارف دنیوی مقرر کئے جائیں تو بجائے خود ہے۔ پر متعہ جیسی افضل العبادات کے اجر میں مال دنیا کا دینا لاریب موجب تو جہین ہے۔ ہاں جیسے نکاح میں باموال حکم فرمایا ہے متعہ میں اگر بالعمرة فرمائیں تو البتہ کچھ ٹھکانے کی بات ہے پھر اگر الی الحج کو غایت تمتع نہ کیئے بلکہ بیان تحدید عوض متعہ ہو یعنی عمرہ سے لے کر حج تک جو کچھ ثواب اور برکات میسر آئیں وہ سب اجر و مہر متعہ قرار دیا جائے اور تحدید مدت مثل لفظ استمتعتم لفظ تمتع کے مدلولات میں سے رکھئے تو گو تحدید مدت متعہ کہیں سے بتصریح ثابت نہ ہوگی اگر ہوگی تو بدلالیت وضع مادہ متعہ ثابت ہوگی مگر اس صورت میں فضیلت متعہ کی طرف زیادہ تر اشعار ہو جائے گا ادھر جزا فَمَا اسْتَحْيٰ مِنْ الْهَيْئَةِ کی وجہ موجب ہاتھ آجائے گی یعنی در صورتیکہ اس متعہ کو جو آیت فَمَا اسْتَحْيٰ مِنْ الْهَيْئَةِ کی طرف اشارہ ہے متعہ حج کیسے جیسا تمام امت کہتی ہے۔ تو یہ حکم ہدی بوجہ شکر توفیق جمع عمرہ و حج سمجھا جاتا تھا اور جب اس متعہ کو متعہ زن قرار دیا جائے اور اس کے لیے اس قدر ثواب و مدارج تجویز کئے جائیں تو پھر بدرجہ اولیٰ شکر مذکور لازم آئے گا کیونکہ اس صورت میں اپنی جان بھی قربان ہو جائے تو بجا ہے وصال جاناں اور رضائے جان آفریں دونوں موجود ہیں۔ بہر حال اگر یہی نفل بے جوڑ قصہ ہے تو مطلب براہی شیعہ آیت فَمَا اسْتَحْيٰ مِنْ الْهَيْئَةِ سے اس قدر متصور نہیں جس قدر آیت فَمَا اسْتَحْيٰ مِنْ الْهَيْئَةِ سے اس مطلب کے حصول کی امید ہے۔



(قرأت شاذہ ابن مسعود کا محل) | اس صورت میں قرأت حضرت عبداللہ بن مسعود اسی مضمون کی ہیں اور مضمر ہوگی اور یہ قاعدہ بھی درست ہے گا کہ قرأت شاذہ حکم تفاسیر ملتی ہیں اور وجہ تفسیر کی خود ظاہر ہے کیونکہ الی اجل غایت استمتعتم ہوگی۔ سو اجل منکر (نکڑہ) کو غایت و نہایت استمتع یعنی استمتاع خلوت رکھا جائے گا تو یہی معنی ہوں گے کہ کسی قدر مدت تک بھی نوبت استمتاع آئیگی تو سارا ہی مہر لازم آئے گا۔ بالجلد لفظ اجل بھی مثل زمانہ قلیل و کثیر پر بولا جاتا ہے۔ ایک ساعت قلیل سے کر زمانہ دراز تک کو اجل کہہ سکتے ہیں۔ سو قدر خلوت صحیحہ بھی ایک مصداق الی اجل ہے۔ الغرض شیعر الی اجل کو انتہا عقد سمجھ کر بہکے اگر انتہا۔ استمتاع سمجھ جاتے تو ساری باتیں ٹھکانے لگتے۔ اور اس تجویز کی بھی نوبت نہ آتی کہ استمتعتم میں تضمین معنی عقد کر کے اپنا کام بنایا معنی حقیقی استماع سے کام نہ چل سکا۔ الغرض اگر آیت استمتع کو ماخذ مدت متعہ تجویز کیجئے تو اوّل تو معنی مجازی ہے



کی ضرورت یعنی تضمین معنی عقد کیجئے تو کام چلے سوا اس کے کلام اللہ کی بے ربطی۔ نظم قرآنی کی بے نظامی  
آیت مُحَصِّنَاتٍ اور آیت الْمُحَصِّنَاتِ کے مخالف آیت نَسَاءُ كُفَرًا حَدَّثَ لَكُمْ کے معارض  
حلت تعدد ازواج زن واحد کو متلزم۔ اتنی خرابیاں سر دھریئے تو متو کے جواز کا آیت اِسْتَمْتَعْتُمْ سے  
نام لیجئے۔ سو یہ بات سوا شیعوں کے اور کس سے ہو سکے۔

لفظ اُجُوْدَہُنَّ سے تعین مدت کے | باقی وہ شبہ جو لفظ اُجُوْدَہُنَّ سے دوبارہ تعین مدت  
بارے میں واقع ہونے والے شبہ کا جواب واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری آیت

میں متصل ہی یوں ارشاد ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ  
الْمُحَصِّنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُ  
مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ  
بِأِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَلْيُكَوِّرْهُنَّ  
بِأُذُنِ أَهْلِهِنَّ وَأَتُوهُنَّ أُجُودَهُنَّ (پیش)

اس آیت میں تصریح ذکر نکاح ہے اور پھر بایں ہمہ لفظ اُجُوْدَہُنَّ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح  
ومتعہ کی حقیقت میں تو یہی فرق ہے کہ متعہ میں مدت محدود ہوتی ہے نکاح میں مدت نکاح محدود نہیں  
ہوتی سو جس طرح یہاں لفظ اُجُوْدَہُنَّ مقتضی تحدید مدت نہیں لیے گی آیت استمتاع میں بھی سی۔  
غلاوہ بریں عقد نکاح کو عقد زوجہ تو کہہ ہی نہیں سکتے اگر کہیں گے تو عقد اجارہ ہی کہیں گے اور یہ بھی ظاہر  
ہے کہ متعہ کو تو سوا شیعہ اور کوئی جائز نہیں کہتا پر نکاح کے جواز میں کسی کو کلام ہی نہیں سوجب اس کو عقد  
اجارہ کہا اور مدت معین نہ ہوئی تو لفظ اُجُوْدَہُنَّ نہ شیعوں کو مغید ہوا نہ سینوں کو مضر۔ بلکہ یہ شبہ الٹا  
شیعوں کو مضر پڑا۔ اس لیے کہ تصحیح متعہ کے پتے (لیے) نکاح متفق علیہ کافہ نام غلط ہو گیا۔ یعنی جب  
لفظ اجود حسن اس بات کو مقتضی ہے کہ عقد مذکور عقد اجارہ ہو اور عقد اجارہ کو تعین مدت اس صورت  
میں لازم ہوئی کہ تعین کا کسی اور طرح نہ کیا گیا ہو۔ تو پھر اس صورت میں نکاح امام کا بطلان آپ ظاہر  
ہو گیا۔ لفظ اُجُوْدَہُنَّ موجود ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ عقد نکاح عقد اجارہ ہو اور بھونکا حد تعدد۔  
کار کی کوئی صورت نہیں تو اب بجز بطلان اور کیا ہو گا۔







معین نہیں ہوتا۔

(متحدہ نکاح میں بیع کا شبہ بھی باطل ہے) | اں یہ شبہ باقی رہا کہ اگر یہی ملک ماتخذ اور تناسب طلاق و عتاق ہے تو یوں کہو کہ نکاح میں عورت اپنے آپ کو یا کسی عضو خاص کو شوہر کے ہاتھ بیع کر دیتی ہے سو اول تو اصرار و صراحت کی بیع یا ان کے اعضاء کی بیع درست نہیں نہ خود ان کو نہ کسی اور کو کیونکہ حر و حرہ کسی کے مملوک نہیں ہوتے نہ اپنے نہ کسی بیگانہ کے اور بغرض محال ہوتے بھی تو اپنے تو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ مالک اور مملوک اور بائع اور بیع میں تقابل و تضاد لیت ہے۔ اور متضاد لیت میں تغایر ضرور ہے اتحاد و مقصور نہیں چنانچہ مقنوم مالک و مملوک و بائع و بیع بشادت و جدان بھی ہر خاص و عام کے نزدیک تغایر پر دلالت کرتا ہے۔

(منکوحہ میں بیع و شرائع و ہبہ اور عاریت کے اختیارات کیوں نہیں ہیں؟) | دوسرے اس صورت میں مہر کو ثمن و قیمت کہنا تھا اجر کیوں فرمایا علاوہ بریں بیع و شرائع و ہبہ اور عاریت کا اختیار کیوں نہیں اس کا جواب ایک مقدمہ لطیفہ پر موقوف ہے اول اس کا عرض کرنا ضرور ہے۔

(مقدمہ لطیفہ تمام اشیاء میں قبضہ عین ملک قبضہ ہے سوا اس کے اور کوئی امر موجب ملک نہیں ہی سے ملک حاصل ہوتا ہے) | اموال منقولہ و غیر منقولہ اول اگر مملوک ہوتے ہیں تو اسی قبضہ کے بدولت ہوتے ہیں جانوران وحشی اور نباتات خود روئیدہ اور آب چاؤ و دریا کے مملوک ہونے کا طریقہ بجز قبضہ اور کچھ نہیں۔

(اسباب محروفہ بیع و شرائع و غیرہ انتقال ملک کا سبب ہیں نہ کہ حدود ملک کا) | باقی رہی بیع و شرائع و ہبہ اجارہ وصیت میراث اسباب محروفہ اسباب انتقال ملک ہیں اسباب حدوث ملک نہیں یعنی ملک موجود ایک جاسے دوسری جا چلی جاتی ہے یہ نہیں کہ پہلی ملک کا نام و نشان کچھ نہ تھا اسباب مذکورہ کے سبب از سر نو حادث ہو جاتی ہے بایں ہمہ ان اسباب میں بھی قبضہ کی ضرورت

لے اس سوال کا جواب ۲۴۵ پر موجود ہے۔ ۱۲۔ سکہ ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ منکوحہ میں اسباب محروفہ بیع و شرائع و غیرہ نہیں پائے جاتے پھر یہ اسباب انتقال ملک کا سبب ہیں۔ حدوث ملک کا سبب نہیں جیسا کہ بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے۔ ۱۲ محمد عیسیٰ گورمانی۔



حصول ملک کے لیے اہل فہم پر مخفی نہیں قبل قبض جو بیع بیع مشتری کو ممنوع ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ملک قبض ہی سے حاصل ہوتی ہے قبل قبض حاصل نہیں ہوتی پھر بیع کس چیز کی کی جائے بیع مالا ملک نقل درست ہے چنانچہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں۔ اور نہ عتلا زیا اس لیے کہ بیع میں مبادلہ ملک بالملک ہوتا ہے۔ جب ملک ہی نہیں تو مبادلہ کیونکر ہو سکے اور اگر قبل قبض بیع ملک پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ممانعت کی کیا وجہ تھی ارکان بیع سائے موجود بائع موجود مشتری موجود۔ بیع موجود۔ مثن موجود۔

حضرت ریا کی وجہ یہ ہے کہ ربا میں ایک طرف سے عوض ملک نہیں پایا جاتا۔ اگر صورت ربا ہوتی تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر فرض کرو سیر گھریلوں کو سوا سیر گھریلوں سے مثلاً فروخت کریں گے تو پاؤ سیر کے مقابلہ میں کچھ نہ ہوگا۔ اس صورت میں اس کو بیع کہو گے تو مثن ندارد ہے اور مثن کہو گے تو بیع نیست و نابود ہے اور پوئے سوا سیر کو سیر کے مقابل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جس صورت میں جنس واحد ہے تو موجبات رغبت دونوں طرف برابر ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک طرف سیر بھر ہو اور ایک طرف زیادہ اس لیے عدالت خداوندی اس بات کو مقتضی ہوئی کہ اتحاد جنس کی صورت میں مقدار میں کمی بیشی نہ کی جائے۔ ہاں در صورت اختلاف جنس جہر تساوی وزن و پیمانہ رغبت کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ اس لیے وہاں اجازت دی گئی۔ اور اگر کسی صاحب کو رضا مافین کے سبب کچھ تامل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ تراضی بنیت ثواب و موانع ہوگی تو وہ معاملہ بیع نہیں قدر زائد کو ہبہ سمجھو اور اگر نظر عوض مال ہے تو کوئی صاحب فرمائیں قدر زائد کے عوض میں کیا ہے۔

(بیوع فاسدہ میں بھی ربا ہے) | علیٰ ہذا القیاس بیوع فاسدہ کو سمجھو کیونکہ وہاں بھی علاوہ متقابلین ایک طرف کچھ اور بھی شرط ہوتا ہے مثلاً گھوڑا، بھینس، گائے، مکان کی کسی قدر روپوں کے عوض بیع کر کے بائع یہ شرط لگائے کہ ایک ماہ تک مثلاً میں قبضہ نہ دوں گا اپنے ہی قبضہ میں رکھوں گا۔ سو یہ ایک مہینہ کے منافع بے عوض بائع کو حاصل ہوں گے کیونکہ جب بیع واقع ہو چکی تو اب بیع کو بائع سے کیا علاقہ وہ مشتری کے باپ دادے کی ہو چکی اس کے منافع میں بائع کا استحقاق منجملہ محالات ہے اس لیے بنا چاری ان منافع کو بلا عوض کہنا پڑے گا اور اگر فرض کر دیں ابھی ہوئی ہی نہیں تو مشتری کو دعوئے استحقاق جیسا اب ناروا ہے ایسا ہی بعد ماہ بھی ناروا ہوگا بالجلہ بیوع فاسدہ اور معاملات سود کے ممانعت کی ایک ہی وجہ ہے۔ قدر زائد اور شرط زائد میں ارکان بیع و اجارہ سائے موجود نہیں ہوتے۔



اگر بیع یا منافع عہدہ باد کو گے تو ثمن اجرت پر نہیں ملے گا۔ اگر بیع و منافع کا نشان نہیں عرض بیع فاسد میں وہ بیع سود ہو یا کچھ اور ظاہر میں ایک ہوتی ہے۔ اور کہنے کو ایک معاملہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت میں ایک تو بیع صحیح ہوتی ہے اور ایک بیع باطل اس کے ساتھ اور لگی ہوئی ہوتی ہے۔ یعنی وہ معاملہ لگا ہوتا ہے جس کے تمام ارکان موجود نہیں ہوتے اگر ہوتے ہیں تو بعضے موجود ہوتے ہیں بعضے نہیں ہوتے سو بیع قبل القبض کو اگر موجب ملک کما جائے تو پھر کون سا کن بیع موقوف ہو گیا ہے جو اس کو ممنوع کیے بلکہ معاملہ بیع موجب استحقاق قبض ہو جاتا ہے اور قبض موجب ملک علیٰ ذہن القیاس ہبہ کو کچھ فرق ہو گا۔ تو اتنا ہو گا کہ کسی کے نزدیک مثل بیع قبضہ مثل بھی موجب ملک سمجھا جائے اور کسی کے نزدیک قبضہ مثل کافی نہ ہو بلکہ بایں نظر کہ اشتراک کے لیے تساوی مراتب ضرور ہے ورنہ مالک اور مستغیر اور خدائے مالک الملک اور بندگان مالک و قابض سوال شریک دیگر سمجھے جاتے تقسیم کی ضرورت پڑی تاکہ موہوب کے لیے کوئی مزاحم باقی نہ رہے ورنہ اشتراک باوجود عدم تساوی مراتب قبضہ جملہ قابضان لازم آئے گا۔

(اجارہ عاریت، میراث اور وصیت) | جب بیع اور ہبہ کا حال معلوم ہو گیا تو اجارہ اور عاریت میں بھی قبضہ پایا جاتا ہے) کے حال کی تحقیق کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ یہاں بعینہ وہی معاملہ ہے جو وہاں ہے یعنی اجارہ میں بیع منافع ہوتی ہے اور عاریت میں ہبہ منافع فقط۔ نوع بیع اور نوع موہوب جدا جدا ہے۔ ہاں میراث اور وصیت باقی ہیں۔ سوال میں لفظ ہر اگرچہ حصول ملک کے لیے قبض کی ضرورت نہیں پر غور سے دیکھتے تو وہاں بجز موت مورث موصی قبضہ ذات وارث و موصی لہ حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ قابض اول کا قبضہ تو کیا خود ہی مل گیا اور کوئی مزاحم حال نہیں، حاکم سب کا وکیل اور اس کا قبضہ موجود، اور ظاہر ہے کہ قبضہ وکیل وہ قبضہ موکل ہی ہوتا ہے۔ بالجلہ حاکم بوجہ حکم خداوندی وادث اور موصی لہ کے دلانے کو موجود۔ اور کوئی دعویٰ استحقاق نہیں رکھتا۔ ہاں بیع و ہبہ میں قبضہ بائع و واہب ہنوز موجود ہے جب تک اس کا قبضہ باقی ہے۔ مشتری اور موہوب لہ کا قبضہ ممکن نہیں۔

(مال غنیمت میں بھی قبضہ علت ملک ہے) | القصہ تمام احکام و آثار ملک قبضہ کے علت ملک ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ احراز کا ملک غنیمت کے لیے مشروط ہونا اور قبضہ کفار کا رافع ایک اہل اسلام ہو جاتا ہے۔ اسی جانب مشیر ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ کسی کے نزدیک بعد غلبہ کفار اگر



اہل اسلام مسلط ہو جائیں تو ملک سابق اہل اسلام بخود نہیں کرتی بعض اموال مقبوضہ ملک مالکان سابق نہیں ہو جاتے بلکہ حسب قانون غنیمت تقسیم کیے جائیں گے اور بعضے علماء کے نزدیک وہ ملک سابق پھر عود کر آتی ہے۔ جیسے یہود و ت آہ بعد زوال حرارت پھر عود کر آتی ہے بالجلد جس طرف دیکھے قبض ہی کا موجب ملک ہونا نکلتا ہے تمام احکام دین اور اقوال علماء دین اس پر شاہد ہیں۔

(بدن کے واسطے سے اموال پر روح کا قبضہ ہوتا ہے | اس صورت میں بدن انسانی کا مملوک اور مرلے سے بوجہ اٹھ جانے قبضہ کے ملک چلی جاتی ہے) روح انسانی ہونا ضروری التسلیم محض کیونکہ روح انسانی کا اپنے بدن پر قبضہ بدیہی (بے) اگر ہاتھ کو اشارہ کرتی ہے تو وہ ہلتا ہے اور پاؤں کو اشارہ ہوتا ہے تو وہ چلتا ہے۔ آنکھ۔ کان سب اسی کے زیر فرمان ہیں اسی کے احکام کی بجا آوری میں شب و روز مشغول ہیں بلکہ قبضہ روح جو اور اشیاء پر ہوتا ہے اس کے لیے قبض علی البدن شرط ہے یعنی جب تک روح کا قبضہ بدن پر ہوتا ہے تب تک کسی چیز پر قبضہ روح نہیں ہو سکتا اس سے زیادہ اور کیا تصرف ہو گا جس کا تحقیق قبضہ کے لیے انتظار ہے اور ہر بدن انسانی کا قابل الملک ہونا اور روح کا لائق ملکیت ہونا ایسا نہیں جو گنجائش انکار ہو اگر روح ملکیت نہ رکھتی تو کسی چیز کی نسبت ملکیت متحقق نہ ہو سکتی۔ اموال منقولہ وغیرہ منقولہ سب آزاد ہی ہوتے اس لیے کہ سوار روح اور ہے تو بدن ہے اور بدن کا حال ظاہر ہے کہ وہ تنہا مالک تو کیا مملوک ہونے کے قابل نہیں بالقصد بعد انتقال و انفکاک روح۔ بدن جوں کا توں رہتا ہے۔ اگر مالک خود بدن ہو اگر تالو نہ صرف مورث کی ملک زائل ہوتی اور نہ وارث کی ملک اس کے قائم مقام ہو سکتی ملکیت روح ہی کے متعلق ہوتی مگر چونکہ سرمایہ ملک وہ قبضہ ہے اور اموال پر قبضہ بوسیلہ بدن تھا اور وقت انتقال۔ بدن سے قبضہ اٹھ گیا تو اموال سے بھی قبضہ اٹھ گیا۔ بالجلد روح کا مالک اور لائق ملکیت ہونا ایسا نہیں کہ انکار ہو سکے۔

(بدن کے مملوک ہونے کی پہلی دلیل) اگر بدن اس کا مملوک ہونا اول تو اسی سے ظاہر ہے کہ ملک یمین اس دین کے مستلمات میں سے ہے۔

(دوسری دلیل) ادا ہو کر مملوک ہونے کے لیے مالیت شرط ہے اور مالیت کے لیے میلان خاطر ضرور ہے غرض مال اس میلان ہی سے مشتق ہے اور موجب میلان طبائع سلیمہ بھی منافع ہوتے ہیں



(خمر، خنزیر اور میتہ وغیرہ ناپاک اشیاء غیر نافع ہونے کی وجہ سے مسلمان کی ملکیت نہیں بن سکتے)

یہی وجہ ہے کہ میتہ اور دم اور ناپاکی کو مال نہیں کہتے اور ان کی بیع کو باطل کہتے ہیں کیونکہ بیع میں بھی مبادلہ مال بالمال ہوتا ہے جب ان اشیاء میں منافع ہی نہیں تو مال بھی نہیں کہہ سکتے۔

علیٰ ہذا القیاس خمر و خنزیر میں اگرچہ منافع موجود ہیں مگر مسلمان کے حق میں خمر و خنزیر نافع نہیں بلکہ ایسے مضر ہیں جیسے سمیات اگرچہ کسی نہ کسی بات میں نافع ہیں لیکن مزاج انسانی کے لیے مضر ہیں بالجملہ ملکہ ملکیت مالیت پر ہے اور مدار مالیت منافع پر ہے اور ظاہر ہے کہ منافع بدن انسانی منافع ابدان دیگر سے بدرجہا زیادہ ہیں۔ اس کے صنائع و بدائع ایسے نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ اس صورت میں بدن انسانی کو اسی روح کا مملوک کہنا جو اس پر قابض ہے اور متصرف ہے اور حاکم اور بادشاہ ہے ہر عاقل کے فطرہ ضرور ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ جیسے مملوکات خداوندی قابل بیع و ہبہ و میراث نہیں ایسے ہی بدن انسانی بھی قابل بیع وغیرہ نہیں۔ علاوہ بریں جیسے چھت کی کڑی کا بیچنا قبل انفصال ناجائز حالانکہ اس کا مملوک ہونا بدیسی اسی طرح باوجود مالکیت و مملوکیت بیع بدن قبل انفصال روح تو اس لیے ناجائز ہے کہ قبضہ نہیں ہی تصور نہیں اور بعد انفصال اس لیے جائز نہیں کہ اول تو اختیار بیع مالک کو ہوتا ہے مالک وہ روح ممتنی سو وہ اور عالم کو چل دی۔ دوسرے معنی مالیت بعد انفصال روح باقی نہ ہے کیونکہ اس وقت بدنی انسانی ایک میتہ اور جیفہ ہے اور میتہ اور جیفہ کو مال نہیں کہہ سکے کیونکہ اب کوئی منفعت اس میں باقی نہ رہی۔

(بدن اور روح کے تعلق کی مثال) بالجملہ جب تک بدن میں پر تو روح اور اثر روحانیت ایسی طرح موجود تھا جیسے زمین میں دھوپ کے وقت پر تو آفتاب اور اثر آفتاب ہوتا ہے تب تک اس میں منافع حیات موجود رہتے۔ بعد موت نہ اثر روحانیت یعنی حیات رہا نہ وہ منافع باقی ہے مگر ہاں اگر بوجہ کفر موافق اشارہ اُولَئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَخْسَرُ کوئی شخص طبعی بالیخوانات ہو جائے اور اس لیے داخل حبالہ ملک اہل ایمان ہو تو گو تنہا بدن ان کے حق میں بھی نافع نہیں۔ مگر جیسے اور حیوانات سے بسندہ پر تو روحانی انتفاع ممکن ہے۔ یہاں بھی ممکن ہے۔ اور یہ بات اگرچہ اپنے بدن کی بیع و شرا میں کبھی خیال میں آسکتی ہے۔ لیکن جب اس بات کا لحاظ کیجے کہ در صورت بیع خود روح بائع ہوگی اور ظاہر ہے کہ بیع غیر بائع ہوتی ہے کیونکہ بیع ایک معنوم اصنافی



ہے۔ جس کی ایک جانب بائع ہے اور ایک طرف بیع اور یہ دونوں متحد نہیں ہو سکتے ورنہ حاشیتیں اضافت کا اختیار ہی اور ضروری ہے محض غلط ہو جائے اس لیے خود روح تو بیع بن نہیں سکتی پھر اگر روح کی امداد شرط ہے تو وہی فساد اور بطلان مشار الیہ لازم آئے گا اور امداد شرط نہ ہو اور کج کام لیا جائے تو ظلم صریح کا فتویٰ دینا پڑے گا۔

(روح کفار پر پوجہ جائز ہونے جبر کے | اور جہاد میں بیع نہیں ہوتی جو فساد و بطلان کا اندیشہ ہو غلام اور باندی میں ملک آجاتا ہے) | ظلم کا کھڑکا فضیلت جہاد نے رفع کر دیا غرض جیسے شکاف

دنبل اور قطع عضو بوسیدہ اور ریم خوردہ نہ دنبل و عضو کے حق میں ظلم ہے نہ صاحب دنبل و عضو کے حق میں۔ بلکہ صاحب دنبل و عضو کے حق میں احسان ہے ظلم نہیں ایسے ہی قتل و قبیح کفار نہ ان کے حق میں ظلم نہ اور عالم کے حق میں ظلم ہے بلکہ اور عالم کے حق میں احسان ہے

اس لیے وہاں اگر روح کفار پر جبر کیا جائے تو بدرجہ اولیٰ جائز اور بجائے خود ہو گا۔ آئندہ بعد اسلام غلام یا اس کا آزاد نہ ہو جانا اگر کسی کو موجب اصل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حق ملک یقینی اور اسلام میں یہ احتمال کہ بغرض عتق ہو۔ اور امر یقینی امر محتمل سے حقوق غیر میں مرتفع نہیں کر سکتی دوسرے اسلام ضد کفر ہے ضد رقیب نہیں جو بے رفع کے مرتفع ہو جائے جیسے کفر خود ضد عتق نہ تھا جو بے مملوک بنائے یعنی بے قبضہ کئے کافر مملوک ہو جائے ایسے ہی اسلام ضد مملوکیت نہیں جو بے رفع کیے مرتفع ہو جائے یعنی بے آزاد کئے آزاد ہو جائے۔ ہاں جیسے کفر موجب قبول ملک ہے اور یہی وجہ ہوئی کہ قتل و سلب و قبض جان و مال کی ترغیب دی گئی۔ ایسے ہی اسلام میں عتق قبول مذکور آجاتا ہے اس لیے اعتاق کی ترغیب دی گئی۔ اور اس تقریر سے حقیقت معاملہ کتابت جو مکاتیب کے ساتھ ہوتا ہے معلوم ہو گئی ہوگی۔

(کتابت میں مملوک اپنے آپ کو خرید لیتا ہے) | غرض یہ ہے کہ معاملہ کتابت میں مالک کی

جانب سے بیع اور مکاتیب کی جانب سے شرائط بدن خود ہوتا ہے مگر چونکہ موانع مذکورہ میں سے یہاں سب مفقود ہیں تو بجز جواز معاملہ اور کوئی حکم نہ آیا۔

بالجملہ روح انسانی اس بدن کی ضرور مالک ہوتی ہے جس کے ساتھ اس کو تعلق حاصل ہے اور جب مالکیت اور مملوکیت مستحق ہو گئی تو اس وجہ سے تو اس بیع میں تامل زیبا نہیں جو تحقیق حقیقت



نکاح مضموم ہوتی ہے۔ ہاں کوئی اور وجہ ہو تو مضائقہ نہیں سوا اور کوئی وجہ اگر متصور تھی تو وہی عدم امکان قبضہ تھا وہ بھی غور سے دیکھا جائے تو یہاں مضموم ہے کیونکہ کل بدن کی بیع میں تو بوجہ عدم امکان قبضہ جس کی تشریح بقدر کفایت ہو چکی ممانعت کی گئی تھی بوجہ عدم مالکیت و مملوکیہ نہیں کی گئی تھی۔ رہی حریت وہ اصل میں صفت روحانی تھی صفت جسمانی نہ تھی بلکہ جسم تو مملوک روح تھا اور روح احرار کسی کی ملک نہ تھی۔ اس لیے بیع ارواح تو بوجہ حریت ممنوع تھی اور بیع اجسام خود روح کو تو بوجہ عدم امکان قبضہ اور سوا اس کے اور دلوں کو بوجہ ملک غیر ممنوع ہوتی۔ ہاں جب بوجہ کفر۔ کفار کے اموال کی اجازت ہوتی اور ان پر جبر و تعدی جائز نہ ہوا تو بدن مملوک روح پر تو قبضہ اور خود روح پر دوبارہ اعمال جسمانی جبر میں کچھ حرج نظر نہ آیا بلکہ ملازمان خاص یعنی اہل ایمان کی کار بر آری کے لیے مثل قبضہ و اکراہ حیوانات قبض و اکراہ کفار کی اجازت ہوتی گئی۔ الغرض بیع اجسام احرار بوجہ عدم مملوکیہ ممنوع نہ تھی بوجہ عدم امکان قبضہ یہ بیع ممنوع تھی مگر نکاح میں یہ قبضہ بے ظلم و جبر برضا و رغبت بالغ یعنی ذی منکرہ متصوہ ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

(احرار کے اجسام کی بیع بوجہ تذلیل جائز نہیں ہاں اگر احرار کو خصوصاً مردوں کو اور دلوں کی خدمت گاری ایسی طرح مرغوب ہوتی جیسے عورت کو خدمت فراش یعنی جماع مرغوب تو پھر علی العموم بیع ابدان احرار جائز ہو جاتی۔ مگر یوں دیکھا کہ ارواح احرار کو اور دلوں کی خدمت مرغوب تو کیا ہو گی ایسی مکروہ ہے کہ اس کے برابر دنیا میں کوئی مکروہ ہی نہیں۔ اگرچہ بوجہ جماع یا اندلیثہ نوبت اضطراب نہ پہنچے یا امید رضائے خدا تعالیٰ در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معارض نہ ہوں تو پھر اہل محبت کو نفس خدمت گزاری سے مرگ بہتر ہے کیونکہ اس میں ہشک عزت ہے اور عزت کے پتے ہی اکثر جانیں جاتی ہیں۔ بادشاہوں کی لڑائی بھوک و پیاس کے تقاضے سے نہیں عزت ہی کے لیے ہے وقت غیرت مردوں کا زہر کھالینا اور گولی کھا کر مر جانا اس عزت ہی کی بدولت ہے بلکہ عورتیں جن کا خوف و جبن ان کی حُب زندگانی پر گواہ ہے غیرت کے وقت ڈوب کر مر جاتی ہیں تو اس عزت کی محبت میں مر جاتی ہیں اس صورت میں اگر بالفرض بیع ابدان ارواح کو جائز ہوتی تو اس بیع کے سبب وہ ذلت اٹھانی پڑتی کہ خدا کی پناہ القصہ عزت کے برابر بندوں کے نزدیک کوئی چیز نہیں بلکہ بندے کیا خدا کے یہاں بھی اگر بوجھ بھی ہے تو اسی کی ہے۔ وہاں بھی اگر مطلوب ہے تو یہی عزت مطلوب ہے۔ چنانچہ آیت۔



وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي  
وَمَا أَمْرُهُ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ  
لَهُ الدِّينَ -

اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سوا اپنی بندگی کو (اور آیت  
اور ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص تحسے  
اس کے واسطے بندگی -)

اسی حصر طلب پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ تعبد اسی تذل کو کہتے ہیں اور تذل میں بھی (خدا کے آگے)  
صرف عزت ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔ اور نعمتوں کی داد و دہش کے لیے مخلوقات کو رکھا اور عزت کا  
مصرف کسی اور کو نہ بنایا بلکہ اوروں کے لیے صرف عزت سے مطلقاً منع فرمایا۔

خدا نے تمام قوتوں کو مخلوق کے لیے صرف کھنے کا | تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نعمت داخلی  
حکم دیا ہے لیکن عزت کو اپنے لیے مخصوص کر دیا | ہوں جیسے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک یا نعمت خارجی

جیسے روپیہ روٹی کچھ خدا کے کسی مصرف کا نہیں اس کی اگر ضرورت ہے تو مخلوقات ہی کو ہے ہاں  
بائیں نظر کہ حوائج ضروریہ سد باب عبادت اور نیز موانع ہر کار ہیں کھانے پینے کو سامان عبادت کہتے اور  
ہاتھ پاؤں کی عبادت کو دفع موانع قرار دیکے تو پھر اس داد و دہش اور اس امداد کو خدا کے حکم میں ہے  
بہر حال صرف نعمت خارجی و داخلی سوا نعمت عزت، مخلوقات کے لیے تجویز کیا اور اس پر کیا کیا ثواب  
عنایت فرمایا۔ مگر ہاں عزت بنی آدم خاص اپنے لیے رکھی یہاں تک کہ سوال سے منع فرمایا اور وجہ  
اس اختصاص کی یہ ہوئی کہ عزت کے لیے استغناء کی ضرورت ہے اور ذلت کے لیے احتیاج کی جہات  
اور استغناء۔ اس سے زیادہ تصور نہیں کہ سب خوبیاں موجود ہوں اور ذلت اس سے زیادہ ممکن نہیں کہ  
ہر خوبی میں دوسرے کا محتاج۔ سو در صورتیکہ خدائے تعالیٰ اور بندہ ناکارہ میں یہ فرق ہو تو پھر جس کے محتاج  
ہوں وہی عزت کا مستحق ہے سوا اس کے اور کسی کے سامنے ذلیل نہ ہونا چاہیے یا یوں کہیے خدا تعالیٰ  
کے عزا نہ میں سب کچھ ہے ایک عجز و نیاز ہی نہیں اسی کی طلب گاری ہے اس لیے جتنا عجز و نیاز بن  
پڑے اسی کے سامنے بجا لانا چاہیے اور کسی کے لیے سر جھکانا اور گڑا گڑانا نہ چاہیے بالجمہ عزت سے  
بستر کوئی چیز نہیں خدا کے یہاں بھی اسی کی پوچھ پاچھ ہے اس لیے زیع بدن تو ممنوع رہی کیونکہ  
ذلت خدمت گاری کے برابر کوئی چیز بڑی اور نامطبوع نہیں اور اس کا لزوم زیع میں ضروری۔ اور اس  
کے ساتھ کوئی لذت یا منفعت ایسی نہیں کہ اس کی لذت کی مکافات ہو جائے اور نکاح میں جو چیز  
لازم آتی ہے وہ بالتح یعنی زن منکوحہ کے حق میں ایسی مطبوع کہ اس کے پتے (یعنی عزت جیسی عزیز چیز



بھی بسا اوقات خاک میں رل جاتی ہے علاوہ بریں جیسے مافی الارض بشاوت۔

آیت۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَنَافِيَ الدُّرِّ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ مَسَاطِیٖ (بقرہ ۳۶)

دوہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سوٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان)

زمین و آسمان خصوصاً ارض و مافیہا بتی آدم کے لیے مخلوق ہوا۔ ایسے ہی بشاوت

وَمِنْ اٰیَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم ۳۰)

اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہربانی)

عورتیں مردوں کے لیے مخلوق ہیں اس لیے کہ بقدرینہ آیت۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَکَ لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (اعراف ۲۲)

دوہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اُنسی نے بنایا اس کا جوڑا تاکہ اس کے پاس آرام پکڑے)

ازواج سے آیت مذکورہ میں عورتیں ہی مراد ہیں۔

(عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئیں ہیں) | ادھر عقل صائب کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ عورتیں مردوں

کے لیے مخلوق ہیں مرد عورتوں کے لیے مخلوق نہیں ہونے وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت کا جی چاہے یا

نہ چاہے مرد اس سے کامیاب ہو سکتا ہے اور مرد کو اگر رغبت نہ ہو تو پھر عورت کی آرزو پوری

نہیں ہو سکتی اس صورت میں عورت کو ایسا سمجھو جیسا فرحز کر کسی گھوڑے کو مثلاً یہ آرزو ہو کہ مجھ پر فلاں

شخص سوار ہو جیسی آرزوئے براق بہ نسبت سواری حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہے

یا فرحز کر و طعام و شراب وغیرہ نعماء ارضی کو یہ تمنا ہو کہ ہم کو فلاں شخص استعمال کرے اس صورت

میں جیسے آرزوئے اسب وغیرہ نعماء کا حصول ہی استعمال کرنے والوں کی مرضی پر موقوف ہے اور بنی

آدم کا استعمال کرنا ان اشیاء کا مرضی پر موقوف نہیں۔ ایسے ہی کامیابی زن و مرد ہے۔ عورت کو رغبت

ہو کہ نہ ہو مرد اپنی آرزو پوری کر سکتا ہے اور مرد کا اگر جی راغب نہ ہو تو عورت سے کچھ نہیں ہو سکتا

پھر تپہ جیسے نعماء دنیوی کو اپنے منافع سے کچھ مفاد نہیں اگر ہے تو استعمال کرنے والوں کو مفاد ہے



ایسے ہی عورت کے منافع معلومہ سے خود عورت کو کچھ مفاد نہیں البتہ مرد کو اس کے منافع سے مفاد ہے یعنی اولاد جو اس زراعت اور اس زمین کی پیداوار ہے۔ عورت کے ذریعے سے خلائق عالم مرد کو عنایت کرتا ہے عورت کو اس سے کچھ علاقہ نہیں چنانچہ کلمہ قرآنی یعنی اَلْمَوْلُودُ لَهُ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اَنْتَ وَمَا لَكَ لِابْنِكَ اسی جانب مشیر ہے کہ اگر اولاد کی نسبت کچھ شائبہ مالکیت ہے تو والد کو ہے والدہ کو نہیں اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ سلسلہ نسب والد کی طرف کو چلتا ہے اور اسی سے متعلق ہوتا ہے والدہ کی طرف کو نہیں چلتا اور نہ اس سے متعلق ہوتا ہے چنانچہ تمام عالم۔ تمام اقوام۔ تمام مذاہب اس پر متفق ہیں۔

(نکاح میں منافع کا ماخذ ملک میں آجاتا ہے) | اس صورت میں جیسے اور نعام ملک میں آجاتی ہیں ایسے ہی ماخذ منافع جہاں بھی قابل ملک ہے اگرچہ عورت حرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں منافع مردان احرار خود ان کے لیے مفید ہیں یعنی ان کے وسیلہ سے اپنی حاجتیں بھی رفع کر سکتے ہیں۔ بلکہ اول اپنی ہی رفع کرتے ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ کان سب میں اول اپنے ہی کام آتے ہیں ان اعضا کا اپنے حق میں ضروری ہونا ایسا نہیں جو کسی پر مخفی ہو اس لیے یہیں نہیں کہہ سکتے کہ یہ اعضا اور ان کے منافع اور یہ جسم اور اس کے فوائد خود صاحب عضو کے لیے موضوع نہیں کسی اور کے لیے مخلوق ہوئے ہیں اور اسی کے ملک میں آسکتے ہیں اس صورت میں اوروں کی کار برداری میں لحاظ اجرو اجرت ضرور ہوگا۔ ہاں کار برداری مرد میں جو بوسیلہ عورت ہوتی ہے ایسی ضرورت نہ ہوگی۔

(ان قابل احترام منافع میں اجرت اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور اجارات میں تعین خود بخود ثابت اور لازم ہو جاتی ہے) | اجرت صحت اجارہ کے لیے ضروری ہے پر عہد نکاح میں تعین مہر تو کیا خود ذکر مہر ضروری نہیں بلکہ نفی مہر بھی کی جائے اور یہ شرط لگائی جائے کہ مہر نہ ہوگا تب بھی نکاح درست ہو جاتا ہے۔ ہاں جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ زن عہد کے منافع جسمانی میں سے مردوں کیلئے مخلوق ہوئے ہیں تو یہی منافع جماع یا مانند منافع جماع مخلوق ہیں تو معاوضہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اور منافع میں زمان حرار مردان احرار کے جسم پلہ ہیں۔ جیسے مردان احرار اپنے جسم کے مالک ایسے ہی زمان حرار اپنے جسم کی مالک۔ اور ظاہر ہے کہ منافع معلومہ اور ماخذ منافع معلومہ جسم سے متعلق ہیں بالجلد ماخذ منافع معلومہ اور جسم زمان حرارہ ذوجہتین معلوم ہوتا ہے سو کچھ تو اس وجہ سے تملک کے لیے عوض کی







(مهر کو منافع کے عوض ہونے کی وجہ سے) | ہاں یہ بات باقی ہے کہ عوض معلوم ہو اجرد و مهر کیوں  
اُجُورَہُنَّ فَرَمَا اَشْأَدُّہُنَّ نہ فرمایا | کہتے ہیں قیمت و ثمن کیوں نہیں کہتے سواجر و مهر کہنے

اور ثمن و قیمت نہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ منافع از قسم مہار ہیں اور مصدر کا اطلاق مرتبہ بالقوہ اور مرتبہ  
 بالفعل پر برابر شائع۔ اور یہ نہ ہو تو مشتقات میں بھی یہ فرق باقی نہ رہے۔ کیونکہ جار و بار و مثلاً بالقوہ اور بالفعل  
 دو طرح کے ہوتے ہیں تو عداوت اور برد و دوست ہی کے بالقوہ اور بالفعل ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ سو  
 جس کو ماخذ منافع کہیے وہ مرتبہ بالقوہ ہے اور منافع حاصلہ وہ منافع بالفعل۔ اور اسے مرتبہ مابہ  
 المنفعت کہتے ہیں یعنی جیسے علم میں ایک مرتبہ مابہ العلم اور مابہ الانکشاف اور مبدأ  
 العلم اور مبدأ الانکشاف اور ماخذ العلم یعنی مرتبہ بالقوہ ہے خواہ وہ قوت علیہ ہو یا  
 نہ ہن یا کچھ اور۔ اور ایک مرتبہ انکشاف متجدد اور علم متجدد۔ یعنی مرتبہ بالفعل ہے۔ اس لیے ہی منافع  
 معلومہ کے لیے دو مرتبہ ہیں ایک مرتبہ بالقوہ اور ماخذ المنافع اور مبدأ المنافع ہے اور ایک مرتبہ  
 بالفعل یعنی منافع متجددہ۔ لیکن اہل لسان عوض منافع کو اجر اور اجرت کہتے ہیں اور عوض اعیان کو ثمن  
 اور قیمت۔ معقود علیہ اگر اعیان ہو تو بیع کہتے ہیں اور منافع ہوں تو اجارہ اس لیے قرآن شریف  
 میں لفظ اُجُورَہُنَّ فرمایا اَشْأَدُّہُنَّ نہ فرمایا۔

(نکاح میں منافع بالقوہ بیع اعیان) | ہاں یہ بات مسلم کہ اعیان اور مرتبہ بالقوہ قار الذات ہونے میں  
 کی طرح پورے موجود ہوتے ہیں) | شریک ہیں یعنی جیسے اعیان آن واحد میں بتماہ موجود ہوتے ہیں  
 اس لیے ہی مرتبہ بالقوہ مذکور بتماہ آن واحد میں موجود ہو جاتے ہیں یہ نہیں کہ آئینہ کا مثل حرکت ادھر موجود  
 ہو جائیے اور ہر محدود ہوتے جائیے۔ اور مرتبہ بالفعل میں زمانہ کے ساتھ ساتھ تجدد ہوتا جاتا ہے اس لیے  
 مرتبہ بالفعل تو شیئاً فشیئاً ملک میں آتا جاتا ہے اسی طرح ملک سے نکلتا جاتا ہے۔ کیونکہ جب موجود  
 ہی نہیں تو مملوک کیوں کہ ہوں اور مرتبہ بالفعل بالقوہ ایک دفعہ سارا کا سارا ملک میں آ جاتا ہے۔  
 اور پھر بوجہ انقضاء زمانہ ملک سے نہیں نکلتا ہاں جیسے اعیان میں بانڈی غلام اصل میں قابل ملک  
 نہ تھے بلکہ آزاد اور حُر تھے فقط بوجہ عرض و عارض معلومہ ملک ان پر عارض ہو جاتی ہے۔ اور اس  
 لیے فعل مالک جس کو عتیق کہیے ملک عارض کو زائل کر دیتا ہے۔ اور اس وجہ سے حریت سترہ  
 پھر ظاہر ہو جاتی ہے اس لیے ہی ماخذ منافع معلومہ اصل میں بوجہ حریت نہ نکوہ قابل ملک نہ تھی پھر بوجہ



مذکورہ ملک عارض آزادی اور یہ قیدگی معلوم کر دبا لیتی ہے اور فعل طلاق اس کو زائل کر کے آزادی اصل کو ظاہر کر دیتی ہے ورنہ جیسے باندی غلام کی ملک اپنے آپ مثل تعلق اجارہ قابل زوال نہ تھی ایسے ہی ملک نکاح مثل تعلق متعہ اپنے آپ زوال پذیر نہیں۔

(منکوحہ میں حق حبس ہوتا ہے اور باندی میں حق ملک) | ہاں یہ بات باقی رہی کہ اگر یہ ہے تو پھر بیع وہبہ اس لیے منکوحہ میں بیع وہبہ کا اختیار نہیں) | کا اختیار کیوں نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حسب تقریر بالاتمام منافع بالتوہ زن بلکہ خود جسم زن شوہر کی حبس میں آجاتا ہے اور ایک منفعت کے ماخذ کے پتے سائے ماخذ بلکہ محل تمام ماخذ مجبوس ہو جاتا ہے۔

سو جہاں عورت خود راغب ہو وہاں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کی رضا مندی سے حبس کی نوبت آئی ہے۔ ظلم و ستم نہیں کہہ سکتے جو منع کیا جائے مگر غاوند اگر بطور خود کسی کے حوالہ کرے تو ماخذ مملوک میں تو اس کو اختیار تھا ماخذ مجبوس میں اس کو کیا اختیار جو اپنے حبس سے نکال کر اوروں کے حوالے کر دے۔

(منکوحہ میں حق ملک کا مفقود ہونا اور احسان کا ضروری) | ہاں اگر ماخذ منافع معلومہ پر قبضہ نہ ہو تو بیع و شرا سے مانع ہیں اور حق حبس کا قائل کہتے ہیں) | سکتا تو پھر وجہ ممانعت بیع وہبہ تصرف

فی ملک الغیر تو نہ تھی البتہ احسان مذکور الصدر جس کی ضرورت بدلائل عقلیہ و نقلیہ اور پر ثبات ہو چکی ہے مانع بیع وہبہ ہو گا اور یہ ایسی وجہ ہے کہ اگر بالفرض عورت حبس غیر شوہر پر راضی ہو جائے تو پھر بھی اجازت بیع وہبہ نہیں ہو سکتی۔ الغرض تملک ماخذ معلوم کو بذات خود تو وہبہ اور بیع سے انکار نہیں پر فرضیت احسان اور ثمول حق زن مانع بیع وہبہ و عاریت ہے اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ جو شیعوں نے اعادہ فروج جواری تجویز کیا ہے تبیس شیطانی ہے سراسر فحش ہے قابل جواز نہیں مگر جب مرتبہ احسان اس درجہ کو پہنچا کہ لازم تملک کو بھی بیکار کر دیا یعنی اختیار بیع و شرا وہبہ و عاریت جو اصل مقتضا مالکیت ہے احسان کے باعث بیکار ہو گیا تو پاس ثبوت پرستی جو سراسر اس قاعدہ کے مخالف ہے جو آیت **لَسَاءَ لَكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ** سے منتزع ہوتا ہے کیونکہ کراسخ ضرورت احسان ہو سکتا ہے۔

بالجملہ یہ آیت حسب بیان بالا اولاد کے مطلوب ہونے اور قضاء ثبوت کے اس کی نسبت وسیلہ ہونے پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ پاس مبادی ناسخ مطالب نہیں ہو سکتا۔ ہاں رعایت مطالب



لے مثلاً اولاد کا حاصل کرنا مقصد ہے اور یہ مقصد بغیر مباشرت کے حاصل نہیں ہو سکتا لیکن جب کہ بچہ پیدا ہو گیا ہو اس کے ایام شیرخوارگی میں مباشرت کے نقصان دہ ہونے کے باعث وسیلہ اولاد یعنی مباشرت کو روکا گیا ہے۔ ۱۲۔ محمد عینی گورانی۔



اور حرکات لایعنی بوجہ لغو دے سو دہونے کے ممنوع ہیں۔ بروالدین کے وجوب کی بنا حق محبت و تربیت پر ہے اور عقوق والدین کے ممنوع ہونے کی بنا اتلاف حق مذکور ہے۔

علیٰ هذا القیاس اور اوامر و نواہی کو سمجھے اس صورت میں بنا حکم جس بات پر ہوگی اگر وہ بات دائم و قائم ہے تو وہ حکم بھی دائم و قائم ہے گا۔ اور اگر وہ بات قابل زوال ہے تو وہ حکم بھی زوال پذیر ہوگا مگر ہرچہ بادا باد۔ ہر حکم کے لیے ایک مبنی اور اصل ضرور ہے جس کو علت حکم کہے محکوم علیہ اصلی وہی ہوتا ہے اور اسی کے پہچان لینے کو اصطلاح شرع میں حکمت اور حکم کہتے ہیں اور بخور دیکھئے تو آیات۔  
لَعَلَّكُمْ هُمْ اَلْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اَدَّاتَيْنَا هُكُمًا وَعِلْمًا وَغَيْرِهِ میں حکمت و حکم سے اسی علم کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

(حسن بالذات اور قبح بالذات کے | اس تقریر کو دیکھ کر اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ امر و نہی حسن بالذات و قبح بالذات قابل نسخ و تغیر نہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ایمان اور اطاعت خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احسان اور عدل اور بر والدین اور صلہ رحمی اور مردت اور سخاوت اور عفت ہمیشہ زمانہ میں ہر دین میں محمود ہے ہیں اور شرک اور بدعت اور ظلم اور عقوق والدین اور قطع رحم اور بخل اور زنا اور چوری و قزاق وغیرہ ہر زمانہ میں ہر دین میں مذموم ہے۔ کیونکہ علت امر و نہی اور سبب وجوب و حرمت وغیرہ امر و نہی اور وجوب حرمت وغیرہ سے بوجہ حسن و قبح ذاتی کبھی جدا نہیں ہو سکتے ہاں حسن بالغیر اور قبح بالغیر قابل نسخ و تغیر ہیں۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بوس و کنار وغیرہ امور معلومہ جو اکثر مواقع میں داعی الی الجامحت ہوتے ہیں علی العموم ممنوع نہیں اپنی اولاد کا بوسہ اور احباب کا معافقہ اور مردوں کا مردوں کو دیکھنا اور عورتوں کا عورتوں کی طرف نگاہ کرنا اور تنہا بیٹھنا ہرگز ممنوع نہیں بلکہ لبا اوقات یہ امور کسی اور وجہ سے اور محمود ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ امور بھی مثل زنا و افلام بذات خود مذموم ہوتے تو ہر جا ہر طرح سے ممنوع اور مذموم ہاں خود زنا اور افلام چونکہ بذات خود ممنوع ہیں تو محارم کے ساتھ اس کی ممانعت اور اشد ہے پر بوس و کنار وغیرہ امور ایسے مواقع میں اکثر محمود سمجھے جاتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ حسین رضی اللہ عنہما پر بوسہ دینا اور حضار مجلس الذکر میں سے اگر ایک شخص نے یہ کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیتا تو آپ کا اس کے



جواب میں یہ ارشاد کہ میں کیا کروں جو خدا کے تعالے نے تیرے دل میں سے رحمت نکال لی ہو۔ صفت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے مواقع میں یہ امور محمود ہیں۔ حالانکہ زنا و اغلام ایسے مواقع میں اور مواقع سے زیادہ تر ممنوع ہیں۔ بہر حال امر حسن بالذات اور نہی قبیح بالذات قابل نسخ و تغیر نہیں اگر ہیں تو امر و نہی حسن بالغیر و قبیح بالغیر قابل نسخ و تغیر ہیں۔

ر نسخ و تغیر میں پہچان آسان نہیں | لیکن یہ پہچاننا کہ نسخ و تغیر کس کو کہتے ہیں ہر کسی کا کام نہیں اس لیے یہ گزارش ہے کہ نسخ و تغیر اور چیز ہے اور استتار حکم اور چیز ہے نسخ میں حکم اول کا مٹا دینا ہوتا ہے اور استتار میں چھپا لینا۔ نسخ میں حکم باقی نہیں رہتا زائل ہو جاتا ہے اور استتار میں حکم مستور بجنسہ باقی رہتا ہے کسی اور حکم کے تلے دب کر چھپ جاتا ہے۔

اول کو ایسا سمجھو جیسا چراغ گل ہو جاتا ہے اور دوسرے کو ایسا سمجھو جیسا کہ چراغ گل تو نہ ہو پر کسی برتن میں دھکر کر اوپر سے سر پوش رکھ دیکھئے۔ سفر و مرض میں اگر افطار کی اجازت ہے تو اس کو نسخ فرضیت صوم رمضان نہیں کہہ سکتے یہاں وہ حکم فرضیت بجنسہ باقی رہتا ہے پر حکم رخصت کے تلے دبا ہوا ہے غرض مرض و مشقت درگاہ رحمانی سے تخفیف ہو گئی جس وقت یہ مشقت مرض و سفر گئی اسی وقت سے پھر تقاضا ہے۔

ر علت حکم کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی مخفی | جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو اور سینے کبھی علت حکم ایسی ظاہر و باہر ہوتی ہے کہ اس کے علت ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوتا۔ پھر ایک وجہ وہ علت ایسی پائیدار اور ضروری الوجود یا دائم الوجود نہیں ہوتی جو کبھی اس کا عدم متصور ہی نہ ہو ایسی صورت میں زوال و بقا حکم محتاج بیان نہیں ہوتا مثلاً زکوٰۃ کے وجوب کے لیے ثروت مالی کا علت ہونا ایسا نہیں کہ کوئی نہ جانتا ہو اس لیے بعد افلاس اگر کوئی غنی ہو جائے یا بعد غنا کوئی مفلس ہو جائے تو دوبارہ تغیر حکم سابق حکم جدید اور وحی تازہ کی ضرورت نہ ہوگی یعنی وقت افلاس زکوٰۃ فرض نہ تھی اور بعد غنا زکوٰۃ فرض ہوئی یا وقت غنا زکوٰۃ فرض تھی اور بعد افلاس پھر فرض نہ رہی تو اس تغیر کے لیے حکم جدید کی ضرورت نہیں اور اس وجہ سے اس تغیر کو عرف شرع میں نسخ نہیں کہتے اگرچہ نسخ میں بھی یہی تغیر حکم بوجہ حدوث علت حکم یا زوال علت حکم ہوتا ہے

ہاں علت حکم اگر ایسا امر ہے جس کا علت ہونا ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا یا خود اس علت کا ہونا



نہ ہونا ہی ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتا تو پھر تغیر مذکور کو نسخ کہتے ہیں۔

(احکام کو منسوخ کرنا قاذر مطلق کی شان ہے) | بالجلہ نظر ظاہر بین نسخ کو ثمرہ بے نیازی و اختیار کلی احکام الحاکمین

سمجھتی ہے۔ اور علت و اصل حکم سے کچھ بحث نہیں کرتی۔ اور عقل حقیقت شناس اگرچہ بے نیازی و اختیار

کلی کو ایسا حق سمجھتی ہے کہ عقل احکام اس کے آگے اس سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتیں جتنا سائل درپوزہ

اس کے سامنے رکھتا ہے جس سے سائل ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ لیکن اسم حکم و عدل اور صفت

حکمت و عدالت خداوندی پر ایمان ضروری جانتی ہے اور اس لیے ہر حکم کے واسطے جدید ہو یا قدیم ہو

کسی نہ کسی وجہ کا ہونا اس کے نزدیک ایسی طرح ضروری ہے جیسے شہنشاہ ہفت اقلیم جس کو ظلم و ستم

ہفت اقلیم اور عزل و نصب میں اختیار کلی ہو ہر طرح سے سیاہ و سفید کر دینے کا مختار ہو بھلا کرے یا برا کرے

اس کے آگے مجال و ضرور کسی کو نہ ہو بوجہ عقل و دانش و عدل خدا داد جو کرتا ہے مناسب ہی کرتا ہے

لائق عطا کو عطا کرتا ہے اور سزا دار کو سزا دیتا ہے قابل عزل کو عزل اور لائق منصب کو مامور کرتا ہے

مستحقان کرم سے درگزر اور مستوجبان غضب پر قہر کرتا ہے اگرچہ ان سب باتوں میں بوجہ شوکت و دبیرہ

و بے نیازی شہنشاہی اختیار برعکس حاصل ہے۔

الغرض حکمت و عدل خداوند علیم و حکیم و عدل کریم باوجود بے نیازی مذکور جس کے ثبوت کے لیے

قطع نظر شہادت عقل آیت **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** (اللہ کو چاہتا ہے کہ گزرتا ہے) کی گواہی

بھی بالضرور اس بات کو مقتضی ہے کہ ہر کسی کے ساتھ وہ معاملہ کیسے جس کی قابلیت رکھتا ہے

اور ہر زمانہ میں وہ حکم دیکھے جو مناسب وقت ہو۔

(نسخ احکام طبعیہ کے نسخہ بدلنے کی مانند ہیں) | الغرض جیسے یہاں گرم مزاج و سرد مزاج والوں کو

امراض متحدہ و مختلفہ میں ایک دوا نہیں دیتے وہاں بھی اختلاف اوضاع بنی آدم پر نظر ہے جیسے یہاں

موسم گرم یا سرد کا فرق وقت علاج ملحوظ رکھتے ہیں وہاں دوبارہ احکام فرق زمانہ ملحوظ نظر ہے ہاں جیسے

جاہلوں کو اطباء کا یہ فرق سمجھ میں نہیں آتا ایسے ہی اکثر افراد بنی آدم کو جن کی شان میں **إِنَّ اللَّهَ كَانَ**

**ظَلُومًا بَصِیْرًا** وارد ہوا ہے فرق احکام خداوندی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس تقریر سے یہ بات

روشن ہو گئی ہوگی کہ نسخ احکام خداوندی بوجہ تدارک غلطی سابقہ نہیں ہوتا جو یوں کیسے خداوند علیم کی

نہایت غلطی کا احتمال نہیں پھر نسخ حکم سابق ہوا تو کیوں ہوا۔ بلکہ یہ نسخ و تغیر بوجہ تغیر علل اسباب ہوتی



جو بوجہ اختلاف افراد و القلاب زمان اکثر ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال احکام مختلفہ کے لیے اختلاف علل ضروری ہے اور تغیر احکام کے لیے تغیر علل ضروری ہے مگر اسی طرح استدلال حکم کے لیے استدلال علل ضروری ہے۔ ہاں وہ استدلال اگر ممکن ہے تو کسی علت ہی کے عروض کے باعث ممکن ہے مثلاً استطاعت صوم جو اصل و علت فرضیت صوم ہے صعوبت مرض و مشقت سفر کے تلے دب جاتی ہے چنانچہ بجز زوال مرض و اختتام سفر وہ استطاعت بجز عود کر آتی ہے اگر مستور نہ ہوتی بلکہ زائل ہو جاتی تو دوبارہ استطاعت کے لیے مثل صعوبت و مشقت مذکورہ کسی امر خارجی کی ضرورت ہوتی بجز زوال و اختتام اس کا ظہور نہ ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صعوبت و مشقت ہی علت رخصت افطار ہے جس کے تحت وہ استطاعت مستور تھی اس صورت میں وقت رخصت افطار بوجہ مرض و سفر رخصت فرضیت اور استدلال فرضیت ہو گا اور وقت فرضیت صوم بعد زوال مرض و سفر زوال علت رخصت و زوال حکم رخصت ہو گا۔

اجازت متوہ از قسم رخصت تھی از قسم نفی تھی | مگر (جب بات) یوں ٹھہری تو بعد صراحتاً علیٰ ازواجہم اوما ملکک ایما ذہم اجازت متوہ از قسم رخصت ہے از قسم نفی نہیں کہہ سکتے کیونکہ علت حصر مذکور اولاد کا مقصود ہونا ہے جن کو حکم معروضات گذشتہ احصاء لازم ہے۔ اولاد کا مقصود ہونا ایسا نہیں جو قابل انفکاک ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نِسَاءُكُمْ حُرَّتٌ لِّكُمْ قَضِیۃٌ طبعیہ ہے ہاں ذوق سلیم نہ ہو تو اس کا کچھ علاج نہیں بائیں ہمہ کون سنیں جائتا کہ اس جا احتمال تخیل نہیں ایسی کون عورت ہے جس کے شکم میں رحم مخلوق نہ ہوا ہو اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقصود اصلی پیدائش زنانہ تو والد و تناسل ہے۔

(عوارض خارجیہ کے نیچے احکام اصلیہ مستور ہو جاتے ہیں زائل اور منسوخ نہیں ہوتے) | البتہ عروض عوارض گاہ بیگاہ مانع تولد اولاد ہو جاتا ہے مگر عوارض خارجیہ ساتھ آثار و احکام اصلیہ ہوتے ہیں دافع اور مزل نہیں ہو سکتے جو یوں کہا جائے کہ مرض عقم وغیرہ موانع اولاد، تولد کے مقصود بچہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اگر یوں کہے کہ اولاد کا مقصود ہونا اس کے منافی نہیں کہ شہوت پرستی مقصود نہ ہو تو اس شبہ



کا جواب نقلی تو یہ ہے کہ اس قضیہ میں حرث مقدم ہے اور ملک مؤخر جس سے بیا و علم معافی موافق محاورہ اہل سانِ حصر فی الحرثیت نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ حصر فی الحرثیت بعینہ حصر فی مقصودۃ التوالد ہے۔ اور جواب عقلی یہ ہے کہ ثنوت پرستی اور مجامعت مبادی و اسباب اور ذرائع و وسائل توالد میں سے ہیں اور توالد و تناسل ذرائع ثنوت پرستی و مجامعت میں سے نہیں اور ظاہر ہے کہ اسباب بذاتِ خود مقصود نہیں ہو سکتے خاص کر ثنوت پرستی۔ چنانچہ توضیح مرقوم ہو چکا ہے۔ اور ظاہر ہے جب عورت سے اولاد مقصود بالذات ہوگی تو احصان مذکور خود بخود لازم آئیگا۔ چنانچہ ناظرانِ اوراق گذشتہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔

بالجملہ قطع نظر اس امر کے کہ حدیث غیر متواتر کوناسخ قرآن شریف نہیں سمجھ سکتے۔ اس جا پر گنجائش نسخ ہی نہیں۔ ہاں اگر خلعت و لودیت عورتوں سے ممکن الانفکاک ہوتی تو البتہ اس اجازت متعہ کوناسخ حصر الہ علیٰ اذن واجب ہو سکتے (تھے)۔ اس صورت میں بجز اس کے کہ رخصت کئے اور اور کیا کیئے۔ یعنی جیسے وقت حالتِ محض اجازت اکل میتہ ناسخ حرمت میتہ نہیں بلکہ بوجہ ضرورت عارضہ جو علتِ اباحت لحاظ پاکیزگی طبع انسانی جو موجب حرمت میتہ وغیرہ ہے مستور ہو گیا اور اس وجہ سے حکم حرمت متعہ جو حصر مذکور سے صاف روشن ہے۔ یہی پر وہ رخصت متعہ مستور اور روپوش ہو گیا تھا چنانچہ لفظ وخصص لٹا بھی جو روایات متعہ میں موجود ہے اس کی ستار و عدم نسخ پر شاہد ہے۔ (متعہ کے عارضی طور پر مبلح ہونے کی علت) رہی یہ بات کہ ضرورت کیا تھی وہ ہم سے سنیئے اکل میتہ میں فقط ضرورت عبادت تھی اور یہاں ضرورت عبادت مجبور و دول تھیں۔ علاوہ بریں اکل میتہ میں فقط ضرورت دنیوی تھی یہاں ضرورت عبادت بھی تھی تو فقط ضرورت دنیوی ہی نہ تھی۔ ضرورت دینی اور ضرورت دنیوی دونوں تھیں۔

ضرورت عبادت تو اس باب میں اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ بشادات احادیث صحیحہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خصی ہو جانے کا ارادہ کیا اور یہ ان کا ارادہ اگرچہ اہل ہند کو تعجب انگیز ہو کیونکہ یہاں ایسی قوت کہاں جو اس درجہ کو بے قراری اور اضطراب کی نوبت آئے مگر اس باب میں اول تو عرب والے مشہور ہیں۔ دوسرے وہ ملک گرم طبائع، عشق آمیز مزاج محبت خیز قیس اہل لیلیٰ اور واثق اور عذرا کا افسانہ مشہور و معروف ہے۔ بنی عذرہ کا یہ قصہ اوروں نے بھی سنا ہو گا کہ ان میں اکثر آدمی مرصن عشق میں



مبتلا ہو کر مر جاتے تھے کسی نے ان میں سے کسی سے وجہ پوچھی تو یہ کہتا تھا لَسَاءُنَا وَعَفَّتْ فِتْيَانُنَا  
یعنی مرض عشق میں مبتلا ہو کر جو ہماری قوم کے لوگ اکثر مر جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں  
عورتیں حسین ہوتی ہیں اور مرد عقیقت یعنی پاکباز ہوتے ہیں۔

بالجملہ صحابہؓ کا ارادہ اختصار کوئی امر مصنوعی نہ تھا صحیح تھا اور ظاہر ہے کہ خواہش جماع خواہش  
دنیوی ہے۔ ہاں ضرورت عباد بھی ہو اور پھر ضرورت دینی ہو اس کے بیان کی ضرورت ہے اس لیے  
معروض ہے کہ خواہش جماع مرجعت وطن کے لیے متقاضی تھی تاکہ اپنی ازواج سے جا کر ہم آغوش  
ہوں اور فرضیت جہاد اور فضائل محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجہاد اور نیز فضائل صحبت نبوی  
صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مانع تھے اور ظاہر ہے کہ یہ سب امور خصوصاً فرضیت جہاد کے لیے نہیں کہ  
موجب ضرورت و احوال میں ہوں۔

وہی ضرورت مجبوری نہ ہر جہاد لفظ بظاہر مومن گستاخی ہے مگر بایں نظر کہ مبادی مقصود اس کے  
حق میں ضروری ہوتے ہیں اور اس لیے بالقطع مقصود ہو جاتے ہیں یہاں بھی یوں کہہ سکتے ہیں کہ عبادت  
جملہ نبی آدم بشہادت مَخْلَقْتُ الْحَيِّ وَالْقَدُّوسِ إِلَهًا لِّعِبَادِي دُنِيَ - خدا کے یہاں سے مطلوب  
ہے۔ اور جہاد اس کے لیے ضروری ہے مگر ظاہر ہے کہ جہاد اگر ہو سکتا ہے تو بعد اجتماع مجاہدین ہو سکتا  
ہے۔ اس لیے اگر کوئی امر موجب تفرق ایسے دنوں میں پیش آیا کہ اسلام کی تونید بنیاد رکھی جاتی  
ہو اور اہل اسلام جن سے امید جہاد ہو گئے چنے ہوئے ہوں اگر وہ چلے جائیں تو پھر جہاد کی کوئی صورت  
نہیں۔ ایسے دنوں میں موجب تفرق کا انداز ضروری ہو جائے گا ہاں اگر اسلام خالق ہو جائے اہل اسلام  
بکثرت ہوں۔ ایک گروہ چلا جائے تو دوسرا آ سکتا ہے۔ ایسے دنوں میں انداز موجب تفرق اتنا ضروری  
نہیں یعنی پہلی صورت میں تو اجازت بعض محرمات اگر ضرورت ہو تو قرین قیاس ہے پر دوسری صورت  
میں ضروری نہیں ہوتی جو اجازت ہو۔

(اباحتِ متعہ کی وقتی ضرورت اور وجوہ) | القصہ وقت ضرورت اباحتِ محرمات ممکن ہے مگر ضرورتِ متعہ سوا ابتداءِ زمانہ اسلام کبھی نہیں ہوئی اور انشاء اللہ نہ ہوگی۔ جو حضرات شیعہ کو اس پاکبازی کے لیے دستاویز ہو جائے۔ ہاں یہ مسلم۔ وقت اباحتِ متعہ ضرورتِ متعہ شدید تھی۔ مجاہدین گھر چلے جائیں تو جہاد کون کرے اور کیوں کر ہو اور نہ جائیں تو کیا کریں خصی ہو جانے کی اجازت نہ ملی زمانہ پر یہ تشدد کہ



سنگ رہوں یا سوتا زیا نہ کھائیں اور نکاح کریں تو کہاں سے کریں عمر کی مقدور نہیں اگر ہوتی تو ایک ایک چادر پر متعہ کرنے کی نوبت کا ہے کہ آتی پھر زمانہ نفقہ کی ایسی صورت نہیں کہ زوجہ اول و ثانی کو برابر بنجائیں اور ہر اس مقام کی عورتوں سے یہ توقع نہیں کہ اپنے مولد و اقرباء کو چھوڑ کر دور دراز چلی جائیں۔ اس نظریہ سے صاف ظاہر ہے کہ ضرورتِ محضہ سے یہ ضرورت شدید تھی کیونکہ اول تو وہ ضرورت اور سو طرح سے مرتفع ہو سکتی ہے۔ محنت، مزدوری، قرض، سوال، کسی طرح قدر قوت میسر نہ آ سکے تو گھاس بھونس کھا کر تو اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں یہاں رفع ضرورت کی بجز اجازت متعہ یا مراجعت وطن اور کوئی صورت نہ تھی سو جیسے بوجہ جہاد و قتل و قتال امور ممنوعہ کی اجازت ملی تھی اس وقت بوجہ معلوم متعہ کی بھی اجازت ضروری ہو گئی۔

الغرض ضرورت مذکورہ غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بے شک قابل لحاظ تھی۔ اس زمانہ قلت اہل اسلام و کثرت اعداء میں اگر اس امر قبیح کو بوجہ ضرورت بالعرض بھی حسن نہ سمجھتے تو ترقی دین میں سو طرح کے کھٹکے تھے۔ جس وقت قتل و قتال کو بوجہ حسن بالغیر جائز کر دیا تو فائدہ متعہ پر ایسے وقت ضرورت میں کیا لحاظ کیا جائے ایسے وقت ضرورت میں اباحت متعہ اس سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ حالتِ محضہ میں اباحت اکل میتہ۔

(بالغرض متعہ جائز ہوتا تو اہل سنت کے لیے جائز ہوتا) اس تقریر سے اہل فہم کو خوب واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ اگر بالعرض و التقدر متعہ جائز بھی ہوتا تو اہل سنت کے لیے جائز ہو کہ جہاد میں جانفانیوں اور جانبازیاں تو اہل سنت کھریں یہ پاکبازیاں بھی ہوتیں تو انیس کے لیے ہوتیں۔ مگر تماشا ہے کہ جانیں کون گنوائیں اور مزے کون اڑائیں۔ حق یہ ہے کہ دقیقہ سنجی اور انصاف پرستی اور صدق فی الروایۃ اہل سنت ہی کے لیے ہے بہر حال اباحت متعہ بوجہ ضرورت تھی اور وہ ضرورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں تھی اور پھر وہ بھی وقت سفر تھی وقت حضر نہ تھی اور وقت سفر بھی اپنی لوگوں کے لیے تھی جن کی بیبیاں ان کے ساتھ نہ تھیں چنانچہ روایات صحاح اہل سنت اس بات پر شاہد ہیں صحیح مسلم میں ہے۔

عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَقُولُ  
 رَحِمَ اللَّهُ مُحَمَّدًا وَآلَهُ وَسَلَّمَ  
 رَحِمَ اللَّهُ مُحَمَّدًا وَآلَهُ وَسَلَّمَ  
 رَحِمَ اللَّهُ مُحَمَّدًا وَآلَهُ وَسَلَّمَ



كُنَّا نَعْدُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَتَخَصَّصُ فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمُرَاةَ بِالثَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ  
 راسخی مقام الحاجۃ منہ ۴۵۲ مسلم

اور نیز صحیح مسلم میں ہے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي خَالِدُ بْنُ الْمُهَلَّبِ بْنِ سَيْفِ اللَّهِ أَنَّ بَيْنَنَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ رَجُلٍ جَاءَهُ رَجُلٌ فَاسْتَقْتَأَ فِي الْمَتَعَةِ فَامْرَأَةً بِهَا فَقَالَ لَهُ ابْنُ أَبِي عُمَرَ أَلَا نَصَارِيٌّ مَهْلًا قَالَ مَاهِيٌّ وَاللَّهِ لَقَدْ فَعَلْتُ فِي عَهْدِ إِمَامِ الْمُتَّقِينَ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ أَلَيْسَ كَانَتْ رَحْصَةً فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِمَنْ اضْطُرَّ إِلَيْهَا كَالْمَيْتَةِ وَالْتَمَ وَلَحِمَ الْخَنْزِيرَ ثُمَّ أَحْكَمَ اللَّهُ الدِّينَ وَنَهَى عَنْهَا۔

راسخی مقام الحاجۃ (مسلم ص ۴۵۲)

(اجازت متعہ ایسی ہی تھی جیسے حالت اضطراری | اب ۱۰۰ روایتوں سے صاف روشن ہے کہ میں مردار کھانے کی اجازت ہے۔) | ابتداء اسلام میں وقت سفر جہاد و ہوجہ ضرورت شدیدہ

متعہ جائز تھا علی العموم جائز نہ تھا اور پھر وہ جواز بھی ایسا ہی تھا جیسے میتہ اور خنزیر کا حالت مختصر میں کھانا جائز ہے یعنی رخصت تھا عزیمت نہ تھا جو امیر ثواب رکھیے اور ایک متعہ پر حضرت ام حنین رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کا امیدوار ہے اور دوسرے متعہ پر حضرت ام حسن رضی اللہ عنہ کے رعبہ کی توقع باندھیے اور تیسرے متعہ پر حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے مقام کا انتظار کیجئے اور چوتھے

بن مسعودؓ سے سنا فرماتے تھے ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ غزوہ میں تھے یہاں سے ساتھ بیویاں نہ تھیں تو ہم نے پوچھا کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو اپنے اس سے روکا پھر ہم کو اجازت مل گئی کہ ہم کسی عورت کے ساتھ مدت مقررہ تک نکاح کر لیں۔)

ابن شہاب کہتے ہیں مجھے خالد بن ماجر بن سیف اللہ نے بتایا کہ وہ ایک آدمی کے پاس بیٹھے تھے تو ایک شخص نے متعہ کے بارے میں آکر مسئلہ پوچھا تو اس آدمی نے اسے اجازت دی ابن ابی عمرۃ انصاری کہنے لگے چھوڑو وہ کہنے لگے ایسا کیوں اہم المتقین کے زمانہ میں ہم نے کیا تھا تو ابن ابی عمرۃ نے کہنا یہ اسلام کے دور آغاز میں رخصت تھی اس شخص کے لیے جو مجبور ہو جیسے کوئی آدمی مردار خون اور خنزیر کھانے پر مجبور ہو پھر اللہ نے دین کو پختہ کر دیا اور ہمیں متعہ سے (خدا نے) روک دیا)



میں منصب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو پکارے

بالکل زمانہ نبوت میں بھی متحرک نہ تھا بلکہ نصرت تھا اور وہ بھی سفر میں نہ حضر میں اور سفر میں بھی تھا تو فقط سفر جہاد ہی میں اور وہ بھی ان لوگوں کے۔ لیے جن کی عورتیں نہ تھیں اور ان میں سے بھی اپنی کے لیے جن کو ایسی ضرورت ہو جیسے حالت مجتہد میں پیٹ بھر لینے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہ تمام مضامین دونوں روایتوں کے الفاظ سے مثل آفتاب روشن ہیں۔

(اکل مدیتہ حالت اضطراری میں اب بھی جائز ہے اور متعہ کو بوجہ ارتفَاع علت ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا گیا ہے) مگر چونکہ حالت مختصہ کا احتمال آئندہ بھی تھا پر بعد فتح مکہ احتمال ضرورت متعہ کسی طرح نہ تھا کیونکہ بعد فتح مکہ معظمہ تمام ملک عرب مسلمان ہو گیا تمام اقوام فوج فوج داخل زمرہ اسلام ہونے لگیں خدا کی مدد نے چاروں طرف سے ظہور کیا۔ چنانچہ سورت۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ  
النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (۳)

جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فساد اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے  
ہیں جین میں فوج فوج

اس مضمون پر شاہد ہے اور شاہد ہر فتوح شام و مصر و عراق و فارس وغیرہ اس کے مصداق ہیں۔  
اس لیے اکل میت میں تو بشرطِ حالتِ مجتہدِ رخصت بحال خود باقی رہی اور متعہ کو قیامت تک منسوخ کر دیا  
چنانچہ وہ روایتیں کے جو اس حرمتِ ابدی پر دلالت کرتی ہیں پیش کشِ ناظرانِ اوراق ہیں منجملہ  
اور روایتوں کے ایک روایت تو مرقوم بھی ہو چکی یعنی دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں۔ ثُمَّ أَحْكَمَ  
اللَّهُ الدِّينَ وَلَمْ يَأْمُرْ بِهَا اس روایت سے صاف روشن ہے کہ متعہ زکوٰۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم  
میں بھی اول ہی جائز تھا پھر دین کو محکم اور مضبوط کر دیا یعنی متعہ سے انجامِ کار ہمیشہ کے لیے منع فرما دیا  
سوا اس کے اور روایت لیجئے صحیح مسلم میں موجود ہے۔

حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجَهَنِّيُّ عَنْ  
 أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ إِلَى مَكَّةَ  
 اس کے بعد پھر یہ روایت ہے۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ  
 بْنُ سَبْرَةَ الْجَهَنِّيُّ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ



أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ لِيَا أَيُّهَا النَّاسُ  
إِلَيَّ قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الدِّسْتِمَاعِ  
مِنَ النَّبَاءِ وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ  
إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ  
شَيْءٌ فَلْيُحْدِثْ سَبِيلَهُ وَلَا تَلْخُذُوا بِهَا  
الْمُحْتَمُونَ شَيْئًا (مسلم ص ۴۵۱)

تک حرام کر دیا پس جس کے پاس ایسی چیز (خبر) ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے سنا دیا ہو وہ بھی ان سے واپس نہ لینا۔

ان دونوں روایتوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی بھی غزوہ مکہ ہی میں واقع ہوا ہے یعنی اول تو غزوہ فتح میں بعد بھی خیبر اجازت ہوئی اور پھر بعد تین روز کے ہمیشہ کے لیے یہ ارشاد فرمایا چنانچہ ماہر ان کتب احادیث پر مخفی نہ رہے گا۔

الغرض بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ متعہ کی اجازت ہوئی اور دوبارہ نہی ہوئی مگر دوسری دفعہ کی نہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تھی مگر وہ بات رقم کر چکا ہوں جس سے بعد فتح مکہ حرمت ابدی کا مناسب ہونا معلوم ہو جائے تو یہ تناسب آپ ہی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ ارشاد اس وقت کیوں ہوا۔ پس و پیش فتح مکہ یہ ارشاد کیوں نہ فرمایا ہاں اب تیسری روایت کا نمبر ہے۔ سو وہ تیسری روایت خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ کتب احادیث میں مروی ہے۔

(محمد بن حنفیہ اپنے والد حضرت علیؑ سے سن کر راوی ہیں کہ حضرت علیؑ نے ابن عباسؓ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے دن منع فرمایا۔)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ الْحَنَفِيَّةِ  
أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ لَابْنِ  
عَبَّاسٍ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَنْ مُتْعَةِ النَّبَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَ  
عَنْ أَكْلِ لَحْمِ الْحُمْرِ الْوَسْطِيِّ.

(مسلم ص ۴۵۲ بخاری ص ۴۶۴)

یہ روایات مذکورہ اہل سنت کے لیے تو دربارہ رخصت ہونے متعہ کے سرمایہ تکلیف و یقین ہوں گی اور اس لیے وہ الزام شیعہ جس کے دفع کے لیے یہ اوراق مرقوم ہوئے ہیں خود بخود ان کے نزدیک ساقط ہو جائے گا اور پھر اس باب میں انشاء اللہ شیعوں کو مجال دم زدن نہ رہے گی۔ اور



شیعوں کے لیے یہ روایات منجملہ ہدایات و ارشاد و تلقین ہوں گی۔

(روایات مذکورہ شیعہ کے لیے بھی ہدایت و ارشاد کا باعث ہیں) | وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کسی مذہب و مشرب کا کوئی کلیہ یا قاعدہ یا ان کے دین کی کسی بات کی کوئی اصل و بنیاد اور

ذہن نشین ہو جاتی ہے اور پھر اس کے مناسب ہی اور احکام اس مذہب میں نظر پڑتے ہیں۔ تو اہل مذہب کو تو اس کی حقیقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور مخالفان مذہب مذکور کو بشرط طلب حق و رشد و ہدایت کا سامان ہو جاتا ہے۔ اگر کلام اللہ میں اور اس کے احکام اور اخبار میں یہ تناسب نہ ہوتا تو سب میں پسوا اعتراض ہی ہوتا کہ خود باشد و مغلور ما فطر نہ باشد اور جب اعتراض نہیں تو صیلا اہل اسلام کو سامان فریقہ یقین و کمال اہل علم کے حق میں بشرط تہ یہ یقین و تنبیہ پرانی بات تنبیہ و ہوش ہوگی خاص کر روایات اخیرہ کیونکہ حضرت علیؑ کا نام ہی شیعوں کے مرٹنے کو کافی ہے۔

سینوں کو یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ غزوہ فتح بعد فتح خیبر ہے۔ اور غزوہ فتح مکہ میں بشادوت بعض روایات مذکورہ پھر اجازت ہوگی حتیٰ۔ اس صورت میں نہی غزوہ فتح سے اگر قطع نظر کی جائے تو اجازت غزوہ فتح ناسخ نہی خیبر ہوگی۔ اور حضرت علیؑ کا یہ ارشاد بوجہ بے خبری ہو مگر شیعوں کو اس عذر کی گنجائش نہیں ان کے نزدیک اماموں سے غلطی کا احتمال نہیں اور پھر وہ بھی دین کی باتوں میں خاص کر اس وقت جب کہ نسخ کا بھی احتمال نہ رہا ہو یعنی بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا آثار موقوف ہو گیا نسخ کی کوئی صورت نہ رہی دین پائیدار ہو گیا۔

اس صورت میں وہ متعہ کا رخصت ہونا اور عزیمت نہ ہونا جو بدلائل و واضحہ انشاء اللہ ہر خاص و عام پر واضح ہو جائے گا۔ اس تناسب کے ساتھ مل کر جو حضرت علیؑ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے شیعوں کے حق میں بالضرور موجب تنبیہ ہوگا اور انشاء اللہ اب اس خواب غفلت سے جس میں مدت سے بے ہوش ہیں ہوشیار ہو کر حرمت متعہ کو علیؑ و اس الاشاہ و تسلیم کریں گے اور یہ بھی نہ ہوگا تو اس سے تو خالی ہی نہیں کہ یہ روایتیں دافع الزام اباحت ہو جائیں یعنی حضرات شیعہ جو بدستار و نیز روایات اباحت۔ اہل سنت پر الزام لگاتے تھے وہ الزام روایات سے منفع ہو جائے۔

(حاصل کلام) | اس صورت میں حاصل تقریر یہ ہوگا کہ ایک زمانہ میں متعہ کا ایسی طرح حلال ہو جانا جیسے میتہ کبھی حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن اول تو وہ اجازت وقت ضرورت بوجہ ضرورت تھی۔



کوئی امر تعبدی نہ تھا جو ہمیشہ کے لیے رہتا اور ایسا تو اس کے لیے پا پاں اس پر متفرع ہوتا کہ ایمان سے لے کر اعمال تک کسی عبادت اور طاعت اور زہد و تقویٰ کا وہ ثواب نہیں کیونکہ نہ ایمان کا یہ رتبہ کہ بہ ترتیب معلوم چوتھی دفعہ میں ثانی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہو جائے اور ہر قطرۂ غسل سے فرشتہ پیدا ہو د کسی عبادت میں یہ اثر نہ زاہد سے یہ امید نہ تقویٰ سے یہ توقع یہ پاکیزگی تو اسی (متحدہ کی) پاکبازی میں ہے۔

اور اگر فرض کیجئے حضرات شیعہ میر فتح اللہ شیرازی کی تفسیر کو معتبر نہ جانیں اور اس وجہ سے ان کی روایات کو نہ مانیں تب بھی شیعوں کے نزدیک متعہ کے منجملہ حنات ہونے میں تو کچھ تامل ہی نہیں۔ بہر حال بوجہ ضرورت، وقت ضرورت متعہ کے لیے اجازت دے دینا خود اس بات کو مقتضی ہے کہ بعد ضرورت یہ حکم نہ ہے گا اور ایسا حکم منجملہ حنات نہیں ہو سکتا دوسرے حرمت ابدی اور حدیثوں سے ثابت۔ جس کا حال یہ ہو گا کہ وہ اباحت ثابت من الاحادیث جو شیعہ کے نزدیک اس حرمت کو کاسخ تھی جو آیت اَلَا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ مِنَ النَّسَاءِ ثابت ہوتی تھی احادیث ہی سے پھر منسوخ ہو گئی (حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس) | باقی رہا حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود عبا شش کے فتاویٰ کی حیثیت (عنہما) کا بعد وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم متعہ کی اباحت پر فتویٰ دینا اہل سنت کے حق میں کچھ مضرت نہیں کیونکہ اول تو اہل سنت کے مجتہد سے خطاب بھی ہو جاتی ہے دوسرے ان کا یہ فتویٰ قبل اطلاع نہ تھا بعد اطلاع انہوں نے بھی رجوع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا حدیث نہیں سے مطلع نہ ہونا تو حضرت علیؓ کی روایت سے ثابت ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کو خیال فرمائیے۔

لے حضرت عبداللہ بن عباس کے متعلق حضرت علیؓ کی روایت ۲۵۶ پر گزر چکی ہے علاوہ انہیں ترمذی شریف میں حضرت ابن عباسؓ کا قول مذکور ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "متعہ شروع اسلام میں تھا آدمی کسی شہر میں جاتا جہاں اسکی جان پہچان نہ ہوتی تو جتنی دیر اس نے قیام کرنا ہوتا اتنی دیر کے لیے کسی عورت سے نکاح کر لیتا وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کے لیے کھانا بھی تیار کرتی یہاں تک کہ جب آیت اَلَا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ نازل ہوئی قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهَا حَرَامٌ" (ترمذی ص ۱۸۱ باب نکاح المتعہ)

باقی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مسلم ص ۴۴ میں مروی ہے قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَقُولُ كُنَّا نَعْرِضُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ لَنَا نِسَاءً فَقُلْنَا اَلَا نَتَخَصُّي فَنَهَا عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ (۲۵۹ ص ۲۵۹)



اور اگر بالفرض حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو رجوع کا اتفاق نہیں ہوا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ احادیث نسخ ان کو پہنچی نہ تھیں اور اجماع ان کے بعد منعقد ہوا۔ بہر حال انجام کار سب نے رجوع کیا اور حرمت متعہ پر اجماع منعقد ہو گیا۔

(حرمت متعہ پر امت کا اجماع ہے) چنانچہ کتب اہل سنت میں موجود ہے (علامہ) نووی شراح مسلم باب نکاح المتعہ میں بحوالہ قاضی عیاض رقم فرماتے ہیں۔

قَالَ الْقَاضِي وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ هَذِهِ الْمُتْعَةَ كَانَتْ نِكَاحًا إِلَى أَجَلٍ لَا مِيرَاثَ فِيهَا وَفِرَاقُهَا يَحْصِلُ بِالنِّقَاطِ أَوْ جَلٍّ مِنْ غَيْرِ طَلَقٍ وَوَقَعَ الْإِجْمَاعُ بَعْدُ عَلَى تَحْرِيمِهَا مِنْ جَمِيعِ الْعُلَمَاءِ

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ متعہ وقتی نکاح (میعہ گواہ) تھا اس میں میراث نہ تھی اور بلا طلاق مدت مقررہ کے ختم ہونے پر جدائی ہو جاتی تھی اس کے بعد اس کی حرمت پر تمام علماء کا اتفاق ہوا۔ بحزر ردوافض کے حضرت ابن عباسؓ کچھ عرصہ

بقیہ حاشیہ - کہ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمُسَاهِقَةَ بِالْعُتْبِ إِلَى أَجَلٍ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا مَوَاطِئَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ حضرت ابن مسعودؓ ولا تعتدوا سے ان لوگوں کا رد فرما رہے ہیں جو بعد حرمت متعہ کے بھی علت متعہ کے قائل ہیں ابن مسعودؓ کا مطلب یہ ہے کہ جیسے طہیات کو حرام کرنا درست نہیں ایسے ہی حدود سے تجاوز بھی درست نہیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ضرورت غزوات میں اور سخت مجبوری کے وقت جب کہ عورتیں پاس نہ تھیں اجازت فرمائی اور بعد میں اِنَّهُمْ لَحَرَامٌ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فرما کر قیامت تک کے لیے حرام ہونے کا اعلان کر دیا اب جو شخص متعہ کی اجازت سے اس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا وَاِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ کا اشارہ الیہ ابن القیم۔ حافظ ابن حجرؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں فی روایۃ الی معاویۃ عن اسماعیل بن ابی خالد ففعلنا ثم ترك ذلك وفي رواية لابی عیینۃ عن اسماعیل ثم جاء تحريمها بعد وفي رواية معمر عن اسماعیل ثم نسخ۔ (فتح الباری ص ۱۱۷) - ۱۲ -



البروافض وکان ابن عباس یقول  
بابا حقہا وروی عنہ انہ رجع عنہ  
انتی (نوی علی مسلم ص ۳۵)

اباحت کے قائل تھے پھر آپ سے مروی ہے کہ  
آپ نے جواز سے رجوع کر لیا۔

اور شروع باب مذکور میں بحوالہ قاضی ہی یہ بھی مرقوم ہے۔

قَالَ الْمَازِرِيُّ ثَبَتَ أَنَّ نِكَاحَ الْمُتْعَةِ كَانَ  
جَائِزًا فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ ثَبَتَ بِالْأَحَادِثِ  
الصَّحِيحَةِ الْمَذْكُورَةِ هُنَا أَنَّهُ لَمْ  
يُتَعَقَدْ الْإِجْمَاعُ عَلَى تَحْرِيمِهِ وَلَمْ  
يُخَالَفْ فِيهِ الْأَطْلَافَةُ مِنْ  
الْمُبْتَدِعَةِ - انتی مقام الحاجہ

دمازری نے کہا ہے کہ نکاح متعہ اسلام کے ابتدائی  
دور میں جائز تھا پھر صحیح احادیث سے ثابت ہے  
کہ وہ منسوخ ہو گیا اور اس کی حرمت پر اجماع واقع  
ہو گیا۔ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا بجز  
اہل بدعت کے ایک گروہ کے

(نوی علی مسلم ص ۳۵)

خلاصہ مرام یہ ہے کہ نہ کلام اللہ میں متعہ کا نشان ہے نہ اس کی خوبی یا اباحت کا کہیں بیان  
ہے کوئی آیت اس کے استحبات یا اباحت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ کلام اللہ سے اگر نکلتی ہے  
حرمت نکلتی ہے۔ ہاں احادیث سے ایک زمانے میں متعہ کے دنوں کے لیے مباح ہونا ثابت  
ہوتا ہے۔ مگر جیسا متواترے دنوں کے لیے اباحت کا ثبوت احادیث سے نکلتا ہے ایسا ہی بعد  
اباحت چند روزہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا حرام ہو جانا نکلتا ہے۔

چونکہ جمیع مالہ و ما علیہ بحث متعہ سے بجا اللہ فراغت حاصل ہوئی تو اب لازم یوں ہے کہ خدا کا  
شکر ادا کیجئے اور بنام خدا ختم کیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی  
رسوله سید المرسلین خاتم النبیین وآلہ وصحبہ وازواجہ وذریئہ  
اجمعین۔



# سوال چہارم

(بحث فدک و وراثت انبیاء علیہم السلام) بیٹیوں کا وارث ہونا قرآن میں سورت نساء رکوع دوم  
اعنی یُوصِيكُمْ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلَّذِيْ كَرِهْتُمْ لِحِطَّةٍ اَلْاُنثٰى مِثْلُ مَن مِّنْكُمْ  
فرماتے ہیں فَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر اولاد میں ایک  
ہی بیٹی ہو تو اس کا اودھا حصہ ہے اس صورت میں حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے اودھے ترکہ کی مالک تھیں پھر کیا سبب ہوا کہ خلیفہ اول نے ان کو بالکل جواب دیا  
یہ بھی ظلم نہیں تو اور ظلم کس کا نام ہے؟

اور اگر یہ کہتے کہ حدیث میں آیا ہے نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاۡ لَا نُورِثُ مَا تَرَكَْنَا  
صَدَقَہُ یعنی انبیاء کے مال میں میراث نہیں ہوتی تو یہ معنی ہوئے کہ حکم قرآنی حدیث سے منسوخ  
ہو گیا تو اول تو حدیث واحد سے یعنی ایسی احادیث سے جن کو محدثین احاد کہا کرتے ہیں قرآن کا منسوخ  
بظہر اناسینوں کے نزدیک بھی جائز نہیں دوسری حدیث اور آیات قرآنی کے معارض ہے جن میں  
سے ایک تو وَدَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ ہے۔ دوسری وَهَبُ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا تَبَرَّئْتُ  
وَمِيرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ۔ اول کا مطلب تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام  
کے وارث ہوئے اور دوسری دعا حضرت زکریا علیہ السلام ہے اور مطلب اس کا یہ ہے۔

کہ اے اللہ میرے مجھ کو ایسا جانشین جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔  
اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے خلافت قاعدہ مجددی دعا منظور نہیں اور اگر بالفرض انبیاء  
کرام سے کوئی دعا خلافت قاعدہ مقرر صادر بھی ہو تو مثل دعا حضرت نوح علیہ السلام یعنی۔

رَبِّ اِنَّ اَبْنٰی مِنْ اَهْلِیْ وَاِنْ وَعَدَکَ  
الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰکِمِیْنَ۔  
رہنے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور  
بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

قابل عتاب ہے چنانچہ جملہ فَلَا تَسْأَلُنِیْ مَا لَیْسَ لَّکَ بِہٖ عِلْمٌ اِلَّا اَعْطٰکَ اِنْ تَکُوْنُ مِنَ  
الْجٰہِلِیْنَ۔ سورت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے  
تو جاہلوں میں سے ظاہر ہے مثل دعا مذکور حضرت زکریا علیہ السلام قابل اجابت نہیں تھی سو ایجابات



دعاے مذکور جس پر جملہ لیت رکھ دیا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ یَحْیٰی شاہد ہے۔ یا پس لطف معیت جو لفظ نُبَشِّرُ سے ظاہر ہے در صورت صحت و صدق خبر لا نورث ہرگز متصور نہیں کیونکہ اگر انبیاء کا کوئی وارث نہ ہو کرتا تو حضرت زکریا علیہ السلام کو اس قاعدہ کی اطلاع بھی ضرور ہوگی پھر ایسی دعا کیوں کرتے بہر حال حضرت زکریا اور حضرت داؤد علیہما السلام دونوں بالیقین نبی ہیں اور ان کے مال میں وراثت جاری ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے اس صورت میں حدیث مذکور مخالفت کلام اللہ ہوئی۔ سو کلام اللہ کو غلط نہیں کہہ سکتے ہونہ ہو حدیث مذکور ہی غلط ہوگی۔

**جواب (میراث کی بناتین شرطوں پر ہے)** بعد حمد و صلوات راقم حروف عرض پرداز ہے کہ میراث کی بناتین باتوں پر ہے۔

(شرط اول۔ مورث کی روح کا اس کے ایک تو یہ کہ جس کے مال میں کسی کو استحقاق میراث ہو جسم سے علاقہ حیات باقی نہ ہے) اس کی روح کو اس کے جسم سے علاقہ حیات باقی نہ ہے اگر علاقہ مذکور باقی ہے تو اس کا مال اسی کی ملک رہتا ہے اور اس کی ازواج اس کے نکاح میں، اقرباء کو اس کے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہوگا کسی اور کو اس کی ازواج سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ جب تک دم میں دم ہے آدمی اپنے مال کا مالک ہے اس کی زوجہ کا نکاح منقطع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر علاقہ مذکور منقطع ہو جائے تو اموال سے بھی علاقہ ملک منقطع ہو جاتا ہے اور ازواج سے بھی علاقہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ روح کو بذات خود تو اموال و ازواج کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ جیسے سوار کو گھاس دانہ کی ضرورت بوجہ اسپ سواری ہوتی ہے روح کو کھانے پینے اور اموال و ازواج کی حاجت بوجہ بدن ہے۔ جب بدن سے علاقہ ہی نہ رہا تو مال و ازواج روح کے کس مصرف کے ہیں۔

(شرط دوم۔ مورث کا یُوصِیْکُمُ اللّٰہُ دوسری بات جس پر بنا میراث ہے یہ ہے کہ خطاب کے خطاب میں شمول۔) یُوصِیْکُمُ اللّٰہُ میں مورث داخل ہو۔ یہ نہ ہو کہ جیسے

حج، زکوٰۃ کا خطاب مثلاً اغنیاء کے لیے ہے فقراء خارج ہیں خطاب مذکور سے مورث خارج ہو۔ (شرط سوم۔ مورث کا ترکہ اس کی ملکیت ہو) تیسری بات یہ ہے کہ متروکہ مورث اسی کا مملوک ہو کسی کی امانت یا مال وقف نہ ہو۔

(صورت سولہ میں تینوں شرائط مفقود ہیں) جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے سینے کے اس جھگڑے



میں تینوں باتوں کا پتہ نہیں اور ظاہر ہے کہ ثبوت دعویٰ میراث کے لیے اول حضرات شیعہ کو ان تین باتوں کا اثبات ضروری ہے اس کے بعد اگر سنیوں سے جواب مانگیں تو بجائے خود ہے۔ اور قبل اثبات مذکور سنیوں کی طرف سے لَا نُسَبُّ کافی ہے ان تینوں سے اگر مقدمہ واحد ہی ثابت نہ ہوگا تو پھر سنیوں کے سامنے منہ کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہاں ذہن سلیم ہو تو ان تینوں باتوں کی تضاد کلام اللہ ہی سے ثابت ہیں اور احادیث کثیرہ اس کی مؤید۔ خیر یہ بات تو بہت طویل ہے قابل گزارش یہ ہے۔

(حدیث لا نورث اخبار کے قبیل سے ہے) کہ حدیث میں نفی امر اول کی طرف اشارہ ہے اور اور اخبار ناسخ و منسوخ نہیں ہوتیں) صورت اس کی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے

مال میں میراث کا جاری نہ ہونا اگر حدیث مذکور سے ثابت ہے تو بایں محنی ثابت ہے کہ عدم موروثیت کی خبر دیتی ہے یہ نہیں کہ ان کے لیے جدا امر و ارشاد ہے کہ حدیث کو ناسخ، قرآن کو منسوخ کہیں۔ بالجلہ امر وہی ناسخ امر وہی ہوا کرتے ہیں اخبار ناسخ و امر و نواہی نہیں ہوتیں۔

ہاں اگر کوئی ایسی خبر ہو جس سے وقوع امر وہی معلوم ہو جیسا کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ يَأْخُذْكُمْ عَلَيْكُمْ اَمَلِيَّتُهُ تو وہ خبر تو پھر بھی ناسخ امر وہی ہوتی البتہ وہ امر وہی جو بذریعہ خبر مذکور معلوم ہوتے ہیں بشرط مخالفت امر وہی دیگر ناسخ ہوا کرتے ہیں سو یہاں نہ کسی امر کی خبر ہے نہ کسی نہی کا بیان۔

دینار میراث کی شرط اول کا فقدان حدیث لا نورث بلکہ مطلب اصلی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فوت کی رو سے حیات انبیاء علیہم السلام ہی مانع میراث ہے) موت بھی کہ تو بقید حیات رہتے ہیں چنانچہ ہدایت مختل صائب جلد لا نورث سے یہ بات عیاں ہے اور ہم بھی انشاء اللہ بیان کر دیں گے۔

اس لیے ان کے مال میں میراث نہیں چلتی۔ سو سنی نہ سہی علماء شیعہ ہی فرمائیں کہ اس میں کیا خرابی ہے اور اس صورت میں کس طرح نسخ قرآن لازم آتا ہے زندہ کے مال میں نہ تو شیعوں کے نزدیک میراث ہوتی ہے نہ سنیوں کے نزدیک جب تک جان کو تن سے علائقہ باقی ہے تو کیا ہی کوئی ضعیف و نحیف بدتر از مردگان کیوں نہ ہو اپنے مال کا مالک اپنی زوجہ کا خاوند رہتا ہے نہ اس کے مال میں وارثوں کو گنجائش تصرف ہے نہ اس کی ازواج کے ساتھ کسی کو نکاح کی اجازت جب ہمارا امتسار باوجودیکہ ہماری حیات بدتر از موت ہے کہ حالت نزع میں اپنے مال کے مالک اور اپنی زوجہ کے خاوند رہتے ہیں انبیاء علیہم السلام اگر بقید حیات اپنے مال کے مالک اور اپنی ازواج کے خاوند رہیں تو کیا بے جا ہے۔



(دواہم سوال) | ہاں یہ بات قابل تحقیق ہے کہ جملہ لانورث بقار حیات پر کیوں کردلائت کرتا ہے۔ اور دوبارہ بقار حیات انبیاء وقت موت بھی احادیث احاد سے کام چل سکتا ہے نہیں؟

(جواب سوال اول) موروثیت کی | سو جواب امر اول تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی کا سبب حیات ہے) لانورث فرمایا ہے لا یرثنا احدٌ، نہیں فرمایا غرض

نفی وارثیت ورثہ نہیں کی اپنی موروثیت کی نفی فرماتے ہیں۔ اگر نفی وارثیت فرماتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ معاذ اللہ قتل یا کفر وغیرہ اسباب حرمان کے باعث وراثت سے محروم رہ جائیں پر مانع موروثیت مورث بجز حیات اور کوئی امر ہی نہیں۔ اس لیے کہ موجب تعلق وراثت فقط انقطاع تعلق فیما بین روح و جسم ہے کسی اور شرط یا سبب کی ضرورت ہی نہیں جو اس کے نہ ہونے کا احتمال ہو۔

اس صورت میں بجز اس کے اور کسی بات کی گنجائش ہی نہیں کہ حیات مانع میراث قائم ہو اور یہ فرق نفی وارثیت اور موروثیت میراث میں ایسا ہے جیسا البصار میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلائی دینے کا فرق موجود ہے یعنی اندھا اگر کسی شکل و صورت کو نہیں دیکھتا تو وہاں اندھے کا قصور ہے اس شکل کا قصور نہیں اور اگر ہو یا روح وغیرہ اشیا غیر مبصرہ کو کوئی آنکھوں والا نہیں دیکھتا تو وہاں آنکھوں والے کا اس بات میں کچھ قصور نہیں بلکہ ہوا اور روح کا قصور ہے یعنی ہوا اور روح دیکھنے کے قابل نہیں سو پہلی صورت میں اندھے کے بصیر ہونے کی نفی کرنی چاہیے اور دوسری صورت میں ہوا اور روح کے مر کی ہونے کی نفی مناسب ہے۔

بہر حال بدلائل نفی موروثیت حقیقت شناسائی معانی سنچ تو اس طرف گئے کہ انبیاء میں موروثیت ہی نہیں یعنی انقطاع تعلق روح و جسم کی نوبت ہی نہیں آتی اور ظاہر پستان کم فہم نفی موروثیت کو نفی وارثیت پر محمول کر کے لڑنے کو تیار ہیں کہ بیٹی کا وارث ہونا قرآن میں مخصوص ہے حدیث واحد سے منسوخ یا مخصوص نہیں ہو سکتا۔ یہیں تفاوت رواز گجا است تا بجا۔

کوئی پوچھے اس حدیث کو نفی وارثیت سے کیا علاقہ جو اعتراض نسخ لے دوڑے۔

(جواب سوال دوم)۔ موت و حیات | اور امر ثانی کا جواب یہ ہے کہ موت و حیات کے باب کے باب میں خبر واحد بھی معتبر ہے | میں تو ہر عادل کی گواہی مقبول ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات دوبارہ حیات مقبول نہ ہوگی حضرات شیعہ ہی فرمائیں یہ بات سچ ہے یا جھوٹ۔



ایک اور سوال موت و حیات کا اجتماع ممکن ہے؟ | ہاں یوں کہتے ہیں کہ انہیں یوں بھی ارشاد ہے  
 كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جی کو چھنی ہے موت) جس سے بے تخصیص انبیاء علیہم السلام سب  
 کے لیے موت کا آنا ثابت ہے بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے  
 ہیں۔ إِنَّكَ مَيِّتٌ (تجھے بھی مرنا ہے) پھر اس بار پر فرماتے ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ  
 قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ  
 انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ (پت)  
 (اور محمد تو ایک رسول ہے جو پہلے  
 بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر  
 جاؤ گے الٹے پاؤں۔)

اور ظاہر ہے کہ موت و حیات باہم متضاد ہیں اور تضاد باہم مجتمع نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے  
 کہ نور و ظلمت اور حرارت اور برودت ایک محل واحد میں جو جمع نہیں ہوتے تو بوجہ تضاد ہی باہم  
 مجتمع نہیں ہوتے۔

(دلیل نقلی) | سو اس کا جواب اقل تو نقل ہیجے اگر كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کلام اللہ میں ہے  
 تَوَلَّوْا حَسْبَ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَدَأَ حَيَاتُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
 يَوْمَ رَزَقُونَهُمْ (اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مرنے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے  
 پاس کھاتے پیتے) بھی کلام اللہ ہی کی آیت ہے انجیل یا تورات کا درس نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ  
 بشہادت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ شہداء کی موت کا قرآن لازم ہے ورنہ یاسی ہمہ کلیت  
 جملہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اگر شہداء منجملہ اموات ہوں گے تو اس تفسیر کا کلیہ ہونا دربارہ موت  
 انبیاء کرام علیہم السلام کیونکر مفید ہو سکتا ہے۔ سو جیسا شہداء میں موت و حیات کا اجتماع ممکن ہے  
 ایسا ہی انبیاء علیہم السلام میں بھی سہی۔

(ایک خدشہ) | اس تقریر کو سن کر شاید علماء شیعہ آیت لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ  
 اللَّهِ أَمْوَاتًا کی تفسیر میں درپے تغیر ہو کر یہ فرمائیں کہ قُتِلُوا اصیغہ ماضی ہے اس لیے الَّذِينَ  
 قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو قبل نزول آیت لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا  
 خدا کی راہ میں مارے گئے علی العموم تمام شہداء مراد نہیں۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ  
 ایک بار مر گئے ہوں اور پھر بعد مرگ ان کو زندہ کر اٹھایا ہو اور اس لیے یہ ارشاد ہوا کہ لَا تَحْسَبَنَّ



الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَدَلُ أَحْيَاءٍ عَنْهُمْ ذَرَبَهُمْ، مگر اس کا جواب اول تو اپنے مفسروں سے پوچھیں۔

(جواب خدشہ) حضرت من! باتفاق مفسرین فریقین آیت مذکورہ تمام شہداء کو عام ہے بالیقین ہوں یا لاحقین اور کیوں نہ ہو۔ اگر یوں نہ کہتے تو آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَوْ كُنُوْا يَدْرُوْنَ اَنَّ اَمْوَاتًا بَدَلُ اَحْيَاءٍ عَنِ اللّٰهِ لَافْتَرَانٌ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ شیعان مابعد کو بزرگم خود بھی اپنے آپ کو اس قسم کی بشارت کے محروم و بے نصیب کتنا پڑے گا۔ بالجلہ اس قسم کی آیات میں زمانہ کا ماضی ہونا باعتبار وقت جزاء و تفریق ہوتا ہے باعتبار وقت تکم نہیں ہوتا۔ سو جیسے آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَوْ كُنُوْا يَدْرُوْنَ اَنَّ اَمْوَاتًا بَدَلُ اَحْيَاءٍ عَنِ اللّٰهِ لَافْتَرَانٌ سے مثلاً تقدم ملحوظ ہوگا اس آیت میں۔ مہربان اور رزق اور فرحت وغیرہ امور مندرجہ آیت۔

وَلَا تَحْزَبَنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَدَلُ اَحْيَاءٍ عَنْهُمْ ذَرَبَهُمْ يَرْزُقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَكُمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَنْ لَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (پ ۴۳ ۹)

اور تو نہ بھجھ ان لوگوں کو جو مائے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیٹتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم)

سے تقدم اعتبار کیا جائے گا ورنہ ہم تو نہیں کہہ سکتے یہی تفسیر دانی ہوگی تو حضرت ام المومنین ام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی حیات سے شیعوں کو انکار ہی کرنا پڑے گا بہر حال جملہ الَّذِيْنَ قَتَلُوا کی تعمیم ضرور ہے۔

(شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں موت کے بعد دوبارہ حیات کی دو قسمیں متصل اور منقطع)

پھر اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں کہ مقتولان فی سبیل اللہ کی حیات اول ہی

پرستور ہو اور اس لیے بَدَلُ اَحْيَاءٍ فرمایا ہو یا حیات اول منقطع ہو گئی ہو پر حیات ثانی کے اعتبار سے ان کو احیاء فرمایا ہو۔ صورت اول میں تو ظاہر ہے کہ بعد قتل موت و حیات کا اجتماع لازم آئے گا۔ (منقطع کی پھر دو قسمیں متصل اور منفصل)

پر صورت ثانی کی پھر دو صورتیں۔ ایک تو یہ کہ حیات اول کے ختم ہوتے ہی دوسری حیات شروع ہو گئی ہو یعنی حیات اول کا انتہا اور حیات ثانی



کا ابتداء اسی طرح متصل اور چپاں ہو جیسے رات اور دن ظہر اور عصر مثلاً۔ دوسرے یہ کہ حیات اول کے اختتام کے بعد ایک زمانہ تک موت ہی رہتی ہو اور پھر حیات ثانی آتی ہو ان دونوں میں سے پہلی صورت میں اگر موت انتہاء حیات اور حد حیات اور طرف حیات ہے تو جیسے خط و سطح مفروض علی السطح المتصل اور سطح مفروض علی الجسم المتصل یا آن مفروض فی الزمان المتصل اتصال سطح اور اتصال جسم اور اتصال زمان میں قانع نہیں ایسے موت مفروض بین الحیوتین کو خیال فرمائیے کیونکہ اس صورت میں تعدد حیوۃ باعتبار فرض موت ہے اور موت ایک انتہاء غیر منقسم کا نام۔ سو جیسے تعدد سطح جو وقت فرض خط مستدیر مثلاً لازم ہے اتصال سطح داخل و خارج مستدیر میں قانع نہیں۔ ایسے ہی موت بھی اتصال حیات سابق و لاحق میں قانع نہ ہوگی اور اگر موت کیفیت مستمرہ کا نام ہے تو پھر وہی صورت ہے یہاں بھی موت و حیات باہم مجتمع ہوں گی۔ ہاں صورت ثانی میں البتہ اجتماع موت و حیات نہ ہوگا بلکہ حیات اول تک تو موت بھی ہے نہیں اور حیات ثانی کے وقت موت زائل ہوگئی اور یہی احتمال شیعوں کو مفید بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ دونوں حیاتوں کے مابین جو زمانہ موت ہوگا۔ تو اس موت کے مفروض وہی الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ہیں۔ جن کی شان میں لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاؤُا فَرِحَاتٍ ہیں۔ القصہ خود آیت لَا تَحْسَبَنَّ یہی احتمال مذکور کی مکذب ہے۔

(دلیل عقلی) | اور دلیل عقلی موت و حیات کے اجتماع کے ممکن ہونے پر مطلوب ہے تو سنیئے کہ اجتماع اضداد کے محال ہونے کے لیے ضرور ہے کہ جہت و زمان بھی واحد ہو ورنہ مختلف زمانوں میں جیسے پانی کا گرم سرد ہونا اور زمین کا ماضی و ظلم ہونا ممکن کیا مشہور ہے ایسے باعتبار جہات مختلفہ بھی حرارت برودت اور نور و ظلمت کا اجتماع موجود ہے۔ علی ہذا القیاس ادویہ بارودہ بالطبع اور آب جو بالطبع بارودہ ہے بوسیدہ آتش گرم ہو جاتے ہیں اور علی ہذا القیاس ادویہ عارہ بالطبع مثل مرج و گوگل شدت سرما میں بارود ہو جاتی ہیں اور طبیعت وہی کی وہی رہتی ہے تاثیرات جوں کی توں رہتی ہیں اگر اجتماع مفہومات مذکورہ ہر طرح محال ہی ہوتا تو یہ اجتماع کیوں کر ہو سکتا اس لیے بنا چاری اتحاد جہت کا شرائط تضاد میں سے کہنا ضرور ہے سو جیسے یہاں حرارت ذاتی اور برودت طبعی زائل نہیں ہوتی بلکہ برودت عارضہ اور حرارت غریبہ کے تلے دب جاتی ہے اور زیر پردہ اضداد مستور ہو جاتی



ہے۔ ایسے ہی اگر حیات ذاتی زیر پردہ موت مستور ہو جائے تو کیا عجوب ہے۔ کیونکہ موت بشاد است  
آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاتِ امر وجودی ہے عدمی محض نہیں جو یوں کہا جائے کہ ساتھ ہونے  
کے لیے وجودی ہونا ضروری ہے اور موت امر عدمی ہے اس کے ساتھ ہونے اور حیات کے مستور  
ہونے کے کیا معنی؟

اور اگر یوں کہیے کہ موت تو امر عدمی ہی ہے پر یہاں وہ چیز مراد ہے جس سے یعنی عدم الحیات  
لازم آیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات منجملہ اوصاف عوارض ہے، اقسام موصوفات اور  
جو اہر میں سے نہیں اور ظاہر ہے کہ اوصاف وجودی دو حال سے خالی نہیں ہوتے یا اوصاف ذاتیہ  
ہوں گے یعنی ذات موصوف کے حق میں خانہ زاد ہوں کسی اور کا فیض نہ ہوں جیسے فرض کمر حرارت  
آتش، اس قسم کے اوصاف تو اہل علم و عقل جانتے ہیں کہ موصوف سے جدا ہی نہیں ہوتے اور اگر  
اوصاف وجودی اوصاف ذاتیہ نہ ہوں گے تو اوصاف عرضیہ معنی بالعرض ہوں گے یعنی کسی اور کا فیض  
ہوں گے جیسے فرض کمر حرارت آب گرم کہ آب گرم میں فیض آتش ہے آپ کے حق میں وصف خانہ زاد  
نہیں اس قسم کے اوصاف البتہ زوال پذیر ہوتے ہیں اور موصوفات سے ان کا عدم متصور ہوتا ہے  
لیکن اس قسم کے اوصاف اگر ایک جاسے معدوم ہو جاتے ہیں تو جہاں کا فیض ہے وہاں سے معدوم  
نہیں ہوتے۔ الغرض ہر وصف عرضی معنی بالعرض کے لیے ایک موصوف بالذات ضرور ہے سو  
جس کسی کی ایسی حیات ہوگی اس کی حیات معدوم نہیں ہو سکتی اگر ہوگی تو مستور ہی ہوگی۔ اور وہ چیز  
جو آیت مذکورہ میں لفظ موت سے مراد ہوگی اس کے حق میں ساتھ ہی ہوگی حائل نہ ہوگی۔

دعالم اسباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ذاتی ہے اور | سو ہم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اوروں کی حیات آپ کے فیض سے عرضی ہے | کی حیات عالم اسباب میں خانہ زاد ہو اور اوروں کی حیات علم  
امکان میں اسی طرح اس کا فیض ہو جیسے چاند میں آفتاب کا فیض تو اس صورت میں آپ کی حیات  
وقت موت زائل نہ ہوگی تو مستور ہوگی یعنی جیسے وقت کسوف یعنی گھن کے وقت نور آفتاب چاند  
کی اوٹ میں مستور ہو جاتا ہے۔ اور چاند کا نور وقت خسوف یعنی چاند گھن میں بایں وجہ کہ زمین اس  
کے اور آفتاب کے بیچ میں حائل ہو گئی ہے۔ بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت موت آپ کی  
حیات تو زیر پردہ موت مشاۃ فی الایۃ مستور ہو جائے اوروں کی حیات بالکل زائل ہو جائے۔



بالجملہ موت اور حیات بوجہ اختلاف جہات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر مجتمع ہو جائیں  
تو کون محال لازم آئے گا۔ حیات۔ ذاتی اور اصلی ہوگی اور موت عرضی۔

اس صورت میں حدیث لَمْ تُورَثْ مَا تَرَكْنَا جو حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہے  
جیسے آیت يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ کی مخالفت نہ تھی لیے آیت إِنَّكَ مَيِّتٌ وَأَكُلُ  
نَفْسٌ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کی بھی مخالفت نہ ہوگی۔

(آیت وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ سَعَةَ وَارِثَتِ) | رہا تعارض حدیث مذکور اور آیت وَوَرِثَ  
عَلَمِيَّ اور خلافت مراد سے (سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ اور آیت۔

فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا سِرُّنِي (سورہ یوسف) | (سورہ یوسف) میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی

یہ تعارض ظاہر شیعوں کو بوجہ قلت مزاولت کلام اللہ تعارض حقیقی معلوم ہوتا ہے اگر کلام اللہ  
کی تلاوت کبھی نصیب ہوتی اور ان کے لیے کہاں نصیب تو یہ دھوکہ نہ پڑتا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں  
آیتوں میں بھی مثل آیت۔

خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا (پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے)  
الْكِتَابِ (پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چہن  
أَوْرِثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (پہلے متعلق ہی یہ ارشاد  
وَرِثَ سُلَيْمٰنُ سَعَةَ وَارِثَتِ) اور آیت ثُمَّ  
یَا هُمْ نَسِيتُمْ مَا بِكُم مِّنْ عِلْمٍ (یہاں نے پہنچنے میں سے)

وارثت علمی مراد ہے یا وارثت خلافت و ولیعہدی۔ وارثت مالی مراد نہیں چنانچہ آیت وَرِثَ سُلَيْمٰنُ  
دَاوُدَ سے پہلے متصل ہی یہ ارشاد

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا وَ  
قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى  
كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ (اور ہم نے دیا دَاوُد اور سلیمان کو ایک علم اور بولے  
شکو اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی اپنے بہت سے  
بندوں ایمان والوں پر)

(پہلے) سورہ نمل (۲۷)

اور بعد جملہ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ متصل ہی یہ ارشاد



وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَطِقَ الطَّيْرِ (اور بولائے لوگو ہم کو سکھاتی ہے بولی اڑتے جانوروں کی) اس ارادہ کے لیے قرینہ بھی ہے ورنہ وراثت مالی مراد ہو تو پھر وہی قصہ ہو جائے جیسے گنوار کہا کرتے ہیں "بیاد میں بیچ کا لیچھا" سو اگر کسی گنوار کی کلام ہوتی تو احتمال بھی تھا خدا کے کلام میں ایسی بے ربطی انہیں کے نزدیک متصور ہے جن کے نزدیک خدا نے تعالیٰ کو کلام گفتگو کا سلیقہ نہ ہو اور کلام اللہ معجز نہ ہو۔

بائیں ہمہ حدیث کلینی جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس بات پر شاہد ہے کہ آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ میں وراثت علمی مراد ہے وراثت مالی مراد نہیں وہ حدیث یہ ہے وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَوَرِثَ أَخْنُ سُلَيْمَانُ لَمْ حَاصِل کلام یہ ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے تھے اور ہم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے اور ظاہر ہے کہ وراثت مالی کے لیے ان رشتوں اور قرابتوں میں سے کسی رشتہ دار اور قرابت کا ہونا ضرور ہے جن پر وراثت موقوف ہے۔ سو حضرات شیعہ ہی فرمائیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند تھے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کون تھے جو ان کے مال کے وارث ہوئے اور پھر وارث بھی ہوئے تو کیا فدک وغیرہ مسترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے ترکہ میں سے آپ کو ملا تھا۔

(آیت یَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ) اب آیت فَهَبْنِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي سے بھی وراثت علمی مراد ہے (وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ کا حال بھی سنئے۔ اس آیت میں میراث مالی مراد ہو تو یہ معنی ہوں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مال حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے مشور کماوت ہے یعنی ایک کام میں دوسرے بے محل کام کرنا۔ ۱۲۔ محمد اشرف

لے حدیث کلینی کی یہ روایت بالمعنی ہے اصل عبارت یہ ہے۔ اِنَّ دَاوُدَ وَرِثَ عَلَيْهِ الْاَنْبِيَاءُ وَاَنَّ سُلَيْمَانَ وَرِثَ دَاوُدَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِثَ سُلَيْمَانَ وَاِنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ بے شک حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء کے علم کے وارث بنے اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے وارث بنے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بنے۔ اصول کافی ص ۲۲۵ طبع تہران ۱۷۔ محمد اشرف



زمانے تک غیر مقسوم رکھا ہوا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کا انتظار تھا سو اس عرصہ دراز تک جو کچھ اوپر دو ہزار برس ہوتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کا مال ویسے رکھا رہا ہو کسی عاقل کے فہم میں تو آنہیں سکتا۔ ہاں کہیں سے جنون مایخو یا بھی مل جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ بایں ہمہ اس صورت میں فقط جملہ یرثنی کافی تھا۔ جملہ ثانیہ یرث من ال یعقوب کی کیا ضرورت تھی کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وراثت بے وساطت حضرت زکریا علیہ السلام متصور نہیں اور اگر کسی اور کے واسطے سے متصور بھی ہے تو ان کا نام لینا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر پھر بھی بے محل ہے یہ تو اس صورت میں ہے کہ لفظ آل آیت مشار الیہا میں حسب محاورہ عرب زائد ہو اور اگر لفظ آل زائد نہیں تو یوں کہو کہ تمام بنی اسرائیل سے جو اس وقت تک لاکھوں ہوں گے حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کو وہ قرابت تھی جس کے وسیلہ سے ان سب کے وارث ہو سکتے تھے اور پھر ان سب کا انتقال بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کے رو برو ہونا چاہیے جو یرث من ال یعقوب صحیح ہو۔

علاوہ بریں وہ خوف جو جملہ خفۃ الموالی سے ثابت ہوا اگر بایں نظر تھا کہ آپ کے کہنے کے لوگ آپ کو سرف نظر کرتے تھے ان سے بے جا خرچ کرنے کا کھٹکا تھا تو اس دعائے نیک وراثت کی حاجت نہ تھی اپنے آپ خدا کی راہ میں خرچ کر جاتے اور اگر چھوڑ ہی جاتے تو کیا تھا بعد موت تکلیف شرع باقی ہی نہیں رہتی جو کچھ خوف حساب آخرت ہو۔ دوسرے دوسروں کا کیا انہیں پر پڑتا جو کرتا وہی بھرتا لا تضر روادرة وذر اخری کلام اللہ میں موجود ہے دعائے مذکور میں یہ اہتمام کہ۔

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنْ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ  
الدَّاسُ شَیْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَاؤِکَ  
رَبِّ شَاقِیًّا وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ  
مِنْ قَزَآءِیْ (پتا مریم ۱۵)

دل میرے رب بڑھی ہو گئی ہیں میری ہڈیاں اور شعلہ  
نکلا سرے بڑھاپے کا اور تجھ سے مانگ کر اے  
رب میں کبھی محروم نہیں رہا اور میں ڈرتا ہوں اپنے  
بھائی بندوں سے اپنے پیچھے۔

کاتب کے لیے کیا گیا۔ ہاں اگر وراثت علمی مراد ہو تو دونوں آیتوں کا سیاق سابق بھی درست ہو جائے اور کوئی خرابی بھی پیش نہ آئے۔



حاصل اس صورت میں یہ ہو گا کہ جو منصب انصاف و ارشاد پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کو حاصل تھا ان کے بعد حضرات سلیمان علیہ السلام کو ملا اور جو منصب ہدایت ذکر یا علیہ السلام رکھتے تھے بعد اس منصب کے لیے کسی ولی عہد پسندیدہ کے خواستگار میں۔ چنانچہ لفظ ولی کو ریشی کے ساتھ ذکر کرتا عاقلوں کے نزدیک اس جانب مشیر ہے کہ ولی عہد چاہیے ہیں۔ مثل اہل دنیا فقط فرزند ہی کے آرزو مند نہیں۔۔۔ کیسا ہی ہو بلکہ بیٹا ہو یا کوئی اور جو ہو ولی عہد ہو پر ایسا نہ ہو کہ امت کے لوگوں کو خراب کر دے۔ ایسے ولی عہد تو ان کے اقربا میں بھی بہت تھے چنانچہ جملہ اِلٰی خَفْتُ الْمَمَّةَ اِلٰی سے ظاہر ہے بلکہ ولی عہد بھی ہو تو پسندیدہ خدا ہو اس لیے جملہ وَلَجَعَلَهُ رَبِّ رَضِيًّا بڑھایا۔ اور جب یہ بات بھڑی تو اب حضرات شیعہ ہی انصاف فرمائیں کہ ولی عہد اور خلیفہ کی وراثت کون سی قسم ہوتی ہے۔ وراثت مالی ہوتی ہے۔ یا مثل خلقا انبیاء، علماء و فقہاء فقط وراثت ارشاد و تقویٰ۔ انصاف و حفظ جان و مال رعایا۔ مگر علم شیعوں کے نزدیک شاید ولی عہد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے نواب و امراء لکھنؤ و ایران۔ یعنی جس کسی کا مال یا تخت آیا ہے دریغ یا خواہشات نفسانی میں صرف کیا۔

بہر حال لفظ ولی اور لفظ مولیٰ خود شاہد ہیں کہ وراثت مالی نہیں وراثت علمی اور وراثت ارشاد و ارشاد ہے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد ذکر شہادتِ تولد یوں فرمایا۔ یَا حَبِيبِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَ اَتَيْنَاكَ الْحُكْمَ صَبِيًّا (اے بھئی اٹھ لے کتاب زور سے اور دیا ہم نے ان کو حکم کرتا لڑکاپن میں) تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے قرب زمانہ وفات کی طرف دعا رپ اِلٰی دُوْهَنْ الْعُظْمُ مِیْنِیْ وَ اَسْتَعَدَّ الْوَأْسُ شَيْبًا میں اشارہ کر چکے تھے۔ اور غرض یہ تھی کہ ولی عہد مذکور کی جلدی ہی ضرورت ہے تاکہ اس منصب کو سنبھالے سو خداوند کریم نے ان کی خاطر لڑکپن ہی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کمال علمی اور عملی عنایت فرما کر اُمّتیان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد یَرِثُنِیْ سے کیا تھی۔ الغرض خداوند کریم تو حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ مطلب سمجھے جو اس خاکسار نے عرض کیا۔

حضرات شیعہ اگر کچھ اور سمجھیں تو سمجھا کریں مگر ہاں حضرات شیعہ کا بھی قصور نہیں خدا کو جب



بلکہ واقع ہو تو اگر کسی بندہ کی مراد بھی نہ سمجھے تو کیا بے جا ہے۔ علاوہ بریں وراثت ایک معنی اضافی ہے جس کے لیے دو معاشیوں یعنی مصناف اور مصناف الیہ کی ضرورت ہے سو ایک طرف تو یہی وارث ہے دوسری طرف کبھی مورث کو کہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا وارث ہے اور کبھی مال مورث کو مثلاً کہتے ہیں۔ اور یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ مال مثلاً اس کو اس سے میراث میں ملا۔

(قرآن مجید میں وراثت کا استعمال) | بہر حال معنی میراث اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص قائم مقام میں بکثرت آیا ہے) فلاں مال میں فلاں شخص کا قائم مقام ہوا اور اس پر متسلط ہوا۔

چنانچہ خداوند کریم جابجا مادہ میراث کو اپنے کلام پاک میں انہیں معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا نَرَّتُ الْأَرْضِ وَمَنْ عَلَيْهَا (پ)

(ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر)

وَكُنَّا خَلَقْنَا الْوَارِثِينَ (پ)

(اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا

(پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن

مِنْ عِبَادِنَا (پ)

لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے)

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَدَلُّوا أَسْوَاقَ الْبَلَدِ

(پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے

کتاب کے)

(پ) اعراف ۷۶

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا (پ) زمر ۷۰

(اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے)

وغیرہ آیات کو دیکھ لیجئے۔ حسب مراد شیعہ میراث مالی تو بطور معلوم تو یہی نہیں سکتی چنانچہ ظاہر

ہے خاص کر دو اقول کے جملوں میں خداوند پاک کو نہ کسی سے قربت نہی حاصل ہے نہ میراث مالی

بطور معلوم بن پڑے ہاں معنی قائم مقام اور متسلط ہونے کے لیجئے تو البتہ تمام آیات میں برابر چل پڑے۔

(کتاب شیعہ میں مادہ وراثت کا) | بلکہ شیعوں کو یاد نہیں ان کی احادیث میں بھی یہی مادہ وراثت

میراث علمی میں استعمال) | میراث علمی میں متعل ہے کلینی کی ایک حدیث میں جس کو پورا

پورا انشاء اللہ آگے نقل کروں گا یہ لفظ بھی ہیں۔

(بے شک انبیاء کرام کسی کو درہم کا وارث نہیں بناتے

إِنَّ الدِّينِيَّاءَ لَمْ يُورَثُوا دُھَا وَلَا دِیْنًا وَلَا

اور نہ دینار کا وہ تو صرف احادیث (دعالم) کا وارث

وَأَنَّمَا أُورِثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ

(ناکرم جلتے ہیں)

(اصول کافی ص ۲۳ طبع تہران)



کو دیکھتے میراث مالی پر دلالت کرتا ہے یا میراث علمی پر بھی اس لطفت سے دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کی نسبت میراث مالی کی سلسلہ نفعی کہ وہی جس کے بعد انصاف سے دیکھئے تو شیعوں کو مجال و منزلت باقی ہے۔ اور نہ سنیوں کو اور کسی جواب کی ضرورت۔

مگر اس پر بھی شیعہ نہ مانیں تو پھر ان کو موافق مثل مشہور ”گوہ کی دار و موت“ خواجہ ہی کے حوالہ۔

دراشت علمی اور وراثت مالی میں کوئی تلامزم | بالجلہ میراث ایک معنی اضافی ہے اور حاصل اس کا نہیں کہ ایک دوسرے پر ضرور دلالت کریں | قائم مقام اور مستلط ہو جانا ہے۔ سو اول تو قائم مقام

ہونا الخ ایہ مضمون ہے کہ اموال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں جو لفظ وراثت اور میراث کو دیکھ کر دھوکہ کھائیے۔ دوسرے اضافت اور نسبت اور ہے اور اطراف اضافت و نسبت اور۔ جو ایک

کے لیے لفظ موضوع ہو و دوسرے پر دلالت نہ کرے گا اور بطور التزام اگر دلالت کرے گا۔ بقدر لزوم و التزام دلالت کرے گا جیسے مضمون غل مفہوم آب پر بالالتزام دلالت کرتا ہے مگر

ظاہر ہے کہ دلالت التزامی وہیں متصور ہے۔ جہاں لزوم ہو جیسے غل کے لیے آب لازم ہے اور جہاں نہ ہو جیسے قائم مقام ہونے کے لیے مال لازم نہیں دال دلالت مطابقی تو کیا دلالت التزامی بھی متصور نہیں بالجلہ اضافت مطلقہ، مطلق مضاف یا مضاف الیہ قابل انتساب و اضافت کی خواستگار ہے۔

خصوصیت مال کہاں سے نکال لی۔ ہاں یوں کہئے کہ جو کچھ کثرت و وقوع میراث مالی لفظ میراث کا استعمال میراث مالی میں بکثرت ہوتا ہے اس لیے عوام اسی کو میراث سمجھتے گئے۔ مگر علماء شیعہ کو دیکھئے کہ یہ بھی عوام ہی کے مقلد ہو گئے۔ اس تقریر کو سن کر اہل فہم کو یہ یقین ہو گیا ہو گا کہ میراث وراثت

مالی اور وراثت علمی وغیرہ سے عام ہے اس لیے مدعیان میراث مالی کا کام نہیں چل سکتا نہ آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ اِنْ كُوْفِيْدَ هِيَ نَ اَيْتَ فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْشُنِي وَمِيْرَثُ مِنْ اَلِ يَحْقُوْبُ اِنْ كِي مَوِيْدَ اور نہ حدیث بخاری جس میں حضرت علیؑ کا خلافت ثانیہ میں طالب

میراث ہونا موجود ہے۔ ان (شیعہ) کے کار آمد ہے۔ اس لیے کہ اس وقت اگرچہ حدیث لا تُوْرَثُ کے بھول جانے کا احتمال بہت مستبعد ہے۔ حضرت فاطمہؑ اور خلیفہ اولؑ کا جھگڑا طشت ازہام ہو چکا تھا مگر بقریہ سیاق و سباق بعد ثبوت عموم مذکور میراث تو لیت تھی جس کا ثبوت بہ نسبت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔



جب اس بحث سے بعد اللہ فراغت پائی تو خلاصہ تقریر گذشتہ کی طرف اشارہ کر کے آگے چلتا ہوں۔  
 حاصل بحث۔ آیت یُوْصِيْكُمْ اللّٰهُ میں وراثت کا مدار موت پر | مخدوم من! یہ بات تو روشن ہو گئی  
 اور حدیث لَا تُورَثُ میں حیات کا اثبات ہے اور اس کی عقلی مثال (کہ حدیث لَا تُورَثُ نہ آیت  
 یُوْصِيْكُمْ اللّٰهُ کی ناسخ نہ آیت وَرِثَ سُلَيْمَانُ اور آیت یَرِثُنِيْ کے معارض۔ ناسخ  
 نہ ہونے کی توجہ یہ ہے کہ آیت یُوْصِيْكُمْ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ بقرینہ آیت سابقہ  
 اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْاِتْمٰی ظُلْمًا (جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے  
 اِنْمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّيَصْلَوْنَ  
 سَعِيْرًا (پک سورہ نساء ۱۰۰) آگ میں) (پک میں)

اور نیز باجماع جملہ فرقہ اہل اسلام اس تقسیم پر دلالت کرتی ہے جو بعد انقطاع علاقہ فیما بین  
 رزق و جسم ہونی چاہیے اور حدیث لَا تُورَثُ عدم انقطاع علاقہ پر دلالت کرتی ہے۔ اس  
 صورت میں یہ قصہ ایسا ہو گیا۔ جیسا کہ فی طبیب حاذق کسی مریض سکتہ کو یوں کہے کہ یہ شخص مرا  
 نہیں اس کو مردہ سمجھ کر اس کے مال کو میراث میں تقسیم مت کرو۔ سو جیسا قول طبیب مذکور ناسخ آیت  
 یُوْصِيْكُمْ اللّٰهُ اور رافع حکم مذکور نہیں ایسے ہی قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ناسخ حکم مذکور نہیں۔  
 بلکہ مثل قول طبیب مذکور عدم تحقق شرط میراث مالی یعنی عدم انقطاع علاقہ حیات کی خبر دیتا ہے۔ اور  
 آیت وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ اور آیت یَرِثُنِيْ وَیَرِثُ مِنْ اِلٰی یَعْقُوْبَ کے معارض  
 نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تو بوجہ مذکورہ میراث علم وراثت و خلافت مراد ہے۔  
 اور حدیث لَا تُورَثُ میں بقرینہ جملہ مآثر کُنَّا صَدَقَہ میراث مالی مراد ہے اگر دونوں جا  
 ایک ہی قسم کی میراث مراد ہوتی تو بے شک تعارض ہوتا۔

جب خلاصہ تقریر جو اب معلوم ہو گیا۔ تو آگے سینے اہل سنت و جماعت کو بمقابلہ طعن فذک  
 جو حضرات شیعہ کرتے ہیں تصحیح حدیث لَا تُورَثُ کے لیے ایک احتمال ممکن بہ نسبت بقائے  
 حیات کافی ہے بلکہ حدیث لَا تُورَثُ ہوتی یا نہ ہوتی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف سے فذک  
 نہ دینے کے لیے احتمال بقائے حیات بطور معرض مدافعت طعن شیعہ کے لیے بہت تھا اثبات  
 حیات کی ضرورت نہ تھی۔



کیونکہ وجہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتی ہے مدعا علیہ کو بعد امکان احتمال مخالفت دعویٰ مدعی فقط لا نسبہ کافی ہوتا سود دعویٰ میراث میں شیعہ مدعی ہیں اور عینی مدعی علیہ۔ دلیل لائیں تو شیعہ لائیں بسنیوں سے بقائے حیات کی دلیل طلب نہ فرمائیں مگر بایں ہر خاطر حضرات شیعہ عزیز ہر ہے ان کی تسکین کے لیے کسی قدر اثبات حیات سرور کائنات علیہ و علی آلہ واصحابہ و ازواجہ افضل الصلوات والتسلیمات بھی سہی اس لیے معروض ہے۔

(مسئلہ حیات سرور کائنات) کہ صورت اجتماع موت و حیات کی سمجھا دینے کے بعد ہم اس صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) بات کے بھی مدعی ہیں کہ علاقہ فیما بین روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و جسم بارک عرض موت سے منقطع نہیں ہوا۔ دلیل بکار ہے تو ایک اتنی لیجئے دوسری ملتی۔ (دلیل اتنی) ازل کی تقریر تو یہ ہے کہ سورۃ نسا میں لَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ وَنِسَاءُكُمْ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأُولُو الْقَرْبَىٰ الْمَحْرَمَاتُ كَمَا بَيَّنَّا فَرَمَا كَرِهُنَّ وَأَحْبَلْ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ لَكُمْ إِنْ هُوَ يُشَاءُ فَتَارِنْ ہوا ہوس کی تسکین فرمائی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سوائے محرمات مندرجہ آیات سابقہ اور سب تمہارے لیے حلال ہیں اس کے بعد سورت احزاب میں یہ ارشاد ہوا۔

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زُجَّاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا۔ (پاک - سورۃ احزاب ۷) (پیشچے کسچی)

اور ظاہر ہے کہ یہ حکم حرمت بھی مثل حکم حلت مثلاً الیہ تمام امت کی نسبت ہے۔ کسی ایک دو کی تخصیص نہیں۔ اور ظاہر ہے اور فریقین کے نزدیک مسلم کہ نسخ و تخصیص کا اسی وقت قائل ہونا چاہیے کہ تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو یہاں اگر یوں کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے قاضی ثناء اللہ پانی پتی اسی آیت میں إِنَّ ذَلِكَ كَانَ بِعِندِ اللَّهِ عَظِيمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ازواج مطہرات نکاح کرنے کو بہت بڑا گناہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اسی وجہ سے آپ کی ولادت نہیں اور نہ ہی آپ کی ازواج سے نکاح درست ہے۔ (تفسیر منطری ص ۱۲) محمد اشرف۔



کی حیات جسمانی اور علاقہ مذکور عرض موت سے زائل نہیں ہوا اور اس وجہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نکاح منقطع نہیں ہوا تو ہرگز کوئی صورت تعارض کی نہ رہے گی جو نسخ یا تخصیص کے قائل ہونے کی ضرورت پڑے بلکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس صورت میں منجلہ والمُحَصَّنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ ہو جائیں گی۔

(سوا حیات کے موجبات تحریم میں سے کوئی وجہ یاں اگر کوئی وجہ تحریم موجبات تحریم میں سے ایسی نہیں کہ تمام امت کے حق میں عام ہو) ایسی عام ہو سکتی کہ تمام امت کے حق میں موجب حرمت ہو جاتی تو البتہ ممکن تھا کہ باوجود انقطاع علاقہ دنیا بین روح پر فتوح وحیم نور حضرت ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم اور باوجود زوال حیات جسمانی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام امت کے حق میں حرام ہو جاتیں مگر موجبات حرمت مندرجہ آیات مشاء الیہ میں کوئی ایسی وجہ نہیں جو اس کے بجز کسی عورت کو تمام جہاں کے حق میں حرام کہہ سکیں کیونکہ نہ کوئی عورت سائے جہاں کے بالوں کی منکوحہ ہو سکے نہ سائے جہاں کی والدہ نہ سائے جہاں کی دختر علیٰ ہذا القیاس۔ البتہ کسی کی منکوحہ یا بقائے نکاح سائے جہاں کے حق میں حرام ہوتی ہے۔ یا متوفی عتہا زوجہا تا بقائے عدت۔ اور ظاہر ہے کہ محسنات کی یہی دو قسمیں ہیں مگر بحکم۔

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ  
أَزْوَاجًا يَتَرَكِبْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ  
أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ (پہلے بقدرہ ۳۰-۴)

(اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جاویں۔  
اپنی عورتیں تو چھوڑ جائیں کہ وہ عورتیں انظار میں رکھیں  
اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن)

سائے جہاں کے اموات کی ازواج کی عدت کل دس دن چار مہینے ہیں اور حاملہ ہو تو بحکم  
وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ عدت مذکورہ تا وضع حمل ہے۔ اور  
ظاہر ہے کہ حمل کی مدت نو مہینے ہیں زیادہ ہو تو دو برس اور اس سے زیادہ ہو سکے تو چار پانچ  
برس کہہ لو قیامت کا حساب کتاب تو ہوتا ہی نہیں۔

بایں سبب ازواج مطہرات میں دم وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باتفاق مورخین فریقین کوئی  
ام المؤمنین حاملہ تھی بھی نہیں۔ اس صورت میں پھر وہی گزارش ہے کہ نسخ و تخصیص تو جہی جائز ہے  
کہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں بوجہ امکان اجمال موت و حیات الطباق ممکن۔ یعنی جب یوں



کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی بدستور عالم دنیا (دروغہ مبارک) میں زندہ ہیں آپ کا  
 علاقہ حیات روحانی جو جسم اطہر سے منقطع ہوا ہی نہیں جو عدت مذکورہ کی نوبت آئے۔ اور یہی وجہ  
 معلوم ہوتی ہے کہ وَالَّذِينَ يَتَوَقَّوْنَ كَيْدَ هُنَّ كَيْدُكُمْ بَعْدَ مَعْتَدٍ بَعْدَ مَعْتَدٍ عَلٰی هٰذَا الْقِيَاسِ اِنَّكَ مَيِّتٌ  
 جِدَا فَرَمَا اور اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ جِدَا فَرَمَا اور دونوں کو مثل جملہ لاحقہ ثُمَّ اَنْتُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
 عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑاؤ گے) ایک  
 خطاب میں اکٹھا نہ کر دیا تاکہ وقائع شناساں معانی سنچ کو اس جانب تنبیہ ہے کہ موت نبوی صلی  
 اللہ علیہ وسلم اور قسم کی ہے اور موت امت اور قسم کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت میں  
 استتار حیات زیر پر وہ موت یا زیر پر وہ موجب موت ہوتا ہے اور امت کی موت کے وقت زوال  
 حیات کل یا بعض ہو جاتا ہے۔ مثال درکار ہے تو وہی کسوف و خسوف (کی) ہے یا چراغ کا کسی ہٹ دیا  
 میں بوسیلہ سرپوش بند ہو کر مکان میں اندھیرا ہو جانا یا گل ہو کر چاندنی کا زائل ہو جانا ہے سو جیسے کسوف  
 میں استتار نور اور خسوف میں زوال نور ہوتا ہے اور نور چراغ پسلی صورت میں مستور اور دوسری صورت میں  
 زائل ہو جاتا ہے اور اندھیرا ہو جانے کے لیے خسوف و کسوف اور چراغ کا بند ہو جانا اور گل ہو جانا اور زوال  
 برابر ہیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب استتار حیات ہو اور امت کی جانب زوال حیات  
 اس لیے اخبار وقوع موت کے وقت اِنَّكَ مَيِّتٌ جِدَا اور اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ جِدَا کہا۔  
 اور بیان احکام متفرعہ علی الموت کے ہر ایک وقت کا حکم جلیلا دیا یعنی نکاح مستوفی عنہا زوجہا  
 میں تو یوں تفریق فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کوئی نکاح نہ کرنے پائے۔  
 چنانچہ ارشاد لَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنْ اَبْدَانِهِمْ اَبْدَانُهُمْ ظاہر ہے اور ازواج امت کے  
 حق میں یہ ارشاد کر دیا۔ وَالَّذِينَ يَتَوَقَّوْنَ مِنْكُمْ اَلْحَقَ۔

(آیت توفی میں مِنْكُمْ کا خطاب امت کو ہے اور عدت | چونکہ ان لَا تَنْكِحُوا کی  
 موجب حرمت ہے اور ازواج مطہرات میں اققات ہونا موجب حرمت ہے) مخاطب امت ہے رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ یہاں بھی منکم کے مخاطب وہی ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 خارج ہوں گے ورنہ اَصَافَ مِنْكُمْ لغو و بیکار تھا اتنا کام تو فقط وَالَّذِينَ يَتَوَقَّوْنَ سے بھی  
 چل سکتا تھا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آیت وَاُولَاتِ الْاَحْصَالِ اَجْلُهُنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُنَّ



نہ بڑھایا کیونکہ اس حکم میں مطلقات اور مستوفی عنہن ازواجہن دونوں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی منظور ہے۔ بایں ہمہ مطلقات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مدخولہا ہوا امت پر حرام رہیں تو بوجہ بقا عدت حرام نہیں بلکہ وجہ اس کی جملہ واذواجہ امہاتہم سے ماخوذ ہے۔ یعنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا احسان المؤمنین ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو المؤمنین ہونے کو مقتضی ہے اور اس وجہ سے منجملہ مانکح آبائکم ہیں اور بکم لا تنکحوا مانکح آبائکم سب پر حرام ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت بہ نسبت مؤمنین خود اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ بدستور زندہ ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ یہ بات عنقریب پیش ہونے والی ہے۔ مگر اس صورت میں یہ قصہ ایسا ہوگا کہ کوئی متوفی عنہا زوجہا بعد انقضاء عدت بوجہ نسبت یا رضاع وغیرہ اسباب کے کسی پر حرام ہے سو جیسے وہ حرمت بوجہ عدت نہیں اور اس وجہ سے منجملہ والمحصنات نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی یہاں یہ بھی سمجھیے۔ غرض عدت مطلقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگر عاقلہ ہوتی وہی وضع حمل تھی آپ کی ازواج کی کوئی جدا عدت نہ تھی۔ اس لیے وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ کے بعد میں اذواجکم نہ فرمایا۔ اور عدت وفات چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تصور ہی نہ تھی کہ وَالَّذِينَ يَسْتَوْفُونَ کے بعد میں بھی بڑھایا۔ (عدت کی اصل وجہ نسائکم رہی تصور نہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ وفات و موت اگرچہ نبی صلی حرث لکم کی آیت سے ماخوذ ہے) اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کو عارض ہوتی ہے مگر عدت کی علت فقط موت اور وفات ہی نہیں بلکہ علت عدت وہ امر ہے جس سے نسائکم حرث لکم سے ماخوذ ہے جس کے باعث منکوحات غیر کا نکاح ناجائز۔

ایک وقت میں ایک عورت کھیلے | رہا مردوں کی طرح عورتوں کو ایک وقت میں متعدد متعدد خاوندوں کے نہ ہونے کی وجہ | نکاحوں کی اجازت نہ ملی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بارشائکم کہ حدث لکم اس جانب اشارہ فرمایا کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے فقط شہوت رانی اور لذت جملع مقصود نہیں بلکہ شہوت اس پیداوار کے حق میں ایسی ہے جیسے کھیتی کا سامان غلہ کے لیے یا کھانے کی خواہش بدل مانتھل کے لیے موافق شعر مشہور ہے

خوردن پر لے زلیتن و ذکر کردن است تو معتقد کہ زلیتن از بہر خوردن است



جیسے اصل بدل مایہ محل ہے اور مجھوک اور کھانے کا مزہ اس کے حصول کا سامان، یا کھیتی میں اصل مقصود پیداوار ہوتی ہے اور کھیتی کا سامان اس کے حصول کی تدبیر۔ ایسے ہی اصل مقصود عورتوں سے اولاد ہے اور ثنوت اور لذت جمیع اس کے حصول کی تدبیر اور اگر لذت جماع اور ثنوت رانی ہی مقصود ہوتی تو زنا بھی غیر اضنی طرفین ہرگز ممنوع نہ ہوتا۔ بالجملہ نکاح سے مقصود اصلی اولاد ہے کیونکہ عورتیں اگر کھیت ہیں تو اسی پیداوار کی کھیت۔ اس صورت میں اگر عورتوں کو زمانہ واسۃ میں متعدد نکاحوں کی اجازت ہو تو اس کے سامنے خاوند اولاد میں اسی طرح شریک ہوں گے جیسے ایک زمین کی پیداوار میں تمام زراعت کے تمام شریک مگر غلہ کی تقسیم میں تو کوئی دقت نہ تھی اس کی اجازت رہی۔ اولاد میں تقسیم کی کوئی صورت نہیں اگر ایک ہی بچہ ہوا تب تو ظاہر کہ کاٹ سکیں نہ پھانٹ سکیں نہ وقت واحد میں ایک بچہ دونوں کے پاس رہ سکے۔ اور اگر نوبت بہ نوبت ہر ایک کے پاس رہا کرے تو یہ بھی بن نہیں پڑتا اس لیے کہ غلام و زوج وغیرہ اسٹا جن میں نوبت جاری ہوتی ہے بذات خود مقصود نہیں ہوتے غلام سے خدمت اور خاوند سے قربت اور حاجت یا اولاد مقصود ہوتی ہے اس لیے ان سے دلی محبت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ غلام کی بیع و شراء اور خاوند سے خلع جائز رہا۔ اگر بذات خود مقصود ہوتے تو جدائی کسی کو گوارا نہ ہوتی اور خدا کی طرف سے جدائی کی اجازت نہ ملتی۔ اور اولاد خود بذات خود مقصود ہوتی ہے ان کی محبت بے واسطہ ہے اس لیے حقوق والدین اور اپنے نسب کا انکار ممنوع بلکہ کبیرہ گناہ، بھڑا اور بد و الدین مجہمہ سنات اور باقیات صالحات۔ اور جب اولاد مقصود بالذات بھڑی چنانچہ جملہ نِسَاءكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ ہی خود اس جانب شیر ہے تو اب تقسیم بطور نوبت میں حصول مقصود بوجہ اتم معلوم۔ ایک اگر کامیاب ہوگا تو دوسرا مبتلا۔ وہ فراق ہے گا اور اگر اولاد کثیر ہوئی اور اور ازواج پر صحیح تقسیم بھی ہو سکی تب بھی یہ نہیں کہ مثل غلہ آدھا مثلاً یہ لے جائے آدھا وہ۔ کیونکہ غلہ سے قضا و حاجت مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں اور اس امر میں یہ ڈھیر ہو یا وہ سب برابر ہیں اور اولاد سب کی سب بذات خود مقصود سب سے برابر محبت ہے در صورت تقسیم اگر ایک کے وصال سے مسرور ہوگا تو دوسرے کا فراق ستائے گا۔ اس لیے در صورت جواز تعدد نکاح تقسیم اولاد کی کوئی صورت نہ تھی۔

(متعدد خاوندوں کی صورت میں غرابیاں) | اور یہ بات کہ جب تک حمل رہ کر بچہ پیدا ہو۔

ایسا ہی نہ متصرف ہے دو وجہ سے ممکن نہ تھا۔



ایک تو یہ کہ استحقاق دونوں کا برابر، باوجود ملک لقمہ ایک کو اجازت ہو دوسرے کو نہ ہو خلافت  
انصاف ہے۔ ہاں انتفاع بقدر معتد بہ یعنی جماع وقت واحد میں دونوں سے متصور نہیں۔ سو  
اگر تہائی اور تناوب ہو یعنی نوبت بہ نوبت متتبع ہونے کی اجازت ہوتی تو بضرورت عدم امکان  
اجتماع فی الجماع مثل نوبت زمان شب و شب کی نوبت مقرر ہوتی۔  
اتنا زمان طویل جو ایک کے حق میں عیش طویل دوسرے کے حق میں حسرت دراز ہو ہرگز قابلِ تقرر  
نوبت نہ تھا۔

دوسرے حمل کے پہننے کے لیے کوئی زمانہ ایسا مقرر نہیں کہ خواہی نخواہی اس موسم میں یا اس  
قدر مدت میں علوق لطفہ ہو ہی جایا کرے پھر وضع حمل کے لیے کوئی مدت ایسی معین نہیں جو اس سے  
کم و بیش متصور ہو اس لیے نوبت کی تساوی اور عدل فی النوبت کی کوئی صورت نہ نکلی جو مثل غلام  
و زوج کہ نوبت بہ نوبت سب آقاؤں اور تمام بی بیوں کے پاس رہ سکتا ہے۔ ایک عورت سب  
خاوندوں کے پاس برابر رہ سکتی اور کوئی فدا اس وجہ سے پیش نہ آتا اگر کچھ تو یہی ایک صورت تھی  
کہ نوبت بہ نوبت ہر واحد میں متعدد خاوندان واحد سے متتبع ہوا کرتے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت  
میں در صورت تولد اولاد یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یکس کے لطفہ سے پیدا ہوا ہے اور اگر کسی قرینہ  
سے معلوم بھی ہو جائے تو اتنی بات معلوم ہوگی کہ اول کس کا لطفہ رحم زن میں ٹھہرا۔ یہ بات کیونکر  
معلوم ہو کہ دوسروں کا لطفہ بعد میں بھی شامل نہیں ہوا۔ بایں ہمہ دوسروں کا منہ اتنی بات سے بند  
نہیں کر سکتے۔ ہر خاوند کو اس وقت میں دعویٰ کی گنجائش ہوگی اور ایک ذی عظیم رہا ہوگا۔ بالجلد وجہ  
عدم جواز تعدد نکلج عورت کے وقت واحد میں یہ ہے۔

رعدت وفات چار ماہ اور | مگر یہ بات بعد وفات زوج جب تک باقی ہے کہ بالیقین  
دس دن مقرر کرنے کی حکمت | حاملہ ہو تو وضع حمل ہو جائے اور شبہ حمل ہو تو وہ شبہ مرٹ جائے  
مگر شبہ حمل کے مرٹ جانے کی عمدہ صورت اگر ہے تو یہ ہے کہ کچھ اور تین چلوں تک انتظار کیا جائے  
وجہ اس کی یہ ہے کہ بشادات احادیث صحیحہ ایک چلہ تک لطفہ اپنی ہیئت اصلی پر رہتا ہے  
یعنی لطفہ رہتا ہے گو کسی قدر کیفیت اصلی بدل جاتی ہو اور ایک چلہ تک علقہ (خون بستہ) رہتا  
ہے اور ایک چلہ تک مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) رہتا ہے بعد تینوں چلے پوسے ہو جانے کے نفع



روح کی نوبت آتی ہے۔ سو مجروح نفع روح اتنی طاقت کہاں کہ حرکات و سکنات ظاہر ہوں البتہ دس روز میں اتنی طاقت متصور ہے اور پھر ہوں ہوں دن زیادہ ہوتے جائیں گے طاقت بڑھتی جائے گی۔ چنانچہ نفع نفع سے جوانی تک روز بروز زور و افزوں رہتا ہے۔ بالجلد شروع حرکات بعد نفع روح کسی قدر دیر کے بعد متصور ہے سو خداوند علیم کو معلوم ہو گا کہ دس دن میں یہ بات ہوتی ہے اب دیکھیے کہ چار مہینوں کے تو وہی تین چلے ہوئے دس دن اور اوپر بڑھا کر عدت مقرر کی تاکہ بوسیدہ مشاہدہ حرکات جو رحم میں بچ کر رہا ہے کسی کو یہ احتمال باقی نہ رہے کہ حمل نہیں مرض رجا ہے اور ظاہر ہے کہ سوا اس کے اور کسی طرح یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ حمل نہیں۔ خون آنے کی علامت عدم حمل رکھیے تو خون ایام حمل میں بھی آجاتا ہے حیض کہو یا استحاضہ یا نفاس سو بعد مرور ایام عدت اعمنی چار ماہ دس دن کے بعد اگر حمل نہ نکلا تو اختیار ہے ورنہ موافق مشاہدہ **وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** دربارہ نکاح وضع کا اور انتظار کرنا پڑے گا۔

(عدت وفات ظہور حمل کے لیے طبعاً و بطور حمل وضع حمل تک ہے | اس صورت میں آیت لہذا سورۃ بقرہ اور سورۃ طلاق کے حکم میں تعارض نہیں) **وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ** آیت **وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ** میں کچھ تعارض نہ ہے لہذا یہ حکم بیکر بکھن کا فعل اس صورت میں ظہور حمل مثلاً ہو گا اور اگر کوئی ایسا منعمون نہیں جس سے اجازت نکاح بمجرور مرور ایام عدت معلوم ہو باقی جملہ لاحقہ۔

فَإِذَا يَلْعَنُ أَجَلُهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْدُوفِ  
(پہلے بقرہ ص ۳۰)  
(پھر جب پورا کر لیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں  
اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق)

سے کوئی دھوکہ نہ کھائے۔ اس لیے کہ لفظ بِالْمَعْدُوفِ میں معروف موجود ہے پھر باوجود آیت **وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** حاملہ متوفی عنہا زوجہا کے حق میں بمجرور مرور دس دن چار ماہ کے نکاح کو کون معروف کہہ دے گا۔ علاوہ بریں مطلقات کی عدت میں اقل تو یہ ارشاد فرمایا۔



وَالْمُطَلَّقاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ  
قُرُوءٍ بَعْدَ ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا كِتَابَةَ  
يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ  
كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (پہ بقرہ)

(اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو  
تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا  
کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں  
اللہ پر اور کچھ دن پر۔)

جب یہاں یہ ارشاد ہے حالانکہ وجہ انتظار ثلثہ قُرُوءِ یہاں امیرِ رضا زوج ہے۔  
اندیشہ اختلاط نطفہ نہیں تو جہاں وجہ انتظار عدت، خود اندیشہ اختلاط نطفہ ہے وہاں حاملہ سے رجعت  
کیونکہ منجملہ محروفات ہو سکتی ہے۔

(مطلقہ میں تین حیض تک انتظار کی  
وجہ خاوند کی رضا اور اس کا رجوع ہے) | تفصیل اس اجمال کی سنی ہے تو نیچے ارباب و جہانِ صحیح  
اور اصحاب طبائع سلیمہ کو معلوم ہو گا کہ اصل نکاح تراخی طرفین  
اور اصل طلاق تحالف طرفین ہوتا ہے مگر تراخی تو مقتضیات طبعی میں سے ہے کیونکہ زن و مرد علاوہ  
اتحاد نوعی کے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ احتیاج مباشرت و جماع تو ظاہر کیا اظہر ہے۔ اس کے  
سوا عورت نان و نفقہ میں مرد کی محتاج۔ کھانا اصل میں مردوں ہی کا کام ہے اور مرد کھانے پکانے  
انتظام امور خانہ داری وغیرہ میں عورت کا محتاج ہے اس صورت میں شکر رنجی یا بھی اکثر امر عارضی  
ہوا کرتی ہے جس کے زوال کی توقع اور اُمید بے جا نہیں بجا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت اس  
تراخی کو جو اصل موجب نکاح بنتی زائل نہیں کہہ سکتے بلکہ اگر ہوتا ہے تو گمان غالب اس کے استتار  
کا ہوتا ہے۔ ہاں یہ بھی ایک احتمال ہوتا ہے کہ تنفر کی کوئی وجہ قوی ہو جس کے زوال کی کوئی صورت  
نہ ہو اس لیے کسی قدر انتظار ضرور ہوا۔ سو انتظار کے لیے عمدہ زمانہ وہ ہے جس میں مکرر موجبات  
رغبت کا ظہور یعنی تین حیض یا تین طہر مقرر ہوئے۔ تاکہ تین طہر کی نوبت آئے اور عورت پاک صاف  
ہو کر نہادھو کر پور شک و زیور سے آراستہ ہو کر مکرر سر کر خاوند کو لبجائے اس حال میں اگر اس کی  
ناخوشی اور پروا پر کی ممتی تب تو ظاہر ہے کہ خاوند اس دلربائی پر پھر دل سے میٹھے گا اور اگر اب بھی وہی  
کشیدگی رہی تو معلوم ہوا کہ نکاح ٹوٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد مرد عدت رجعت  
کا اختیار نہیں اگر ہو تو نکاح جدید ہو اور طلاق مغلطہ میں باوجود قطع امیر رجعت، جو عدت  
وہی تین قُرُوءِ رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ احکامِ اصلہ ہوانع خارجیہ سے زائل نہیں ہو جاتے۔



اگر یہ نہ ہوتا تو دائم الجس بھی مثل مردہ سمجھا جاتا۔ اس کا نکاح ٹوٹ جاتا اس کا مال میراث میں بٹ جاتا اور جب احکامِ اصلیہ عوارضِ خارجیہ سے زائل نہیں ہوتے تو یہاں بھی کسی طلاق کا مرتبہ اولیٰ یا ثانیہ، ثالثہ میں واقع ہو جاتا ایک حالتِ عرضی ہے۔ تیسرا ہونا طلاق کی ذاتیات یا اوصافِ ذاتیہ میں سے نہیں۔ بہر حال مطلقات میں علتِ تقررِ عدت، انتظارِ رضا، زوج ہے جب وہاں یہ حکم ہے کہ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمَنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ تَوْفِيَّ عَنْهُنَّ زوجہ کے لیے تو وجہ تقررِ عدت معلومہ خود ہی اندیشہ اختلاطِ نطفہ غیر ہے یہاں کیونکہ وہ حکم نہ ہوگا۔ مگر طلاق میں چونکہ وجہ عدت کچھ اور تھی تو وہاں لَا يَحِلُّ لَهُنَّ کی تصریح ضرورتی اور یہاں علتِ تقررِ عدت خود وہی اندیشہ تھا جس کی مدافعت کے لیے لَا يَحِلُّ لَهُنَّ فرمایا اس لیے مصرح کہنے کی حاجت نہ ہوئی۔ الحاصل آیت مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُمْ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا اِرْأَيْتَ وَأَحِلُّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ كُفُّوا لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ کو ملائے تو بعد لیا نظر کر اس امر کے کہ سوا محسنات وہ منکوحات ہوں یا متوفی عنہا زوجہا اور عورتیں سارے جہاں پر حرام نہیں ہو سکتیں۔

(حاصلِ کلام) | اہل علم کو اس میں شبہ نہیں رہ سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اقل زندہ ہیں اور آپ کا علاقہ حیات جو فیما بین روحِ پیغمبر اور جسمِ اطہر تھا ہنوز اسی طرح قائم ہے۔ جس طرح تھا۔ اور اگر کسی نے بوجہ ام المؤمنین ہونے کے بجا آیت وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ ان کو حرام کہا بھی تو ان کا ام المؤمنین ہونا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو المؤمنین ہونے کو مستلزم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو المؤمنین ہونا ان کے زندہ ہونے کو مقتضی ہے چنانچہ دلیل ہی سے جو بنسبت حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے یہ امر آشکارا ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ دلیل یہ ہے۔

(دلیل لمی سے حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت) | خداوند کریم نے سورۃ احزاب میں فرمایا ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ  
(نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں)

(پا احزاب ع ۱)

دلیل لمی :- علت و اقیعہ کو غفلتوں میں علت بنانا۔ دلیل ثانی واقعہ میں معلول کو غفلتوں میں علت بنانا محمد شریف



(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مومنین کیلئے) اولیٰ کی تفسیر اقرب ہے اور حاصل مطلب یہ ہے ان کی جانوں سے اقرب اور محبوب ہونا) کہ نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ مومنوں سے نزدیک ہے مگر سب جانتے ہیں کہ نبوت و ولایت و اولویت بمعنی اقربیت ہو یا بمعنی اجیتت و اولویت بالتصرف اصل میں اوصاف روحانی ہیں۔ اوصاف جسمانی نہیں۔ نبوت و ولایت و اولویت بالتصرف اور اولویت بمعنی اقربیت کا حال تو خود ظاہر ہے ہاں اجیتت میں شاید کسی کو شبہ ہو۔ سو اس کے مسائل کی یہ تدبیر ہے کہ محبوبیت جمالی تو البتہ احوال و اوصاف جسمانی میں سے ہے مگر محبوبیت فی اللہ بالیقین ہر خاص و عام کے نزدیک اوصاف و احوال روحانی میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ محبوبیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حب فی اللہ کے سبب کسی جمال و کمال جسمانی کے باعث نہیں۔

(روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم ارواح مومنین کی نسبت ذات اور فضا) ہاں یہ بات باقی رہی کریں! انتزاع ہے اور ارواح مومنین اوصاف ذاتیہ اور انتزاعیات ہیں) اولویت کے کیا معنی ہیں سو پہلے نزدیک اولیٰ بمعنی اقرب ہے اور یہ اقربیت اس بات کو مقتضی ہے کہ روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم منشا انتزاع ہو اور ارواح مومنین انتزاعی۔ روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علت بمعنی مصدر وجود ارواح مومنین معلول معنی صادر۔ بہر حال علت کہو یا منشا انتزاع معلول کہو یا انتزاعی مطلب ایک ہے وجہ اسی ہے کہ اقربیت اور بعدیت کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس طرف کو حرکت کی جائے تو جو اقرب ہو وہ پہلے آئے جو بعد ہو وہ بعد میں آئے سو ایسی اقربیت کہ پہلے سے بھی زیادہ قریب ہو وہیں متصور ہے جہاں اقرب نسبت اقرب منہ کے علت اور فضا انتزاع ہو کیونکہ امور متباینہ میں تو یہ قرب متصور ہی نہیں۔ ہے اوصاف عرضیہ بمعنی بالعرض مقابل بالذات وہ بھی فی الحقیقت موصوف سے یہ قرب نہیں رکھتے ورنہ اس قرب پر جدائی دشوار ہوتی۔ حالانکہ اوصاف مذکورہ کا منشا ہو سکتا خود ان کے بالعرض ہونے سے ظاہر ہے ہاں اوصاف ذاتیہ بمعنی مقتضائے ذات معلول ذات ہوتے ہیں اور ذات ان کی نسبت علت اور منشا انتزاع، اور لوازم ذات مذکورہ انتزاعیات۔

خیر ان کے انتزاعیات اور ذات کے منشا انتزاع ہونے کو تو کوئی مانے یا نہ مانے پر اوصاف ذاتیہ کا معلول اور ذات کا علت بمعنی مصدر وجود ہونا ایسا نہیں جو کوئی عاقل اس کا انکار کرے۔ سو یہ اتنی بات کافی ہے۔ اس لیے کہ معلول کا وجود ایسی علت کے وجود پر خارج ہیں تو سب کے نزدیک



موقوف ہوتا ہے پر وجود ذہنی کا حال بھی یہی ہے اس لیے کہ عقل مجرب ہے غشی نہیں موجودات خارجیہ کی خبر دینے کے لیے عقل کو بتایا ہے نئی باتوں کی ایجاد اس کا کام نہیں۔

(ذہن میں حاصل شدہ مضمون کی خبر میں) سو جاننے والے جانتے ہیں کہ اسی مرتبہ حاصل اخبار کا بھی محکی عینہ یعنی علت پائی جاتی ہے) تمام وجود ذہنی ہے اور کیفیت بغیر حصول اشیا بالفسہا

یا باشباحہا پر موقوف ہے۔ سو اگر تنہا محلول یا اس کی شیع ذہن میں ہو۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ محلول اپنے وجود خارجی میں علت کا محتاج نہیں۔ در صورتیکہ وقت علم سے بذات خود ذہن میں آئی۔

اور جب تو یہ بات ظاہر کیا اظہر ہے۔

(نور شمس سے علم مبداء علم اور عالم کی مثال) اگرچہ کم فہموں اور ان لوگوں کو جنہوں نے مثل

متشابهات دینی حصول الاشیا بالفسہا کو تسلیم کر رکھا ہے اس بات میں تین پانچ کرنے کی گنجائش

ہو۔ مگر اہل اذہان صافیہ پر یہ بات روشن ہے کہ جیسے اشیا منورہ بنور الشمس بذات خود نور میں حاصل

ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اشیا محلولہ بذات خود نور علم میں آجاتی ہیں اور وہ نور علم ذوات علماء کے ساتھ

اسی ہی طرح قائم ہے جیسے نور شمس خود شمس کے ساتھ۔ جیسے مبداء تنور اشیا منورہ بالنور، وہ نور شمس ہے

ایسے ہی مبداء علم یعنی مبداء انکشاف وہ نور علم قائم بالعالم ہے اگرچہ حکم لامشاحۃ فی الاصطلاح۔ صور حاصلہ

یا کیفیت انکشاف یا اضافت فیما بین کو مبداء انکشاف کہنے کی گنجائش ہے۔

القصہ در صورت حصول اشیا بالذات، تو تنہا محلول کا ذہن میں آنا محال ہے اگر آئے گا

تو علت کے ساتھ آئے گا اور در صورت حصول اشیا باشباحہ کے یہ معنی ہوں گے کہ وقت حصول اشیا

بالفسہا مطابق ظاہر اشیا، باطن مبداء انکشاف میں ایک صورت کا پیدا ہونا اسی طرح ضرور ہے جیسے

وقت حصول اشیا منورہ فی النور، باطن نور میں مطابق ظاہر صورت اشیا ایک صورت کا حاصل ہونا یا

مطابق صورت اشیا حاصلہ فی الماء یعنی آب۔ باطن آب میں اس صورت کا پیدا ہو جانا بالجمہ صورت

اصلیہ اور صورت شیع میں وہ نسبت ہے جو قالب اور مقلوب کی صورت باطن اور ظاہرہ میں نسبت

ہوتی ہے۔

(مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ذہن میں) الحاصل ذہن میں بالذات اور بالشیع دونوں طرح

صورت ہی ہوتی ہے ذی صورت نہیں ہوتا۔ حاصل شدہ صورت ہی سے علم حاصل ہوتا ہے)



علم بالکنہ اگر ہوتا ہے تو صورت کا ہوتا ہے ذی صورت کا علم بالوجہ ہوتا ہے۔ سو یہ وجہ کون ہے صورت ہے مگر سوا اس طریق کے حصول شیع کی اور کوئی صورت نہیں معنی 'العکاس' بھی حقیقت میں یہی ہیں یعنی شیع عکس اصل ہوتا ہے چنانچہ ملاحظہ مثال قالب و مقلوب کے ظاہر ہے۔

(بصورت تقابل عکس (پر تو) کی صورت کے وقت اصلی شئی | اور اگر بالفرض انعکاس صورت اور یعنی علت کی صورت ذہن میں موجود ہوتی ہے) | حصول شیع کے لیے تقابل صورت اور

محاذات ذی شیع کافی ہے تب بھی ہمارا مطلب کہیں نہیں گیا وقت تقابل معلول علت کے جدا نہ ہوگا سوان میں اگر یہ قرب ہوگا کہ معلول کی نسبت علت خود معلول سے بھی زیادہ قریب ہے تو یہ ممکن نہیں کہ شیع معلول اور عکس معلول تو ذہن میں حاصل ہو اور شیع علت اور عکس علت ذہن میں حاصل نہ ہو۔ ورنہ یہ قرب مبدل بر بعد ہو جائے گا کیونکہ ایک کے شیع کا ذہن میں آنا اور دوسرے کے شیع کا ذہن میں نہ آنا سوا اس کے متصور نہیں کہ ایک کو تقابل میسر آئے دوسرے کو میسر نہ آئے اور یہ بات اس قسم کی اقریت میں ممکن نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ بالجلد اوصاف ذاتیہ اپنے موصوف سے اور انکی شیع اور ان کا عکس موصوف کے عکس کو شیع سے جدائی نہیں ہو سکتے۔

(حصول معلول فی الذہن حصول علت پر موقوف ہے | جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اس بات کا اور ان کے مابین کوئی واسطہ نہیں) | تسلیم کرنا آپ سر پر۔ کہ حصول فی الذہن حصول

علت پر موقوف ہے۔ حصول اشیا۔ بانفسہا میں تو اس بات کے کہنے کی حاجت ہی نہیں اور باشباحہ کی صورت میں اس لیے کہ ذی شیع، شیع کے تابع ہے۔ اگر وہاں تقدم یا توقف ہے تو یہاں بھی اس کا ہونا ضرور ہے ورنہ تقدم اور توقف اصل غلط ہو جائے گا۔ چنانچہ واضح ہو چکا اس صورت میں اس کا اقرار ضروری ہے کہ تعقل معلول تعقل علت پر موقوف ہے۔ اس سے اصنافی اور انتزاعی ہونا معلول اور لازم ذات کا بھی واضح ہو گیا۔ اس صورت میں اگر خود معلول اور لازم ذات، ہی اپنے اور اک کی طرف متوجہ ہو تو قبل تصور علت و ملزوم اپنا تصور ممکن نہیں۔ سوا اس حرکت علمی میں معلول کو اول علت پیش آئے گی اس کے بعد اپنی ذات۔ اور ظاہر ہے کہ سوائے حرکت علمی اور کسی حرکت کی فیما بین معلول و علت گنجائش نہیں اگر ممکن ہے تو یہی حرکت علمی اور انتقال فکری ممکن ہے اور اس صورت میں وہ اقریت مذکورہ مشاراً ایہا موجود ہے۔



(روح محمدی کا اوج مومنین کیلئے علت ہونا اس کا مقتضی ہے کہ آپ کی روحانیت اور حیات اصلی اور امت کی عارضی ہے) اس لیے خواہ مخواہ اس صورت میں اس بات کا اقرار لازم ہو گا۔ کہ روح پر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علت ہو اور اوج امت محمدیہ مثلاً معلول بمعنی مذکور۔ اور ظاہر ہے کہ جو بات معلول میں بحیثیت معلولیت ہوتی ہے وہ علت ہی سے مستعار ہوتی ہے۔ چنانچہ معلول ہونا اور توقف وجود خود اس پر شاہد ہے۔ کیونکہ توقف وجود تمام اوصاف وجودیہ کے توقف کا خواستگار ہے۔ اس صورت میں حیات اور روحانیت اور اوج امت عارضی اور مستعار ہوگی مگر جیسے کمالات معلول مستعا اور عارضی ہوتے ہیں کمالات علت، اصلی اور خانہ زاد ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں تو وہ علت بھی نہیں۔ جہاں یہ اوصاف مشترکہ بین العلة والمعلول وجود ہوں یا غیر وجود۔ ذاتی اور خانہ زاد ہوں گی۔ وہی علت ہوگی۔ اور اقربیت مذکورہ ایسی ہی علت کے لیے ہو سکتی ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ مگر کسی وصف کے ذاتی ہونے کے معنی ہیں کہ وہ وصف بالعرض نہ ہو چنانچہ سیاق سے ظاہر ہے یہ نہیں کہ مخلوق بھی نہ ہو۔

(تقریر مذکورہ بالا کا آیت النبی اولی بالمؤمنین من الانبا) مگر جب اقربیت بمعنی مذکور۔ مساوی علیت نکلی تو اور سنئے ملاحظہ جملہ معروضہ قرآنی۔ النبی اولی بالمؤمنین من الانبا اقربیت مذکورہ آپ کو حاصل تھی اس لیے علیت بھی ہونی چاہیے۔ مگر یہ بھی تو وصف حیات کا آپ میں ذاتی ہونا بھی ضرور ہے۔ لیکن اوصاف ذاتیہ کا انفساک خود ظاہر ہے کہ محال ہے ورنہ اوصاف ذاتیہ اور اوصاف عرضیہ میں کیا فرق رہ جائے اس صورت میں حیات روحانی حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جاودانی ہوگی۔ جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اور سنئے کہ در صورتیکہ اوج امت، روح پر فتوح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ٹھہریں اور اس سے پیدا ہوئیں چنانچہ علیت و معلولیت کے ظاہر ہے۔ تو ابوت روحانی اور بنوت روحانی کا تسلیم نہ ضرور ٹھہرایہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد اس جملہ کے وَأَزْوَاجَهُ أَقْتَرَتْ لَهُ فَرَمَا کیونکہ آپ کی ابوت کو ازواج منطرات یعنی اللہ عنین کا امہات المؤمنین ہونا لازم ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں جو فی ما بین جملتین جملہ وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ اور زائد ہے اور بھی اس بات کا مؤید ہے کہ ادلویت مذکورہ کا مقتضی ابوت روحانی اور ابوت روحانی مذکورہ ازواج منطرات کے امہات المؤمنین ہونا کا خواستگار ہے۔



(آیت مذکورہ میں تصرف اور جبریت کے معنی علت اور قربیت میں لازماً پائے جاتے ہیں)

مگر ہاں شاید کسی کو یہ شبہ دامنیگر ہو کہ بعض مفسروں نے اولیٰ کو اس آیت میں بمعنی اقرب

لیا ہے تو بعض نے بمعنی احب لیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض نے بمعنی اولیٰ بالتصرف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں آپ ﷺ کی علیت اور امت کی معلولیت یقینی نہ رہی۔ مگر اول تو التصاق سیاق و سباق چنانچہ معروض ہو چکا معنی معروض کا مؤید ہے۔ اور اس امت کا غیر امت ہونا چنانچہ کلام اللہ میں فرمایا ہے **كُنْتُ خَيْرَ أُمَّةٍ** الخ اس پر شاہد۔ اس لیے کہ جب علت مصدر معلول بھڑی تو اگر ایک علت دوسری سے افضل ہوگی تو اس کا معلول بھی اس کے معلول سے افضل ہوگا۔ چنانچہ تفاوت و صوب اور چاندنی جو تفاوت فیما بین الشمس والقمر پر مقرر ہے اس کی نظیر ہو سکتا ہے بایں ہمہ معینین آخرین کا رجوع تو معنی معروض کی طرف ضرور ہے اور ان کا توقف بمعنی اولیٰ پر لازم۔ اور اٹا کیجئے تو بن نہیں پڑے تا وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی کے احب اور اولیٰ بالتصرف ہونے کے لیے کوئی علت ضرور چاہیئے نہ محبت بے موجبات محبت اور محبوبیت بے موجبات محبوبیت ہو سکے نہ اولویت بالتصرف بے موجبات اولویت بالتصرف۔ اور ظاہر ہے کہ اس قدر اجیت اعنی محبوبیت کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو قرابت بقدر اقربیت مذکورہ میں موجود اور قرابت کا موجبات محبت میں سے ہونا بدیہی ہے قابل انکار نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس معیر کا مستعیر کے استعار میں اولیٰ بالتصرف ہونا ضروری ہے اور علت کا معیر اور معلول کا مستعیر ہونا خود اس مضمون سے آشکارا ہو چکا۔ جس میں وجود اور کمالات وجود معلول کا مستعار ہونا ذکر کیا گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرب مذکور کے لیے اجیت اور اولویت بالتصرف علت نہیں ہو سکتی البتہ معاملہ بالعکس ہے چنانچہ مثل آفتاب نیروز روشن ہو گیا۔ بلکہ اقربیت مذکورہ کے لیے برائے نام علیت کو علت کہہ لو ورنہ اس کی کوئی علت ہی نہیں۔ کیونکہ علیت اور اقربیت میں اگر فرق ہے تو اعتباری فرق ہے اور علیت کے لیے کوئی علت ہو ہی نہیں سکتی ورنہ علت اولیٰ کی جانب احتیاج نکلتی گی۔

(نفی میراث کے بارے میں حیات جب یہ مضامین بھی ذہن نشین ہو گئے تو اور سنئے کہ حیات جسمانی کے اثبات کی ضرورت)

روحانی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دائم قائم بلکہ لازم ذات روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا تو اس تقریر سے معلوم ہو گیا پر دوبارہ نفی میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم



حیات روحانی سے کام نہیں چلتا یہاں تو حیات جسمانی کی ضرورت ہے اس لیے کہ اموال و انزول ج و لاحق و توابع اور تعلقات بدن میں سے ہیں۔ ان چیزوں کی اگر ضرورت ہے تو جسم ہی کو ضرورت ہے روح کو بالذات کچھ حاجت نہیں چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اس لیے اثبات دوام حیات جسمانی کی ضرورت ہے۔ (آپ کا وجود باوجود بواسطہ جسم اطہر مصدر حیات ہے) مگر چونکہ یہ بات ایک تمہید پر موقوف جس سے روحانیت کے آثار علم و عمل صادر ہوتے ہیں) ہے اس لیے معرض ہے کہ اوصاف

کو اپنے موصوفات سے کبھی تو علاقہ صدور ہوتا ہے جیسے تعلق حرارت باتش و تعلق نور بافتاب۔ ظاہر ہے کہ یہاں وصف حرارت و نور خارج سے آکر آتش و آفتاب پر واقع نہیں ہوا بلکہ انہی میں سے یہ اوصاف صادر ہوئے ہیں اس قسم کے تعلق کو تو ہم تعلق فعلی و فاعلی کہتے ہیں اور کبھی اوصاف کو اپنے موصوفات سے علاقہ وقوع ہوتا ہے جیسے تعلق حرارت با آب گرم اور تعلق نور بزمین۔ مثلاً ظاہر ہے کہ یہاں اوصاف مذکورہ آب و زمین سے صادر نہیں ہوئے بلکہ آتش و آفتاب سے صادر ہو کر آب و زمین پر واقع ہوئے ہیں اس قسم کے تعلق کو ہم تعلق الفعالی اور تعلق مفعولی کہتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ تعلق روح و جسم کی حقیقت کو دیکھا تو جسم کو منظر افعال روح پایا یعنی عرض اصلی اس علاقہ بندی سے یہ ہے کہ روح سے افعال جاری صادر ہوں جیسے نور اور جسم آفتاب میں باہم تلازم رکھنے سے عرض یہ ہے کہ اس سے اوروں کی طرف نور صادر ہوا کرے۔ الغرض جیسے نور لوازم ذات آفتاب میں سے نہیں۔ اگر ہے تو لوازم وجود میں سے ہے اور عرض اس تلازم سے صدور نور ہے۔ ایسے ہی جسمانی لوازم ذات جسم اطہر حضرت ساقی کو غسل اللہ علیہ وسلم میں سے نہیں لوازم وجود جسم مبارک میں سے ہے۔

اور عرض اس تلازم میں سے صدور آثار روحانیت ہے اور وہ ظاہر کہ بجز ایصال علم و عمل اور کچھ نہیں مگر چونکہ بے اعانت منظر یعنی جسم یہ افعال نہ ہو سکتے تھے تو اس اسکیل کی ضرورت پڑی۔

جسم انسانی سے افعال کا ظہور دراصل | الحاصل اس صورت میں جسم انسانی بمنزلہ جسم آفتاب و فاعلیت حیات کے سبب سے ہے | کو اکب و آئینہ مقابل آفتاب ہوگا یعنی جیسے وہاں ایصال

و افاعلہ و صدور نور الی الغیر نظر ہوتا ہے ایسے ہی یہاں بھی ایصال منفع علمی و عملی مطلوب۔ اور اگر بوسیلہ جسم کوئی افعال بھی پیش آجائے تو وہ ایسا ہے جیسے بوسیلہ مرآہ و مناظر متلونہ۔ الوان مختلفہ نور پر عارض ہوں



اور وہ ان سے منفعل ہو سوجیے یہ افعال اتفاقی ہے۔ یہاں بھی اتفاقی سمجھے۔ اغراض اصلیہ میں سے نہیں کہہ سکتے چنانچہ اعمال کا وارد دنیا میں مطلوب ہونا اس پر خود شاہد ہے اور بعد خروج از دہر مذکور تکلیف شارع کا ساقط ہو جانا اس کے لیے عمدہ دلیل ہے۔

ادھر حاصل جسم و تعلق مذکور سوا اس کے اور کچھ نظر بھی نہیں آتا جو اعضاء منظرہ قوت عملیہ میں مثل دست و پا ان کا نتیجہ تو بجز عمل اور کچھ ہے ہی نہیں اور جن اعضاء کو منظر قوت علمیہ بنایا مثل چشم و گوش وغیرہ جو اس خمسہ انکسار قصہ سینے کے اول علم کا فعل متعدی ہونا اس کے فعل ہونے پر دال ہے وقوع علی الغیر فعل ہی کی شان ہے افعال میں یہ بات کہاں اور اگر یہ ہو تو یوں کہو کہ مفعول اور منفعل فاعل ہیں۔ مفعول و منفعل نہیں۔ در سکر علم بغرض عمل مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں۔ اگر علم منافع ہے تو فعل طلب صادر ہونا چاہیے۔ اور علم مضرت ہے تو فعل ہرب صادر ہونا چاہیے بہر حال علم سے مقصود اصلی اعمال ہیں۔

در روح و جسم کے درمیان علاقہ فعلی ہے درمیان میں اس لیے علاقہ فیما بین روح و جسم حاصل کے وجود سے آثار حیات ملے جاتے ہیں ملتے نہیں علاقہ فعلی ہے علاقہ افعالی نہیں۔

اس صورت میں اگر کوئی چیز مانع وصول فعل فاعل اور مفعول میں حاصل ہو تو فعل بمعنی مبداء فعل مثل نور آفتاب مثلاً فاعل کی طرف سمت ہائے گا۔ اور اگر کھٹے گا نہیں تو زائل بھی نہ ہوگا ہاں مفعول سے زائل اور منفک ہو جائے گا۔ مثلاً آفتاب اور زمین یا آفتاب اور آئینہ میں اگر کوئی جسم کشیف حاصل ہو جائے تو وہ نور جو آفتاب سے کر زمین اور آئینہ تک متصل تھا۔ سمت کر زمین اور آئینہ سے جدا ہو جائے گا۔ اور آفتاب کی طرف چل دے گا نہ دونوں میں ادھول ادھ منقسم ہوگا نہ تنہا زمین اور آئینہ کی طرف ہے گا اور اگر فرض کر دوں آفتاب بوسیلہ آئینہ یا کسی کوکب کے واسطے پہنچا ہو تو در صورت حیولیت جسم کشیف وہ نور جو آئینہ یا کوکب سے اس چیز کی طرف آتا تھا اس چیز سے جدا ہو کر آئینہ اور کوکب کی طرف چل دے گا۔ القصد جس طرف علاقہ فاعلیت اور فعلیت ہوگا وہ علاقہ بوجہ حیولیت ضد موجبات تضاد و منفک نہ ہوگا البتہ جس جانب علاقہ ملے ہاں اگر علاقہ فعلی اگر علاقہ افعالی پر مقرر ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ علاقہ افعالی منقطع ہو اور اس وجہ سے وہ علاقہ فعلی منقطع ہو جائے مثلاً نور کو قمر کے ساتھ اول علاقہ افعالی ہے یعنی نور آفتاب اس پر واقع ہوتا ہے

باقی جلد ۲۹ پر







ارواح کی تکمیل بوسیله اجسام روح باکمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے۔

(جو عوارض خارجیہ بواسطہ حیات کے لاحق | اور سوا اس کے اور انفعالات جو مثلاً وقت خورد و نوش  
نہیں ہوتے وہ اغراض اصلیہ میں سے نہیں) | و مشاہدہ مرغوب و غیر مرغوب و استعمال اخبار  
مختلفہ وغیرہ اسباب پیش آتے ہیں اغراض اصلیہ اولیہ میں سے نہیں اتفاقیات و لوازم و آثار اوقات  
میں سے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان امور میں سے تمام بنی آدم تک یکساں نہیں۔

اگر انفعال مقاصد اصلیہ میں شمار ہو تو بھی حائل کے وجود سے | اور یہ بھی نہ سہی۔ ہم کہتے ہیں کہ  
فاعل منفعل تک نہیں پہنچ سکتا لیکن علاقہ مابین قائم رہتا ہے | انفعال منجملہ مقاصد اصلیہ اور  
اغراض اولیہ ہے مگر ہر انفعال کے لیے ایک فاعل کی ضرورت ہے جس کی طرف سے فعل صادر  
ہو اور منفعل پر واقع ہو سو وہ فاعل اسی صورت میں کوئی غیر ہی ہوگا۔ جیسے ذبیحہ کے لیے عمر و مثلاً تو  
اس صورت میں اس فاعل اور اس منفعل میں کوئی چیز حائل ہوئی تو فاعل کو منفعل تک آنے  
نہ دے گی۔ پر کوئی صاحب فرما بین اس سے علاقہ فیما بین روح و جسم کو کیا نقصان۔

(لازم وجود (حیات) کا ملزوم (وجود خارجی منفعل ہوتا ہے) | ہاں یہ صحیح ہے کہ لازم وجود کا  
ملزوم اصل میں منفعل ہی ہوتا ہے ورنہ منفعل نہ کہیے۔ اور جمیع الوجوہ اور من جمیع الخیثات مصدر  
ہی کہئے تو پھر ملزوم فیما بین ملزوم ذات ہوگا۔ اور لازم مذکور لازم ذات مگر یہ تو ظاہر ہے کہ ہر  
انفعال کے لیے ایک فعل اور ایک فاعل کی ضرورت ہے۔

(حائل کی ایک مثال) | سو وہ اگر سوا خالق کائنات کوئی اور ہے جیسے قمر و کوکب و آئینہ  
وزمین وغیرہ کے لیے آفتاب۔ تو اگر کوئی اور ہم جنس قمر و کوکب و آئینہ و زمین نیچ میں حائل  
ہو جائے گا تو وہ نور قمر و کوکب و آئینہ و زمین وغیرہ سے زائل ہو کر اس ہم جنس میں آجائے گا۔  
(حائل کی صورت میں تبدیل و تغیر منفعل | الغرض منفعل کی جانب تبدیل متصور ہے اور یہ جو  
میں پایا جائے گا نہ کہ فاعل میں) | دور بینوں وغیرہ میں کئی کئی آئینے آگے پیچھے ہوتے

ہیں اور بشرط تقابل آفتاب نور آفتاب سب میں سے نکلا چلا جاتا ہے اور ایک دوسرے  
کے حق میں حاجب نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر نور ادھر سے ادھر کو نکلا چلا جاتا  
ہے اس نور سے آئینہ ہائے مذکورہ منفعل نہیں ہوتے اگر انفعال ہوتا تو وہ نور یہیں رک جاتا



آگے نہ جانے پاتا اور جس قدر نور آئینہ کے ساتھ لگا رہ جاتا وہ نور بشرط حیولیت ہم جنس میگر ضرور زائل ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔

دکائیات کے حق میں ارادہ خداوندی ہی منشأ فیض ہے جس صورت میں حائل کا وجود ممتنع ہے اور اگر فاعل مذکور سوا خالق کائنات اور کوئی نہیں بلکہ خود خداوند عالم ہی منشأ فیض ہے۔ تو وہاں بجز تعلق ارادہ اور کسی سامان کی ضرورت نہیں چنانچہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا

اَيُرِيْدُ (لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے) اور

اِنَّمَا قَوْلُنَا بِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ دِيْۤنًا مِّنْ دِيْنِنَا (۶۷) (ہمارا کتنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو جاتا تو وہ ہو جائے۔)

اور لَمَّا عَلِمْنَا لَكَ اَعْطٰیْتَ وَغٰیْرہ احادیث اس پر شاہد ہیں اور ظاہر ہے کہ ارادہ خداوندی کار و کمنے والا سوائے ارادہ خداوندی اور کوئی چیز نہیں جو یہ احتمال ہو کہ کوئی چیز کائنات اور عالم اسباب میں ہوگی چنانچہ آیات ماثرا الیہا اور حدیث مذکور اس پر شاہد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ نور آفتاب بجز سلب خداوندی اور کسی چیز سے زائل نہیں ہو سکتا کیونکہ نور آفتاب سوائے خزانہ خداوندی عالم اسباب کے خزانے سے مستعار نہیں یعنی مثل نور قمر و کوکب و آئینہ قلعی دار زمین وغیرہ فیض آفتاب ہے نور آفتاب اسی طرح کسی اور جسم سے مستعار نہیں۔

(نور آفتاب کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم مگر جب یہ بات بھڑی تو پھر دوام حیات جسمانی نبوی کی حیات مبنیٰ ہدایت ہے) صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضرور پڑا اس لیے کہ

جیسے نور آئینہ آفتاب کی یہ صورت ہوئی کہ مابہ النور آئینہ اعنی نور اور آفتاب میں خداوند کریم نے علاقہ رکھا ایسے ہی مابہ الحیات والروحانیت اعنی روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جسم طہر میں خود خداوند کریم نے علاقہ بندی کی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جیسے منشأ و منبع نور آئینہ قمر و کوکب نور آفتاب ہے ایسے ہی منشأ و منبع روحانیت یعنی حیات جسم طہر کسی اور کی روح ہے چنانچہ اول تو اس مضمون کے اثبات کے لیے کسی امتی کو سنی ہو یا شیعہ یا کوئی اور استدلال اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ دوسرے وہاں اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً اِلِّلْعٰلَمِیْنَ سے بشرط فہم و انصاف و ترک تقلید زید و عمرو یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی



طرف سے وقت ارسال جو وہی وقت حیات جہانی تھا۔ اور ان کی طرف افاضہ اور فیض ہے۔  
 اور انکی طرف سے اس طرف کو افاضہ اور فیض نہیں چنانچہ مقتضائے حصر اللہ ہر کسی کے نزدیک  
 یہی ہے۔ بایں ہمہ ارواح امت کی روحانیت کا مستعار ہونا آیت النبی اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ  
 مِنَ الْفِرْسِیَّةِ کے وسیلہ سے ثابت ہو چکا اور ارواح انبیاء علیہم السلام میں فیض نبوی محمدی صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا ہونا جملہ خاتم النبیین سے بشرط اہل انصاف و فہم ظاہر و باہر۔ ہاں کوئی حجتی امتی نئی بات سن کر  
 بے وجہ گردن ہلائے تو ہلائے۔ مگر ان سے کیا کام ہے۔ اہل فہم و انصاف سے سر دکار ہے سوال کی  
 خدمت میں یہ عرض ہے کہ موافق حدیث اِنَّ لِّکُلِّ اَیَّۃٍ ظَہْرًا وَ بَاطِنًا (ہر آیت کا ایک ظاہر  
 ہے اور ایک باطن ہے) خاتمیت زمانہ کے لیے جواز قسم ظہر ہے یعنی محض ظاہری ہے۔ کوئی باطن یعنی  
 معنی باطنی بھی۔ سو باعتبار باطن خاتمیت نبوت یہ ہے کہ آپ پر سلسلہ فیض نبوت ختم ہو جاتا  
 ہے یعنی جیسے مثلاً نور قمر و کوکب فیض آفتاب ہے اور نور آفتاب عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہیں لے  
 ہی نبوت انبیاء سابق علیہم السلام تو فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پر نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم  
 عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہیں جیسے آفتاب پر سلسلہ نور ختم ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے خاتم النبیین  
 کہتے تو بجا ہے۔ ایسے ہی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت اختتام پاتا ہے اور اس وجہ سے  
 آپ کو خاتم النبیین کہنا زیبا ہے۔ یہ تقریر خاتم بکسر التاء کی صورت میں تو جو قرأت البکر ہے محتاج تفصیل  
 نہیں پر خاتم بفتح التاء کی صورت میں جیسے قرآۃ حفص ہے۔ البتہ نظام کم فہموں کو چپاں معلوم نہ ہوتی۔  
 ہوگی۔ اس لیے اتنا اور معرض کر بیسے خاتم بفتح التاء یعنی مٹر کا اثر مختم علیہم ہوتا ہے اور حروف مٹر  
 مختم علیہم منتقش اور منعکس ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی منبع فیض کا اثر مستفیض میں منتقش اور منعکس ہوتا ہے۔  
 (خاتم النبیین کے معنی فشا اور فیض نبوت کے ہیں اور | اب اہل فہم کی خدمت میں یہ گزارش  
 خاتمیت زمانی بھی اس سے خود بخود ثابت ہو جاتی ہے) ہے کہ جب خاتم النبیین کے یہ معنی ہوئے  
 تو آپ کی فضیلت اور سیادت اور تأخر زمانی سب بجائے خود ہوئی۔ افضلیت اور سیادت کا حال تو  
 بے کسے ظاہر ہے۔ رہی خاتمیت زمانی۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ مہمان کو اگر متعدد کھانے کھلاتے ہیں اور  
 مختلف قسم کی نعمتیں اس کے سامنے لے جاتے ہیں تو عمدہ اور افضل سب کے بعد دیتے دلاتے ہیں۔  
 سو ایسے ہی مہمان دار دنیا کے لیے دین اور کتب دین اور مردمان دین پر و نعمت خدا داد ہیں جن میں



سے سب سے افضل اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ قرآن اور یہ دین و ایمان تھا اس لیے سب کے بعد آپ کا تصور مناسب ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ یہی مفاد خاتمیت زمانی ہے۔

دخاتم النبیین کے معنی سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت کی طرح تمام انبیاء کی ارواح بھی آپ کی روح پاک سے مستفید ہیں اور ریادت اور خاتمیت زمانی ثابت ہوئی۔

ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی روح پر فتوح اور آپ کی حیات فیض انبیاء سابقین علیہم السلام نہیں۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ جسم تو آپ سے پیدا ہو اور حرارت آب۔ آتش سے حاصل ہو۔ بلکہ اگر حرارت آتش فیض آب ہو تو حرارت بھی آب ہی کا فیض ہوگا۔ یہ برعکس کی کہ حرارت فیض آتش ہو ممکن نہیں۔ ایسے ہی یہ کیونکہ ہو کہ روح محمدی تو ارواح انبیاء سابقین علیہ السلام سے پیدا ہوئی ہو اور نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔

بالجملہ ارواح انبیاء سابقین علیہم السلام روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہیں پر روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی روح سے مستفید نہیں آپ کے سائے کمالات بالقوۃ مجملہ لوازم ذات اور طبائع ذاتیہ ہیں۔ ہاں مرتبہ بالفعل البتہ شرائط فعلیت پر موقوف ہے اس میں قوت و فعلیت نبوت و ولایت ہو یا کسی اور کمال کی قوت و فعلیت ہو۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ انھیں روحانیت انبیاء سابقین علیہم السلام آپ کی روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض نہ ہو بلکہ علاقہ بندی۔ ارواح واجبا و انبیاء سابقین علیہم السلام خاص خداوند حلاق کی طرف منسوب ہو یعنی ارواح انبیاء سابقین بے واسطہ فیض خداوندی ہوں اور ارواح اقبالیہ بواسطہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام پیدا ہوئی ہوں۔ اس میں یہ امت اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور امت اور اس کے نبی ہوں۔

(نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام) بلکہ جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ ہر افاضہ اور فیض یعنی میں مادہ روحانیت موجود تھا) عبودیت میں وصف عارض کے سوا فیض اور مستفیض پہلے

سے ہونے چاہئیں تو یہ بات بروئے محفل واجب التسلیم ہوگی کہ قبل افاضہ نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام میں مادہ روحانیت چاہیے۔ کیونکہ مستفیض کا قابل فیض ہونا ضرور ہے اور ظاہر ہے کہ وصف نبوت کے لیے سوا ارواح و نفوس کوئی قابل نہیں۔







حاجتِ جواب ہو۔ مگر تقریرِ اول تحقیقی بات ہے اور اجسامِ انبیاء علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا اس پر شاہد اور شہدار سے بقائے اجسام کا وعدہ نہ ہوتا یعنی زمین پر ان کے اجسام کا حرام نہ ہونا اور اس کے مؤید ہے۔  
باقی بعض شہداء اور صلحاء کے اجسام کا بعد قرون دراز سالم نکل آنا اس کے مخالفت نہیں۔ اول تو کیا معلوم کہ بعد میں ان کے اجسام سالم رہیں یا نہ رہیں۔ دوسرے نہ کھانے کے لیے اسبابِ کثیر ہیں۔ فقط حرمت ہی نہیں۔ حرم کے جانور اصل میں حلال۔ حرم کے سبب حرام ہیں۔ شہد کے لیے مکھیاں محفوظ ہیں۔ بوڑھوں سے چنے کے دانے نہیں چیتے۔ غرض نہ کھانے کی بیس صورتیں ہیں۔ پر جو بات مستلزم حیات ہو یہاں بجز حرمت اجساد اور کچھ نہیں اس لیے کہ ماوراءِ جن و انس زمین و آسمان وغیرہ کا محکوم و مخاطب مامور خداوندی۔ مثل آیت:

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَ  
لِسْمَاءِ أَقْلِعِي (پہلہود ج ۴) (تم جا۔)

سے معلوم ہوتا ہے اور چونکہ محکوم و مخاطب ہونے کے لیے ادراک و شعور کی ضرورت ہے تو اس باب میں تکلیف کے لیے فَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ أَلَيْسَ فِيهِ جَبَدٌ وغیرہ آیات و احادیث و معجزات و کرامات و حکایات کافی ہیں۔ اور جب زمین و آسمان بھی مامور و مخاطب ہوئے تو پھر حرمت و حلت معافی حقیقت ہی مراد لینے چاہئیں مجاز کی کیا ضرورت۔

(حدیث) إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ الْخ  
میں حرمت کی اقسام) | مگر حرمت حقیقی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ احترام  
حرام مد نظر ہو جیسے حرمتِ لحم بنی آدم میں احترام بنی آدم  
ملحوظ ہے دوسرے یہ کہ احترامِ محرم علیہم مقصود ہو جیسے حرمتِ خنزیر و کلب و نجاسات میں ہوتا ہے۔  
یعنی غرض اصلی یہ ہے کہ بنی آدم جیسے عالمی مراتب کو ان اشیاء کا کھانا مناسب نہیں۔ سو حرمتِ اجساد  
انبیاء علیہم السلام میں احترامِ زمین تو مقصود ہو ہی نہیں سکتا ورنہ اجسادِ انبیاء کو ہمارے اجساد سے (معدنہ)  
زیادہ ناپاک اور ناقص کہنا پڑے گا۔

الغرض ہمارے اجساد کا زمین پر حرام نہ ہونا اور اجسامِ انبیاء کرام علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا  
اس صورت (احترامِ محرم علیہم) میں خواہ مخواہ اس بات کو مقتضی ہے کہ عوام الناس کے اجسام پاک و  
طیب ہوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام ناپاک اور جفیف ہوں۔ سو ایسی بات بجز کفار اور کسی کے



منہ سے صا اور نہیں ہو سکتی۔

راہبیا علیہم السلام میں حرمت کی پہلی قسم | اس لیے اس کا قائل ہونا ضرور ہے کہ احترام اجسام انبیاء  
احترام اجساد انبیاء علیہم السلام ملحوظ ہے | علیہم السلام ملحوظ ہے۔ مگر ظاہر کہ احترام اجسام

زمین کی نسبت جی بھی متصور ہے کہ وہ زندہ ہوں ورنہ اجسام حیوانات میں در صورت موت بھی متصور  
نہیں جو یوں کہا جائے کہ زندہ نہیں تو کیا ہونا نامی تو ہیں۔ زمین سے پھر بھی افضل ہیں اس لیے کہ وہ منجملہ  
عبادات ہے۔ غرض اجسام حیوانات میں نو اور حیات دونوں متلازم ہیں۔ ہوں جب دونوں ساتھ  
ہوں۔ نہ ہوں جب دونوں ساتھ نہ ہوں۔ سو اگر بہ نسبت اجسام انبیاء علیہم السلام موت کا قائل ہو جائے  
اعنی حیات جسمانی کی نفی کیجئے تو پھر احترام اجساد بھی متصور نہیں ورنہ حالت جہادیت کی رو سے تو ہمارے ان کے  
اجسام سب برابر ہیں اور تعلق سابق کا لحاظ کیجئے تو پھر ایسا قصہ ہو کہ بول و براہ میں حالت سابقہ یعنی  
حال وقت مطعمویت کا لحاظ کیا جائے۔

راہبیا علیہم السلام کے اجساد کی حرمت کو کسی | اور اگر فرض کیجئے حرمت سے حدیث مشاء الیہ میں  
دوا کی طرف منسوب کرنا بے دلیل ہے | حرمت حقیقی مراد نہیں بلکہ اجسام کے باطن محفوظ  
ہونے یا زمین کی باطن نگہبانی کی طرف مجازاً اشارت ہے کہ محفوظیت باطن یا زمین کا ان کو طبعاً کھانا  
بھی حیات جسمانی ہی پر دلالت کرے گا۔ اس لیے کہ سو اجسام احیاء سب حیوانات کے اجسام بعد موت  
باطن محل فساد اور قابل انقلاب ہیئت ارضی ہوتے ہیں۔ بعد موت اگر محفوظ رہتے ہیں تو کسی اور  
دوا و حافظ قوی مثل روغن و شد و سرکہ وغیرہ کے سبب محفوظ رہتے ہیں باطن محفوظ نہیں رہتے۔ اور  
کسی دوا حافظ قوی کی طرف سلامت اجسام انبیاء کرام علیہم السلام کو منسوب کرنا قبل اقامت دلیل اقل  
تو مدعیان میراث کو مفید نہیں۔ دوسرے تجوز بکرمیت اس صورت میں زیبا نہیں کیونکہ اس صورت میں روغن  
وغیرہ کا حافظ رہتا ایسا ہو گا جیسے کوئی جابر کسی حلال چیز کو کسی کو نہ کھانے دے۔

داحتمال ناشی عن غیر دلیل مفید ہو تو پھر | بایں ہمہ احتمال ناشی عن غیر دلیل بھی مناقض  
ضروریات دین سے اعتماد اٹھ جائے گا | میں مفید ہو کرے تو اعجاز اور دعویٰ نبوت  
اور کتب آسمانی میں بھی ایسے احتمال تو موجود ہیں کیونکہ یہ سب امور بدلائل انیثہ ثابت ہوتے  
ہیں اور دلیل رانی میں ظنا ہر ہے کہ احتمال عموم لازم بہ نسبت ملزوم ہوتا ہے۔ بایں ہمہ



شواہد کا منقوض ہو سکتا استدلال میں ضرر نہیں بلکہ نفس شامہ اگرچہ منقوض ہو سکے مفید ہوتا ہے۔

(حیات انبیاء علیہم السلام میں تعلق | القصہ حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام کا بعد موت بھی اقرار روح مع الجسد اور اس کے آثار) ضروری ہے اور غرض حیات جسمانی بھی یہی ہے کہ بوجہ

تعلق روح جسم پر روحانیت اور حیات ایسی طرح عارض ہو جائے جیسے تعلق نور سے زمین پر نورانیت عارض ہو جاتی ہے یا تعلق آتش سے آب وغیرہ پر حرارت عارض ہو جاتی ہے۔ سو اس صورت میں جیسے زمین کو منور اور آب وغیرہ کو حار کہتے ہیں ایسے ہی وقت تعلق معلوم جسم کو حتیٰ اور زندہ کہیں گے اور چونکہ اموال و ازواج ضروریات اجسام احیاء یعنی ان اجسام کی ضروریات ہیں سے ہیں جن پر بوجہ تعلق روح روحانیت عارض ہو جاتی ہے۔ تو اگر وہ تعلق ٹوٹ جائے اور اس وجہ سے حیات عارضہ اسی طرح زائل ہو جائے جیسے بعد زوال تعلق نور زمین سے نورانیت زائل ہو جاتی ہے تو روح کو ازواج و اموال بلکہ خود ان اجسام کو ازواج و اموال کی کچھ ضرورت نہ رہے گی۔ اور اگر وہ تعلق نہ ٹوٹے تو پھر حیات جسمانی جوں کی توں رہے گی اور ازواج و اموال پرستور سابق نکاح میں اور اموال پرستور سابق نکاح میں رہیں گے اور اس سبب سے نہ اموال میں میراث جاری ہو سکے گی نہ ازواج سے کوئی نکاح کا مجاز ہوگا۔

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اول | ہاں جیسے کوئی صاحب مال اگر سفر کو جاتا ہے یا چلہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو وکیل بنایا) بیٹھ جاتا ہے تو اپنے محصلوں اور محمد علیہم کو جمع خرچ کا کوئل

کر جاتا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اول کو بایں وجہ کہ خلیفہ اموال و ازواج مسلمین کا محافظ اور محل ہوتا ہے بوقت ارادہ چلہ نشینی روضہ مبارک یہ ارشاد فرمایا۔

لَحْنٌ مَعَ النَّبِيِّ لَا نُورَثُ (ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے جو چھوڑ  
مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ (جائیں صدقہ ہوتا ہے)

اس تقریر سے یہ شبہ بھی مرتفع ہو گیا ہو گا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرات اہل بیت کو کیوں نہ بتایا غرض ہم لوگ بھی اپنی اراغی کا جمع خرچ اپنے محصلوں اور وکیلوں ہی کو بتلایا کرتے ہیں۔

نہ شواہد کا خارجی دلائل سے معارضہ اور نقض۔ شواہد میں استدلال کے لیے مضر نہیں البتہ نفس شامہ ہی ثابت نہ ہو سکے تو پھر ختم کو مفید ہے۔ ۱۲۔ محمد عینی گرامانی۔



زمان پر وہ نشین عنت گزین کو یہ تکلیف نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدۃ الناریں  
اللہ عنہا کو ایسی تکلیف یہودہ کا ہے کہ دیتے۔ بایں ہمہ کتب فریقین سے اس مضمون پر اہل بیت کا شہاد  
ہونا ثابت ہے۔

(ابشادوت کتب فخریقین ترکہ نبوی کے  
 میراث نہ ہونے پر اہل بیت متفق ہیں)

اہل سنت کی کتابوں کو پوچھئے تو حضرت امیر اور حضرت عباس  
 رضی اللہ عنہما کا حضرت عمرؓ کے سامنے

(بخاری ص ۳۶ و ۹۹۶)  
 دیکھا تم نہیں جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 فرمایا ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ  
 صدقہ ہوتا ہے۔

کے جواب میں یہ کہنا لگا کہ نَحْمَدُہُ بخاری میں موجود ہے اور شیعوں کی کتابوں کو پوچھئے تو حضرت  
اہم جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد ہے۔

اَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَذَاكَ  
 اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوا دِرْهَمًا وَاقْرًا  
 وَدِينَارًا وَانَّمَا اُوْرَثُوا اَحَادِيثُ مِنْ  
 اَحَادِيثِهِمْ، فَمَنْ اخَذَ بِشَيْءٍ مِنْهَا  
 وَفَقَدَ اخَذَ حُظًّا وَاَقْرًا۔

در علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء نے کسی  
 کو وارث نہیں بنایا اور ایک نسخہ میں سب کچھ درہم و دینار  
 کا وارث کسی کو نہیں بنایا۔ بل احادیث کا وارث۔  
 بنایا جس نے ان احادیث (روایات) میں سے کچھ حاصل  
 کر لیا اس نے بہت کچھ پالیا۔

(اصول کافی ص ۳۲ طبع تہران)

بروایت ابوالہنتر شی کافی میں موجود ہے۔ موصحرائٹ سے دیکھئے کیا نکلتا ہے۔ انصاف ہو تو حدیث کافی حدیث بخاری یعنی لاؤڈٹ سے زیادہ ہے کم تو کیا ہوگی۔ اب شیعہ ہی فرمائیں کہ امام جعفر صادق کون ہیں اور کیسے ہیں اگر ان کی بات بھی قابل تسلیم نہ ہو تو پھر بجز یزید واتباع یزید اور کس پر نظر ہوگی۔

اب اور گذارش سنتیے کہ ائمہ سابق خاص کر حضرت امیر اور حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے زیادہ تھے کم نہ تھے۔ اگر حدیث مسطور حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کو ائمہ سابق کی روایت سے پہنچی تب تو ان کی شہادت، مضمون مذکور پر ظاہر ہے ورنہ بطریق وحی یا بذریعہ الہام اگر حدیث مذکور کا مضمون ان کو معلوم ہوا تھا تو ائمہ سابق کو بطور مذکور اس کی



اطلاح پہلے ہونی چاہیئے۔ اور یہ بھی نہ سہی تو ناظران وصیت نامہ خداوندی (ملاحظہ کریں) جو مختوم بخواتیم  
الذہب حضرت جبریل علیہ السلام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اور کلینی میں  
مفصل مرقوم ہے شیعوں کو یاد رہی ہوگا کچھ کلام اللہ تو نہیں جو یاد رہی نہ ہو۔

اس میں حضرت ام جعفر صادقؑ کی نسبت یہ ارشاد ہے **وَأَنْشُرُ حُلُومَ أَهْلِ بَيْتِي** اس سے  
متبادر یہی ہے کہ علوم جعفری علوم جدیدہ نہیں علوم سابقہ ہیں۔ خاص کر وہ علوم جو متعلق بوقائع سابقہ  
ہوں، جیسے یہی حدیث ہے اس لیے کہ لفظ انما حضور پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ تصحیح حضرت راہ  
بعد لحاظ اس امر کے کہ اور انبیاء علیہم السلام تو کیا خود سرور انبیاء علیہم السلام بہت کچھ چھوڑ کر اس عالم سے  
تشریف لے گئے ہیں۔ جبھی منظور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے موجبات ارث میں سے ہرگز  
کوئی امر ظاہر نہ ہوا جو ان کی طرف فاعلیت ایراث منسوب ہو سکے اور یوں کہہ سکیں **أَوْرَثُوا دَهْلًا**  
**أَوْرَثُوا مَالًا**۔ مگر موجب ارث مورث کی جانب اگر ہے تو وہی انفکاک علاقہ روح و جسم ہے  
اس لیے مقتضی **إِنَّمَا أَوْرَثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ** یہی ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام  
کی ارواح طیبہ کو اجہم مظہرہ سے علاقہ معلوم دستور حاصل ہے۔

بہر حال کتب فریقین حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر شاہد ہیں اور حدیث **لَا تَوَرَّثُ** کا مضمون  
کتب معتبرہ شیعہ میں موجود ہے۔

(ایک شبہ کا ازالہ)  
دارث ہونے کے لیے صرف تعلق روح کافی نہیں اس لیے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد موت کسی کے وارث نہیں تھے) اور اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہو سکتی تو اس وجہ سے لازم یوں تھا کہ آپ کے اقربا کے ترکہ  
میں سے آپ کا حصہ نکالا جاتا کیونکہ آپ زندہ ہیں اور زندہ اموات کا وارث ہوا کرتا ہے مگر جب  
اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ جیسے مورث کے لیے انقطاع علاقہ معلوم کافی ہے اسی طرح وارث  
ہونے کے لیے وجود علاقہ معلوم کافی نہیں ورنہ جو بچہ بعد مورث قبل وضع حمل مر جائے وارث قرار  
دیا جائے۔ لہذا حدیث صحیحہ تین چلوں کے بعد روح ڈالی جاتی ہے اور بالیقین یہ بات  
معلوم ہے کہ اگر بچہ پیٹ میں مر جائے تو ساعت دو ساعت تک تو نہیں اس سے زیادہ اگر بچہ



شکم مادر میں ہے تو پھر اس کی زندگی معلوم۔ چہ جائیکہ کئی مہینے بعد مرگ بچہ شکم مادر میں ہے اور والدہ بحال خور  
باقی ہے، غرض یہ احتمال نہیں ہو سکتا جو ایام قرب و منع حمل میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید بچہ کئی مہینے  
مردہ شکم میں موجود ہو پھر کیونکر اس کے لیے ترکہ والدین سے مثلاً حصہ تجویز کریں۔ غیروں کی حق تعفیٰ کا اندیشہ  
ہے۔ زندگی کافی محتمل پر میراث جو ایک امر یقینی ہے متفرع نہیں ہو سکتی۔ بالجملہ اگر بعد تین چلوں کے کسی عورت  
کا خاوند مر جائے اور بعد نو ماہ بچہ مرا ہوا اس عورت کے پیدا ہو تو بالیقین یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ بچہ اپنے  
والد کے بعد مرا ہے۔ اگر وارث ہونے کے لیے فقط علاقہ مذکور کافی ہو سکتا ہے تو لاریب ایسے اطفال  
اپنے والد وغیرہ کے وارث ہوا کرتے یعنی ان کے لیے موافق استحقاق حصہ نکالا جایا کرتا اور پھر موافق قواعد  
میراث جس کسی کو پہنچتا اس کو حوالہ کیا جایا کرتا۔ لیکن جب علاقہ مذکور کافی نہیں تو پھر بجز اس کے اور  
احتمال نہیں کہ وقت تعلق میراث مال میراث پر وارث کا قبض و تصرف ممکن ہو اگرچہ بوجہ نقصان قتل  
یا کمی عقل وغیرہ اسباب قبض و تصرف مال میراث پر قبض و تصرف نہ کر سکے بالجملہ مال میراث بہ نسبت  
وارث محل قبض و موقع تصرف میں ہو مگر یہ بات جیسے بچہ شکم میں مفقود ہے ایسے ہی مدفون بلکہ معروض موت  
میں یہ بات مفقود ہے بلکہ غور سے دیکھئے تو اس شخص میں جس کی حیات زیر پردہ موت مستور ہو اور پھر  
اس پر مدفون بھی ہو چکا ہو۔ بعد از زیادہ قبض و تصرف ممکن ہے۔ کیونکہ بچہ شکم کے باہر آنے کی امید ہے اور  
مدفون میں اس امید کی گنجائش نہیں بچہ شکم اگرچہ ضعیف و ناتواں ہے اور بے عقل و نادان ہے پر اسباب  
قبض یعنی یہی عقل و طاقت جس قدر ہے بطور خود ہے کسی عارض کے تلے دبی ہوئی نہیں کسی پردہ کے پیچھے  
مستور نہیں اور مدفون میت میں اگر حیات بھی ہے تو موت کے تلے دبی ہوئی ہے بہر حال علت ملک  
قبض و تصرف ہے اپنا ہو یا کسی اپنے ولی یا وکیل کا ہو۔ جہاں دونوں نہ ہو سکیں۔ وہاں تصور حدوث  
ملک ایک خیال خام ہے اپنا قبضہ تو ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں یعنی بچہ شکم ہو یا میت و مدفون ممکن  
ہی نہیں۔

رہا وکیل کا قبضہ یا ولی کا قبضہ، وہ قبضہ اصلی کا ظل و فرع ہوتا ہے وہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔

(ایک سوال)

کیا موت کے بعد زوال قبض سے ملک باقی رہتا ہے؟ | قبض ممکن نہیں تو بقائے ملک بھی بعد  
زوال قبض ممکن نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک بہوز باقی ہے۔



(جواب - اپنی زندگی میں لَا تُؤْذَتْ فرمایا بغرض توکیل تھا لہذا قبضہ بذریعہ وکیل باقی رہا) اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لَا تُؤْذَتْ فقط بغیر من توکیل تھا اور ظاہر ہے کہ اس وقت توکیل صحیح تھی اور بقا۔ توکیل و وکالت کے لیے فقط بقا۔ شہد و قوی قابضہ کافی ہے۔ ہاں حدود توکیل کے لیے بالبداہت ماکل کا مقام توکیل میں ہونا ضروری ہے۔ اور ولی کا مقام تولیت میں ہونا لازم۔ سو ضروریات حصہ توکیل و تولیت و وکالت و ولایت قبل وضع حمل بچہ میں مفقود ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبل وفات سب موجود۔ ہاں بعد وفات یہاں بھی وہ سب امور مفقود ہو گئے۔ اس لیے وصیت و توکیل لا نورث تو صحیح رہی اور وراثت بعد کے لیے کوئی صورت نہ نکلی۔

(جواب ۱: مالک علی خدائے تعالیٰ ہیں علاوہ بریں یہ گزارش ہے کہ مالک اصلی تو جناب خداوند کیم ہماری ملک احتیاج کی وجہ سے ہے) وعدہ لاشریک لہ ہے اور ملک مخلوقات فقط اس کے ملک کا پر تو ہے بلحاظ حاجت بنی آدم ان کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی ان کو حاجت مند دیکھ کر اجازت تصرف عنایت فرمائی اور بقدر قبضہ جس کا ملک کے لیے علت ہوا اوراق میں سے ہی واضح ہو جائے گا ملک عرضی غنت فرمائی۔ لیکن جب حاجت کا لحاظ کیا جائے تو پھر وہی اشیاء قابل سمجھی جائیں گی۔ جن میں منافع بھی ہوں اور جو اشیاء خالی از منفعت ہوں یا الٹی ان میں مضرتیں ہوں جیسے مینہ اور دم اور خنزیر اشیاء قابل حدوث ملک وغیرہ تو وہ ملک نہ ہوں گی۔

(ملک جدید کے لیے حاجت مندی ضروری ہے لیکن لیکن جیسے و صورت حاجت بوجہ عدم بقائے ملک بغیر احتیاج کے بھی ہو سکتا ہے) منافع محتج ایہا ملک حادث نہیں ہو سکتی تیلے ہی بوجہ عدم احتیاج یا زوال حاجت، تعلق ملک قابل تسلیم نہ ہو گا۔ کیونکہ وہاں اگر شرط قابلیت نہیں تو یہاں وجہ فاعلیت کچھ نہیں۔ ہاں یہ مسلم کہ علت ملک فقط وہ قبض تام ہے جس کی طرف ان اوراق میں اشارہ ملے گا۔ اور احتیاج موجب تحرک و تعلق قبض مذکور ہے اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ملک باقی ہو اور احتیاج باقی نہ ہو۔ کیونکہ اسباب تعلق قوی فاعلیت مثل نور چراغ وغیرہ کا ہونا حادث تعلق کے لیے ضرور ہے بقا تعلق کے لیے ضرور نہیں۔ اگر کسی مکان میں چراغ نہ ہو تو اس کے در دیوار کے ساتھ تعلق نور کے لیے چراغ کا لانا مثلاً ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ بقا نور کے لیے حرکت



مذکورہ ضرور نہیں بلکہ الٹی وہ حرکت اس وقت سبب زوال تعلق ہے چنانچہ ظاہر ہے بالجملہ احتیاج موجب حدوث ملک یعنی سبب تعلق جدید ملک مالک ہے خود سبب ملک نہیں ورنہ خداوند کریم مالک نہ ہوتا۔ اس صورت میں ملک سابق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زائل نہ ہوگی اور جدید پیدا نہ ہوگی۔

اب ناظران اوراق کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ وہ مقدمات ثلثہ جن پر دعویٰ میراث راست ہو سکتا ہے ان میں سے ایک تو انقطاع علاقہ فیما بین روح و جسم مورت تھا اس کا حال تو معلوم ہو گیا۔ غرض اس کا اثبات تو شیعہ کیا کریں گے جواب دلائل بقاء علاقہ مذکور کا فخر فرما دیں۔

(بتا میراث کی دوسری شرط کا فقدان) | اُسے دو مقدمہ باقیہ۔ ایک تو ان میں عموم خطاب یُوصیٰکُمُ اللہُ ہے جس کا اثبات شیعوں کے ذمہ ضروری ہے مگر شیعہ تو اس کو کیا ثابت کریں گے ہاں ہم سے دلائل و شواہد مخصوص سنئے ہم گلا پکائے کہتے ہیں۔

فَانِکَحُوا مَا طَابَ لَکُمْ کی طرح | کہ یہ خطاب فقط امتیوں ہی کے لیے ہے رسول یُوصیٰکُمُ اللہُ کا خطاب بھی صوفیوں کو ہے) اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام نہیں اگر محبت ان شیعہ کو غیرت مذہب ہو تو ہماری گزارش کا جواب محقول سورج کر لائیں ورنہ فخر عاقبت فرمائیں اور مستحق بن جائیں۔ وجہ خصوص کا شاید کسی کو انتظار ہو اس لیے معروض ہے۔ شروع سورہ تسائیں اول یہ نذر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ الْإِنْسَانِ (پہ نساء ۱)

اس کے بعد اس نذر کے ذیل میں بہت سے خطاب ہیں ان میں سے ایک تو یہی خطاب یُوصیٰکُمُ اللہُ ہے اور اس سے پہلے خطاب۔

فَانِکَحُوا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ (پہ نساء ۱)

سو اگر خطاب یوصیکم اللہ عام ہوگا تو خطاب فانکحوا پہلے عام ہوگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہی چار ازواج کی تحدید ہوگی۔ اس صورت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو فدک نہ دینا اتنا محل اعتراض نہ ہوگا جتنا رسول اللہ صلی



اللہ علیہ وسلم کا چار سے زیادہ (بیویوں) کا جمع رکھنا مورد اعتراض ہو سکتا ہے۔

کیونکہ اول معتقدان خلیفہ اول ان کی معصومیت کے قائل نہیں اگر معتقد ہیں تو ان کی ولایت کے معتقد ہیں اور ولایت کے لیے ان کے نزدیک معصوم ہونا ضرور نہیں اگر ضرور ہے تو نبوت و رسالت کے لیے ضرور ہے بایں ہمہ فہم ہو تو کلام اللہ اس پر شاہد ہے۔ اولیاء کی تعریف میں تو یہ ارشاد ہے۔  
إِنَّ أَوْلِيَاءَهُ إِذَا اتَّقَوْا أَوْ رَسُلَ كِي تَعْرِيفِ مِي يُولِ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ عَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَن  
ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (پک ۲۸ البجن ۲۸)  
دو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر  
لیا کسی رسول کو

غرض حاصل ولایت اتفاق ہے اور حاصل رسالت ارتضا کیونکہ من رسول بیان و تفسیر من الرضی  
ہے اور ظاہر ہے کہ اتفاق مذکور فعل اولیاء ہے کیونکہ متقون صیغہ فاعل ہے اور اولیاء پر محمول اور ارتضا  
مشار الیہ فعل خداوندی ہے چنانچہ رجوع ضمیر فاعل الرضی الی اللہ اس پر گواہ عادل ہے اور سب  
جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اطاعت سے راضی ہوتا ہے اور معصیت سے ناخوش

فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ (اور اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے)  
کلام اللہ میں موجود ہے۔ سوا اطلاق من الرضی سے یہ بات نمایاں ہے کہ رسول بجمع الوجوہ مرتضیٰ ہوتے  
ہیں اور جب مرتضیٰ کا رسول ہونا لازم ہوا چنانچہ مِنْ رَّسُولٍ کا بیان من الرضی ہونا ہے اس کے بن  
ہی نہیں پڑتا تو یہ بات آپ لازم آگئی کہ اولیاء بجمع الوجوہ مرتضیٰ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اطلاق  
ارتضا وہی حاصل معصومیت ہے۔

بایں ہمہ اتفاق مبینی للفاعل۔ اتفاق مبینی للمفعول کو مستلزم نہیں آگ سے۔ کھائی کنویں سے  
ہر کوئی بچتا پھرتا ہے اور پھر کبھی بغیر پیش قدمی سے یا کسی کا جبر موجب وقوع ہو جاتا ہے  
کوئی کسی کے تلوار یا تیر یا نیزہ مارتا ہے تو بچنے کے لیے اپنے سے بھی تدبیریں کرتا ہے مگر کبھی اس  
پر بھی زخمی ہو ہی جاتا ہے غرض اولیاء میں اتفاق مبینی للفاعل کا ہونا چاہیے۔ چنانچہ متقون کا صیغہ  
فاعل اس کے لیے دلیل کافی ہے۔ اور اتفاق مبینی للفاعل کو اتفاق مبینی للمفعول لازم نہیں چنانچہ ایک

لے یعنی اولیاء گناہوں سے بچتے ہیں لے یعنی خدا گناہوں سے اولیاء کو بالکل بچائے یہ ضروری نہیں۔ ۱۲ صحر محمد۔



شاعر اردو بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

زہد و تقویٰ دھڑا ہی رہا ہاتھ اس کے سے لئے پیتے ہی بنی

القصد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ولی تھے نبی نہ تھے اور ولایت کو اقتدار مبنی للفاعل کافی ہے القار  
مبنی للمفعول ضروری نہیں اور جب مرتبہ مبنی للمفعول تک نہایت نہ پہنچے تو پھر معصومیت کہاں۔ علاوہ بریں  
صحاب دوستاں در دل عجب نہیں کسی حق کے عوض میں خلیفہ اول نے فذک کو مجر کر لیا ہو اور یہ  
بھی نہ سہی ادھر سے اگر تعدی ہوئی تھی تو ادھر عفو کر دیا ہو۔

دبر روایت علامہ حلی (شیعہ) حضرت صدیق اکبرؓ نے  
فدک حضرت فاطمہؓ کو دیا اور وہ راضی ہو گئیں  
یا حسب روایت علامہ حلی خلیفہ اول نے  
اگرچہ فذک کے مینے میں تامل کیا تھا مگر انجام  
کار حضرت سیدۃ النساءؓ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا ہو چنانچہ کتاب منہج الکرامۃ مصنفہ شیخ ابن مطہر حلی  
میں وہ روایت بایں الفاظ موجود ہے۔

لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَةُ أَبَا بَكْرٍ فِي فِدْكَ  
كَتَبَ بِهَا كِتَابًا وَدَدَهَا عَلَيْهَا  
(منہج الکرامۃ ص ۶۳)  
جب حضرت فاطمہؓ نے فذک کے بارے میں حضرت  
ابو بکرؓ کو نصیحت کی تو آپؓ نے اس کے متعلق تحریر  
لکھ دی اور فذک فاطمہؓ کو واپس کر دیا۔

اور اگر فرض کیجئے حضرت فاطمہؓ کو خلیفہ اول نے فذک پر قبضہ نہیں دیا تو اس کی آمدنی تو بالفرض  
حرب دستور زمانہ نبوت حضرت زہراؓ اور اہل بیت ہی کے تصرف میں آتی رہی۔ چنانچہ فریقین اس  
بات پر متفق ہیں کہ ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ نے آمدنی فذک کو اپنے آپ خور و بہرہ میں کیا اور کتب فریقین  
اس پر شاہد ہیں ایک روایت مجاہد الساکین جس سے دعوئے مذکور اور نیز قصہ تراصنی طرفین معلوم ہو  
جائے نقل کرتا ہوں وہ یہ ہے۔

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ لَمَّا رَأَى أَنَّ فَاطِمَةَ انْقَبَضَتْ  
عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ بِعَدْ ذَلِكِ  
فِي أَمْرِ فِدْكَ كَبُرَ ذَلِكَ عِنْدَهُ فَأَرَادَ  
اسْتِزْجَارَهَا فَاتَاهَا وَقَالَ لَهَا صَدَقْتَ  
يَا بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ فِيمَا ادَّعَيْتِ وَلَكِنِّي  
حضرت ابو بکرؓ نے جب دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ ان  
سے خفا ہو گئی ہیں تو رک ملاقات کر دی ہے اور فذک کے  
بارے میں پھر کوئی بات نہیں کی تو یہ بات آپؓ کو گراں  
گزری حضرت فاطمہؓ کو راضی کرنے کا ارادہ کیا تو آپؓ  
کے پاس آئے اور فرمایا آپؓ نے سچ کہا



رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَسِّمُهَا  
فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ بَعْدَ  
أَنْ يُؤْتِيَ مِنْهَا قُوَّتَكُمْ وَأَنَا صَانِعٌ بِهَا  
فَقَالَتْ أَفَعَدَّ فِيهَا كَمَا كَانَ ابْنُ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فِيهَا  
فَقَالَ ذَلِكَ عَلَى أَفْعَلُ فِيهَا مَا كَانَ  
يَفْعَلُ أَبُوكَ فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَتَفْعَلَنَّ فَقَالَ  
وَاللَّهِ لَا فَعَلَنَّ ذَلِكَ فَقَالَتْ اللَّهُمَّ  
أَشْهَدُ فَرَضَيْتَ بِذَلِكَ وَأَخَذْتَ الْعَهْدَ  
عَلَيْهِ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُعْطِيهِمْ مِنْهَا  
قُوَّتَهُمْ وَيُقَسِّمُ الْبَاقِيَ فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ  
وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ - انتهى

میں نے رسول کی بیٹی! جو تو نے دعوت کیا ہے لیکن میں  
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تقسیم کرتے  
اور فقراء اور مساکین اور مسافروں کو دیتے تھے اس  
کے بعد کہ تمہارا راشن بھی نکالتے تھے میں بھی یہی کچھ  
کروں گا حضرت فاطمہؓ نے فرمایا آپ فکر میں وہ  
کام کریں جو میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کرتے تھے۔ فرمایا بالکل ٹھیک! ضرور میں وہی  
کروں گا جو آپ کے والد کرتے تھے قرآن نے لکھیں خدا کی قسم  
تم ضرور کرو گے۔ فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں یہ ضرور کروں  
گا قرآن نے لکھیں اے اللہ تو گواہ رہ پھر حضرت فاطمہؓ  
اس پر خوش ہو گئیں اور عمدہ و پیمان لے لیا۔ حضرت  
ابو بکر اہل بیت کو فک سے راشن دیتے تھے اور بقیہ فقراء  
مسکینوں اور مسافروں میں بانٹ دیتے تھے۔

مگر اس قسم کے عذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متصور نہیں۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں  
بیک وقت چار سے زائد بیویاں تھیں)

ہوں باقی منجملہ ممالک ائیمانہم ہوں۔ یا زمان واحد میں چار سے زیادہ نکاح نہ کئے ہوں۔ ہاں علیؓ  
التعاقب زیادہ کی نوبت آئی ہو مگر ایسا کون ہو گا جو اس دام فریب میں آجائے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت  
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی متعہ کیا نہ ائمہ اطہار میں سے کسی نے یہ کام کیا۔ بایں ہمہ چار سے زیادہ  
میں گنائے دیتا ہوں جو اتفاق فریقین حرہ منکوحہ تھیں متعی نہ تھیں اور پھر زمان واحد میں مجتمع تھیں حضرت  
عائشہؓ (صدیقہ) حضرت حفصہؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت سہرہؓ حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت  
ام حبیبہؓ یہ سب کی سب منکوحہ بھی تھیں اور سب کی سب حرہ بھی تھیں اور پھر سب کی سب ایک ہی  
زمانہ میں مجتمع بھی تھیں اس لیے احتمالات ثلاثہ میں سے ایک بھی نہیں چل سکتا۔



اس کے بعد شاید کوئی مجتہد العصر آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَخْلَفْنَا لَكَ إِذْ وَاجَدَكَ الْبَيْتَ** اتَّيْتَهُ أَجُودَهُنَّ (اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مرتد سے چکا ہے) کے بھرے تخصیص عموم خطاب فائز کا نسخ یا نسخ کا خیال پکائے مگر وہ آیت تو دور ہے چوتھا سپارہ لاکھسویں پارہ میں بہت فاصلہ ہے آیت **فَانْكُحُوا مَا طَابَ لَكُمْ** اگر ربع اخیر پارہ چہارم میں ہے تو **وَاجِلَ لَكُمْ مَا وَدَّ ذَلِكُمْ** اول پارہ پنجم میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ عموم کلمہ ما بہر حال عموم کلمہ از دل و غیرہ کلمات مندرجہ ذیل خطاب **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** سے کہیں زیادہ ہے سو اگر آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** مخصوص یا نسخ حکم فائز کا خطاب ہے تو آیت **وَاجِلَ لَكُمْ مَا وَدَّ ذَلِكُمْ** بدرجہ اولیٰ مخصوص یا نسخ حکم فائز کا خطاب ہوگی۔

(سورۃ نسا کا اول رکوع سورۃ فاتحہ کی طرح) | ہاں ایک صورت نجات ہے وہ یہ ہے کہ جیسے سورۃ فاتحہ خدا نے بندوں کی طرف سے تصنیف

کر کے ان کے حوالے کر دی ہے تاکہ وہ صرف حضور دربار یعنی وقت ادا نماز اس طرح سے آداب مجرب لایا کریں ایسے ہی سورۃ نسا کو یوں سمجھو کہ خداوند کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک وعظ و پند تصنیف کر کے آپ کے حوالے کر دیا تاکہ وقت خطاب امت اس طرح ان کو سمجھائیں۔ غرض باعتبار تصنیف الحمد سے لے کر سورۃ والناس تک سارا کلام قرآن کلام خداوند رحمان ہے مگر باعتبار تکلم مقابل خطاب و غیبت سب خدا ہی کا کلام نہیں بندوں کا بھی کلام ہے سو جیسے کسی وکیل کا مسودہ عرضی جو اپنے کسی موکل کی طرف سے یا کسی فشی کا مسودہ جو کسی کی طرف سے مثلاً تحریر کرے یا کسی شاعر کا کسی عاشق و معشوق کی مثنوی میں ان کی گفتگو کو نظم کرنا۔ اس وکیل اور اس فشی اور اس شاعر کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ان کا کلام کہلاتا ہے چنانچہ وقت مذکورہ اکثر کہتے ہیں کہ یہ فلاں نے وکیل کی تقریر ہے اور فلاں نے فشی کی تحریر اور فلاں نے شاعر کا کلام ہے بایں ہمہ متکلم، مقابل مخاطب وہ موکل اور وہ جاہل اور وہ عاشق و معشوق ہوتے ہیں ایسے باعتبار انشاء و تصنیف تو قرآن سارے کا سارا خدا کا کلام ہے مگر باعتبار مخاطب کہیں اپنا ہی کلام ہے کہیں کسی اور کا۔ سو سورۃ الحمد تو باعتبار مخاطب تمام جہان کا کلام سمجھئے۔

لے ترکیب ترتیب قرآن کو سمجھانے کے لیے یہ مروجہ الفاظ استعمال کیے مگر قرآن کو انشاء و تصنیف نہیں کر سکتے کیونکہ کلام قدیم و جدید کا



چنانچہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اللّٰہ اس پر شاہد ہے اگر باعتبار مخاطب نعوذ باللہ اس سورت  
 کو کلام خداوندی سمجھتے تو یہ معنی ہوں کہ خدا بھی کسی کا بندہ ہے نعوذ باللہ منہا۔ خدا بھی نعوذ باللہ کسی کی  
 عبادت کرتا ہے خدا بھی کسی سے مدد مانگتا ہے خدا تعالیٰ بھی کسی سے طالب ہدایت ہے علیٰ ہذا القیاس است  
 وَمَا نُنَزِّلُ اِلَّا بِالْمُرُوۡرِ بِكَ لَهٗ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا (اور ہم نہیں اترتے مگر تم سے تیرے رب کے اسی کہ ہے  
 جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے پیچ میں ہے۔) (پہلے سورہ ۴۸)

باعتبار مخاطب فرشتوں کا کلام ہے چنانچہ قرینہ باس رکب ہے اور قصہ شان نزول اس پر دلیل کامل ہے۔  
 علیٰ ہذا القیاس سورت نسا۔ اول تو تمام و کمال در نہ یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ تک تو بالضرور باعتبار مخاطب  
 کلام حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اول تو وہی قرینہ فَاُنۡذِرْکُمْ اِس پر شاہد ہے اگر باعتبار  
 مخاطب کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہئے کلام خدا کیسے تو پھر اول درجہ کے معصوم کی نسبت یہ اعتقاد  
 رکھنا ضرور ہو کہ وہ رب ہے بڑھ کر نعوذ باللہ منہا فاسق و فاجر و عیاش تھے۔ دوسری نذایَا اَیُّهَا  
 النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمْ میں ترجمہ کو غائب رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر کلام کے لیے ایک متکلم اور  
 اور ایک مخاطب مغایر یک دگر ہوتا ہے اور اگر غائب بھی ہوتا ہے تو وہ بھی مغایر حقیقی ہوتا ہے غرض  
 یہ تینوں مغموم ایک مصداق میں مجتمع نہیں ہو سکتے اور ان تینوں میں اتحاد و تصور نہیں سو قرینہ غلبہ و بت  
 رَبَّکُمْ خود اس پر شاہد ہے کہ خداوند کریم باعتبار مخاطب تکلم نہیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ سوار رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کا احتمال نہیں۔ کیونکہ ادھر تعین غیر پر نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی قرینہ اور  
 ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیامبر ہونا اس بات کے لیے خواستگار کہ بعد خداوند کریم باعتبار  
 مخاطب اس کلام کے متکلم در حالت عدم قرینہ اگر ہو سکتے ہیں تو حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم  
 ہو سکتے ہیں مگر یہی بات بعینہ جملہ یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہ میں سمجھ لیجئے اس جملہ میں بھی یُوَصِّیْ صیغہ غائب  
 اللہ کے لیے ہے اور پھر قرینہ دوام حیات اور عدم زوال علاقہ فیما بین روح و جیم نبوی صلی اللہ علیہ  
 وسلم اس بات کے لیے عمدہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خطاب میں داخل نہیں اور  
 جب آپ مخاطب نہیں ادھر خدا غائب معنی مقابل متکلم و مخاطب۔ تو متکلم سوار رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم اور کون ہو گا غرض وجوہ ظاہرہ اس بات پر گواہ ہیں کہ باعتبار مخاطب یہ کلام رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔



(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اور ارواح امت میں متحدہ اور باعتبار اصل کلمہ کے وجہ تفاوت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کے مخاطب نہیں)

صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کے مخاطب ہو بھی نہیں سکتے۔ میراث کا حال تو معلوم ہی ہو گیا نکاح کی بات سنئے وہاں بھی وہی دوام حیات مانع ورود خطاب ہے۔ یعنی جب آپ منیع فیض روحانیت و حیات ہوئے اور امت کی ارواح کے لیے آپ کی روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم غشا انتزع اور علت اور موثر ہوئی اور ارواح امت فیض اور انتزاعیات اور معلول اور اثر و محثر ہے۔ تو پھر آپ کی روح کو امت کی ارواح میں وہ نسبت تجانس نہ ہوگی جو فیما بین ارواح امت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ افراد جنس واحد اگر باہم مساوی نہ ہوں تو بعد کھمی و بیشی تعداد یا اوزان یا مساحت جو کچھ دہاں بن پڑے تساوی حاصل کر سکتے ہیں۔ پر فیوض و انتزاعیات و آثار و محولات کو منیع فیض اور غشا انتزع اور موثر اور علت کے برابر کسی طرح نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ایک دھوپ دوسری دھوپ کے برابر نہ ہو تو بعد تسویہ ہر میدان اور رفع موانع آمد و نورد و غیرہ کے دونوں برابر کر سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بڑی سطح سے چھوٹی سطح کے برابر قطع کر سکتے ہیں اور چھوٹی سطح کو بعد اضافہ حجم بڑی سطح کے برابر بنا سکتے ہیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ سارے جہاں کی دھوپیں ایک نور آفتاب کے برابر نہیں ہو سکتیں علیٰ ہذا القیاس وجود تمام کائنات ایک وجود خالق عالم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جب تساوی کا حال معلوم ہو گیا کہ کہاں ہو سکتی ہے کہاں نہیں ہو سکتی تو اگلے

(باعتبار لغت بھی زوجیت طرفین مفہوم زوجیت و ازدواج باعتبار لغت بھی القسام بمبدأ و بین کو کے تساوی کو چاہیہ ہے) مقتضی ہے اور باعتبار شرع بھی تساوی طرفین کا خواستگار۔

چنانچہ آیت وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ اس پر شاہد ہے اور ادھر دیکھا تو نکاح و ازدواج سے حسن معاشرت مطلوب۔ چنانچہ آیت۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (پ ۲ روم ۳)

(اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیے تمہارے واسطے تمہاری قسم کے جوڑ کر چین سے رہوان کے پاس اور دکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی۔)



سے اہل فہم کو یہ بات عیاں ہے۔ آخر حسن معاشرت میں بجز انس یا بھی جو حاصل سکون مٹا رہا الیہ اور مودۃ مذکورہ ہے اور کیا ہوتا ہے۔

(نکاح میں مطلوب حسن معاشرت ہے) مگر مزاج کا حسن معاشرت دیکھا تو اخلاق کی طرف ہے اور اخلاق جو کمالات علمی اور عملی کا نتیجہ ہے) حاصل ضرب قوت علمیہ اور قوت عملیہ کا نام ہے۔ اس لیے کہ اخلاق کے تخیل کرنے سے سوا اس کے اور کیا نکلتا ہے۔ رحمت و غضب کو دیکھیے تو بجز اس کے کیا ہے کہ کسی کی شکستہ حالی یا مخالفت کے علم کے باعث ادھر سے عمل داد و دہش یا ضرب و سزائش ہوتا ہے۔ اس لیے مساوات مثلاً الیہ جو معتقد تھے زوجیت و ازدواج تھا باعتبار حاصل ضرب قوت علمیہ و قوت عملیہ ہو گا۔

یا اس مضمون کو یوں تعبیر کیجئے کہ مساوات جسمانی تو مراد ہی نہیں باعتبار وزن ہو یا باعتبار پیمائش۔ اگر مراد ہے تو باعتبار روحانیت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کمالات روحانی یا علمی ہیں یا عملی یا ان دونوں سے مرکب اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود وہ حاصل ترکیب ہر دو کمال ہے نہ علم خالی از عمل مطلوب ہے ورنہ حسن معاشرت اور اعمال عبادات وغیرہ کے کیا معنی تھے اور نہ فقط عمل خالی از علم جیسے افعال لایعنی اور حرکت بے معنی یا اعمال منافقین و اہل تمسخر ہوتے ہیں۔ کیونکہ علم غفلت خداوندی وغیرہ ان اعمال کے ساتھ مضموم نہیں ہوتا ورنہ اس قسم کے اعمال مکروہ یا مردود نہ ہو کر تے۔ لیکن حاصل کمالات علمی و کمالات عملی اخلاق ہوں یا ارادہ و نیت ہو یا اعمال ظاہرہ جو بشرط اخلاص صادر ہوئے ہوں۔ سب کے سب حاصل جمع کمالات مذکورہ تو نہیں ہو سکتے اس لیے کہ حاصل جمع عین مجموعہ اجزاء ہو کر تے اور یہاں ظاہر ہے کہ یہ سب امور مذکورہ غیر ہیں نہ عین اس صورت میں بجز اس کے کہ حاصل ضرب کیئے اور کیا کیئے۔ کیونکہ دو زیادہ سے ملا کر اگر کچھ حاصل کرتے ہیں تو اس کی یہی دو صورتیں جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے چلئے۔

(کمالات علمی و عملی مردوں میں بدرجہ اتم اور مخدوم مہن! کمالات علمی ہوں یا عملی بہر حال مردوں عورتوں میں اس کا نصف پائے جاتے ہیں) کا حصہ دو نا ہے اور عورتوں کا (مردوں سے)

آدھا ہے۔ دلیل اس دعویٰ کی اول تو یہی آیت ہے۔ لَتَذَكَّرْهُ لِحَظِّ الْأُنثَىٰ۔ کیونکہ یہ آیت اگرچہ بیان میراث میں نازل ہوئی ہے۔ کچھ میراث کی تخصیص نہیں فرمائی عموم الفاظ پر نظر چاہئے خصوص شان نزول پر خیال نہ چاہیئے۔ چنانچہ اہل علم خوب جانتے ہیں اور عوام اگر نہیں جانتے تو ان کے



لیے اتنا اشارہ کافی ہے کہ اگر دو آدمیوں میں دس بیس گاؤں مشترک ہوں اور سب میں ایک ہی ساہر ایک کا حصہ ہو تو اس صورت میں اگر ایک گاؤں میں سے کچھ غلہ آئے تو کارکن پوجہ ناواقفیت مقدار حصص اگر کسی واقعے سے ہر ایک کے حصہ کی مقدار پوچھے تاکہ اس کے موافق تقسیم علم میں کار بند ہے۔ تو اس صورت میں اگر وہ شخص ہر ایک کا حصہ بتلائے گا تو اس کا یہ بتلانا ہر دفعہ کے لیے اور ہر ایک گاؤں کی آمدنی کے لیے کافی ہوگا اور فقط اسی دفعہ کے لیے نہ سمجھ جائے گا۔

رأیت میں مرد و عورت کے جسم کی مقدار سے بحث نہیں بلکہ ان کے حصص سے بحث اور ذکر و انشی کا اطلاق روح و جسم دونوں پر ہوتا ہے)

میں اس حساب کو درست نہ پائیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ گفتگو دربارہ خط و ذکر و خط انشی ہے خود ذکر و انشی میں یہ حساب نہیں اور ظاہر ہے کہ اطلاق ذکر و انشی جیسا روح پر کیا جاتا ہے ایسا ہی جسم پر بھی یہ اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ احکام روحانی و جسمانی اور احوال و احوال روحانی و جسمانی میں یکساں فرق صیغہ مذکر مؤنث ملحوظ رہتا ہے۔ قَامَتْ اور قَعَدَتْ اور فَرِحَتْ اور حَزِنَتْ یا عَلِمَتْ اور أَرَادَتْ اگر عورت کے لیے بولتے ہیں تو قَامَ، قَعَدَ، فَرِحَ، حَزَنَ یا عَلِمَ اور أَرَادَ مرد کے لیے استعمال کرتے ہیں مگر کون نہیں جانتا کہ قیام و قعود، احکام و احوال و احوال جسمانی میں سے ہیں۔ اور فرخ اور خزن اور علم و ارادہ، و احکام و احوال و احوال روحانی میں سے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اطلاق ذکر و انشی روح و جسم دونوں پر برابر شائع ہے۔ اس لیے ان دونوں کو اس حساب سے علیحدہ رکھ کر ان کے حقوق میں گفتگو کرنی چاہیے۔ اور اسے بھی جانے دیجئے خاص علم و عمل میں عورتوں کا مردوں سے کوئی ماحصل و نقل دونوں سے سب کے نزدیک مسلم۔ یہاں تک کہ عورتوں کا ناقص العقل اور ناقص الدین ہونا حدیثوں میں مصرح اور زبانوں پر جاری۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَا رَأَيْتُ مِنْ نَأَقِصَاتِ عَقِلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلْبَرِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْذُكُنَّ۔

(بخاری ج ۱، مسلم ص ۶۱)

اور دوسرے بارہ شہادت کلام اللہ میں یہ ارشاد ہے۔  
وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ قِبَالِكُمْ

اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر



فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ  
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ  
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى

(پتہ، بقرہ ۴۳۹)

ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں  
میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ  
اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس

(کو وہ دوسری)

سو اس سے بھی یہی نقصان عقل بقدر نصف ثابت ہوتا ہے کیونکہ ضلالت اصل میں صفت عقلی ہے  
علیٰ ہذا القیاس تذکرہ بھی صفات علمیہ اور عقلیہ میں سے ہے اس صورت میں حاصل یہ ہوا کہ نقصان عقل  
کے باعث عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی رکھی گئی۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ صورت پیش آئی کہ جب  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مسطور بالا یعنی مَارَأَتْ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينِ الْخَوَاسِ كَرَّ عَوْرَتُوهُنَّ  
نے یہ عرض کیا۔

مَا نَقَصَانَ عَقْلًا وَدِينًا يَا رَسُولَ اللَّهِ  
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ نِصْفُ شَهَادَةِ  
الرَّجُلِ۔ (بخاری ص ۴۳۱ مسلم ص ۶۶۶)

(ہماری عقل اور دین میں اے رسول اللہ کیا کمی ہے؟  
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کیا  
تمہیں معلوم نہیں کہ عورتوں کی گواہی مرد کی گواہی  
سے آدھی ہے)

اس پر عورتوں نے اقرار کیا تو پھر یہ فرمایا فَذَلِكَ مِنْ نَقْصَانِ عَقْلِهَا۔ یعنی یہ گواہی کا آدھا  
ہونا نقصان عقل ہی کے سبب ہے۔ الغرض آیت مذکورہ اور حدیث مسطورہ کو ملائیے تو یہ بات بوسیکہ  
حدیث اسی آیت سے نکل آتی ہے کہ عورتوں کی عقل مردوں کی عقل سے آدھی ہے اور جب عقل یعنی  
کمالات علمی میں تناصف تو کمالات عملی میں آپ تناصف ہوگا۔

(افعال اختیار یہ علم و عقل سے پیدا ہوتے ہیں) وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال اختیار یہ کا صدور یا  
بوجہ شوق و محبت ہوتا ہے یا باعث نفرت و خوف یعنی عاقل جب کوئی حرکت با اختیار خود کرتا ہے تو  
اس میں یا کوئی نفع سوچ لیتا ہے یا کوئی اندیشہ اس کے پیش نظر ہوتا ہے۔ سو اس کا حاصل وہی شوق  
اور محبت و نفرت ہے۔ سو ان دو صورتوں کے عاقل کے افعال کے لیے اور کوئی صورت نہیں مگر شوق  
و خوف اور محبت و نفرت بقدر علم منفع و مضار ہونا ظاہر ہے کہ مرد دانا شیر اور سانپ سے ڈرتے ہیں  
اطفال شیر خوار نہیں ڈرتے وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہاں علم و عقل ہے یہاں نہیں چنانچہ



آیت قرآنی

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

(اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو

سمجھ ہے)

(پہلا فطرہ ۴)

سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے کہ خوف بقدر علم ہوتا ہے۔

(تناصف عقل تناصف عمل کو لازم ہے) | الغرض بعد تسلیم تناصف فی العقل اقرار تناصف

فی العمل آپ لازم ہے اور کلام اللہ میں یہ ارشاد ہے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُدْخِلْتُمُوهَا بِمَا

(اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پہلا زخرفہ ۷) ان کاموں کے جو کرتے تھے۔)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مدار کار حصول جنت عمل پر ہے اور حدیثوں سے یوں معلوم ہوتا

ہے کہ ہر مرد جنتی کے پاس دنیا کی دو عورتیں بطور ازواج و نکاح ہوں گی۔ غرض جہاں ایک مرد ہو گا وہاں

دو عورتیں ہوں گی اس سے بھی وہی بات نکلتی ہے کہ دو عورتیں مل کر عمل میں ایک مرد کے برابر ہوں گی۔

بہر حال تناصف فی العقل اور تناصف فی العمل واجب التسلیم ہے۔

(بعض عورتوں کا بعض مردوں پر علم و عمل میں فوقیت رہی یہ بات کہ بعض مرد کم عقل ہوتے ہیں

رکھنا اسباب خارجہ کی بنا پر ہوتا ہے) | اور بعض عورتیں عاقلہ ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

بعض مرد فاسق اور بعض عورتیں دیندار ہوتی ہیں اس قاعدہ میں رخصت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسباب

و موانع خارجہ سے اگر ظہور آثار ماہیت میں کمی بیشی آئی تو مراتب ماہیت اور قدر و قیمت ماہیت

میں تبدیل نہیں آ سکتا۔ مثلاً اگر کسی آئینہ میں گرد و غبار واقع ہو اور کوئی چینی کی رکابی طشتری صاف مصفیٰ

ہو اور اس وجہ سے ظہور نور آفتاب بہ نسبت آئینہ مثلاً ایہ رکابی مذکور میں زیادہ ہو۔ تو صفائی میں رکابی

آئینہ سے زیادہ نہ سمجھی جائے گی۔ بالجلد نقصان عقل زنان مقتضاء مادہ الثبوت ہے اور زیادتی عقل

مرداں اقتضاء مادہ مذکورہ (ذکورہ) ہے۔ چنانچہ الف لام کا لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ میں

لام جنس ہونا بھی اس پر شاہد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دین کا قصہ سمجھئے سو اگر بالفرض والتقدير کسی

فرد ذکر میں کمی اور کسی فرد انثیٰ میں زیادتی نظر آئے تو قاعدہ مذکورہ کے کلیہ ہونے میں اس سے کچھ

رخصت نہیں پڑتا۔



(چار عورتوں کا ایک مرد کے حق میں نفع) | ان سب مراتب کے طے ہو جانے کے بعد یہ گزارش ہے کہ  
کامل قرار پانے کی حکمت)

مرد عورت میں ان دونوں کمالوں کا حاصل ضرب مطلوب ہے خود یہ دونوں کمالات مذکورہ زنان بہ نسبت  
حاصل ضرب کمالات مذکورہ مردوں بقدر ربع ہے کیونکہ نصف کو نصف صرف دیکھئے تو یہی ربع (رہے)  
مائل ہوتا ہے۔ اس لیے ایک عورت ایک مرد سے (نکاح میں) بقدر ربع سمجھی گئی اور چار عورتیں مل کر  
اس کے حق میں زوج کامل قرار پائیں۔ مگر چونکہ ہر کسی کو اپنے حق کے نہ لینے یا اپنے حق کے چھوڑ لینے  
کا اختیار ہوتا ہے اور اپنے حق سے زیادہ لینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس لیے مرد نکاح نہ کرنے اور  
چار سے کم نکاح کرنے کا مجاز اور مختار رہا۔ پر چار سے زیادہ اختیار اس کو نہ ملا۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی عورتوں کی نسبت مقدار علم و عمل  
میں بمنزلہ مصدر اور منشاء اور وصف انتزاعی کے ہیں) | لیکن یہ بات بھی یاد ہوگی کہ امت  
کی چار عورتیں مل کر اگر امت کے

ایک مرد کے مساوی ہو جاتی ہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ باجم اصل مرد وزن امت میں تجانس تھا۔ اگر فرق  
تھا تو فرق مقدار تھا جس کے رفع کرنے کے لیے عورتوں کی جانب عدد و اربع کی ضرورت پڑتی اور ذات پاک شہ  
لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور زنان امت میں اس قسم کا فرق نہ تھا جس کو مقدار زنان کا کم و بیش کر دینا رفع کر  
سکے بلکہ وہ فرق تھا جو مصدر اور علت اور محلول اور منشاء انتزاع اور وصف انتزاعی میں ہو کرتا  
ہے اور تجانس بھی وہی تجانس تھا جو حقائق مذکورہ میں باجم ہو کر رہا ہے یعنی وہ تجانس جو اندولج اور زوجیت  
کے لیے ضرور ہے چنانچہ مفہوم زوجیت ہی اس پر شاہد ہے از قسم تجانس مردان و زنان امت نہ تھا بلکہ نہ  
قسم تجانس علت و محلول وغیرہ تھا۔ غرض وجہ فرق فیما بین حضرت شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مردان امت  
مرحومہ دربارہ تعدد ازولج یہ ہے کہ وہاں اور طرح کا تجانس ہے یہاں اور طرح کا تجانس ہے۔ یہاں تعدد  
زنان کی کمی بیشی موجب تساوی ایک مرد چار زن ہو سکتی ہے اور وہاں اس سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ  
ایک علت اور ایک منشاء انتزاع کے مقابلے میں سارے محلول اور تمام انتزاعیات بھی درجہ تساوی  
نہیں رکھتے۔ ایک آفتاب کے آگے سارے جہاں کی دھوپیں گرد ہیں۔ ہاں یوں کہیے کہ آفتاب یا کمرہ  
شعلہ کا جوڑا اگر مل سکے ہے تو وہ ہو پوس ہی مل سکے ہے پانہ کی پانہ نیوں اور آگ کی گرمیوں سمجھیں مل سکتا غرض اگر علت  
اور منشاء انتزاع کا نکاح اور ازولج ہو سکتا ہے تو بشرط قابلیت اپنے معلولات اور انتزاعیات ہی



سے ہو سکتا ہے اور کسی علت یا اس کی معلولات یا اور کسی منشاء انتزاع یا اس کی انتزاعیات یا کسی اور مصدر اور اس کی صادرات سے نہیں ہو سکتا۔

مگر جیسے اس صورت میں یہ فرق فیما بین حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مردمان امت مرحومہ معلوم ہوا ایسے ہی فرق دوام حیات حضرت سید الکائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰت والتسلیمات وعدم دوام حیات ہے۔ کیونکہ دربارہ کمالات روحانی آپ کا علت اور منشاء انتزاع اور مصدر ہونا جیسا اس بات کو مقتضی ہے کہ آپ کو دربارہ نکل حد اربع میں محدود و مقید نہ رکھیں۔ ایسے ہی آپ کا علت اور منشاء انتزاع اور مصدر ہونا اس بات کو مقتضی ہے۔ آپ کی حیات روحانی اور حیات جسمانی دونوں قائم دائم رہیں کبھی انفکاک و زوال کی نوبت نہ آئے۔

(حاصل کلام) | اس صورت میں خطاب فَاذْكُرْكُوهَا اور خطاب يُؤْصِيكُمْ اللّٰهُ آپ کو بطور سابق خارج لکھنا اور ان احکام میں تفاوت معلوم کا ہونا ایک ہی وجہ پر مبنی اور متفرع ہیں۔ مگر چونکہ نکل ح حاجات حیات اور میراث اتفاقات ممات میں سے ہے اس لیے اول کو اول رکھا اور دوم کو دوم ذکر کیا۔ اس تقریر سے بطلان مقدمہ ثانی منجملہ مقدمات ثابت بھی۔ بعد تنقیح میراث کے لیے کہ اول ان کا ثابت ہونا ضروری تھا۔ روشن ہو گیا۔ یعنی یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ خطاب يُؤْصِيكُمْ اللّٰهُ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں اور جب آپ اس خطاب میں داخل ہی نہیں تو پھر شیعوں کو طعن میراث کی کیا گنجائش ہے جو اہل سنت کو فکر جواب ہو۔

(بنام میراث کی تیسری شرط کا فقدان) | مگر ہاں مقدمہ ثالثہ ہنوز قابل تحقیق ہے۔ اس لیے کسی قدر اور تکلیف تحریر کی حاجت ہے۔

(فدک مال فے تھابنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملک تھ) | یعنی اب اس بات کی تیغ ضروری ہے کہ مال متنازع فیہ یعنی فدک مملوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا یا نہ تھا۔ سو ہم سے پوچھئے مگر گوش ہوش سے سنئے اور پنبہ غفلت سے اور چرک تحصبے گوش عقل کو اول پاک کر لیجئے۔ بشادت کتب فریقین قریہ فدک منجملہ فے تھا۔ منجملہ غنیمت نہ تھا اور بشادت قرآنی زمین نے منجملہ اموال غیر مملوکہ ہوتی ہے کسی کی ملک اس کے سانچہ متعلق نہیں ہو سکتی۔ سینوں کے لیے نووی شرح مسلم کی عبارت اور شیعوں کے لیے کلینی کی روایت اس کے ہونے کے لیے کافی ہے۔



اول اہلسنت وجماعت کو شاد کام کرتا ہوں۔ پھر شیعوں کی آنکھیں کھولی جائیں گی۔

(فدک مال فقہ ہے اہلسنت سے اس کا ثبوت) علامہ نووی جلد ثانی شرح مسلم کے باب حکم الفی میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

قال القاضي عياض في تفسيره صدقات النبي صلى الله عليه وسلم المذكورة في هذه الأحاديث قال صارت اليه بثلة حقوق أحدها ما وهب له صلى الله عليه وسلم وذلك وصية مخيريق إليهم ودي له عند إسلامه يوم أحد وكانت سبع حوائط في بني النضير وما أعطاه الانصار من أرضهم وهو ما لا يبلغه المسلمون كان هذا ملكا له صلى الله عليه وسلم الثاني حقه من الفئ من أرض بني النضير حين أجدهم كانت له خاصة لانها لم يوجع عليها المسلمون بخيل ولا نكاب واما منقولات اموال بني النضير فحملوا منها ما حملته الابل غير السلاح كما صالحهم ثم قسم صلى الله عليه وسلم الباقي بين المسلمين وكانت الأرض لنفسه ويخرجها في نواب المسلمين وكذلك نصف أرض فدك صالح أهلها بعد فتح

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ احادیث میں مذکور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقات کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کئے گئے جیسے مخیریق (سابق) یہودی نے امد کے دن اسلام لائے وقت جباہد کے ہبہ کی وصیت کر دی تھی وہ بنو نضیر میں سات بارغ تھے۔ اور جو کچھ انصار نے پانی سے سیراب نہ ہو سکنے والی زمین آپ کو ہبہ کر دی تھیں اور یہ آپ کی ملکیت تھیں۔ آپ کے حق کی دوسری قسم بنو نضیر کا وہ مال فے (جباہد) ہے جب ان کو جلا وطن کیا تھا یہ آپ کا خاص تھا کیونکہ مسلمانوں نے ان پر گھوڑے نہیں دوئے اور نہ شکاری کی تھی۔ سب بنو نضیر کے اموال منقولہ تھے بنو نضیر کے علاوہ بنو نضیر نے اونٹوں پر لاوا۔ جتنی مقدار اونٹ اٹھا سکتے تھے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح کی تھی۔

اور باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اور زمین اپنے قبضے میں رکھی۔ اور آپ اس کی پیداوار کو مسلمانوں کی مشکلات میں خرچ کرتے تھے۔ اسی طرح خیبر کی فتح کے بعد فدک والوں نے آدمی زمین بطور صلح دے دی وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خالص قبضے میں تھی اسی طرح داوی قرنی کیساتھ



خبر علی نصف ارضها وکان خالصاً له  
 صلى الله عليه وسلم وكذلك ثلث  
 ارض وادی القری اخذه فی الصلح حین  
 صلح اهلها الیہود وكذلك حصان  
 من حصون خیبر وها الوطیخ واصلح  
 اخذها صلحاً الثالث سهمه من خمسة  
 خیبر وما افتتح عنوة - انتهى مقام الحاجة  
 (نوی شرح مسلم ص ۹۲)

آپ کے پاس تھا جو یہودیوں نے بطور صلح دیا تھا۔  
 اسی طرح خیبر کے قلعوں میں سے دو قلعے و طیخ اور  
 بلالہ بطور صلح آپ نے لیے تھے۔ آپ کا حصہ سوم  
 خیبر کا خمس تھا اور ان کا خمس جو علاقے شوکت و غلبہ  
 سے فتح ہو گئے تھے۔)

اس عبارت سے صاف روشن ہے کہ مال متنازع فیہ یعنی زمین فدک منجملہ اموال و اراضی فے حق  
 خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خریدی ہوئی یا کسی کی ہبہ کی ہوئی نہ تھی اور ہماری غرض اس وقت اتنی  
 ہے کہ زمین فدک منجملہ اراضی فے حق ہے یا نہیں اس بات کا ثابت کرنا کہ فدک منجملہ فے حق اس غرض سے  
 تھا کہ فدک کو مملوک بنوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کئے جو میراث کا احتمال ہو یا ہبہ کا کسی کو خیال ہو  
 پناچہ اشار اللہ عنقریب ہی یہ عقدہ حل ہوا چاہتا ہے تو بہ نسبت حقوق خمس بھی اب کسی کو خیال  
 ملک کی گنجائش نہ رہیگی کیونکہ مصارف خمس اور مصارف فے حق ایک ہی ہیں۔ ادھر اندازہ بیان ایک ہے۔

آخر عبارت یہ ہے  
 له فكانت هذه كلها ملكا لرسول الله  
 صلى الله عليه وسلم خاصة لاحق فيها لحد غيره  
 لكنه صلى الله عليه وسلم كان لا يثربها بل ينفقها  
 على اهلها والمسلمين وللمصالح العامة وكل  
 هذه صدقات محرمات التملك بعده -  
 والله اعلم (شرح مسلم ص ۹۲)

یہ سب اموال و اراضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملکیت  
 تھیں کہ ان میں کسی کا حق نہ تھا لیکن حضور علیہ السلام علی الخصوص  
 خود خرچ نہ کرتے تھے بلکہ اپنے عیال پر اور مسلمانوں پر اور  
 ضروریات عامہ میں خرچ کرتے تھے یہ کل صدقات وہ  
 ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد کسی کا بطور وارث و وصی نہ  
 مالک بننا جائز ہے۔

عبادت کے آخری الفاظ محرمات التملك بعدہ مدعی پر واضح دلیل ہیں اور یہ کہ ملکیت بنوی صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے مراد خصوصی حق تصرف ہے۔ ۱۲ مہر محمد۔



فے میں اگر تین لام (داخل برحقین) تھے تو یہاں بھی وہی تین لام آیت میں موجود ہیں۔ دیکھ لیجئے۔  
 وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ  
 لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ  
 وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

معا جوں اور مسافروں کے واسطے۔

(پٹ انفال ۵۷)

غرض وہ دلائل جن سے فے کا غیر مملوک ہونا ثابت ہوگا انہیں دلائل سے غس کا غیر مملوک ہونا نکلتا ہے۔ ہاں بہ نسبت اموال موہوبہ الیتہ یہ خیال بجل ہے لیکن اول تو بعد ثبوت حیات جہانی حضرت رسول الثقلین و ظہور خصوص خطاب یُوَصِّصُكُمُ اللّٰهُ بنسبت امت مرحومہ مملوکیات اموال موہوبہ وغیرہ شیعوں کو کچھ مفید نہیں۔ یا میں ہمہ ہم سے ظاہر بین اگر اسے ہی ملک و محل میراث سمجھیں تو سمجھیں یہ حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ملک کو اولاً وبالذات اپنی ملک نہیں سمجھ سکتے ورنہ ان کی وہ حقیقت شناسی پھر کس دن کے لیے ہوگی۔

دو وجہ کمال محفل انبیاء علیہم السلام اپنے مقبوضہ اموال کو مال مستعار | اول تو یہ بات کہ ملک خداوندی اور ملک سمجھتے ہیں اور مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہوتی | عباد میں وہ نسبت ہے جو ملک مالک اصل اور قبضہ مستعیر میں ہوتی ہے دیکھنے والوں کو ان اوراق سے عیاں ہو جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات انبیاء پر خاص کر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ اجمعین پر اسی طرح واضح تھی جیسے آفتاب نیمروز۔ پھر وہ کس طرح اموال مقبوضہ کو اپنا مال سمجھیں جو حقوق وراثتی اس میں گنجائش نظر آئے۔ یہ بات اپنے مال میں ہوتی ہے مال مستعار میں نہیں ہوتی۔ ہاں امتیوں کی نظر ایسی تیز نہیں ہوتی جو ایسے حقائق دقیقہ کو سمجھیں وہ اس بات میں مثل اطفال خورد سال ہوتے ہیں کہ کسی بڑے بیگانے کی چیز بھی ملے۔ اتنی ہے تو آپ کے دینا تو کجا مالک چیز بھی اگر لینا چاہے تو وہ گریہ زاری کریں۔ جس سے مالک ہی کو یہ تم لوہی اور نرک طلب کرنی پڑے۔

بالجملہ وجہ کو تاہ نظر فی امت۔ خداوند کریم چشم پوشی فرماتے ہیں اور میراث کے جاری ہونے سے منع نہیں فرماتے۔ ہاں انبیاء کو بوجہ کمال محفل ایسی مہٹوں کی گنجائش نہیں جو ان کے لاجو تک پہنچے علاوہ بریں بہرہ مخیر لقی یہودی بوجہ اعتقاد رسالت تھا۔ اس صورت میں یہ بہرہ حقیقت میں نظر خداوندی



ہو اور وہی حاصل نکل آیا جو بر نسبت اموال فتنے بشارہ کلمہ فلیثہ معروض ہو چکا ہے۔ الغرض جیسے یہ طفل خور و سال کو ان کے والدین کی وجہ سے اگر کچھ ہبہ کیا جاتا ہے تو ان کے والدین ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے ایسے ہی ہبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوہر اعتقاد مذکور نذر خداوندی سمجھا جائے گا۔

(فدک مال فتنے ہے۔ شیعہ سے اس کا ثبوت) [خیر یہ بات تو ہو چکی اب عبارت کلینی بھی دیکھئے جس سے فدک کافے ہونا شیعوں کو اپنے اعتقاد کے موافق بھی ظاہر ہو جائے تو دفع الزام شیعہ کے لیے اہل سنت کو اپنی ہی روایات کافی نہیں اور قبل ثبوت غلطی روایات محدثان و مؤرخان اہل سنت پھر شیعوں کو گنجائش دہرنی نہ تھی۔ کلینی کے باب الفی والافتال وتفسیر الخمس و حدودہ میں یہ روایت ہے۔

(شیعہ سند سے روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظم ہمدی کے پاس یہ دعویٰ لے کر آئے کہ امیر المؤمنین ہمارا حق ہمیں کیوں نہیں دیا جاتا؟ ہمدی نے کہا وہ کیا ہے تو فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر جب فدک اور اس کے مضافات کو فتح کیا جس پر مسلمانوں نے شک و کشتی نہیں کی تھی تو اللہ نے یہ آیت اپنے نبی پر نازل کی کہ رشتہ دار کو اس کا حق دو (علائے آیات ملکی ہیں) تو حضور علیہ السلام نہ جان سکے کہ وہ رشتہ دار کون ہیں۔ پس مراجعت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں جبریل علیہ السلام سے جبریل علیہ السلام نے اللہ سے جا کر پوچھا تو اللہ نے وحی بھیجی کہ یہ فاطمہ کو دے دو تو حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فدک تجھے دے دوں حضرت فاطمہ نے کہا کہ میں نے اللہ اور آپ کی طرف سے قبول کر لیا۔ حضور کی زندگی میں حضرت فاطمہ کے وکیل قابض ہے۔ جب ابو بکر خلیفہ ہوئے تو

عن علی بن محمد بن عبد اللہ عن بعض اصحابنا و اظنہ السیادی عن علی بن اسباط قال لما ورد ابو الحسن موسیٰ علیہ السلام علی المہدی راہ یرد المظالم فقال یا امیر المؤمنین ما بال مظالمنا لا ترد فقال له وما ذاک یا ابا الحسن قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ لما فتنہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک و ما والاہ سلم یوجف علیہ بنیل و لا رکاب فانزل اللہ علی نبیہ و آت ذالقربی حقہ فلم یدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ہم فراجع فی ذلک جبریل علیہ السلام و راجع جبریل ربه فاوحی اللہ الیہ ان ادفع فدک الح فاطمة علیہا السلام فدعاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال



لَهَا يَا فاطمة ان الله امرني ان ادفع اليك  
 فذك فقاتلت قد قبلت يا رسول الله  
 من الله ومنك فلم يزل وكلاتها  
 فيها حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 فلما ولي ابو بكر اخرج عنها وكلاتها  
 فاسته فسالته ان يرد لها عليها  
 فقال ائيتني باسود واحمر يشهد لك  
 بذلك فجات يا امير المؤمنين عليه  
 السلام وام ايمن فشهدا لها فكتب  
 لها بترك التعرض فخرجت و  
 الكتاب معها فلقبها عمر فقال  
 لها ما هذا معك يا بنت محمد  
 قالت كتاب كتبه لي ابن ابي قحافة  
 قال ائتيه فابت فانتزعه من  
 يدها ونظر فيه ثم تفل  
 فيه ومحاه وخرقه فقال لها  
 هذا لم يوجف عليه ابو جليل  
 ولا ركاب فضعى الحبال في رقابت  
 فقال له المهدى يا ابا الحسن حدها  
 لي فقال حد منها جبل احد  
 وحد منها عریش مصر وحد منها  
 سيف البحر وحد منها دومة  
 الجندل فقال له كل هذا قال

ان وکیلوں کو یہ دخل کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ واپس لوٹ گئیں  
 حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا کہ  
 کالا اور گورا گواہ لاؤ۔ آپ امیر المؤمنین اور ام ایمن  
 کو لائیں انہوں نے گواہی دی ابو بکر صدیقؓ نے لکھ  
 دیا کہ فاطمہؓ سے ذک کے معاملے میں نزاع نہ کیا جائے  
 آپ خط لے کر ہی تھیں تو عمرؓ نے تو پوچھا یہ کیسے؟  
 فرمایا ابن ابی قحافہؓ نے لکھ کر دیا ہے عمرؓ نے کہا مجھے  
 تو دکھاؤ آپؓ نے انکار کیا تب حضرت عمرؓ نے جبین  
 لایا اور دیکھ کر اس میں محسوس کیا اور نوشتہ مٹا کر پھاڑ  
 دیا اور کہا یہ وہ جائداد ہے کہ اس پر آپ کے والد بزرگوار  
 نے لشکر کشی نہیں کی تھی تو ہماری گردن میں رہی ڈال  
 دے تو مہدی نے کہا اے ابو الحسن! مجھے ذک  
 کی مدد ہی بتائیں تو انہم نے فرمایا ایک سزا اُمید  
 کا پھاڑ ہے دوسرا مصر کا عریش ہے ایک کنارہ  
 رسیف البحر ہے اور دوسرا کنارہ دومة الجندل  
 ہے (یعنی سلطنت حبشی کا تقریباً سارا قبضہ)  
 مہدی نے کہا یہ سب؟ انہم نے فرمایا ہاں اے امیر المؤمنین  
 یہ سب وہ ہے جس پر رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 کوئی لشکر کشی نہیں کی تھی مہدی نے کہا یہ تو بہت  
 ہے اچھا غور کروں گا (انتہی)



لَعَمْرُايَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اِنَّ هَذَا كَلِمَةٌ  
مَعَالِمٌ يُوَجِّفُ عَلَى اَهْلِ رِسُولِ اللّٰهِ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخِيلٌ وَلَا ذَكَابٌ

فَقَالَ كَثِيرٌ اَنْظِرْنِيهِ - اَنْتَهَى - (كافي كليثی ص ۵۴۳ مطبوعہ قہران)

اس روایت بے سروپا ہے اگرچہ بطور مشتبہ نمونہ از ضرور سے حسن و خوبی دیگر روایات شیعہ عیاں ہے۔  
اہل بیت کا فقر، دم و فوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک ایسا (محضی) نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ پھر اس پر دیکھو  
بحدود مذکورہ کرنا عمدہ سلطنت کا اس وقت اقرار کرنا ہے مگر ہم کو شیعوں کی تغلیط سے اس وقت کچھ مانع  
نہیں آتا جو یوں کہتے کجا فذک کجا کجا یہ حدود؟ کجا اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کجا یہ ثروت؟  
اس وقت ان کی محکمہ صلیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاریب فذک منجملہ فے اور از قسم مہتاکہ  
يُوجِفُ عَلَيْهِ بَخِيلٌ ہے۔

دارا رضی فے کسی کی مملوکہ نہیں بلکہ شاد | لیکن جب قریہ فذک کا منجملہ اموال فے ہونا بشادت  
خداوندی اس کی آمدنی قابل ملک ہے | کتب فریقین ثابت ہو گیا تو اب اس بات کا اثبات  
باقی رہا کہ اراضی فے قابل تعلق ملک نہیں۔ البتہ مثل اوقاف ان کی آمدنی قابل تعلق ملک ہے اس لیے  
یہ گزارش ہے کہ خداوند کریم اپنے کلام صادق میں یہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللّٰهِ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ فَمَا  
اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا بَكَاِبٍ  
وَالِیْكَ اللّٰهُ یُسَبِّطُ رُسُلَهُ عَلٰی مَنْ  
یَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ  
وَمَا آفَاءَ اللّٰهِ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ  
الْقُرْبٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

(اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ اپنے رسول پر ان سے جو  
تم نے نہیں دوئے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ  
ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر  
چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔  
جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بقیوں والوں سے سو اللہ  
کے واسطے اور رسول کے اور قرابت والے کے اور قریوں کے اور محبت جوں

لے شیعہ کی روایت مذکورہ اگرچہ بے سروپا ہے لیکن ہمارے لیے مفید مطلب ہے۔ کیونکہ خلفاء راشدین کی حدود  
مملکت کی وسعت اور عمدگی پر دلالت کرتی ہے۔ ۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی۔



وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ ۚ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ كَذَلِكَ يُكُونُ  
دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ وَبَيْنَ الْفُقَرَاءِ ۚ وَمَا أَتَاكُمُ  
الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ  
لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ  
دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا  
مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ  
أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۚ وَالَّذِينَ  
تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ  
مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَيُبَدِّلْنَ فِي  
صُلُوبِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا  
وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ  
بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ  
يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيُخْرِجْهُ  
مِنْ أَيْنَ شَاءَ ۚ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ  
رَبُّنَا إِغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ  
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي  
قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ  
رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (٢٥ حشر)

(مَا أَفَاءَ اللَّهُ فِيكُمْ مِمَّا كَفَرْتُمْ)

(جانبی اور غیر منقولہ مراد ہے)

نہیں کیونکہ ما ایک کلمہ مبہم ہے۔ بغیر زوی العتول میں عام سے عام اور خاص سے خاص پر بول سکتے ہیں۔  
اگرچہ باعتبار مفہوم کلمہ ما مع صلہ اس خاص کو کلی ہی کہیں مگر جیسے انحصار فی فرد واحد کلیت مفہوم

کے اور ماساقر کے تاکہ نہ آئے لینے بیٹے میں دولت  
مذوں کے تم میں سے اور جو تم کو رسول ہوئے لو  
اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو اور ڈرتے رہو  
اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ واسطے  
ان مفسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے  
آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے  
آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی اور  
مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ  
وہی ہیں سچے۔ اور جو لوگ جگہ پکڑے ہیں اس گھر میں  
اور ایمان میں ان سے پہلے وہ محبت کرتے ہیں اس  
سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے  
اپنے دل میں تنگی اُس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے  
اور مقدم سکتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ  
پوچھنے اور پافا۔ اور جو کوئی بچا یا گیا اپنے جی کے  
لاچ سے سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے اور واسطے  
ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اسے  
رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے  
داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں  
بیر ایمان والوں کا ہے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان

جو لوگ کہ سیاق و سباق آیات مسطورہ سے واقف ہیں وہ خوب

جانتے ہیں کہ مَا أَفَاءَ اللَّهُ سے مراد اراضی ہیں۔ احوال منقولہ



(فے میں مصارف کی تفصیل) | چنانچہ آیت ثانیہ میں جو مصارف و اموال فے کی تفصیل بیان فرمائی تو بعینہ یہ بات اس سے نکلتی ہے فرماتے ہیں۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ



چونکہ خداوند کریم کھانے پینے کا محتاج نہیں۔ اور کوئی خاص مصرف مصارف خیر میں سے ایسا نہیں کہ اسی کو خدا کا مصرف کہہ سکیں اور سوا اس کے اور مصارف خیر کو نہ کہہ سکیں اس لیے کلمہ فلنہ فقط اسی جانب مشیر ہوگا کہ اموال فقے ملک خاص خداوندی ہے یعنی باعتبار نظام جیسے اور اموال کو جو بیع شرار وغیرہ اسباب ملک سے حاصل ہوں باوجود مملوکیّت خداوندی اور ول کا مملوک بھی کہتے ہیں اس طرح اموال فقے میں سوا خداوند مالک الملک اور ولکی طرف انتساب درست نہیں ہاں اگر خداوند پاک نعوذ باللہ منہ نخور و نوش کا محتاج ہوتا یا مصارف خیر میں یہ تفریق ہوتی کہ یہ خدا کا مصرف ہے اور یہ نہیں تو البتہ پھر مثل اصناف باقیہ خداوند کریم بھی حصہ ششم کا شریک ہوتا مگر جیسے خدائے پاک کا خور و نوش سے پاک ہونا ظاہر باہر ہے ایسے ہی عدم تخصیص بھی کسی مصرف کے لیے سب کے نزدیک مسلم اگر نیت اچھی ہے تو جیسے مسجد کا بنانا مثلاً خدا کا کام ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ اصناف باقیہ کو بھی بشرط نیت خیر کھلانا پلانا خدا ہی کا کام ہے۔ اس صورت میں مفاد کلمہ فلنہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ خانہ مالکیّت میں باعتبار ظاہر بھی خدا ہی کا نام لکھا جائے۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فقے میں دو متوسط | اس کے بعد فرماتے ہیں وَلِلّٰہِ سَوْلٌ وَلِلّٰہِ حَصْلٌ ہے یعنی آپ متولی بھی ہیں اور مصرف بھی) الْقُدُّی الْمَعْرُضُ لِعَدْلَامِ فَلَمْ يَدُولْمُ اور موجود ہیں جن سے اہل فہم کو بعد مرتبہ مالکیّت دو اور مرتبوں کی خبر ملی جس میں سے مرتبہ استحقاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ استحقاق خداوندی سے کم اور مرتبہ استحقاق ذوی القربی وغیرہم سے زیادہ ہونا چاہیے سوا ایسا مرتبہ جو متوسط بین المرتبتین اور بمقتضائے توسط ذوجہتیں ہو وہ تو مرتبہ تولیّت مع مصرفیت ہے کیونکہ لمجاظ تولیّت تو مرتبہ فوقانی یعنی مرتبہ مالکیّت سے جو مشابہ ہے خداوند مالک الملک ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور لمجاظ مصرفیت مرتبہ استحقاق اعتیاج کے ساتھ مشابہ ہے جو ذوی القربی وغیرہم کے کے ساتھ مشابہ ہے اور یہ مرتبہ متوسط شان رسالت کو مناسب بھی ہے۔ اس لیے کہ کلمہ رسول ایک تو معنی خلافت و نیابت خداوندی پر دلالت کرتا ہے جس کے لیے تولیّت کا ہونا بجائے خود ہے اس کے لیے شاہد کی ضرورت ہے تو سینے کے

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تولیّت کی مثال) مسجد خدا کے لیے مخصوص ہے بایں ہمہ لوجہ خلافت حضرت آدم علیہ السلام سجدہ بن گئے اگرچہ ان کا سجدہ ہونا ایسا تھا جیسا اب خانہ کعبہ سجدہ (جہت سجدہ) ہے۔



یعنی جیسا کسی نے کہا ہے ع قبلہ کو اہل نظر قبلہ نہا کتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام مثل دیوار کعبہ مکرمہ قبلہ جہت وتوجہ الی اللہ میں۔ بالذات خود سجد نہیں یغرض جیسے حضرت آدم علیہ السلام قائم مقام اور خلیفہ علیم وعلام ہوئے اور اس وجہ سے آداب عبودیت باعتبار ظہر ان کے لیے ایسی طرح تجویز کئے گئے ہیں جیسے قائم مقام حاکم بالادست کے لیے آداب منہ بالادست تجویز کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ قائم مقام حال کسی عمدہ ماتحت سے برائے چندے اس عمدے پر آیا ہوا ایسا ہی قائم مقام خدائے مالک الملک کے لیے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مرتبہ تولیت اموال خاص مملوکہ خدادندی جو خلافت مالکیت ہے مقرر ہوا اور آداب مرتبہ مالکیت یعنی مضمون جملہ۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (اور جو تم کو رسول سولے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو)

جس سے آپ کا (قائم مقام ہونے کی وجہ سے بطور نیابت) ہر طرح مختار ہونا اور باختیار خود تصرف کرنا اور اوروں کا آپ کے سامنے (اختصاصیت اور وصولی احکام میں) دست نگر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ آپ کے لیے تجویز کیا گیا۔ اظہار ہے کہ آداب مالکیت ہی دست نگر ہی اور چوں وچرا کا اس کے سامنے نہ کرنا ہے۔ باقی یہ فرق کہ یہاں قائم مقامی لمجاظ مالکیت ہے اس کے لیے یہی قرینہ بہت ہے کہ اموال کی نسبت فلیئذ شر مایا ہے۔

(آیت اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت اور علم میں نیابت خلافت پر دلالت کرتی ہے) بھی اور مولیٰ قرآنی میں مخرج ہے چنانچہ جملہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (پس اللہ ع ۸) حکم مانو البتہ اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں) اس نیابت و خلافت خاص کر خلافت علم پر دلالت کرتا ہے۔ حکومت کی خلافت کا ہونا تو خود ظاہر ہے۔ ہاں خلافت علم شاید اس آیت سے سمجھ میں نہ آئی ہو اس لیے یہ عرض ہے کہ منشاء حکومت و امر وہی خود بھی علم مصلح اور مضار مامور ہوتا ہے چنانچہ طبیب کی اطاعت اسی وجہ سے سر دھرتے ہیں۔ اس لیے جو حاکم کہ مصلح و مضار رعیت سے واقف نہ ہو۔ اور اگر واقف ہو تو علم مصلح و مضار کے موافق امر وہی نہ فرمائے ہر کس و نا کس اس کو قابل عزل سمجھتا ہے اور بوجہ ظلم اس کی حکومت کوئی راضی نہیں ہوتا۔



اس امت کے لیے سجدہ تعظیمی

ممنوع ہونے کی حکمت

ہاں جیسے بیمار کو بخیاں صنعت و ناتوانی بوجہ اندیشہ مضرت و ازدیاد مرض  
اس کے پیروں اور مال باپ وغیرہ محذومان ذوی الاحترام اپنی  
تعلیم و توقیر سے منع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایام  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایشیاء روزگار اور امت مرحومہ کو بوجہ صنعت عقول اپنی اس تعلیم سے جس کو سجدہ  
کیئے اور بدوئے انصاف بوجہ خلافت تامہ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ آپ اس کے مستحق  
تھے منع فرمایا تاکہ یہ تعلیم انجام کار موجب شرک نہ ہو جائے جو امراض روحانی اور قلبی میں سب سے بڑا  
مرض ہے۔

بایں ہمہ آداب عمدہ اگر کسی وجہ سے کسی زمانہ میں وہ نہ رہیں جو اول مقرر تھے تو کچھ حرج نہیں  
خود عمدہ اور اس کی کارگزاری چاہیے خاص کر جب کہ عمدہ دار خلافت و نیابت و ولی عمدہ خود  
آداب مسند کو بایں لحاظ موقوف کر دے کہ کوئی مجید کو بادشاہ سمجھ لے۔ تو اس صورت میں یہ بات تو نظر  
بادشاہ میں موجب مزید رخصت ولی عمدہ و خلیفہ و نائب ہوگی کو ظاہر بینان کم فہم کیفیت ظاہرہ کو  
دیکھ کر کچھ اور سمجھ بیٹھیں۔ الغرض اگر بعض آداب مسند خلافت مفقود ہیں تو کچھ حرج نہیں کار عمدہ  
خلافت موجود ہے۔

(خلافت کے ساتھ تولیت ایک لازم شجرہ ہے) اور اجماع تولیت ہے۔ کیونکہ مالکیت قبض و

و تصرف و اختیار و ادو و دہش ہوتا ہے تو تولیت میں یہ سب موجود ہے اس لیے باقتضا مغموم  
رسالت جیسے اقرار خلافت ضروری ہے ایسے ہی تسلیم کار عمدہ خلافت یعنی تولیت بھی لازم ہے  
علاوہ بریں بحیث خلافت، جیسے بحیث اور نذر تحت نشینی ہر نذر بازار سے نہیں لی جاتی بلکہ اراکین  
سلطنت اور رؤسار بادشاہت سے لی جاتی ہے۔ ایسے ہی سجدہ خلافت ملائکہ سے لیا گیا جو ملائکہ  
درگاہ والا خداوندی تھے اوروں سے نہ لیا گیا۔

مگر چونکہ تاکید سجدہ مذکور بایں وجہ زیادہ ہوئی  
کہ ایشادت جملہ سخن نسیم محمد ک  
و نفدتس لک خود ملائکہ منصب خلافت  
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کار رسالت ہی کے کام میں  
مصرف و مقید رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مال فخر کے  
ذریعہ آپ کے مصارف کا انتظام فرمایا)

کے امیدوار تھے اور اس وجہ سے ان کا سجدہ اوروں کے رفع اشتباہ کے لیے کافی ہو گیا تو اب



اس کی بھی حاجت نہ رہی کہ اولاد بنی آدم کو ملائکہ سجدہ کریں کیونکہ وجہ تکرار خیال فضیلت نوع ملک مفضولیت نوع بشر تھا جب وہ خیال ہی نہ رہا۔ تو اب کیا حاجت ہے۔ نوع وہی کی وہی ہے۔ باپ ہو یا بیٹا ہو اس صورت میں یہ تکرار ایسا ہو گا جیسا فرض کریں اس شخص سے جس کی فضیلت اور لیاقت سلطنت میں کسی کو تامل ہو بعد تسلیم ہر روز وہ شخص بیعت کیا کرے بالجملہ رسالت و نیابت کے لیے بعد حضرت آدم علیہ السلام سجدہ کی حاجت نہیں۔ مگر جیسے رسالت کو خلافت لازم ہے اور کیوں نہ ہو اگر بادشاہ کسی شخص کو سفیر احکام مقرر کرے تو اسی سفیر کی اطاعت بادشاہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ اور ہی کو خلافت کہتے ہیں ایسے ہی مضمون رسالت اس بات کو مقتضی ہے کہ رسول اپنا کام تا اشتغال کار رسالت نہیں کر سکتا اور ظاہر ہے کہ مضمون رسول ہر دم و ہر آن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا جاتا تھا۔ باقی رہا سونا کھانا پینا وغیرہ اگرچہ نظام کار رسالت سے کچھ علاقہ نہ رکھتا ہو مگر بایں لحاظ کہ یہ نہ ہوں تو پھر کار رسالت ادا ہونا بھی معلوم۔ ان سب باتوں کو رسالت کا موقوف علیہ اور محتاج الیہ کہنا ضرور ہے اور کسب معیشت چونکہ مثل خراب و خورش و نوش و لازم بشریہ میں سے نہیں چنانچہ ہزاروں کو بے کھائی ملتا ہے اور اگر کھائی سے ملتا بھی ہے تو کسی کو نئی ٹھنگ کی کھائی سے ملتا ہے۔ اس لیے اس کو منجملہ مبادی و مقدمات کار گزار می رسالت نہیں کہہ سکتے اس لیے اس کا ترک کرنا ضرور پڑا اور موافق وعدہ صادقہ مَن كَانَ لِلّٰهِ كَانَ لِلّٰهِ لَآ حِيسَ فِي طَرَفٍ آيَتِ كَرِيمَةٍ۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ  
مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ ذَرْقٍ وَمَا أُرِيدُ  
أَنْ يُطِيعُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّزَاقُ ذُو الْقُوَّةِ  
الْمُتِينِ (پک ۱ ذریت ۳۷)

اور میں نے جن و انس کو پیدا کیا ہے جن کو آدمی سوا اپنی بندگی  
کو میں نہیں چاہتا ان سے روزیہ اور نہیں چاہتا کہ  
مجھ کو کھلائیں۔ اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے  
والا زور آور مضبوط)

بالغ وجہ مشیر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نان و نفقہ خدا تعالیٰ نے ذمہ بٹھرا۔ اور کیوں نہ ہو یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو کسی کے کام میں مجبوس رہتا ہے اس کا نان و نفقہ اسی کے ذمہ ہوتا ہے بی بی کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ اور غلام کا نان و نفقہ مولیٰ کے ذمہ اسی وجہ سے ہے۔ سو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے کام میں مصروف اور مجبوس ہوئے تو آپ کا نان و نفقہ خدا کے ذمہ کیوں نہ ہو اس تقریر سے جملہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ لِيَعْبُدُونِ اور جملہ إِنَّ اللَّهَ هُوَ



الرِّدَّاقُ ذُو الْقُرْبَى الْمَتَّيْنِ میں باہم ارتباط معلوم ہو گیا ہو گا۔ اور نیز یہ بات بھی اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ جیسی تولیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کی اس اصناف کا پر تو ہے جو مرسل بصیغہ اسم فاعل یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جس کے طفیل میں خلافت مشاء الیہ حاصل ہوئی۔ ایسے ہی احتیاج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کے باعث نان و نفقہ کی ضرورت ہوتی اس اصناف کا پر تو ہے جو مرسل الیہ یعنی امت کی طرف ہونی چاہیے۔ جس کے باعث اشتغال مسطور لازم آیا۔ بالجملة حکم تو سطر متبہ رسالت اموال خاص خداوندی کی نسبت آپ متولی ہی ہے اور مصرف بھی مقرر ہوئے اور اس لیے باعتبار تلفظ بھی آپ کو بیچ ہی میں رکھا تاکہ اشعار شریعت مطابق اقتضای حقیقت ہے۔

اخراجات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار آپ کے تابع قرار پائے اس لیے ان کو دیگر اصناف سے محکم کب کیا گیا اس کے بعد ذوی القربیٰ کو بیان کیا کیونکہ مصرفیت ذوی القربیٰ یعنی اقربا نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تابع مصرفیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر خاندان اور ہر خاندان میں جانے والا وہ ہوا کرتا ہے جو سب میں لائق فائق ہو اور سوا اس کے سب اس کے دوست تگر ہوا کرتے ہیں۔ سو خاندان نبوت میں سب میں افضل حضرت افضل المخلوقات ہی تھے جب ان کو کار خداوندی میں فرصت کسبت چھت نہ ملی تو یوں کہو تمام خاندان واسے نان و نفقہ کی طرف سے سرسبز ہوئے۔ اس لیے بعد آپ کے ان کا لحاظ کرنا پڑا اس کے بعد اصناف باقیہ میں مساکین اور ابتداء البیل ایسے در ماندہ نہیں ہوا کرتے جیسے یتامی ہوا کرتے ہیں کیونکہ مساکین کھا تو سکتے ہیں اور پھر مساکین بہ نسبت انبار البیل زیادہ در ماندہ ہوتے ہیں۔ آخر انبار البیل اپنے گھر سے تو خوش ہوتے ہیں ورنہ داخل زمرہ مساکین ہی سمجھے جاتے قسم علیحدہ نہ کی جاتی اس لیے بعد ذوی القربیٰ بہ ترتیب معلوم ان کو ذکر فرمایا اور کیفیت ما اتفق بیان نہ کیا۔

لے ذوی القربیٰ کی تفسیر و مصداق میں چند حوالجات ملاحظہ ہوں تفسیر روح المعانی ص ۲۸۸ پر ہے۔

والمراد بذی القربى قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم والمراد بہم بنو ہاشم و بنو عبد المطلب لانہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع الہم فہم۔  
ذوی القربیٰ سے مراد حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے شہ دار ہیں جو ہاشم کی اولاد سے ہوں اور عبد المطلب کی اولاد سے ہوں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو ہی خنے کا حصہ دیا ہے (باقی حاشیہ ص ۲۳۱ پر)



(ذوی القربیٰ میں القربیٰ کو بغیر  
اضافت ذکر کرنے کی وجہ سے)

بایں ہمہ اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ساری ہی امت کے اقرباء  
ہیں چنانچہ تحقیق مسطور بالا دربارہ اولویت بمعنی اقربیت نبوی صلی اللہ  
علیہ وسلم گذر چکی۔ جس میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نسبت امت مرحومہ اقرب ہونا اور والد  
روحانی ہونا ثابت ہو چکا ہے اس مضمون کے موید ہے اور شاید اس لیے ذی قربیٰ البنی صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ ۲: نیز کچھ آگے فرماتے ہیں: پہلے نزدیک ذوی القربیٰ بنی ہاشم کے ساتھ خاص ہے اور بنی مطلب  
کے ساتھ کیونکہ یہ حدیث ہی ہے البتہ ان کو مستقل حصہ نہ ملے گا نہ مطلقاً (دہر حال میں) دیا جائیگا بلکہ ان کے مہاکین۔ یتامی  
اور مسافروں کو دیا جائے گا کیونکہ وہ ان الفاظ قرآنی میں شامل ہیں لیکن ان اقامت شدہ میں سے بنو ہاشم کو اولیت دی  
جائے گی کیونکہ غفار، شلار، و غیرہ (ایسا ہی کہتے تھے اور) ان کا الگ حصہ نہ نکالتے تھے۔ ہاں وہ خمس قین حصوں میں بانٹتے۔  
ایک حصہ یتیموں کا ایک مسکینوں کا ایک مسافروں کا اور حضرت علی کرم علی وجہ نے اپنے دور خلافت میں ان خلفاء شلار و غیرہ  
کی مخالفت نہیں کی حالانکہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف رکھتے بھی تھے (ایضاً)

۳۔ شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی تفسیری فائدہ میں رقمطراز ہیں: وفات یحییٰ حضرت کے قرابت والوں کے  
چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی جیتے تھے اور ان میں فقیر کی قید بھی نہیں تھی۔  
اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو دولت مند تھے آپ نے حصہ عطا فرمایا۔ اب آپ کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کے قرابت وار جو صاحب حاجت ہوں اہم کو پہنچے کہ انہیں دو حصے محتاجوں سے مقدم رکھے (قرآن پاک ترجمہ)

۴۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر معارف القرآن ۲/۲۸۸ پر تحریر فرماتے ہیں:-  
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ اس مال میں رکھا گیا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔ ذوی القربیٰ  
کو اس مال میں سے مینے کی دو جہیں تھیں ایک نصرت رسول یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
مدد کرنا اس لحاظ سے اغنیاء ذوی القربیٰ کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ پر مال صدقہ حرام نہ کیا گیا ہے تو ان کے فقرار و مساکین کو صدقہ کے بدلے میں مال ملے  
سے حصہ دیا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (آپ کی) نصرت و امداد کا سلسلہ ختم  
ہو گیا البتہ فقرار ذوی القربیٰ کا حصہ بحیثیت فقر و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا اور وہ اس مال میں مسکین  
فقرار و مساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جائیں گے (کنز فی المداہیر) ۱۲ مہر محمد۔



باضاقت نہ فرمایا بلکہ ذوی القربی فرمایا تاکہ اطلاق لفظ عموم قرابت پر دلالت کرے اور بہ نسبت اصناف باقیہ وجہ ترجیح اور علت تقدیم ہمتہ آئے۔ علاوہ بریں کار رسالت ایسا آسان نہیں کہ معین اور مددگار کی حاجت نہ ہو ہزاروں سے مخالفت اور ہزاروں سے مقابلہ اور ایسے آڑے وقتوں میں اقربا رہ ساتھ دیا کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان میں سے کسی کو اپنے کھانے کھانے کی فرصت میسر نہیں آیا کرتی۔ اس لیے ان کے نان و نفقہ کو بھی ایسا ہی سمجھو جیسا نان و نفقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اقربا بنوی صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ رسالت میں معین مددگار  
تھے اس لیے ایسے فنڈ سے ان کا وظیفہ مقرر کیا  
ہے جس میں غامبین کی سعی و عمل کا دخل نہیں)

معاونت و مددگار بنی ہو میں آئی۔ چنانچہ ناظران احادیث پر پوشیدہ نہ ہوگا لیکن جیسے آیت اولیٰ یعنی  
مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِمَّا أَوْفَقْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَا كُنَّ اللَّهُ  
يُسَبِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اموال  
نے بعد اعزاز و قبض بھی خدا ہی کے ملک خاص میں ہیں اور بوجہ عدم اسباب مالکیت بشری اور وہ اس  
اس سے کچھ تعلق نہیں آیت ثانیہ سے اول تو یہ بات روشن ہو گئی کہ وہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
علیہ وسلم کے لیے ملک نہیں ورنہ ذوی القربی اور یتیمی اور مساکین اور انبیا ربیل کو اس سے کیا  
علاقہ تھا۔

(سوال۔ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَبِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ  
سے معلوم ہوتا ہے کہ فائز تسلط سے حاصل ہوا اور  
پیغمبر کا تسلط خلیفہ کا تسلط ہے اور بالبیع لشکر کا)

اللہ علیہ وسلم تو موجود ہے اور تسلط و قبض ہی موجب و علت حقیقی ملک ہے۔

چنانچہ حدیث ملک اول نباتات خورد و خور و حیوانات غیر پروردہ میں اگر ہوتا ہے تو اسی  
قبض سے ہوتا ہے اور بعد ازاں بیع و شرار و اجارہ بہ میراث، وصیت سے اگر ملک حاصل ہوتی  
ہے تو بوجہ حصول قبض حاصل ہوتی ہے۔ غرض اگر قبضہ متبدل ہو جاتا ہے تو ملک بھی متبدل ہو جاتا ہے  
ان اسباب کو اسباب مستقلہ ملک نہیں کہہ سکتے ہاں یہ کہیں کہ اپنا قبضہ ہو یا وکیل عام یعنی خلیفہ و بادشاہ



عاول کا قبضہ ہو۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اپنا ہی قبضہ ہو تو ملک ہو۔ نہیں تو نہیں۔

ہاں اگر خلیفہ وقت کا بھی قبضہ اٹھ جائے اور کفار تسلط ہو جائیں تو پھر ملک کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں مگر تسلط نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اموال فے پر ایشادت آیت فے ہی ثابت ہے۔ اس لیے آپ کی ملک کا اقرار بھی لازم ہے۔ غرض اس تسلط سے یہ دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ اموال مملوکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ کیونکہ ایشادت جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ یہ تسلط اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ تسلط و کالت و رسالت تھا۔

(جواب۔ یہ تسلط ذات نبوی کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نیابت کا تسلط ہے) اور حاصل جواب اس صورت میں یہ ہوا کہ تسلط کو یہ لازم نہیں کہ تسلط ذاتی ہو اگر تسلط من جانب الغیر ہو گا۔ جب بھی اس کا نام تسلط ہی ہو گا۔ اس صورت میں مفہوم تسلط، تسلط ذاتی اور تسلط و کالت دونوں سے عام ہوا بایں ہمہ آیت ثانیہ بھی تسلط و کالت ہی پر دلالت کرتی چنانچہ یہ محروض مذکور جو ابھی لکھ کر فارغ ہوا ہوں اس پر شاید ہے اور فیض مضامین آئندہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ پھر اس تسلط کا موجب ملک (ذاتی) سمجھ لینا کمال خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے۔

العقودہ اول تو جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ یہی اس وہم کا جواب ہے۔ دوسرے آیت ثانیہ سے بھی معلوم ہوا کہ وہم مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ سے ہی ہوتا تھا محض بے جا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک ہوں تو پھر نہ فلان کے کوئی معنی ہیں اور (نہ) مصارف باقیہ کے ذکر کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ بلکہ یہ دونوں کلمے باعتبار معنی مفہوم غلط ہو جائیں گے۔

(جملہ اصناف مصارف از قسم استحقاق مصارف ہیں نہ کہ استحقاق ملک اور استحقاق مضار میں مستحق داد و فریاد نہیں کر سکتے اس لیے تعدد فقر آفرین نہیں) معہذا آیت ثانیہ سے یہ بات ہی واضح ہو گئی کہ مصارف مذکور کو استحقاق دعویٰ مالکیت نہیں ہو سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے

کہ استحقاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک استحقاق مالکیت۔ دوسرا استحقاق مصرفیت۔ استحقاق مالکیت میں ترقیض یا مقتضیات قبض مثل بیع و شرا و غیرہ اسباب مذکورہ کا ہونا ضرور ہے اور اس وجہ سے جہاں قبض یا مقتضیات قبض میسر آجاتی ہیں وہاں مستحق کو داد فریاد کی گنجائش ہوتی ہے۔



اور استحقاق مصرفیت میں ناداری اور افلاس کافی خواہ وہ افلاس بوجہ عدم لیاقت ہو جیسے یتامی ہیں  
ہوتا ہے یا بوجہ عدم مساعداۃ اسباب جیسے مساکین اور انبیا بدیل میں ہے یا بوجہ اشتغال بکار دیکھ جیسے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عرض خدمت کر چکا ہوں اور نیز آپ کے اقرباء کی نسبت معلوم  
ہو چکا ہے۔

بہر حال مصارف مندرجہ آیت مَا أَفَاءَ اللَّهُ کا استحقاق از قسم استحقاق مصرفیت ہے از  
قسم استحقاق مالکیت نہیں۔ اور اس باب میں مصارف مندرجہ آیت فے اور مصارف مندرجہ  
آیت صدقات اعنی إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ اور مصارف مندرجہ آیت ثمن لحنی وَأَعْلَمُوا  
إِنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُصَّةً الخ سب کے سب باہم ہمدش یکدگر ہیں۔  
بالجملہ مصارف مندرجہ آیت صدقات کا استحقاق بالاتفاق از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم  
استحقاق مالکیت نہیں اور اس وجہ فقر اور غیرہ مصارف صدقات کو تو انبیاء کی نالاش کا اختیار نہیں  
اور اغنیاء کو کسی ایک فقیر کے فے میں کما اختیار۔ اس لیے ایک کا فے دنیا بھی موجب سقوط فرض  
ہو جاتا ہے ورنہ جہان کے تمام فقر آؤ مساکین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دنیا باس وجہ کہ حد بشری سے  
خارج ہے کسی سے ممکن نہ تھا اور اس قدر تکلیف دی جاتی تو پھر کسی صاحب زکوٰۃ کی نجات کی  
کوئی صورت نہ ہوتی مگر ایسے ہی مصارف مندرجہ آیت فے کو بھی نالاش و فریاد وغیرہ لازم استحقاق  
و مالکیت کی گنجائش نہیں اور توی کو عطا مال فے میں صنف واحد کی تخصیص کا اختیار۔ کیونکہ بدالالت مضمومات  
عنوانات مصارف مندرجہ آیت فے ان کا استحقاق اگر ہے تو از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم  
استحقاق مالکیت نہیں ہو سکتا چنانچہ بوجہ احسن معروض ہو چکا۔

واللہ رسول میں لام ملکیت کے تسلیم سے تمام اصناف میں اور اس کی تشریح کے لیے یہ اور معروض  
ملک کے لزوم کے علاوہ دو غریبیاں لازم آئیں گی حضور علیہ السلام ہے کہ اگر بالفرض لام للرسول اخبار تو لیت  
نے بلا وجہ ایک جہاں کا مال دبائے رکھا یا اور یہ کہ تمام مصرفیت پر دلالت نہ کرے بلکہ لام ملک  
اصناف کے افراد کی ملک محض و متعین ہو ہو اور مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

دلالت کرے تو اس صورت میں بالضرور لام لذی القربی بھی لازم ملک ہوگا اور مالکیت ذوی القربی اور  
نیز بحکم عطف مالکیت اصناف باقیہ پر دلالت کرے گا۔ اس صورت میں اول تو جناب سید المعصومین



خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض لازم آئے گا کہ ایک جہاں کا حق مدت العمر تک و بائے رکھا۔ تقسیم کر کے اصل زمین کا دنیا تو درکنار آمدنی میں بھی یاد نہ کیا آخر کون کہہ دے گا کہ اموال فذک اور بنی النضیر کو ایسی طرح تقسیم کیا کہ کوئی مسکین اور یتیم اور ابن سبیل اور اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی باقی نہ رہا ہو۔ دو ستر اس صورت میں اموال اور الارضی فے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصناف باقیہ میں مشترک ہوں گے۔ اور مال مشترک میں ضرور ہے کہ سهام بقدر افراد اصناف شریک ہوں اگر فرض کر دے کسی مورث کے مال میں موافق مذہب اہل سنت کچھ ذوی الحروض اور کچھ عصباء شریک ہوں یا موافق مذہب فریقین یوں کیسے کہ اولاد پسری اور دختر ہی شریک ہوں مثلاً۔ تو اس صورت میں سهام بطحاظ حصص و افراد شریک ہوں گے فقط لحاظ عدد اصناف نہ کیا جائے گا۔

العصہ تعادل سهام میں افراد اصناف مندرجہ آیت مذکورہ پر نظر ہونی چاہیے مگر ذوی القربی اور یتامیٰ اور مساکین اور ابن سبیل کے لیے کوئی عدد مقرر نہیں۔ اس لیے سهام مشترک کا کچھ تعین نہیں ہو سکتا اور اقرار ملک اصناف باقیہ میں کوئی صورت نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت اور ملک اموال فے میں ثابت ہو۔

(ہر صورت میں اہل تشیع مال فے سے ہمیشہ محروم رہیں گے | اس سے بھی بڑھ کر اور لیجے لِلْفُقَرَاءِ کیونکہ جملہ اہل مصارف کا صحابہ کے حق میں عاگو ہونا ضروری ہے | اَلْمُهَاجِرِينَ۔ لِذِي الْقُرْبَىٰ سے بدل واقع ہوا ہے۔ اور اس پر بطور عطف یہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ۔  
اور جو لوگ جگہ پر اہل بیت میں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے)

اور نیز بطور عطف ہی پھر یہ ارشاد ہے۔  
وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔  
اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہم سے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں)

اس لیے تابعین سے لے کر قیام قیامت تک جس قدر مسلمان پیدا ہوں اور صحابہ کے دعاگو ہوں ان سب کو اموال فے میں شریک ملک کرنا پڑے گا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ اموال مملوکہ کے



یہ مالکوں کا بالفعل موجود ہونا ضروری ہے۔

جو لوگ ابھی ساحت وجود میں قدم رکھے ہی نہیں پائے وہ کیوں کر مالک اموال مملوک بالفعل ہو سکیں ایسی بات کوئی نادان بھی نہیں کہہ سکتا تو اس پر شیعہ بے وجہ تکرار کرتے ہیں۔ اگر بالفرض اصناف مذکور مالک اموال وارضیٰ بنے ہوتے بھی تو شیعوں کو کیا مل جاتا۔ کلام اللہ میں تو پہلے ہی ان کے محروم کرنے کے لیے یہ قید لگا دی ہے۔ یَقُولُونَ كَيْفَ نَكُونُ اَعْمٰیۤرًا لِّمَا وَلٰجِحُوۡاۤ اِنَّا الَّذِیۡنَ سَبَقْتُوۡنَا بِالْاٰمٰنِ سَوَآءٌ كِیۡ دَعَا كُوۡنٰی بِرَبِّیۡنَا صَحَابَہٗ كَرِہِمُہٗ (تبرازی) سبھی کو معلوم ہے مگر شاید اسی حلقہ میں طعن فہک میں یہ بے ہودہ سرائی ہے۔

داعیاء میں گردش مال کی ممانعت ملکیت خلصہ کی نفی کرتی ہے | علاوہ بریں جملہ گئی لَا یَكُوۡنُ دُوۡلَۃً بَیۡنَ الْاَعْمٰیۤرِ مِنْكُمۡ كُوۡنَہِجِیۡ اسی بات پر شاہد ہے کہ اموال فاعل اصناف مندرجہ آمیت کی مملوک نہیں۔ بلکہ اگر یوں کہیں کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اراضیٰ مذکورہ اصناف مسطورہ بالفعل تو کیا مملوک ہوتے۔ آئندہ بھی مملوک نہیں ہو سکتے تو بجا ہے۔ اس لیے کہ در صورت تمسک اغنیاء میں متداول ہو جانا تو قریب الوقوع ہے۔ اس لیے کہ فقیروں کی اولاد کبھی غنی ہو جاتی ہے۔ سو اگر فقیر کو مالک کہیں تو ان کی اولاد کا ان کے انتقال کے بعد ان اموال کا مالک ہو جانا بوجہ میراث لازم ہے اور متداول مذکور کا وقوع میں آنا ضرور۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات عموم الفاظ کے مخالفت ہے۔ اگرچہ بظاہر غرض اس جملہ سے فقط اتنی معلوم ہوتی ہے کہ خلیفہ وقت مثل سرداران زمانہ جاہلیت اس قسم کے اموال کو اپنا حق خاص نہ سمجھ لیں۔ ان تمام مضامین سے اراضیٰ فاعل کا بالفعل غیر مملوک ہونا بلکہ بعض سے تو آئندہ کو بھی غیر مملوک ہونا ظاہر ہو چکا۔

د اموال منقولہ میں انتفاع بغیر قبض تام ممکن نہیں | اب لازم یوں ہے کہ فرق اموال منقولہ وغیر منقولہ ظاہر کیا جائے تاکہ بعض شبہات محکمہ کسی کم فہم کو حیران نہ کریں اس لیے یہ معروض ہے کہ لام لدی القربیٰ اور لام للرسول لمجاظ جہت ثانیہ یعنی جہت مصرفیت لام انتفاع ہے لام ملک نہیں۔ چنانچہ خود مضمون مصرفیت اس کے لیے شاہد ہے اور وجوہ مذکورہ بالا ان کے مالک نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر اموال منقولہ سے انتفاع اگر متصور ہے تو جہی متصور ہے جب کہ اپنے ہاتھ میں آجائیں۔ روٹی کا کھانا اور کپڑے کا پہننا اور ہتھیاروں سے مدافعت دشمن قبل قبض ممکن نہیں۔ پھر



جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ اموال فنی بشارات فلیثم مملوک خداوندی مالک الملک ہیں اور اہل مصرف کے نفع کے لیے مقرر۔ پھر بایں ہمہ قبض اہل مصرف مستحق ہو گیا تو اس صورت میں اموال فنی اور مافی الارض میں کیا فرق رہ گیا۔ وہ بھی بشارات لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بشارات وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خدا ہی کی ملک تھی اور پھر بشارات خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیعًا ہی آدم کے نفع کے لیے مخلوق۔ اس لیے کہ لَام لَكُمْ لَام نفع و انتفاع ہے۔ لام ملک نہیں۔ چنانچہ بری ہی ہے۔ وہاں جیسے علت تامہ ملک عباد قبض تامم مستحکم تھا۔ یہاں بھی قبض تامم مستحکم موجب ملک ہو گا مگر قبض تامم ہی ہے کہ پہلے کسی اور کا قبضہ نہ ہو چکا ہو اور ہو چکا ہو تو معاوضہ قبض ہو چکا ہو جیسے بیع و شراء وغیرہ میں ہوا کرتا ہے ورنہ پھر وہ قبضہ یا توقبضہ امانت ہو گا یا قبضہ غصب۔ سو قبضہ امانت توقبضہ مالک ہی کا پر تو ہے۔ قبضہ تامم اگر کیئے تو اس کے قبضہ کو کیئے کیونکہ مالک کو امین کے قبضہ کے اٹھا لینے کا اختیار ہے۔ امین کو قبضہ مالک کے اٹھا لینے کا اختیار نہیں۔ اور قبضہ غاصب گو قبضہ مالک کا پر تو نہیں پر قابض ولایت یعنی خلیفہ وقت کے قبضہ میں ہوتا ہے اور خلیفہ وقت حمایت مالک کے لیے مقرر ہوتا ہے عامی غاصب نہیں ہوتا۔ ایسے قبضہ غصب بھی قبضہ تامم اور قبضہ مستحکم نہیں۔

(اموال غیر منقولہ میں غیر کی تولیت کبھی انتفاع ہو سکتی ہے) مگر قبضہ اہل مصرف اموال فنی پر چونکہ ایسا ہے جیسا قبضہ بنی آدم مافی الارض پر کیونکہ یہ نہ قبضہ امانت ہے نہ قبضہ غصب۔ تو بالضرور یہ قبضہ موجب ملک ہو گا اور کیوں نہ ہو۔ حیوانات صحرائی اور نباتات خود روئیدہ اگر ملک میں آتی ہیں۔ تو بوسیدہ قبض ملک میں آتی ہیں اور ملک سے نکلتی ہیں تو بوسیدہ زوال قبض ملک سے نکلتی ہیں۔ ہاں زمین سے انتفاع اہل مصرف قبل قبض اور بعد قبض دونوں طرح متصور ہے اگر زمین فنی قبضہ متولی میں ہے اور اس کی آمدنی کو متولی اہل مصرف میں تقسیم کرتا ہے تب بھی غرض اصلی حاصل ہے اور خود اہل مصرف کے تصرف میں ہے اور وہ بطور خود اس کا انتظام کر کے اس کی آمدنی کو اپنے صرف میں لاویں تب بھی مقصود ہے۔ بہر حال قبضہ اہل مصرف ضروریات انتفاع میں سے نہیں جو خواہ مخواہ اس کی ضرورت ہو اور جب قبضہ ضروریات انتفاع میں سے نہ ہو تو بشارہ لام اور انتفاع اسکی خواستگاری نہیں ہو سکتی۔ بغرض تولیت یا تحفیف تصدیع متولی ہو تو ہو۔



(مال فے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ  
کاقبضہ بطور متولی محض)

اور ظاہر ہے کہ لام للّٰہِ سُوْلُ جو بوجہ توسط تولیت پر دلالت کرتا  
ہے تو بحیثیت تولیت نیابت و امانت مالک حقیقی پر دلالت کرتا

ہے۔ ملک پر دلالت نہیں کرتا۔ مگر آپ جیسے متولی تھے ایسے ہی مصرف بھی تھے چنانچہ توسط مذکور اس  
پر بھی شاہد ہے اس لیے زمین فے اگر اہل مصرف کے قبضہ میں بھی آجائے گی تو قبضہ امانت یا تولیت  
ہوگا قبضہ انتفاع و ملک نہ ہوگا۔

(اراضی فے کے لیے متولی کا ہونا لازمی ہے مصرف کے کسی ایک  
فرد یا ایک سے زائد افراد پر پیداوار تقسیم کرنا کافی ہے۔)

اماں یہ بات مسلم ہے کہ زمین فے کی  
آمدنی یا غلہ کو متولی چاہیے۔ جمع احصائے  
مصروف بلکہ مجملہ افراد مجملہ اصناف کو اگر بن پڑے تو بانٹ دیا کرے۔ چاہے ایک صنعت کو یا ایک  
فرد کو فے دیا کرے بشرطیکہ قدر عطا معطی کی مایحتاج سے باقی النظر میں زائد نہ معلوم ہو۔ کیونکہ استحقاق  
مصرفیت میں اگر دو شخص برابر بھی ہوں تو یہ ضرور نہیں کہ عطا میں بھی متساوی رہا کریں ورنہ اسی طرح کا  
انصاف اس قسم کے مستحقوں میں حد بشر ہی سے خارج ہے۔

آیت صدقات یعنی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِيْنِ الْخَوَارِجِ اور آیت خمس یعنی  
وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاِنْ كَانَ مِنَ الْخَيْلِ فَلِلْخَيْسِرَةِ وَلِلرَّسُولِ الْخَوَارِجِ اور آیت فے یعنی  
يَهِي مَا آفَاءَ اللّٰهِ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقَرْيَةِ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ الْخَوَارِجِ کے مصارف  
کو دیکھئے تو شرق و غرب و جنوب و شمال میں پھیلے ہوئے ہیں متولی کس کس کو ڈھونڈتا پھر کرے۔  
خاص کر جب کہ مال مقسوم قدر قلیل ہو۔ اس لیے اموال زکوٰۃ اور خمس اور فے کا ہر ہر فرد کو دینا کسی  
کے نزدیک ضرور نہیں۔

(حاصل بحث) اس صورت میں قبضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قریب فذک پر یا قبضہ مرتضوی رضی اللہ عنہ  
برایم خلافت خلیفہ ثانی میں حاصل تھا۔ موجب ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا موجب ملک مرتضوی  
رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتا۔

علیٰ انہا القیاس لبعض قرئی فے کا خرچ خانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہونا  
عائق کے نزدیک دلیل ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتا۔



دفعہ کی بعض آبادیوں کی نسبت حضرت عمرؓ کا فرمان  
كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ  
پہر دلائی کرتا ہے۔ اگر حق ملکیت ہوتا تو وارثوں کو  
اور حق مندرجہ نشینی ہوتا تو یہ آپؐ کے بعد خلفاء کو منتقل ہوتا۔

علیؑ اذ القیاس حضرت عمرؓ کا بعض قریبی  
کی نسبت یہ کہنا کہ كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ  
صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃً اَوْ  
کما قال۔ اختصاص ملک پر دلالت

نہیں کرتا بلکہ اس اختصاص مصرفیت پر دلالت کرتا ہے اور بعض مواقع میں یہ غرض ہے کہ حصہ  
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اموال خمس و فے میں حق مند و سجادہ نہیں جو آپؐ کے جانشین اور پھر آپؐ کے  
جانشینوں کے جانشین ہمیشہ اس کے مستحق رہیں۔ اور نہ حق ملکیت ہے جو بغرض محال اگر موت جہانی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قسم کی فرض کیجئے جیسے ہمارے لیے مقرر ہے تو وارثوں  
کو امید حصہ کشی فراغ ہو۔ بلکہ حق منصب رسالت ہے اس لیے آپؐ ہی کی ذات بابرکات علیہ و  
علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ خاص رہا۔ وارثوں کو بطور ملک دیا گیا نہ خلفاء کو اس میں کچھ دعویٰ  
ہوا۔ اور اگر بالفرض اس مال میں سے جو متعلق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کچھ نہ ملتا بھی تو خلفاء کو  
ملتا۔ اقرباء کو نہ ملتا۔

خلفاء راشدین بھی مال فے پر بطور متولی | کیونکہ اول تو ذوی القربی کے لیے خداوند عادل نے پہلے  
کے قابض تھے ورنہ خود استعمال کرتے | ہی ایک سم مقرر کر دیا۔ دوسرے سم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم  
حق منصب رسالت و نبوت ہوا تو جو خلفاء کار نبوت ہوں انہیں کو ملنا چاہیے اور ظاہر ہے کسی کا  
خلیفہ وہی کام کیا کرتا ہے جس میں وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر مستحق ہوتے تو خلفاء راشدین  
اللہ علیہم اجمعین ہوتے۔ اقرباء نہ ہوتے۔ مگر انصاف اسے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے  
استحقاق کی ایسی نفی کر دی کہ پھر کسی خلیفہ کو ہوس سم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہے۔ ورنہ خود کر دکان زمانہ  
جاہلیت اور افسانہ خوانان دورہ فترت آگے پیچھے اس قسم کی تاویلات شریعہ سے اس سم کو دبا بیٹھتے  
لیکن قدر شناسی بھی اسے ہی کہتے ہیں کہ خضر شیعہ نے نہ عقل کی مافیہ نقل کی سنی۔ اس انصاف پر  
سننے کے بدلے خلفاء راشدینؓ کے حق میں گستاخیاں کر کے اپنی عاقبت خراب کی۔

سوا اس کے آیت اولیٰ یعنی آیت هٰذَا اَوْ جَعَلْتُمْ کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد  
کہ هٰذَا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خاصۃً اور آیت ثانیہ یعنی فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ



وَلِذِي الْقُرْبَىٰ كَوَيْهٍ يُرْجَىٰ كَرِهٍ لِّمَوْلَاكَ أَسَىٰ جَانِبٍ مَّشْرِئٍ كَرِهٍ لِّتَوَلَّيْتَ بِالذَّاتِ جَسَءٍ مَّك  
 مَسْطُوكِيْنَ اور برزخ بین الملک الحقیقی والملک المستعار نام رکھنے فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے  
 ہے۔ یعنی جیسے ملک حقیقی خداوند ملک الملک کو اختیار ہے جسے چاہے غلط کرے جسے چاہے کچھ نہ کرے  
 بوجہ خلافت خداوندی یہ منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے چنانچہ آخر آیت میں یہ ارشاد۔  
 مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ  
 عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ اور جو تم کو رسول سولے لو اور جس سے منع  
 کرے سو چھوڑ دو۔

اسی مضمون کی تصریح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

(افاضہ وجود و کمالات کا خزانہ اگرچہ خداوند کریم ہی ہے اور بہتر اس میں یہ ہے کہ افاضہ وجود  
 لیکن یہ بواسطہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا ہے) و کمالات، وجود مخلوقات کی جانب  
 اگرچہ خزانہ خداوندی ہی سے ہوتا ہے۔ مگر بشارات آیت النَّبِيِّ أُولَىٰ بِالنُّثْمَيْنِ اور آیت  
 خاتم النبیین۔ چنانچہ تقریرات مرقومہ بالا سے واضح ہو چکا اور نیز بشارات دیگر آیات و تائید تحقیقات  
 اور باب مکاشفات وہ سب افاضہ بواسطہ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ہوتا ہے۔  
 جیسے شب کو بواسطہ قمر افاضہ نور آفتاب ہوا کرتا ہے اس لیے تولیت حقیقی جس کا حاصل رہی خلافت  
 تقسیم ہے آپ ہی کو عطا ہوئی۔ ہاں بطور کار گزاران بیٹن دست آپ کے بعد خلفاء راشدین و اس  
 کام کو کرتے ہیں۔ سو جیسے سلاطین زمان اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو بواسطہ خدام و ملازمان سلطنت دلا  
 دیتے ہیں اور پھر خدام و ملازمان کا دنیا سلاطین ہی کا دنیا سمجھا جاتا ہے جیسے ہی خلفاء راشدین و اس کی  
 داد و دہش اموال نے میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی داد و دہش سمجھوان کا دنیا کوئی امر جدا نہ  
 نہیں جو ان کے لیے بھی تولیت مستقل ثابت کی جاتی۔ اور آخر آیت اولیٰ کے بعد حضرت عمرؓ کا یہ کسنا  
 ہذہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصة غلط ہو جائے۔

راستحقاق کی تین قسمیں اور قوی | الحاصل زمین نے میں تین استحقاق ایک دوسرے کم و زیادہ  
 کا ضعیف کو متضمن ہونا) ہوتے ہیں۔ اول درجہ کا استحقاق جس کو استحقاق ملک و مالکانہ کیے  
 وہ خداوند ملک الملک کے لیے ہے۔ اور دوسرے درجہ کا استحقاق جس کو تولیت اور استحقاق تصرف  
 و اختیار تقسیم کیے وہ اصناف باقی کے لیے ہے۔



مگر چونکہ قوی ضعیف کو متضمن و مشتمل ہوا کرتا ہے اس لیے جیسے استحقاق اول استحقاق ثانی کو متضمن اور مشتمل ہے ایسے ہی استحقاق ثانی بوجہ قابلیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کو احتیاج کیسے استحقاق ثالث کو متضمن اور مشتمل ہوگا۔ اگرچہ بوجہ توسط آپ کا ذوقیتین ہونا بھی دونوں استحقاقوں کا بقدر قابلیت خواستگار تھا۔ مگر استحقاق اول اعنی استحقاق خداوندی قابل (زوال) نہیں ہے ایسا ہی استحقاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی استحقاق تولیت کسی وقت قابل زوال نہیں چنانچہ مَا أَفَاءَ اللَّهُ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ کا جملہ اسمیہ ہونا ہی اس پر شاہد ہے ہاں اس طرح دوام استحقاق مصرفیت بھی ثابت ہوگا لیکن دوام استحقاق مصرفیت نہ اس بات کا مقتضی ہے کہ مستحق کو حق ملنا ضرور ہے اور نہ در صورت اخذ غیر وہ استحقاق زائل۔ موجب۔

(ملک خداوندی تمام استحقاقات ملک تولیت اور ملک مصرف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے لیکن مرتبہ تولیت ملک مصرف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا) جب یہ بات روشن ہوگئی تو اتنا اور سن لیجئے کہ اگر مرتبہ توسط یعنی مرتبہ تولیت اراغنی فے میں نہ ہوتا تو پھر مثل دیگر اراغنی ان کی مملوک ہو جانے میں کہ وقت نہ بھتی کیونکہ اس صورت میں دو مرتبے ہوتے اور ظاہر ہے کہ مرتبہ اول یعنی خداوندی اور دوسری ملک کے ساتھ مجتمع ہو سکتا ہے اور کیوں نہ ہو اوروں کی ملک خدا ہی کی ملک کا پیرا ہے وہ نہ ہو تو یہ کیوں کر ہو۔ ہاں مرتبہ تولیت اہل مصرف کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتا کیونکہ ملک بشرطیکہ موانع تصرف مرفوع ہو جائیں۔ تصرفات مالکانہ کی خواستگار (ہے) اور تولیت کے ساتھ سوا متولی اور کار کا اختیار متصور نہیں۔ بالجملہ مواقع مختلفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نیز بعض صحابہ سے اظہار اختصاص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت اہل فے اکثر ثابت ہوا ہے تو علی حسب الاختلاف یہ معانی ثلاثہ مراد ہیں۔ مگر کم فہمی کو کیا کیجئے۔ جیسے بھوکے کو دو اور دوسے چپار روٹیاں ہی سمجھ میں آتی ہیں۔ حضرات شیعہ کو کسی قسم کا اختصاص کیوں نہ ہو ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھ میں آتی ہے۔ ان تمام مضامین کے دیکھنے والوں کو نہ دربارہ فدک و اراغنی بنی نضیر (نائب اللہ) مشبہ مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باقی ہے گا۔ اور نہ دربارہ حصہ خمس یہ وہم دل میں ہے گا۔ کیونکہ مصنفہ خمس بھی وہی مصارف فے ہیں اور انداز بیان بھی وہی ہے جو انداز بیان مصارف فے ہے۔ وہاں اگر

لے یعنی مرتبہ ذوقیتیں اس کا متقاضی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں استحقاق تولیت کی طرح استحقاق مالکیت بھی پایا جاتا۔ ذوقیتیں میں توسط جانبین سے نسبت رکھتا ہے اور جانبین سے متعلق ہوتا ہے۔ ۱۲۔ محمد علی بنی عنی اللہ عنہ



یقین لایم فللہ و للہ رسول و لیدی القدیٰ مضمومات ثلاثہ پر داخل ہوئے ہیں یہاں بھی وہی تین لایم نہیں مضمومات ثلاثہ پر وارد ہیں۔

(مخیر لقی یہودی کے ہبہ کے شہ کے جوابات) ہاں احتمال تردد ہے تو یہ نسبت اموال موہوبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر یہ تردد اہل سنت کو اس وقت مضر تھا کہ سوا انکار مالکیت اور کوئی صورت جواب نہ ہوتی در صورت کہ دوام حیات جہانی ثابت ہو چکا ہو۔ اور خصوص خطاب یُوصیٰکُمُ اللہُ ظاہر ہو گیا ہو۔ تو پھر ایک مملوکیت سے کیا ہوتا ہے۔

داشیائے موہوبہ باعتبار رسالت تھیں اور منصب | بائیں سجدہ اموال موہوبہ کی ملک بھی اگر غور سے رسالت وہی منصب خلافت و نیابت ہے) دیکھئے تو وہی ملک نیابت ہے۔ ہبہ مخیر لقی یہودی بوجہ اعتقاد رسالت تھا اور ظاہر ہے کہ منصب رسالت وہ منصب خلافت و نیابت خداوندی ہے۔ اس لیے مقتضائے حقیقت شناسی و حقیقت سنجی یہ ہے کہ ایسے ہدایا کو داخل خزانہ خداوندی سمجھئے اور سوا کارہ سرکاری اور کسی کام میں صرف نہ کیجئے۔ مگر کارہ سرکاری وہی تبلیغ احکام خداوندی یا اعلاء کلمۃ اللہ ہے جس کے لیے رسل بھیجے جاتے ہیں غرض کارہ رسالت و جہاد میں جو کچھ صرف ہو، فہما ورنہ باقی کو بجنسہ محفوظ رکھنا چاہیئے تاکہ آئندہ کو بھی اسی کام میں صرف ہوتا ہے۔ ہاں صرف ذہبی القرطبی اور یتامیٰ اور مساکین اور انباء السبیل کو بھی سجدہ اعلاء کلمۃ اللہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو پھر تعیل احکام ان اقام سے معلوم اور ظاہر ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ بے تعیل احکام ملک عسکری مقصور نہیں اور اگر فرض کیجئے یہ صرف مجملہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ نہیں تو پیش یہی نسبت مصارف سرکاری ضرورت ادارہ رسالت اور ضرورت اعلاء کلمۃ اللہ میں منحصر نہ ہو۔ یہ چار قسمیں اور سی۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اصناف مذکورہ کی خبر گیری بھی مجملہ مصارف خداوندی ہے جیسے خرچ معات صرفہ سرکاری شمار کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی خرچ خیرات بھی جو سرکار کی طرف سے ہوا کرتا ہے مجملہ مصارف سرکار سمجھا جاتا ہے۔ (خلیفہ کا ہبہ سرکاری ملک ہوتا ہے) ابہر حال ہبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حق سرکاری ہے چنانچہ قواعد فقہیہ بھی اس کے موید ہیں اور دستور سلطنت بھی اس پر گواہ ہے اطفال خود دو سال کو مثلاً اگر بلحاظ والدین کوئی کچھ دیتا ہے تو وہ حق والدین ہی تھا اس کے نزدیک سمجھا جاتا ہے۔ اور دربارہ گورنری کا تذکرہ خزانہ سرکاری میں جمع کیا جاتا ہے اور گورنر کو نہیں دیا جاتا۔



(خصوصاً انبیاء علیہم السلام اپنی ملک کو ملک مستعار سمجھتے ہیں اس لیے ان کے مال میں میراث نہیں) علاوہ بریں مالک حقیقی وہ خداوند مالک

کے سامنے حکم قبضہ عاریت رکھتی ہے۔ ہاں جیسے اطفال خورد سال کو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ مال مستعار اور مملوک میں کیا فرق ہے اور اگر ان کو کوئی شخص برائے چندے کوئی کپڑا پہنا دے یا کوئی چیز برائے چندے لائے تو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کس نے دی ہے اور وہ کون ہے ایسے ہی سوا انبیاء علیہم السلام اور کسی کو یہ تمیز پوری پوری نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کے بتلانے ہی سے ہوتی ہے خود ان کی عقل اس کے ادراک کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے اس قبضہ اقتدار خداوندی سے واقف ہوتے ہیں جو علت ملک ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے اس قبضہ اقتدار خداوندی کے سامنے حقیقت نہیں رکھتا۔ کَانَ لَکُمْ یَکُنْ؟ (گو یا کہ نہیں) سمجھتے ہیں اور اس لیے قابل میراث نہیں سمجھے۔ کیونکہ مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔

اور ظاہر ہے کہ ملک عباد بہت ملک خداوند مالک الملک بمنزلہ اختصاص استعارہ ہے ہاں امتیوں کو اپنا ہی قبضہ نظر آتا ہے۔ اس لیے بوجہ چشم پوشی اسباب میں واگذاشت مناسب سمجھی تاکہ مثل اطفال بے تمیز جو وقت استمداد و علامت غلّ مچایا کرتے ہیں شور برپا نہ کریں۔

(حضرت فاطمۃ الزہراءؑ پر خوارج کی طرف سے اعتراض) بالجملہ مال انبیاء کرام علیہم السلام کسی طرح قابل میراث نہیں ان اوراق کے دیکھنے والوں کو بشرط فہم اس بات میں توانا۔ اللہ شہد باقی نہ ہے گا۔ کہ مقدمات ثلاثہ جن پر بنا دعویٰ میراث ہے۔ یقینوں کے یقینوں غلط۔ اور ان کے نقائص اور ضعیف۔

پر شاید غلجان باقی ہے تو یہ ہے کہ اگر یہ ہی تھا تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا خلیفہ اول سے طالب میراث کیوں ہوئیں اور ہونا ہی تھا تو اس تازہ صدمہ میں کہ عالم میں کوئی صدمہ کسی پر ایسا نہ ہوا ہو گا۔ ایسی متاع قلیل کا سوال کیوں کیا اور کیا ہی تھا تو بعد استماع ارشاد بنوی صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُوَدِّعُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَہُ تَسْلیم غم نہ کرنا تھا نہ یہ کہ برسرِ پُخاش خلیفہ اول ہو کر اٹے ترک کلام و سلام کر دیا۔

الغرض رد و افاض کی طرح مدافعت خوارج بھی ضرور ہے تاکہ کوئی یوں نہ کہے۔ اس طرح سے مطالبہ بے جا اس ترک دنیا پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے سنایت ہی مستبعد ہے اس لیے کچھ اور قلم گھسانے کی ضرورت ہے۔ سنئے۔



اس شبہ کو تحلیل کیجئے تو تین اعتراض نکلتے ہیں۔ ایک تو مطالبہ ہے ہا۔ دوسرے اس وقت میں یہ شور ماسنا۔ تیسرے عدم تسلیم ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو بروئے انصاف بعد استماع تقریرات گذشتہ دونوں کی جواب دہی اگر ہے تو فریقین کے ذمہ ہے اور اگر کسی کو بوجہ کم فہمی امید جواب رسالہ نہا ہو تو شبہ ثانی بالیقین دونوں طرف وارد ہے مگر ہماری نیاز مذہبی دیکھئے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر کسی کی حرف گیری گوارا نہیں۔ ورنہ ہماری طرف سے بطور الزام شیعوں۔ جواب میں ہی یہ بات بے جا نہ تھی۔ در صورتیکہ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ بجالے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات بیان کرتے ہوں اور پھر بات بھی ایسی ہو۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت لاجی علیت اور منشائیت انتزاع اور مصدریت ثابت ہوتی ہو۔ اور دوام حیات روحانی و جسمانی پر وہ بات شاہد ہو اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا مطالبہ میراث مستلزم عدم افضلیت اور عدم دوام حیات جسمانی ہو تو اس صورت میں اگر اعتراض ہے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر ہے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ پر کیا اعتراض۔

(خوارج کے اعتراضات کے جوابات) [بہر حال یہ غلام خاندان نبوت سگ کو چہ اہل بیت بقا اعتقاد دونوں کی دوبارہ مداخلت اعتراض مثلاً الیہ یہ عرض پر داز ہے کہ دوام حیات جسمانی کا حاصل بجز طول حیات دنیا اور کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ ورنہ ایک جہان کا جہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جاتا۔ مگر ہاں شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ طول حیات یا دوام حیات جانی لاریب موجب افضلیت ہے۔ مگر کچھ ضرور نہیں کہ وہ طول حیات یا دوام حیات بالارز کے زمین ہو۔ داخل قبر بھی اگر حیات جسمانی ہو تو اور دن کو بوجہ طول حیات آپ کے افضل ہے کہ کہہ سکتے مگر اس میں کیا تاویل کریں گے کہ اولیاء کے لیے حیات جسمانی اگر میسر ہے تو فقط عالم شہادت ہی میں میسر ہے۔ قبر میں ان کو حیات جسمانی میسر نہیں۔ اور شیطان کو بالیقین طول حیات جسمانی (میسر ہے) علیٰ ہذا القیاس بہت سے کفار فجار کو (دنیا میں) ان سے زیادہ عطا ہوئی۔

الغرض اگر عقل ہو تو نفس حیات جسمانی یا طول حیات جسمانی فضائل و کمالات محمودہ میں سے نہیں بایں ہمہ یہ بات کچھ ایسی بدیہی نہیں کہ کوئی کہے یا نہ کہے خود بخود اس کی خبر ہو جائے۔ جب بدیہیات میں بسا اوقات عقل کو تنبیہ کی ضرورت ہو اور بعض کم عقل بے تنبیہ مطلع ہو جائیں اور اس وجہ سے عاقل جاہل اور کم عقل عاقل نہ سمجھے جائیں۔ چنانچہ سوئی بسا اوقات عاقلان تیز نظر کو بے تنبیہ نظر نہیں آتی اور کم عقل کی نظر بے اشارہ غیر اس پر پڑ جاتی ہے تو اسی طرح قبل تنبیہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم



حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اور بعد استماع اشارہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اعنی  
لَا تُؤَدُّ مَا تَرَكَتَا صَدَقَةً آپ کی حیات جہانی کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی ہو۔  
(فائدہ) اور اس تنبیہ کے بعد آپ کو یا کسی اور کو اشارت النبیؐ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَخَاتَمُ  
النَّبِیِّیْنَ سے بعد ختم مقدمات معروضہ اس کی اطلاع ہو گئی ہو تو کیا بعید ہے۔ بلکہ اگر حضرت زہرا  
رضی اللہ عنہا کو اس ارشاد کی خبر نہ ہوئی اور ہم جیسے کم عقل و کم فہم باشارہ تنبیہ مشار الیہ یوں سمجھ کر کہ  
کلام اللہ تَبِیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے اس میں ضرور اس کی طرف اشارہ ہو گا۔ آیت النبیؐ اَوَّلٰی  
بِالْمُؤْمِنِیْنَ اِسے آپ کی حیات روحانی سے مطلع ہو جاتے اور پھر بایں لحاظ کہ تعلق روح نبوی  
صلی اللہ علیہ وسلم و جسم اطہر محض تعلق فاعلی ہے کوئی شائبہ انفصال نہیں چنانچہ معروض ہو چکا۔ آپ  
کی حیات جہانی کی بقا کے قابل ہو جاتے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی شان میں کچھ نقصان نہ آ جاتا۔ اور  
ہماری شان کچھ اتنی سی بات سے عالی نہ ہو جاتی۔ کیونکہ یہ علم کچھ اس سے زیادہ نہیں کہ نور کا تعلق  
جسم آفتاب کے ساتھ کس قسم کا ہے۔ اور جسم قمر و آئینہ کے ساتھ کس قسم کا۔ اور ظاہر ہے کہ (ایسا)  
علم خداوندی مجہود کے یہاں موجب قرب درجہ نہیں جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے اسکا ہونا ضرور ہو۔  
(اعتراف اصل حدیث لَا تُؤَدُّ سُنَّیْنِ کے بعد یہ بات قبل اطلاع ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو مطالبہ  
حضرت سیدۃ کے غم و غصہ کے کیا معنی؟) میراث اس طور پر کچھ بے جا نہ ہو گا کہ بعد استماع ارشاد  
فیض بنیاد لَا تُؤَدُّ مَا تَرَكَتَا صَدَقَةً غم و غصہ کس لیے تھا بجائے تسلیم یہ کیا برعکس ہے۔  
(جواب۔ بخاری کی اس روایت کا راوی گویا ہے لیکن اصل | سوال کا جواب یہ ہے کہ روایت  
معاملے کو سمجھنے میں اس سے غلطی ہو گئی عدم کلام کو ناراضگی پر چھل کر لیا) کی صحت کا مقتضاء فقط اتنا ہے  
کہ راوی قابل اعتماد ہو یہ نہیں کہ علم حقائق و قائل اور انتزاع اصولی و اسباب و واقعات میں بھی  
اس سے غلطی نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سفر کو دیکھئے۔ حضرت خضر  
علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور لڑکے کو مار ڈالنا بے جا نہ تھا چنانچہ کلام ربانی خود شاہد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
اَخَذَ قَهْمًا لِّلْعُرْقِ اَهْلَهَا لَقَدْ  
جِئْتُ شَیْئًا اَمْرًا۔ (پہا، کہت ۱۹۷)  
اور اَقْلَمْتُ نَفْسًا زَکِیَّةً اِمْبَعِیْرِ لِنَفْسِیْ  
دیکھا تو نے اس کو بھاڑ ڈالا کہ ڈبا ہے اس کے لوگوں  
کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری۔  
دیکھا تو نے مار ڈالی ایک جان سمجھری بغیر عوض کسی جان



لَقَدْ رِجَّتْ شَيْئًا نُّكْرًا (پاکہفت ۱۰) کے لیے شک تو نے کی ایک چیز نامعقول (فرمایا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ سے کمال علم خضریٰ کی تعریف میں کہ بغرض طلب مزید علم شائق ملاقات ہو کر گئے تھے سو جب خدا تعالیٰ تو حضرت خضر کی شان میں۔

اَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ لَدُنَّا عِلْمًا (پاکہفت ۹۷) دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھایا تھا اپنے پاس سے علم)

فرماتے اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے باوجود اصرار موسیٰ۔ اس وجہ سے انکار ہو کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا اور پھر آخر کار بعد اصرار بسیار (نہ) بولنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کرنا کہ ساتھ لیا ہو۔ تیسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام مخالف واقعہ۔ حضرت خضر علیہ السلام کے افعال شانستہ کو ناشائستگی پر حمل کر بیٹھے ہوں اور علم مستم کو نظر بظاہر ان کے افعال سے انتزاع کر لیا ہو ایسے ہی اگر راوی واقعہ طلب میرا سطرے بعد مطالبہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور ان کا خلیفہ اول سے اس ترک آمد و شد کو جو بعد ربط و ضبط قضی ہو بعد مرہ جائگذا واقعہ جائگاہ رحلت سرور علم صلی اللہ علیہ وسلم پیش آیا تھا۔ غم و غصہ پر محمول کر لیا ہو اور اس محال میں پھر کلام نہ کرنے کو بعد اس مطالبہ اور انتزاع کے اگر بوجہ رنج ترک کلام پر محمول کر لیا ہو تو نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا کچھ قصور نکلے گا اور نہ روایت کی صحت میں بطور قواعد محدثین کچھ نقصان آئے گا اور اگر بغرض محال حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ذمہ کوئی دشمن دین بے اعتباری خلیفہ اول کی تمت بگاڑا اس رنج و غم کو صحیح بنائے تو پھر کیا حضرت آدم علیہ السلام باوجود ارشاد خداوندی

لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ (پاکہفت ۲۵) (پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم)

اور اطلاع وہی خداوندی یعنی۔

يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ (پاکہفت ۷) (اے آدم یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا) (بولنا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اسی لیے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ جیٹے پہنے والے اور ان کے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا دوست ہوں پھر مائل کر لیا ان کو فریب سے)

يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ (پاکہفت ۷) موافق بیان قرآنی قَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَائِكَةً أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَكِنَ الْبَاقِينَ فَدَثُمَا بَعْدُ (پاکہفت ۷)



شیطان کی قسموں میں آگے سوچیے بحسب ظاہر حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کا اعتبار نہ کیا یعنی لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ اور إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ کا کچھ خیال نہ کیا ایسے ہی اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعتبار نہ کیا ہو تو کیا زیادہ ہوا۔ اگر یوں کہو ارشاد لَا تَقْرَبَا اور اِذَا هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلَئِنْ وَجِدْكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ فَاصْطَلْ۔ اس لیے یاد نہ رہا ہو۔ ایسے ہی فضائل خلیفہ اول کو بھی سنے ہوئے بہت دن ہو گئے ہوں گے اس لیے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بھول گئی ہوں۔

اور یہ سہی حضرت ہارون کی نبوت حضرت موسیٰ علیہما السلام کی دعا سے ہوئی جس قدر ان کو اس کا علم تھا ہمیں تمہیں نہیں ہو سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس ان کے لوازم نبوت یعنی معصومیت ہارونی کو قتنا وہ سنا تھے ہم نہیں جان سکتے۔ باہم قصہ سامری کو سن کر جو غم و غصہ چڑھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف سے بھی بدگمان ہو گئے اور نبوت اور معصومیت کا کچھ خیال نہ رہا۔ سروریش کے بال پکڑ کر کھینچنے کی نوبت تک آئی۔ ایسے ہی اگر غم و غصہ طاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو فضائل خلیفہ اول پر کچھ نظر نہ رہی ہو اور متذکرہ و معاشرت تک نوبت پہنچی ہو تو کیا زیادہ ہے۔

مگر اصل بات وہی ہے کہ ان ترانہ اور بیانیہ بوجہ مذکور غلطی ہوئی ورنہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے بجز تسلیم ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُؤْذُوا مَا تَوْكَلْنَا صَدَقَہ اور کچھ ظہور میں نہیں آیا۔ بہر حال مطالبہ میراث بوجہ عدم علم دوام حیات جہانی رسول ربانی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اس صورت میں اگر خطاب یُؤْصِيْكُمْ اللّٰہُ کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا عام سمجھ گئی ہوں تو کیا صریح ہے۔ کیونکہ وجہ خصوص خطاب یُؤْصِيْكُمْ اللّٰہُ ابھی یہی حیات جہانی تھی۔

رہا مقدمہ مالہ یعنی فدک کا غیر مملوک ہونا وہ بھی اگر انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض تمام اور اختیار عام کے پیش نظر ملک نبوی سمجھ لیا ہو تو کیا بعید ہے) آپ کو نہ معلوم ہو تو کیا خرابی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خرق سفینہ اور قتل طفل کو جو حضرت خضر کو کرتے

دیکھا تو فقط اسی وجہ سے ظلم پر محمول کیا کہ خرق و قتل اصل میں ظلم و فساد ہی کی اقسام میں سے ہے۔ ہاں جیسے شگاف جراح کو بوجہ وہ دہنیل محمود کہا ہے۔ ایسے ہی قتل و خرق بھی کہیں کہیں محمود ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے بذریعہ قبض و تصرف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو بہ نسبت فدک مشہور و معروف عام و خاص تھا۔ اگر مملوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیا تو کیا زیادہ کیا آخر تصرف



وقبض تمام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی اس قدر کہ جس کو جتنا چاہیں دیں اور جس کو نہ چاہیں نہ دیں۔ چنانچہ  
 وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَرْسُولُ فَنُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهَوْا۔ بھی اس پر شاہد ہے بلکہ ہی  
 کے لیے موضوع ہوا ہے۔ تولیت اس کی نسبت اسی طرح ایک امر شاہد و ناوہ ہے۔ جیسا خیر خواہی  
 مساکین یعنی مالکان سفینہ بہ نسبت خرق سفینہ اور خیر خواہی والدین بہ نسبت قتل اولاد۔ غرض جیسے خرق  
 سفینہ بغرض خیر خواہی مالک سفینہ اور قتل فرزند بغرض خیر خواہی والدین قلیل الوقوع اور دور از فہم ہے  
 ایسے ہی امانت داری اور پھر تصرف عام قلیل الوقوع اور دور از فہم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تولیت میں  
 قبضہ امانت و نیابت ہی ہوتا ہے۔

(جیسے حضرت علیہ السلام کے اعمال میں موسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ ہوا ایسے ہی) سو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو  
 حضرت سیدہ ثکوا مولیٰ فی میں ملک خاص کا دھوکہ ہو گیا تو کیا تعجب ہے) وہاں بوجہ قلت وقوع و بعد فہم  
 دھوکہ ہوا یہاں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اسی وجہ سے دھوکہ ہو گیا تو کیا اعتراض کی بات ہے جو  
 کوئی خارجی ان پر اعتراض کرے اب اسے اعتراضات خوارج کی مداخلت کے لیے یہ تقریر انشاء اللہ  
 بوجہ احسن کافی ہے۔

(جواب اعتراض)۔ اگر حضرت سیدہ ثکوا پر متاع قلیل ہاں اور استبعاد طلب متاع قلیل ایسے زمانہ  
 کی طلب کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ رزق صدقات میں ایسے تارکان دنیا سے باقی رہا۔  
 حلال کی طلب تارکان دنیا ہی سے متصور ہے) سو اس کے لیے اول تو یہ گزارش ہے کہ  
 رزق حلال منجملہ ضروریات دینی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طلب رزق حلال اور اس کا اہتمام و انتظام  
 اگرچہ مقتضی مطلق دینداری ہے۔ مگر متصور ہے تو دین داروں میں سے تارکان دنیا ہی سے متصور  
 ہے کیونکہ جس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی وہی اس کی طلب کیا کرتا ہے سو ایسے دیندار جن کے پاس  
 رزق حلال بھی نہ ہو بجز تارکان دنیا اور کون ہوں گے۔ ادھر متروکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ  
 احتمال ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی وجہ مکروہ یا حرام سے آپ کے پاس آیا ہو۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متروکہ حضرت سیدہ ثکوا پر انتقال ملک بوجہ میراث اس میں بھی فساد  
 کے لیے نشانی اور تسکین خاطر کا باعث تھا۔) و بطان کی گنجائش نہیں جو کراہت یا حرمت  
 کا احتمال ہو پس متروکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نشانی اور آپ کا تبرک جس کی ضرورت اہل صمدہ



کو زیادہ ہوتی ہے سو ایسے نازک وقت میں اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے مطالبہ میراث کیا تو عین مقتضائے  
 ترک دنیا اور اقتصادے جو شش رنج والم تھا۔ یعنی آپ نے یہ سمجھا کہ تاحیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو  
 تو ہم کو رزق حلال کا کچھ فکر نہ تھا اب اس کی بھی ضرورت ہوتی اور آپ کی نشانی اور تبرکات سے دل کے  
 بے ملنے کی بھی حاجت ہوتی سو ایسی چیز میں دونوں باتیں ہوں اراحتی ترک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئیں  
 اس خیال سے بخیاں زوال حیات جسمانی وطن مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مذکور کو طلب فرمایا کہ بے فکر  
 ہو کہ عمر چند روزہ کو اسی طرح بسر کیجئے کہ غم فراق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی سے کچھ علاقہ ہی  
 نہ ہے۔ یا خدا ہو یا رسول صل اللہ علیہ وسلم۔ بہر حال یہ بات قابل مدح ہے نہ لائق اعتراض اعاہد  
 رنج والم ہے نہ گواہ سنگدلی۔ ترک دنیا کی طرف مصرح ہے حب دنیا کی طرف مشیر نہیں۔ تاکیدات رزق حلال  
 کی مثال پر دال۔ اور تحریکات رزق حرام کی تسلیم پر شاہد۔ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی اور ترک  
 دنیا کی دلیل ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ  
 خاتم النبیین والہ وازواجہ وذریئہ واهل بیتہ اجمعین





ان (مندرجہ ذیل) پانچ جوابوں کے سوال گم ہو گئے پھر بھی یہ جوابات خالی نفع سے نہیں۔ اس لیے ان کو بھی نذر ناظرین کرنا مناسب سمجھا اور سوالات کا انداز لکھ بھی ان جوابات سے سمجھ میں آتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین والصلوة والسلام

علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد

ہر چند تحریر سوالات سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم ایسا آشکارا ہے جیسے کالے توڑے میں سے چاندنا۔ مگر بایں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا اور یوں سمجھ کر کہ جواب جاہلان باشد غموشی "اگر ایسی ضرافت کے جواب میں سکوت کیا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور بھی جرات ہو جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں اس لیے مختصر جواب سوالات مرقوم ہیں وباللہ التوفیق۔

سوال (اول)

(اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو راگ گانے کو بہکتے ہیں حالانکہ ہم یہ سوز میں سنتے ہیں خلیفہ اول نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دف سنتے کا اعتراف کیا تھا اس لیے اہل سنت کا عداوتی شیعہ پر طعن کرنا حجت نہیں، ملخصاً)

(جواب سوال اول) | اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو منع کرتے ہیں تو نہ (صرف) بایں وجہ منع کرتے ہیں کہ یہ اقسام راگ سے ہے اور راگ ممنوع ہے اگر یہ وجہ ہوتی تو سائل کا یہ کہنا بجا تھا کہ ہم مرثیہ سوز میں سنتے ہیں اور جس کو گٹکری کہتے ہیں وہ نہیں سنتے۔ بلکہ وجہ ممانعت یہ ہے کہ مرثیہ خوانی، اور مرثیہ خوانی پر ہی کیا تقرر ہے۔ تعزیر داری علم برداری سینہ زنی وغیرہ بدعات شیعہ شیعہ سب ایجا د بندگان ہوا و ہو س

لے مصحح عرض کرتا ہے کہ ان پانچ گشتہ سوالوں کی تقریر کو ہم نے جوابات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے فہم کے مطابق مرتب کر کے ہر جواب کے شروع میں لکھ دیا ہے۔ ۱۲ مہر محمد۔



ہیں نہ خدائے تعالیٰ نے اس قسم کی باتوں کے لیے ارشاد فرمایا نہ جناب سرحد کائنات علیہ وآلہ افضل الصلوات والتسلیمات نے یہ راہ بتایا ہاں کلام اللہ ہی میں تو یہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ حُدُودَ اللَّهِ فَإِنَّكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پہلے بقرہ ۲۹) اور نیز یہ بھی ارشاد ہے۔ اَتَتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (پہلے اعراف ۱)

جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جو لوگ حدود خداوندی سے آگے بڑھ جاویں وہی لوگ ہیں ظالم۔ جس کے یہ معنی ہیں اے لوگوں! بعد از یہ کہ اس چیز کی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور نہ پیروی کرو سوا اللہ کے اوروں کی۔

اور صریح حدیث شریف میں تو یہ ارشاد ہے۔

مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری ص ۱۱۱)

جس کے یہ معنی ہیں کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ مردود ہے۔

اور سب اہل اسلام یہاں تک کہ شیعہ بھی اس بات کے محترف ہیں کہ مرثیہ خوانی تعزیر داری علم برداری سینہ زنی سیاہ پوشی وغیرہ بدعات محمولہ شیعہ کا پتہ نہ کلام اللہ میں ہے نہ حدیث میں نہ خدائے تعالیٰ نے ان کاموں کے لیے فرمایا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راہ بتایا۔ پھر اس طرح ان کاموں کا معتقد ہونا اور ان واہیات پر ثواب عظیم کا امیدوار رہنا حدود اللہ سے آگے نکل جانے کے نہیں؟ اور دین میں نئی بات کا نکالنا ہے یا نہیں؟

بالجملہ شیعہ موافق ارشاد آیت وَمَنْ يَتَّبِعْ حُدُودَ اللَّهِ فَهُوَ رَدٌّ اور موافق ایماء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ ساری باتیں مردود ہیں اور اس لیے اہل سنت و جماعت ان پر معترض ہیں۔ نہ بوجہ راگ ہونے کے فقط مرثیہ کو منع کرتے ہیں۔ اب لازم یوں ہے کہ شیعہ انصاف فرمائیں اور راہ پر آئیں۔ ورنہ تو وہ جانیں خدائے معاملہ پڑنا ہے نیک بد کا حساب اس کے ہاتھ ہے اور دربارہ وجہ ممانعت تسکین خاطر نہ ہو اور خدا کے ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے دل کی گکچڑی نہ کھلے تو ایک مثال عرض کرتا ہوں اس کو غور کریں گے تو میری یہ عرض مان ہی لیں گے۔ انشاء اللہ۔

(بدعات کی تمثیل) جیسے ہمارے تمہارے وجود میں آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں چند اجزاء ہیں اور ہر ایک کی ایک مقدار ہے آنکھیں دو، ناک ایک، انگلیاں پانچ، علیٰ هذا القیاس دین میں بھی بہت سے رکن ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور پھر ہر ایک کی ایک مقدار اور تعداد ہے نمازیں رات دن میں پانچ ہیں تو



روز سے برس دن (دو پچیس سال) میں تیس ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس زکوٰۃ ہر سال ہے تو حج عمر بھر میں ایک بار مگر جیسے آنکھ، ناک اپنی مقدار معین اور تعداد معلوم سے کم ہوں جب بڑی بڑی معلوم ہوتی ہیں (ذیل وہ ہوں تب بھی بڑی معلوم ہوتی ہیں) جیسے ایک ناک کی جادو ناکیں اور دو آنکھوں کی جگہ تین یا چار آنکھیں جیسے ہی بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے فرض کیجئے کسی کی اصل سے ناک، آنکھ نہ ہوں یا ہوں تو ناک آدمی اور آنکھ ایک ہو۔ بالجملہ جیسے ہمارے وجود میں کمی بیشی اپنے اندازہ سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ ایسے ہی دین میں بھی کمی بیشی اندازہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری اور ناموزوں ہوگی۔ اس مثال کے سن لینے کے بعد اہل انصاف تو انشاء اللہ انصاف ہی فرمائیں گے اور راہ پر آئیں گے اور جن کو خدا نے چٹم انصاف ہی عنایت نہیں کی۔ وہ ہماری تو کیا خدا اور رسول کی بھی نہیں مانتے۔

(حضرت ابو بکرؓ پر طعن کا جواب) | باقی جو کچھ سائل نے حضرت خلیفہ اولؓ پر طعن فرمایا ہے اس کا جواب بطور تحقیق تو اتنا ہی بہت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ اہل سنت کے نزدیک نبی نہیں امام (معصوم) نہیں جو سارے احکام ان کو معلوم ہوں مزامیر کی برائی بھی سنائی ہوئی تھی۔ یہ تفصیل یہ معلوم نہ تھی کہ دفن تو عید کے دن جائز ہے اور باقی مزامیر حرام۔ سو اپنے اسی خیال کے موافق منع فرمایا۔

باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیدار ہونا ان کو بایقین معلوم ہوتا تو پھر اس اعتراض کی گنجائش تھی کہ ابو بکر صدیقؓ اس کو مزار شیطانی سمجھتے تھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزار شیطانی کا سننے والا سمجھا اور معصوم نہ سمجھا۔

علاوہ بریں اعتراض اسے کہتے ہیں کہ جس پر اعتراض کیا جائے اس کی ان باتوں کو توڑے جو ان کے نزدیک مسلم ہوں اور اگر اس کے نزدیک ایک بات مسلم ہی نہیں تو اس کا توڑنا اس کو کیا ضرر ہے؟ مثلاً اہل اسلام پر اعتراض اسے کہتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ نبی نہ ہونا کائنات کا سحر و دنیا پرست ہونا ثابت کرے۔ اور ابو جہل کا کفر یا اس کی دنیا پرستی اور برائی کا ثبوت اہل اسلام کو کیا ضرر ہے۔ سو اہل سنت و جماعت کے نزدیک مباحات جیسے امتیوں کو مباح ہوتی ہیں انبیاء کو بھی مباح ہوتی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ بہت سی مباحات امتیوں کے حق میں کسی قدر مکروہ ہوں تحریمی نہ سہی تنزیہی سہی۔ پر انبیاء کے حق میں وہی مباحات بائیں وجہ کہ ان کے فعل سے حکم اباحت



معلوم ہو جاتا ہے موجب ثواب ہو جاتی ہیں۔

ظاہر کی باتوں میں اس کی ایسی مثال ہے جیسے غذائے قوی ضعیف المعده کے حق میں موجب نقصان ہو اور قوی معده کے حق میں باعث قوت۔ لیکن ظاہر ہے کہ امور مکروہ میں اشتراک (دوسرے) شیطانی ضرور ہوتا ہے بہت نہیں تھوڑا ہی سہی، باعث عذاب نہ ہو۔ سبب کراہیت ہی سہی۔ سو اگر فرض کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہی تھے اور ابو بکر صدیقؓ کو آپ کی بیداری کی اطلاع بھی تھی اور ادھر یہ امر مباح بوجہ کراہیت خالی از شر شیطانی نہ ہو تب بیش بریں نیست کہ بوجہ مذکور انہوں نے اس کو مزہ مار شیطانی کہا ہو گا مگر اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ اس کا سنت بوجہ اغوائے شیطانی ہو۔ ایک فعل ایک کے حق میں موجب ثواب اور دوسرے کے حق میں موجب عذاب ہوتا ہے۔ چونکہ سنی سنی کا فکر ہے تو میں بھی اس وضع کی مثال پیش کرتا ہوں۔ کلام اللہ کا سننا بعضوں کے لیے باعث ہدایت اور موجب ثواب اور بعض کے لیے موجب ضلالت اور باعث عذاب ہے میں نہیں کہتا کلام اللہ ہی میں ارشاد ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (مگر اہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بہتروں کو) (پا بقرہ ۲)

اب دیکھئے ثواب عذاب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک فعل میں جب دونوں مجتمع ہوں تو اباحت اور کراہیت تو شے ہی کے درجہ میں ہیں۔ یہ دونوں اگر نسبت دو شخصوں کے ایک فعل میں مجتمع ہو جائیں تو اتنا رنج کیوں ہے۔ یا حضرت خلیفہ اولؓ ہی سے جلد ہے کہ وہ سیدھی کہیں تب بھی الٹی سمجھیں یہاں تک تو بطور تحقیق بواب تھا۔

(صدیق اکبرؓ پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) اب بطور الزام سنئے۔ ہماری نہیں مانتے تو خدا کے واقعے سے اعمت ارض کا الزامی جواب کی تو مانتے۔ خداوند علیم نے حضرت ہارون علیہ السلام

کو اپنے کلام پاک میں نبی فرمایا ہے۔ کبھی بھولے چو کے کلام اللہ کو دیکھا ہو گا تو شیعوں نے سورت مریم میں یہ آیت بھی دیکھی ہوگی۔

وَفَهِنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا (پا مریم ۴) جس کے یہ معنی ہیں کہ دیا ہم نے موسیٰ کو اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون نبی۔



اور اپنی برادر بزرگوار کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشادیت کلام اللہ سر کے بال پکڑ کر کھینچے۔ چنانچہ کلام اللہ پڑھا ہوگا تو سورۃ اعراف میں یہ بھی دیکھا ہوگا۔

وَ اخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَحْدُوهُ إِلَيْهِ (اور پکڑ کر اس کے بچے بھائی کا لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف) جس کا عمل بعینہ یہی ہے جو معرض ہوا اور سورۃ طہ میں ہے۔

وَ اجْعَلْ لِي وَ ذِيَّ رِجْلًا مِّنْ أَهْلِ هَرُونَ (اور مجھے کو ایک کام بٹائیو الا میرے گھر کا مارون میرا بھائی اس سے مضبوط کر میری کمر اور شریک امری۔ (پہلا طہ ۲۷) کہ اس کو میرے کام میں۔)

اور سورت قصص میں جملہ فارسل الی ہرون بھی دیجا ہوگا جس کو اپنے ماقبل اور مابعد کے ساتھ ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت مارون علیہ السلام کے لیے نبوت کی استدعا اسی وقت کی ہے جس وقت ان کو غلعت ابنوکت عنایت ہوئی۔

غرض فرعون کی طرف جانے سے پہلے حضرت مارون علیہ السلام کی نبوت کے خواستگار ہوئے اور پھر قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَمُوسَىٰ (پہلا طہ) ملا تھ کہ تیرا سوال لے موسیٰ) سورۃ طہ میں اور كَلَّا فَادْهَبْ بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُونَ (کبھی نہیں تم دونوں جاؤ گے کہ ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں) سورۃ شعراء (۲۷) میں موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعا اور استدعا فرعون کی طرف جانے سے پہلے ہی مقبول ہوئی یہ سارے حوالے اس لیے دیے ہیں کہ کوئی جھٹیلاستی (یعنی رافضی جو امت نبی کہلانے پر فخر نہیں کرتا بلکہ شیخ علی اور ملت جعفریہ کہلاتا ہے) بے وجہ تکرار نہ کرے اگرچہ شیخہ اپنی ہٹ دھرمی سے اب بھی شاید باز نہ آئیں کلام اللہ ہی کو بیاض عثمانی کہنے لگیں کلام ربانی نہ کہیں چنانچہ کہتے ہیں۔ اور اسی لیے علماء اہل سنت نے اور نیز اس پچھدان نے بدعتہ الشیعہ میں اس کے جواب دندان شکن لکھے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر شیخہ اصل سے کلام اللہ ہی کو نہ مانیں تو ہمارا اور بھی حساب اور ان کا لیکھا ہے ادھر نہیں۔ تو ادھر ہی سے ان کو بچھاریں گے۔ آخر شیخہ سنی حدیث ثقلین کے تو بھی قائل ہیں۔ اس حدیث کا ماحصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسری اپنی عمرت جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے جب تک گمراہ نہ ہو گے۔ اور ظاہر ہے



کہ کلام اللہ کسی کے پاس ہو اور نہ پکڑے یعنی اس پر عمل نہ کرے یا پاس ہی نہ ہو کوئی چھین لے جائے یا جلا دے جیسا حضرات شیعہ یہ نسبت حضرت عثمان غنیؓ کی ان رکھتے ہیں۔ کلام اللہ پر عمل کرنا دونوں صورتوں میں مستحکم نہیں اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں مثل کفار زمانہ حضرت سید ابراہیمؑ احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے دوسری صورت میں مثل کفار زمانہ جاہلیت،

(حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے نزاع کی حقیقت) [بالجملہ کلام اللہ کے عالموں، حافظوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کے پاس جانے سے پہلے ہی نبی ہو چکے تھے۔ اور علیٰ مذاق قیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تواریات کے لیے کوہ طور پر جانا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا جانا اور پھر سامری کا بنی اسرائیل کو گمراہ کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصہ میں لوٹ کر حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ کر کھینچ کر یہ کہنا۔ اَفْصَحَتْ اَمْرِيْ جِس کے یہ معنی ہیں تو قے میرے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ سب باتیں فرعون کے غرق ہونے کے بعد کی ہیں۔ چنانچہ سورۃ اعراف سورۃ طہ سورۃ شعراء کے سیاق و سباق اور نیز بالاتفاق شیعہ و سنی ثابت ہے۔ اب حضرات شیعہ کی خدمت میں اس غلام خاندان اہل بیت کی یہ گزارش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگر حضرت ہارون علیہ السلام کو وہی حکم کیا تھا جو حکم خدا ہے اور انہوں نے اس کی نافرمانی کی۔ جس کی نسبت یہ فرمایا اَفْصَحَتْ اَمْرِيْ نسب تو حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت کیونکر تھامے گا اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے کوئی امر خلاف شرع ارشاد فرمایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معصومیت کو خود باللہ داغ لگے گا۔ اور اگر وہ حکم نہ موافق شرع تھا نہ مخالفت شرع یونہی مباحات دنیوی میں سے تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کا قصور ہی کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی مہلت عزت کی نہ ان کی نبوت کا لحاظ کیا نہ بزرگی اور بڑائی کا لحاظ کیا قطع نظر نبوت کے حضرت ہارون بڑے بھائی بھی تو تھے تو بڑا بھائی بجائے باپ ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ حرکت (بظاہر نبوت سے قطع نظر) از قسم معصیت تھی جس سے عصمت کو داغ تو کیا لگے بالکل سیاہی بن جائے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت باوجود اس دست و گریبان ہونے کے بھی (باتفاق سنی شیعہ) نہیں جاتی اور ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھنے سے چنانچہ آیت اَفْصَحَتْ اَمْرِيْ شاید ان کی عصمت کو داغ نہیں لگتا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اگر دُف کو مزار شیطانی سمجھ کر منع کیا تو کیا بے جا کیا۔ اس میں



اور اس میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ قصہ کلام اللہ میں ہے جس کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یہ قصہ حدیث واحد میں ہے جس کے انکار سے کفر عائد نہیں ہوتا۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نبی ہیں اور نبی بھی کیسے نبی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کا فہم کیا ہوتا ہے یہاں اگر دقت کو ہمارا شیطان سمجھا تو ابو بکر صدیقؓ نے سمجھا جو ان کے معتقدوں کے نزدیک نبی نہیں (بزرگ) امتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے بدرجہا کمتر ہیں ان کی غلط فہمی سے سینوں کو کچھ عیب نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کے یہاں سوائے نبی کے کوئی معصوم ہی نہیں اور شیعوں کے اصول کے موافق نبی تو نبی امام بھی معصوم ہے۔ پھر سنی تو اعمال ہی میں معصوم کہتے ہیں جسے معصوم کہتے ہیں۔ شیعوں معصوموں کو فہم میں بھی معصوم سمجھتے ہیں جیسے اعمال میں معصوم ہوتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ ان سے صادر نہیں ہوتا ویسے ہی غلط فہمی سے معصوم ہوتے ہیں۔

(حضرت ابو بکر صدیقؓ کی غلط فہمی اس حدت کو مضر نہیں) | سو اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے غلطی سے دقت کو (ظاہر کثرت استعمال درلود) کی وجہ سے جیسے (ریڈیو) ہمارا شیطان کہہ دیا تو کیا گناہ کیا۔ ایک غلط فہمی جس سے نہ ولایت میں نقصان ہے۔ سینوں کے نزدیک نہ خلافت میں بلکہ ان کے نزدیک نبی سے بھی (جیسے کہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام) غلط فہمی ممکن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیعوں کے نزدیک غلط فہمی ممکن ہی نہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو جو انہوں نے عاصی سمجھا تو شیعوں کے نزدیک نعوذ باللہ صحیح ہی سمجھا ہو گا۔ علاوہ بریں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اگر شیطان کی طرف نسبت کیا تو بجاتے والوں کے فعل کو نسبت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کیا بلکہ آپ ہی کی خاطر ان کو جھڑکا۔ یعنی جیسے اور کافروں فاسقوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب نہیں کرتے تھے لڑتے جھگڑتے تھے یہاں بھی مقتضائے ادب و محبت نبویؐ عنصر ہوئے اور منع کیا۔ اور جیسے اور کفار فجار کے اعمال کے دیکھنے کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے یوں خیال نہیں کیا کہ آپ برضا و رغبت دیکھتے ہیں۔ ایسے ہی یہاں بھی بشرطِ مسلم بیداری یہ نہ سمجھا تھا کہ آپ برضا و رغبت سنتے ہیں بلکہ سیاق کلام سے یہ بات فہم ہو تو یہ بات صاف روشن ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہی خیال کیا کہ آپ کو فعل برآحلام



ہوتا ہوگا۔ پر آپ شاید ایسے چُپ ہوں جیسے بعض بزرگ بوجہ کمالِ معلّم چھوٹوں کی بہت سی بد لحاظیوں پر سکوت کرتے ہیں۔ غرض ابوبکر صدیقؓ کے محان میں یہ آیا کہ آپ کو (یہ وقت بجاتا) لاریب بڑا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ مکروہات تنزیہی سے آپ منع نہیں فرماتے اس لیے آپ نے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ سو ابوبکر صدیقؓ کو بوجہ کمالِ ادب اتنی بات بھی بڑی معلوم ہوئی اور یہ قصہ ایسا ہے کہ اپنے بزرگ کے سامنے کوئی لڑکا حقہ پینے لگے اور وہ بوجہ دانشمندی خود تو کچھ نہ کہیں پر ان کے خادم یوں کہیں کہ ہیں ایسی بے ادبی بزرگوں کے سامنے۔

لیکن تحریر ملاحظہ قصہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے خوب روشن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود حضرت ہارون علیہ السلام ہی کو عاصی سمجھا۔ اور اسے بھی جانے دیجئے عصبیان اور مزمارِ شیطان میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مزمارِ شیطانی کہنے سے تو فقط اتنی بات معلوم ہوئی کہ شیطان کو اس فعل میں دخل ہے یا شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شرک ہے یا کفر ہے یا گناہ کبیرہ یا صغیرہ یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ غرض ایک گول بات ہے کہ جس کے بیس پہلو ہیں اور ظاہر ہے کہ شیطان کو ان سب باتوں میں دخل ہے۔ بلکہ طولِ اہل اور حدیثِ نفس (دوسرے) تک بھی شیطان ہی سے ہوتے ہیں۔ (شیطان کا دوسرہ کام لین کی شان میں غیب نہیں اور) اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت مزمارِ شیطانی سے آدم کی طرف دوسرے شیطانی کی نسبت (دوسرے) شیطان کی دوسرے اندازی خود کلام اللہ ہی میں مذکور ہے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (پھر بکایا ان کو شیطان نے) سورہ اعراف (۱۶) میں اور  
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ (پھر ملا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے۔)

کبھی دیکھا سنا ہوگا۔ اور صورتِ حج میں۔  
وَمَا ارْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَتَّعَ الشَّيْطَانُ فِيْ اُمْنِيَّتِهِ (پہلے یا نبی سو اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں)

موجود ہے۔ ان سب آیاتوں کے ترجمے دیکھئے اور انصاف کیجئے کہ دوسرے اور القارِ شیطانی کی



اصناف مزار شیطانی کی اصناف سے کس بات میں کم ہے۔ مگر عصیان نافرمانی کو کہتے ہیں جس سے انبیاء بالیقین محصوم ہیں۔

اب حضرات شیعہ برائے خدا الصافات فرمائیں کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے مزار الشیطان کہنے اور سمجھنے سے عصمت کو بٹا لگتا ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اَفْغَصِیْتُ اَمْرِیٰ کہنے سے۔ صاحبو! یہ ساری خرابی کلام اللہ کے یاد نہ ہونے اور کلام اللہ پر تمسک اور عمل نہ کرنے کی ہے اگر حضرات شیعہ کو کلام اللہ کی طرف توجہ ہوتی تو اس اعتراض کو تو منہ پر ہی نہ لاتے۔

خیر خداوند کریم ہمیں انہیں کلام اللہ کی پیروی کی توفیق دے۔ بالجملہ حضرات شیعہ کی خدمت میں اب ہماری یہ عرض ہے کہ ابو بکر صدیق ؓ نہ بمقتضائے تقریر بے قصور نکلے یہ آپ صاحبوں کو ہمارے اس اعتراض کا جواب دینا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت اور عصمت کے سب سے زیادہ واقف تھے کیوں کہ آپ ہی کی استدعال سے ان کو نبوت کی نوبت پہنچی۔ پھر کیوں ان کو عاصی کھجا اور پھر سمجھے بھی تو اس درجہ کو کہ شک کا بھی احتمال نہیں۔ ہر طرح سے یقین کا یقین ہے ورنہ سر کے بال اور دھڑکی کے بال پکڑنے اور کھینچنے کی نوبت نہ آتی بلکہ آیت۔  
لَا تُشْمِتُ رَبِّيَ الْاَعْدَاءَ وَلَا تَحْجِلُنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (پہا صرافت ۱۸)  
کہہ گا لوگوں میں)

سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو زمرہ ظالمین سے سمجھا (معاذ اللہ)

## (سوال دوم)

حضرت علیؓ ثاقفات و کمالات میں حضرت ابو بکر ؓ سے افضل تھے مگر ابو بکر ؓ نے حضرت علیؓ کا حق و بابا مصلیٰ اور خلافت کے وارث بن بیٹھے۔ تو ابو بکر کیسے غلیظہ عادل ہوئے)

لے خلاصہ جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر ؓ کا دفن کو شیطان کے کھیل کا آلہ کہنا کمال اتباع نبوی اور آرام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بجائی سے یہ نامناسب سلوک غلط فہمی اور جوش توحید کی بنا پر تھا۔ دونوں قصوں میں کوئی اعتراض کا پہلو نہیں۔ ۱۲ مہر محمد۔



جواب سوال دوم

(شیعہ کی پیش کردہ حدیث کا کوئی پایہ نہیں)

اس سوال سے کچھ معلوم نہ ہوا کہ غرض سائل کیا ہے بظاہر

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت حضرت رابع الخلفاء رسید

آل عبا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ مد نظر ہے اور بایں وجہ درپہ وہ خلفاء ثلاثہ کے عدم استحقاق کا منظر ہے

سو اس کا جواب اول تو یہی ہے کہ حدیث مسطور سنیوں کے نزدیک احادیث معتبرہ میں سے

نہیں صحاح ستہ میں ہے نہ مشکوٰۃ میں نہ کسی اور حدیث کی کتاب میں۔ باقی علاوہ حرقہ اول تو حدیث

کی کتاب نہیں۔ ردہ روافض میں ایک کتاب ہے۔ اور اگر غرض کیجئے اس میں کسی حدیث کا ہونا بھی سنیوں

کے الزام کھانے کو ویسا ہی ہے جیسے حدیث کی کتابوں میں کسی حدیث کا ہونا تو پھر کیا، اہل سنت و جماعت

اپنی کتابوں میں صحیح ضعیف، معتبر، غیر معتبر ہر قسم کی حدیثیں لکھتے ہیں۔ مگر اس کی تین صورتیں ہیں۔

(اہل سنت کی کتب حدیث کے چار درجے) ایک تو یہ کہ مصنف کتاب یہ التزام کرے کہ اپنی

کتاب میں صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کر دوں گا جیسے بخاری شریف صحیح مسلم وغیرہ

اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے نسخہ طب کے کہ اس میں جو ہے بیمار (خاص) کے لیے مفید ہی مفید ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں پر صحیح کو جدا بتلاٹتے ہیں اور

ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی شریف کہ اس میں کسی حدیث کو کھول کر لکھتے ہیں

کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی حدیث کو کھول کر کہہ جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی ایسی

مثال ہے کہ جیسے اکثر کتب طب میں ادویہ مضرہ مرکبہ نافعہ مضرہ اور اغذیہ نافعہ مضرہ سب لکھتے ہیں

پر اس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا یا غذا نافع ہے اور یہ دوا یا غذا مضر ہے۔ سو کتب طب میں

کسی مضر چیز کو دیکھ کر جیسے کوئی نادان بھی یہ نہیں کہہ پڑتا کہ فلانی دوا یا غذا طب کی کتاب میں ہے اور

اس کو استعمال کریں۔ ایسے ہی احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال میں استعمال

کرنے کا خیال بھی کسی عاقل کو نہیں آ سکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں فقط موضوعات یا احادیث ضعیفہ ہی کو

جمع کرے اور غرض التزام سے یہ ہو کہ دینداران سادہ لوح کے لیے یہ کتاب ایسی رہے جیسے

طبیب پر ہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ کرے تاکہ کل کو کوئی دہو کہ نہ کھائے۔ موضوعات ابن

جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں سو ایسی کتابوں سے سنیوں کے التزام کے لیے کوئی حدیث نقل کی



کی جائے تو بڑی ہی شونج چٹھی ہے۔

یہ چوتھی صورت ہے کہ بطور بیاض کسی نے ایک مجموعہ اکٹھا کیا اور طب و یا بس سب اس میں بھر لیں تاکہ وقت فرصت تحقیق کر کے صحیح کو پہنچ دیں گے اور ضعیف نکال دیں گے اور پھر اتفاق سے یہ اتفاق نہ ہوا یا ہوا تو وہ اصل بیاض کسی کے ہاتھ لگ گیا۔ اس صورت میں بھی عاقل کا یہ کام نہیں کہ اس سے استدلال کرے اکثر غیر مشہور کتابیں حدیث کی اسی قسم کی ہیں۔ سو غیر مشہور کتابوں سے حدیثوں کا بیان کرنا جب تک مقید مطلب نہیں کہ کسی محقق نے اس کی تصحیح نہ کی ہو چنانچہ ظاہر ہے۔ سو اس حدیث کی کسی محقق اہل سنت نے آج تک تصحیح نہیں کی جو حضرات شیعہ کو گنجائش استدلال ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہؓ اور ان سب کو جانے دیجئے۔  
اور امت میں اقصیٰ (اور امت میں اقصیٰ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ اس سے زیادہ فضیلتیں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہیں۔ کتابیں محترم بھرنی ہوتی ہیں۔ لکھنے کی کچھ حاجت نہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”اگر میں کسی کو سوا خدا کے دوست اور خلیل بنانا تو ابو بکرؓ کو بنانا“ اس سے صفا ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل سمجھتے تھے۔ علیؓ اللہ تعالیٰ اور بہت سے فضائل ہیں۔ حضرت علیؓ کی اس فضیلت سے جو حدیث مذکور سے مستنبط ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ سب سے افضل ہیں۔ ہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کی فضیلت مذکورہ سے ان (ابو بکرؓ) کی افضلیت واضح ہے۔

(صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ کو خلافت دیکر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے) اور اس کو بھی

نوٹ ۱۔ اس مقام میں اصل نسخہ میں تین سطریں غائب ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبارت چھوٹ گئی ہے لہذا اصل کے مطابق یہاں تین سطروں کی مقدار بیاض پہنچے دیا گیا ہے۔ ۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی۔



جائے جیسے ہم پوچھتے ہیں کہ حدیث مذکور اگر صحیح ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ افضل ہوں گے یا نہ ہوں گے؟ اگر آپؐ بھی افضل ہوں گے تو ہمیں بھی کچھ شکایت نہیں مگر جیسے باوجود فضیلت حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکومت نہ دی اپنے ہی تخت تصرف میں رکھی ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی ہو گیا۔ اتنا فرق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اتباع نبوی کیا کہ حق کو نہ پہنچایا اور اسی وجہ سے مصیب بصواب ہی ہوں گے انشاء اللہ۔ کیوں کہ اتباع سنت تو بہر حال موجب ثواب ہی ہوتا ہے شیعہ بھی اس کے قائل ہیں۔ اور سنی بھی اس کے معترف اور اگر باوجود ان فضائل کے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں تو یہ مطلب ہو گا کہ یہ فضائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی فضائل ہوں گے یا ان فضائل کے مقابل میں اور فضائل ہوں گے تو سنیوں کی بھی یہی گمان ہے کہ ابوبکر صدیقؓ میں بھی یہ فضائل ہوں گے یا ان کے مقابل میں اور فضائل ہوں گے۔ بالجلد برستاؤ نہ حدیث مذکور اگر حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیقؓ سے افضل تھے تو اسی حدیث کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے کیونکہ یہ فضائل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حدیث کے موافق نصیب نہیں ہوئے اور وہ بھی حضرات شیعہ کے طور پر کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے تو ان کی فضیلت اسی وجہ سے ثابت ہو گی۔ کہ اس حدیث کے سیاق سے حضرت امیرؓ ہی کا اختصاص ان اوصاف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے پھر جب بوجہ اختصاص ایک سے افضل ہوتے ویسے ہی سارے جہان سے افضل ہوں گے اس میں سید الانبیاءؑ ہو یا سید الصدیقینؑ ہو اس صورت میں ابوبکر صدیقؓ کو تو خلافت کے دبا لینے کے لیے یہی حجت کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود فضیلت حضرت امیرؓ ان کو حکومت نہ دی آپؐ ہی قابض و متصرف ہے۔ مجھ کو لازم ہے کہ میں بھی اسی طرح حضرت امیرؓ کو حکومت نہ دوں تاکہ حق کے نہ مینے میں رسول اللہ کی پیروی ملے۔

وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیقؓ کی علاوہ بریں وقت وفات اہم مسجد  
 کو امام بنانا ان کو خلیفہ بنانے کے مترادف ہے  
 ہر عام و خاص نے یہی سمجھا کہ جو دین کا  
 پیشوا وہی دنیا کا پیشوا یعنی جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے پیشوا تھے اور امام نماز تھے اس لیے



دنیا کے بھی امام یعنی حاکم تھے ایسے ہی ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا امام بنایا جو سب دین کی باتوں میں افضل ہے لاریب دین میں یہ سب سے زیادہ ہوں گے سوائیں کو دنیا کا بھی امام بنانا چاہیے۔ علیؓ انہذا القیاس خود ابو بکرؓ کے ذہن میں (بالفرض) یہی آیا ہو کہ جب مجھے دین کا امام بنایا دنیا کا بھی میں ہی امام ہوں گا۔

(خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) لیکن حضرات شیعہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ حضرت علیؓ کو ان کا حق نہ دیا) علیہ وسلم نے جو حضرت امیرؓ کا حق نہ دیا اور آپ دہائے رکھا پھر وقت وفات بھی کیا تو وہ کیا جس سے سب عام و خاص الٹا سمجھ گئے۔ تو آپؐ کی پیروی کی خدا کا حکم تو یہی ہے کہ حاکم ہو تو افضل ہو ورنہ پھر شیعوں کو سنیوں پر کیا اعتراض ہے گا۔ سوا اس صورت میں لازم یوں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم حضرت امیرؓ کو بناتے آپ محکوم بنتے۔

(جب خدا کے ذمہ عدل واجب ہے تو خدا نے) اور اسے بھی جانے دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کا حق ان کو کیوں نہ پہنچایا) بشرت تھے کچھ خوف ہوا ہو گا ابو بکرؓ عمرؓ سے خود باللہ ڈر گئے ہوں گے خود خداوند کریم بایں ہمہ بخوبی عدل و انصاف جس کے معنی شیعوں کے نزدیک ہیں کہ خدا کے ذمہ پر عدل واجب ہے خلافت انصاف وہ کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتا حضرت امیرؓ کا حامی اور طرفدار کیوں نہ ہوا یا توں کہئے کہ خدا کے ذمہ حق کا پہنچانا واجب نہیں تب تو سنیوں کا مذہب برحق نکلا کہ خدا کے ذمہ عدل واجب نہیں اس کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔ چنانچہ خود ہی فرماتا ہے۔

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُوَ يُسْأَلُ عَمَّا يَكُونُ (پکا انبیاء ۲)

اس سے پوچھا نہ جاتے ہو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے (۱)

اور کیونکر اختیار نہ ہو وہ سب کا مالک ہے ظلم تو جب ہو جب کسی غیر کی چیز میں بے موقع تصرف کرے اگر کوئی شخص اپنی سلطنت اور ریاست یا خزانہ یا کوئی اور چیز کسی کھتر کو ہبہ کرے اور افضل کو ہبہ نہ کرے تو اس کو کوئی نادان بھی ظلم نہیں کہہ سکتا۔

(در حقیقت صدیق اکبرؓ کی خلافت بوجہ آپؐ کی) یا یوں کہو خدا پر عدل تو واجب ہے پر انصاف یہی تھا کہ حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوں کیوں کہ وہ



سب افضل تھے تب اہل سنت کا بالاجتہاد۔

دیکھا شیخین از خود خلیفہ بن گئے اور معاذ اللہ | یا یوں کہو عدل بھی واجب تھا اور حق بھی حضرت  
خدا تعالیٰ ان سے مغلوب ہو گیا | علیؑ کا تھا پر نعوذ باللہ نعوذ باللہ البکرؓ اور عمرؓ

کے سامنے خدا کی کچھ نہ چلی زبردستی یہ دونوں علیؑ کا حق دبا بیٹھے۔ تب سنیوں ہی کا بول بالا رہا۔  
جن کے ایسے پیشوا کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی ان کے سامنے نہ چلے ان کو حضرت کی پیروی کی کیا پروا اور  
ان کی ناخوشی کا اندیشہ؟

حضرات شیعہ یا تو ان باتوں کا محض جواب دیں ورنہ فکر آخرت کریں اور توبہ توبہ کریں۔ ان  
سب صاحبوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اس طرح کے کلمات کے زبان پر لانے سے واللہ  
جی ڈرتا ہے خدا کی شان کے آگے البکرؓ اور عمرؓ تو کیا چیز ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو  
افضل مخلوقات ہیں اور محبوب ذات پاک ہیں ایک بندہ ہی ہیں ایک ذرہ ہلانے کی طاقت نہیں  
رکھتے پر کیا کیجئے۔ نقل کفر کفر نہ باشد حضرات شیعہ کی خرافات کو بنا چاری نقل کرنا پڑا۔

### (سوال سوم)

حضرت علیؑ خلیفہ برحق تھے اور محمد بن ابی بکر حضرت علیؑ کی جماعت میں تھا اور جب وہ  
معاویہؓ کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ان پر حضرت عائشہؓ ناروونیں اور پھر امیر معاویہؓ نے حضرت  
امیرؓ سے جنگ کی اور حضرت عائشہؓ نے بھی ان سے جنگ کی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
کو حَدُّ بَدَنِ حَرَبِیٍّ فرمایا ہے۔ تو اہل سنت کے یہ بزرگ محتدیت کے لائق کیسے ہوئے۔

جواب سوال سوم | اس سوال کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جناب سائل وقت سوال کچھ  
بھنگ بھی نوش جان کئے ہوئے ہیں۔ اہل فہم کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ سنیوں پر اعتراض کرتے ہیں  
یا شیعوں پر یا دونوں پر یا یوں ہی ایک غمزہ بے جا اور عشوہ بے محل ہے۔

واقعی محترم مورخ نہیں | صاحبو! اول تو واقعی اہل سنت کے نزدیک مورخ محترم نہیں مجمع البحا  
کے آخر میں دیکھ لیجئے۔ واقعی کی شان میں کیا لکھا ہے۔



(حضرت علیؑ نے حضرت عائشہؓ کی صحابیت میں زوجیت کا خیال کیوں نہ کیا۔)

مگر اس بات کو تو ناظران ادراق حقیقہ گزاری پر محمول کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ساری باتوں کو مخرور اور اق غلط بنانے لگا۔ اور صاحب سوال۔ جناب حبر ص کو کوئی یوں نہ کہے گا کہ حضرت نے جو بات لکھی ہے۔ طوفان شیطانی ہی لکھا ہے۔ کوئی اہل علم تو بتائے کہ حضرت نے سوا ایک بات کون سی بات سچی لکھی ہے۔ اس لیے یہ عرض ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر اس روایت کو مانا۔ حضرت عائشہؓ کے روئے کی اگر شکایت ہے تو حضرت امیرؓ بھی بشاوت سوال محمد بن ابی بکر کو روئے اگر حضرت سیدہ عائشہؓ نے اس بات کا دھیان نہ کیا کہ کل اُس نے میری صحابیت اور زوجیت کا کچھ لحاظ نہیں کیا تھا تو حضرت امیرؓ نے بھی اس کا کچھ دھیان نہ فرمایا کہ کل اس (محمد بن ابی بکر) نے حضرت عائشہؓ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور صحابیت کا دھیان نہیں کیا تھا۔ مجھ کو اس کے غم میں رونا مناسب نہیں۔ بلکہ یوں کہو حضرت امیرؓ نے بھی جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی زوجیت اور صحابیت کا لحاظ نہیں کیا۔ اگر اس بات کا لحاظ نہ کرنا بڑا تھا اور اس وجہ سے ان کا غم مناسب نہ تھا تو یہ فرمائیے حضرت امیرؓ نے ایسا برا کام کیوں کیا۔

اور اگر یہ مدعا ہے کہ حضرت امیرؓ جنگ جمل میں حق پر تھے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر صدیقؓ نے اپنی بہن کا کچھ لحاظ نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ لاریب حضرت امیرؓ برحق تھے۔ ہم وہ نہیں کہ مثل شیعہ حق بات کو ہضم نہ کر جائیں پر اس لئے سے کیا فائدہ محمد بن ابی بکر سنیوں کے کون سے مقتدار اور پیشوا اور اہم وقت تھے جن کا فعل سنیوں کے نزدیک مستند ہو۔ دوسری (بات) یہ ہے کہ اگر ان کا فعل سند بھی ہو تو حاجتِ سند یہ کیا ہے۔

اہل سنت حضرت علیؑ کی خلافت حقہ کے اسی اہل سنت حضرت امیرؓ کی خلافت کے وقت ان کے خلیفہ برحق ہونے کے لیے ہی قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہؓ کی خلافت کے

اہل سنت حضرت علیؑ کی خلافت کی حقیقت کے ان کے ایام خلافت کے قائل ہیں۔ سند کی تو اس وقت ضرورت ہوتی جب اہل سنت حضرت امیرؓ کے برحق ہونے کے منکر ہوتے پر اس یہود و سرائی سے کیا فائدہ تو اس پر حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیرؓ کے رونا سے آپ کو کیا ہاتھ آیا۔ یہ تو فرمائیے یہ کونسی دلیل ہے اسے کلام اللہ کی آیت کہنے یا حدیث کی دلالت کہنے اس دیوانوں کی سی تڑکھ



سے اس بحث میں کیا ہاتھ آیا۔ خلافت حضرت امیر اس سے ہاتھ آگئی یا آپ کی امامت کا تمکک اور قبائلیہ سے اس درست ہو گیا نقل مشورہ بیاد میں بیچ کا لیکھا تھا امامت حضرت امیر کجایہ عمل تقریر الزم مقسود دلی وہی اظہار خبیث باطن بہ نسبت فوج طغر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور اس پر وہ میں حضرت عائشہ پر طعن نظر ہے تو موافق مصرع مشہورہ کلورخ اندازہ را پا داسش سنگ است من سب تو یوں تھا کہ انتقام ام المؤمنین مجبور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم بھی اپنے دل کے پھچھو لے پھوڑتے پر ایسے نابکاروں کو برا کہا تو کیا ہوا شیطان کو برا کہنے کی حاجت ہی کیا ہے اور اس کی بجو و مذمت کی ضرورت ہی کیا ہے جیسے ان کی خوبی اور بزرگی معلوم ہے۔ حضرات روافض کی شان میں یہی مشہور ہے۔

کے۔ الراضی فوارۃ اللعنة ازومی خیر و دہر و می ریزد بالجلد رافضیوں کے خلاف کہنے کی حاجت نہیں۔ ہاں جواب اعتراض چاہیے۔

(تحقیقی جواب۔ جنگ جمل خطا اجتہادی کی بنا پر | صاحبو! تحقیقی جواب تو اس کا یہ ہے کہ ہوئی اور خطا اجتہادی قابل مواخذہ نہیں) لاریب اپنے ایام خلافت میں حضرت امیر افضل بشر تھے اور بے شک وہ برحق تھے اور حضرت عائشہ خطا پر تھیں لیکن بوجہ خطا و نیاں انسان کجا نہیں۔ ورنہ روزہ میں بھول کر پانی پینا، کھانا کھانا بوجہ خطا جیسے وضو کرتے میں کبھی پانی حلق میں اتر جاتا ہے۔ ایسے امور کا مرتکب ہونا موجب عذاب و وجوب کفارہ ہوا کرتا۔ علی ہذا القیاس بوجہ غلطی اگر کوئی حرکت ناسزا ہو جائے تو اس پر بھی خدا کے یہاں سے گرفت نہیں ورنہ ابو کے روزہ قریب غروب آفتاب کو ابھی آفتاب غروب نہ ہوا ہو اگر کوئی شخص بوجہ غلطی یوں سمجھ لے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور یہ سمجھ کر روزہ کھول لے اور پھر آفتاب نمودار ہو جائے چنانچہ اکثر ہو جاتا ہے تو لازم یوں ہے کہ ایسا شخص محذب ہو کرے حالانکہ باتفاق شیعہ سنی ایسے افعال پر خدا کے یہاں مواخذہ نہیں۔ ایسے ہی مشاجرات صحابہ اور محافل اصحاب جو باہم پیش آئے یا منازعات انبیاء جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ گذرا سب بوجہ غلطی ہوتے ہیں حبان بوجہ کر نہیں ہوتے جو ان پر اعتراض کیا جائے۔

(حضرت علیؑ کی قصاص لینے میں تاخیر | باقی رہی یہ بات کہ وجہ غلطی کیا ہوئی اس کا جواب کیونکہ بلوایوں کا غلبہ اور زور تھا) اول تو یہ ہے کہ ہم کو اس سے کیا بحث حضرت موسیٰ



علیہ السلام اور حضرت یارون علیہ السلام کی طرح دونوں کو بزرگ سمجھنا چاہیے اور تحقیق یہ نظر ہے تو سنئے  
 حضرت عثمانؓ کے قاتل حضرت امیرؓ کے ساتھ ہوئے تھے۔ سو حضرت امیرؓ اول تو بایں وجہ قصاص کے  
 لینے میں دیر کر رہے تھے کہ ان شورہ پشتوں نے بنی بنائی بڑے زور کی خلافت کو جب ایسا زبردست کر دیا  
 تو میری خلافت تو منے ہی نہیں پائی۔ میرے قابو کیونکر آئیں گے۔

(حضرت معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر کو قاتلین عثمانؓ میں سمجھ کر مارا) | دوسرے بلوی کی بات ہے تحقیق کے بعد قاتل غیر قاتل کو  
 پہچان کر قصاص لیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت  
 زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ یہ سمجھے کہ حضرت امیرؓ ان ظالموں کے طرفدار ہیں چنانچہ حضرت امیرؓ معاویہؓ  
 نے یہ جو محمد بن ابی بکر کو مارا تو اس کی وجہ بھی یہی ہوئی کہ ان کو منجملہ مشیران قاتلین سمجھتے تھے یہ بات جدا  
 رہی کہ یہ (مشیر) تھے یا نہ تھے۔

(جنگ جمل میں بلویوں کا ہاتھ تھا) | تو اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ  
 کا خود ارادہ قتال بھی نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل جو ان لوگوں کو ڈالتے تھے تو اپنی جان بچانے کو  
 بصرہ کو جاتے تھے۔ حضرت امیرؓ نے تصافق کیا۔ انجام کار بایں وجہ کہ قاتلان مذکور نے بغرض فساد  
 دو گروہ ہو کر دونوں لشکروں پر شب خون مارا۔ ہر ایک کو سگ کی دغا بھیجی اور لڑا لڑا کر قصہ تمام کیا۔  
 (اس طرح کی خطا کا صدور قصہ موسیٰ | مگر بشاوت کا سلام اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت  
 اور خضر علیہما السلام میں موجود ہے۔) | خضر علیہ السلام پرستی کو مٹانے اور لڑکے کو مار ڈالنے کے مقدمہ

میں اعتراض کیا چنانچہ سورہ کہف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے۔ جسے شوقی مولویں سیپائے کے شروع  
 سے پہلے ایک رکوع نکال کر دیکھنا شروع کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے پاس جانا اور دوبارہ  
 تسلیم عہد و پیمان کرنا پھر بایں وجہ اعتراض کرنا اور نیز حضرت خضر علیہ السلام کا ان باتوں میں بے قصور ہونا  
 سب بخوبی واضح ہو جائے گا۔ اور نیز یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلطی بھی کھائی  
 پر بے بتلائے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام  
 کے پاس آپ نہیں گئے خدا کے بھیجے ہوئے گئے۔ خدا نے ان کے علم اور بزرگی کی ان سے۔ تعریف  
 کی پھر انہوں نے یہ کہہ لیا کہ تم سے میری باتوں پر صبر نہ ہو سکے گا۔ تم میرے ساتھ نہ ہو۔ خود حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کر لیا کہ میں کچھ تکرار نہ کروں گا۔ بایں وجہ نور نبوت و بحال عقل ایسا کہ کیسی ہی



باریک بات کیوں نہ ہو اسے سمجھ جائیں پر اس پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھے اور نہ سمجھنا تو جہ کنار یوں (بھی) نہ سمجھے کہ اس میں کوئی کچھ مجید ہو گا۔ صبر کرنا چاہیے اور پھر نہ سمجھنے کی فوجت یہاں تک آئی کہ بے بتلائے نہ سمجھے اگر ہم جیسے اور تم جیسے مسان دنیا کم عقل کم فہم ان قصوں کی حقیقت کو نہ سمجھیں جن میں مراتب مذکورہ میں سے ایک بات بھی محو نہیں تو کیا بعید ہے بلکہ لازم یوں ہے کہ نہ سمجھیں ہاں یہ سمجھ کر کہ جاری سمجھ کا قصور ہے ان بزرگواروں کا قصور نہیں ان پر اعتراض نہ کریں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہم کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں۔

(مشاجرات صحابہ میں کف لسانی واجب ہے) اس تقریر سے حضرت معاویہؓ پر بابت قتل محمد بن ابی بکر اگر اعتراض ہے یا نسبت محاربات حضرت امیرؓ کچھ طعن ہے وہ بھی مندرج ہو گیا۔ بالجلد اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ محاربات بوجہ غلطی واقع ہوئے طرفین میں سے قصور کسی کا نہ تھا جیسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے دست و گمبیاں ہونے اور ہاتھ پائی میں قصور دونوں میں سے کسی کا نہ تھا۔ (جملہ حذبتِ حرّی کے باقی ماحول ایک حربی اس کے یہ معنی ہیں کہ جان بوجھ کر نہ بوجہ غلط فہمی جو تم مفہوم پر فصل بحث) سے لڑے گا نہ گواہ مجھ ہی سے لڑے گا یہ نہیں کہ جس طرح سے کوئی تم سے لڑے عمداً لڑے یا خطا بوجہ غلطی لڑے یا بوجہ غلط فہمی وہ سب میری ہی لڑائی کے برابر ہے۔

ورنہ آیت۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِيًا (لَا خَطَاً) (پہ ناصع ۱۳)

(اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے)

جس کے معنوں سے صاف یہ بات روشن ہے کہ قتل خطا میں کچھ گناہ نہیں غلط ہو جائیگی اور یہ بھی نہ سہی اگر حدیث مذکور عام ہے تو اس وجہ سے عام ہوگی کہ ظاہر الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں مگر جیسے مفہوم حذبتِ حرّی کو عام لیتے ہو مفہوم حذبتِ کو بھی عام لیجئے اور پھر بہدایت فہم تقابل ملحوظ رکھئے۔ یعنی یوں کیے تم سے عمداً لڑنا تو مجھ سے عمداً لڑائی کے برابر ہے اور تم سے خطا لڑنا مجھ سے خطا لڑنے کے برابر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمداً لڑنا اور آپ کی جان بوجھ کر تکذیب کرنی بری ہے اور غلطی بے خبری میں اگر کسی سے یہ حرکت ہو جائے اور بعد علم متنبہ ہو کر شرعاً خطا آداب بجالائے تو عقل نقل کی رو سے قابل عتاب نہیں عقل کی گواہی کی تو حاجت نہیں اہل عقل کے



نزدیک بدیسی ہے۔ نقل کی بات پوچھتے تو کلام اللہ موجود ہے بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ اور مِنْ بَعْدِ  
مَا جَاءَ نَهُمُ الْبَيِّنَاتُ اور لَفْظ وَهُمْ يَعْلَمُونَ سے صاف ظاہر ہے کہ عتاب اسی وجہ  
سے کہ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتے ہیں بلکہ آیت

وَلَكِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي  
جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ  
قَوْلٍ وَلَا لَخِيٍّ (پہا بقرہ ۱۲)

اور اگر بالفرض تو مابعدی کرے انہی خواہشوں کی  
بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ  
سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار)

سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بوجہ بے خبری اگر کچھ خلاف مرضی خداوندی  
کر جائیں تو کچھ عجز نہیں (جیسے اساری بدر سے فدیہ اور تبوک میں بے عذر منافقوں کو چھٹی وغیرہ) بالکل  
خدا کی مخالفت بوجہ غلطی جب مفسر نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بدرجہ اولیٰ مفسر نہ ہوگی  
پھر حضرت علیؓ کی مخالفت اگر بوجہ غلطی ہو تو اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ اور یہ بھی نہ سہی لفظ حریم عام اور  
لفظ حریمی شیعوں کی زبردستی سے خاص ہے مگر جیسے حدیث مذکور میں پہلا لفظ عام ہے۔

آیت وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَحَذَّاهُ  
جَهَنَّمَ خَلِيدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا۔ (پہا النساء ۱۳)

(اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا عذاب ہے  
پہا ہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو  
لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب)

بھی باعتبار الفاظ عام ہے باطنی زانی قطع طریق اس میں سب آگے اب فرماتے کہ خود رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے زانی کو قتل کیا۔ حضرت امیر نے سینکڑوں باغیوں کو تہ تیغ کیا اور عذاب تک یہ آیت  
سب کی معمول بہانہ مجتہد ان شیعوں سے انکار کر سکیں نہ علماء اہل سنت۔ پھر یہ انصاف ہے کہ ایک حدیث  
کے بھروسے جس میں کسی قدر ضعف ہے اس پر بھی احتمال ہے کہ غلط ہو۔ اتنا غل و شور ہے کہ عظمتہ اللہ

لے یہ حدیث حربی یا انا حرب لمن حاربتم بالکل ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے۔ انا حرب لمن حاربتم کے الفاظ بامناقب  
فاطمہ ترندی میں ہیں ام ترندی فرماتے ہیں یہ حدیث غریبہ صرف یہی سند ہیں مٹی ہے اور ام سلمہ کے مولا صبیح معروف نہیں  
۲۔ مسلسل تین راوی شیعہ کثیر الخطا۔ اور غریب الروایہ ہیں۔ تقریب التہذیب کے ان کا حال یہ ہے ما علی بن مام  
خزاعی کو فی صدوق اور شیعہ ہیں۔ ابو نصر ہانی کثیر الخطا صدوق اور غریب حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

۲۔ ابو محمد رندی کو فی تشیع سے متہم ہیں صدوق وہی ہیں ۱۲۔ مہر محمد۔



آیت کو نہیں دیکھتے کہ اس میں شتم بھی باقی نہیں چھوڑا تو اس پر غلطی اور کذب روائے کا احتمال نہیں ہے۔  
اس کے باعث کہاں کہاں یہ اعتراض پڑتا ہے۔

(الزامی جواب۔ ازواج مطہرات تمام مؤمنوں کی مائیں ہیں) اور جواب الزامی یہ ہے کہ حضرت امیرؓ  
تو پھر حضرت علیؓ نے اپنی والدہ عائشہؓ سے مقابلہ کیوں کیا) کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے حربہ حربی فرمایا ہے تو ازواج مطہرات کے حق میں۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ  
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (پک احزاب ۵۱)  
(نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے  
اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں۔)

اور عام والدین کے حق میں۔  
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا  
(پک بقرہ ۱۰۴)  
(عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک  
نیک کرنا)

فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جو امہات المؤمنین ہیں ان کے حق میں تو اس سے بھی  
زیادہ تاکید ہوگی۔ اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت علیؓ کے ایمان کیا۔ کمال ایمان میں بھی شک کی  
گنجائش نہیں جو یوں کیسے کہ اوروں کی والدہ تھیں ان کی نہ تھیں پھر کیا یہی احسان تھا کہ ایسی والدہ کا  
یوں مقابلہ کرتے اور اگر یہ خیال ہے کہ خطا پر تھیں۔ تو یہ بات کس منہ سے کہنی مناسب سنی کر لیں  
تو کہہ لیں شیعوں کو اس کے کہنے کی مجال نہیں کیونکہ آیت

إِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ  
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ  
تَطْهِيرًا (پک الاحزاب ۳۳)  
(اللہ ہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں  
بنی کے گھر والو اور سمجھا کرے تم کو ایک گھرائی سے)

ان کے نزدیک عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

(آیت تطہیر کا شان نزول) اور پھر یہ آیت دیکھ لیجئے کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ازواج  
مطہرات کی یا حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی؟ کلام اللہ موجود ہے دیکھ لو ازواج کا ذکر ہے یا حضرت امیرؓ کا  
اور اگر حدیث عبا پر کو دتے ہو تو اس سے صاف یہی بات نکلتی ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں  
نزل نہیں ہوئی ورنہ اس دعا کی کیا حاجت تھی کہ عبا میں بیج تن کو شامل کر کے یہ فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ



اَهْلُ بَيْتِیْ بِالْجَلَدِ دُعا کرتے سے جیسے دخول پنج تن زمرہ اہل بیت میں معلوم ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں نازل نہیں ہاں یہ دعا قبل نزول آیت ہوتی تو یہ بھی احتمال تھا کہ دعا ہی باعث نزول ہوئی ہے مگر اس میں شکی ہی نہیں شیعہ بھی اس طرف ہیں کہ آیت پہلے نازل ہوئی۔ دعا پیچھے ہوئی۔

(اَل عبا کو اہل بیت کئے کا مطلب) | باقی پنج تن کو پہلے سے اہل بیت فرمایا یہ نہ فرمایا کہ ان کو اہل بیت میں داخل کرنے سے اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے بیگانے۔ اور بیگانے اپنے نہیں ہو سکتے۔ جس کی جو قرابت ہے وہی رہتی ہے۔ کوئی غیر آدمی کی نسبت یہ دعا تو کر ہی نہیں سکتا کہ الہی یہ شخص میرا حقیقی بیٹا ہی جائے ہاں جس سے محبت شدید ہوتی ہے اس کو خود بیٹا کہہ دیا کرتے ہیں اگرچہ بیگانہ ہی کیوں نہ ہو۔ لے پالک کو عرف میں لیا کہتے ہیں لیکن حقیقی بیٹا ہونا اس کا ممکن نہیں اسی طرح جو اہل بیت نہ ہوں۔ ان کا اہل بیت ہو جانا ممکن نہیں جو اس کی دعا کیجاتی کہ الہی ان کو اہل بیت حقیقی بنا دے ہاں ان کے ساتھ بھی معاملہ اہل بیت ہی کا سا تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا الہی یہ بھی میرے اہل بیت ہیں تو اپنا وعدہ ان کے ساتھ پورا کر اور اگر یوں کہتے کہ اہل بیت تو پہلے ہی سے تھے پھر دُعا کے وقت ان کو اس لقب سے یاد کر لیا تھا سو یہ بات غور سے دیکھیے تو گوز شتر سے نہیں۔ جناب باری تعالیٰ کو یہ معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبوی کون ہیں جو آپ کے تہلانے اور جتلانے کی ضرورت ہوئی۔ جب خداوند کریم نے وعدہ تطہیر کر لیا تھا آپ پورا کرنا پھر دعا کی کیا حاجت تھی۔

(آیت تطہیر ازواج کی شان میں ہے) | بالجلد یہ دئے انصاف شیعوں کے جی میں بھی یہی ہوگا کہ آیت ازواج مطہرات ہی کی شان میں ہے ہاں جیسے کوئی بادشاہ کسی امیر سے وعدہ کرے کہ تمہارے گھر کے لوگوں کو میں انعام دوں گا اور وہ امیر وقت تقسیم انعام اپنی دختر اور داماد اور نواسوں کو بھی لے جائے اور یہ کہے کہ اپنے میرے گھر کے لوگوں کے لیے وعدہ انعام کیا تھا یہ بھی میرے گھر کے لوگ ہیں۔ کچھ اجنبی نہیں تو وہ بادشاہ باوجودیکہ جانتا ہے کہ بیٹی دوسرے گھر کا چاندنا ہے گھر کے لوگوں میں داخل نہیں۔ نواسے اور داماد تو درکنار۔ گھر کے لوگ اگر وہ ہیں تو بی بی ہے چنانچہ اہل بیت کا ترجمہ ہی اہل خانہ ہے یا فرزند وغیرہ جو اس کے گھر بستے ہیں مگر بوجہ عموم کرم و مزید قدر شناسی امیر مذکور ان کو بھی انعام دے تو کچھ بعید نہیں ایسے ہی یہاں بھی سمجھنا چاہیے کہ پنج تن باوجودیکہ شرف گوناگوں رکھتے ہیں پر اصل سے اہل بیت میں سے نہ



تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ماوراء دیحہ الحامیائے بے پایاں العام اہل بیت میں بھی شریک ہو گئے۔ چنانچہ قرینہ دعا اس پر عمدہ شاہد ہے اور بہت ہاتھ پاؤں مائیئے تو یہ بات بن پڑتی ہے کہ لقب اہل بیت تو اول سے ازواج اور پنج تن دونوں کو شامل ہے خطاب خاص ازواج ہی کے ساتھ ہے گو وعدہ مذکورہ سب ہی کے ساتھ ہو۔ جیسے کوئی بادشاہ اپنے نوکروں میں سے کسی ایک نوکر کو بلا کر یوں کہے کہ ہمارا کل کو ارادہ ہے کہ اپنے نوکروں کو انعام دیں سو یہ خطاب گو اس ایک ہی کے ساتھ خاص ہے پر وعدہ سب ہی نوکروں کے لیے ہے۔

پنج تن کے اہل بیت میں | بالجہ پنج تن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی دو صورتیں ہیں ورنہ اہل داخل ہونے کی وجہ سے یہ آیت ازواج ہی کے حق میں ہے۔ ان کے خارج اہل بیت ہونے کا کوئی احتمال نہیں اگر احتمال ہے تو اہل بیت کے خارج ہونے کا احتمال ہے اگرچہ غلط ہو۔ کیونکہ باتفاق اہل سنت وہ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں۔ اول سے ہی یا پیچھے ہو گئے پھر جب آیت مذکورہ عصمت پر دلالت کی ہے چنانچہ شیعہ پنج تن کی عصمت اس سے ثابت کرتے ہیں تو ازواج مطہرات بدرجہ اولیٰ معصوم ہوں گی۔ انہوں نے جو کچھ حضرت امیر کے ساتھ کیا بجا ہو گا۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے ان کے ام المؤمنین ہونے کا لحاظ نہ کیا۔ فرزند کو والدین کی اطاعت چاہیئے والدین کو فرزند کی اطاعت کی حاجت نہیں یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت امیرؑ کے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوئی کیونکہ وہ حضرت امیرؑ کے حق میں بمنزلہ والد کے تھے یہ نہ ہوتا تو ازواج مطہرات ام المؤمنین ہی کیوں ہوتیں پھر جب حضرت امیرؑ نے باوجودیکہ موافق عقیدہ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مندرجہ سوال دوم سے واضح ہے اور نیز حال قال شیعہ سے ٹپکا پڑے ہے (یعنی عملاً امیرؑ کو افضل جانتے ہیں) زبان سے کہیں یا نہ کہیں۔ بایں وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار رکھی کہ وہ بمنزلہ والد تھے۔ تو حضرت عائشہؓ ان کے حق میں بمنزلہ والدہ تھیں۔ اور بھجور والدہ بھی کیسی معصوم۔ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی ان کو ضرور ہوتی۔ سواب حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اپنے اعتراضات کا جواب تو دندان شکن نے چکے ہمارے ان اعتراضات کا جواب بھی چاہیئے۔

باقی رہا یہ قصہ کہ حضرت ام جلیلہؑ نے گو سغند مجنون کہ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور ان کے



بھائی کی نسبت کچھ کھلا بھیجا اور حضرت عائشہؓ نے گوسفند کا کھانا چھوڑ دیا۔ اول تو قصہ بے سند اور اگر ہو بھی تو اس کا ذکر کرنا اور مباحثہ کو ایسے مضامین سے طول دینا خود جنگ آزمائش ہے۔ صاحبو! مباحثہ ہے۔ کو سنایٹنا نہیں۔ جو حضرات شیعہ عورتوں کی طرح ایسی باتیں گاتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقط یہ شعر کافی ہے۔ ع

الجھنے کو بلائیں آپ تو کچھ خیر ہے صاحب لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلف پریشان کو غرض ایسی باتوں سے دین شیعہ مستحکم نہیں ہوتا حقانیت کی سند ہاتھ نہیں آتی۔ پھر کیا فائدہ دیوانوں کی طرح جاہلوں کے دل میں شہہ شک ڈالتے ہیں۔

### سوال چہارم

اہل سنت و جماعت اہم جعفر صادقؑ وغیرہ اہل بیت کو نہیں مانتے مگر اہم ابوحنیفہؒ اور اہم شافعیؒ کو مانتے ہیں جو معصوم نہ تھے۔ پھر ابوحنیفہؒ نے تو شراب کو حلال کیا ہے۔ اور اہم شافعیؒ نے ولد الزنا لڑکی سے زانی کا نکاح جائز کہا ہے۔

جواب سوال چہارم اہم ابوحنیفہؒ اور اہم شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہما اول ہمارے (اہل سنت ائمہ مجتہدین کو معصوم نہیں سمجھتے) نزدیک ایسے اہم نہیں جسکی بات خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے برابر ہو۔ ایک مجتہد میں اگر ان کی بات کوئی بھی ہو جس پر اعتراض کی گنجائش ہو تو کیا ہوا ہمارے نزدیک ہم سے نزدیک دونوں کے نزدیک مجتہد سے خطا ممکن ہے پھر وہ بھی فرقہ میں اور فرقہ میں بھی ایسی بات جو خواہ مخواہ ظاہر نہیں۔

(شیعہ کے ائمہ معصومین کے نزدیک مگر سقم تو رہے کہ حضرات شیعہ اماموں سے جن کی عصمت عاریت و نہ رج حلال ہے) کے مثل ابنیہ معتقد میں ایسی روایتیں کرتے ہیں جو صاف کلام اللہ کے مخالف ہیں۔ ارشاد میں جو تصنیف علامہ علیؒ ہے موجود ہے کہ اپنی باندی کو دوسروں پر حلال کر دے تو اس کو اس سے صحبت جائز ہے۔ پھر باندیوں میں بھی کسی کی تخصیص نہیں جس سے



اس کی اولاد ہو اس کا حلال کر دینا بھی جائز ہے۔ اور غیروں کو عاریت سے دینا ورنہ کنار وقف کر دینا شیعوں میں جائز ہے۔

بلکہ ابن ابی بکر یہ تو حضرت ام مہدی کے نام سے ایک واقعہ ایسا روایت کرتا ہے جس کے سننے سے مسلمانوں کا بدن کا پیتا ہے۔ حاصل کلام اس کا یہ ہے کہ جہانوں اور دوستوں کے لیے باندیوں اور خدمتوں کی شرمگاہ کی عاریت دینے میں بڑا ثواب ہے۔ اور عمدہ عبادات میں سے ہے۔

(شیعہ کے نزدیک متعہ بہت اوصاف متعہ کا آوازہ اور اس کے فضائل کا شور تو بھی نے سنا ہوگا یہی بڑا کار ثواب ہے) یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں سنی شیعہ ہوئے چلے بدلتے ہیں اور کیوں نہ

حسن عطاء کہتے ہیں میں نے ام جعفر صادق علیہ السلام سے شرمگاہوں کو عاریت دینے کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کچھ حرج نہیں۔

عبدالکریم کہتے ہیں میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنی باندی کی شرمگاہ اپنے کسی بھائی کے لیے حلال کر دے تو فرمایا یہ اس کے لیے حلال ہے جو اس نے حلال کیا۔

فضیل بن یسار کہتے ہیں میں نے ام جعفر صادق علیہ السلام کو کہا آپ پر میری جان قربان ہو جائے بعض اصحاب نے آپ سے روایت کی ہے کہ آپ نے کہا ہے جب کوئی آدمی اپنے کسی بھائی کے لیے اپنی لڑکی حلال کرے وہ اس کے لیے حلال ہے تو انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا نہیں نے کہا آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے پاس ایک خوبصورت لڑکی ہو اور باکرہ و کنواری ہو اس لڑکی کو اپنے کسی بھائی کے لیے فرج کے علاوہ حلال کرے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۷ پر)

بقیہ حاشیہ ۱۔ عن الحسن العطار قال سالت ابا عبد الله عليه السلام عن عارية الفرج قال لا بأس (استبصار ص ۱۳۸)

۲۔ عن عبد الكريم عن ابی جعفر عليه السلام قال قلت له الرجل يحل لآخره فرج جاريته قال نعم له ما احل له منها. (کافی ص ۲۷۸ تنبیہ ص ۲۷۸ استبصار ص ۱۳۸)

۳۔ عن الفضیل بن یسار قال قلت لابی عبد الله عليه السلام جعلت فداک ان بعض اصحابنا قد روی عنک انک قلت اذا حل الرجل لآخره فرج جاريته ففی له حل؟ فقال نعم قلت له فما تقول فی رجل عنده جارية نفیسة وھی بکرا حل لآخره ما دون فرجها الہ ان یفتتها؟



ہوں جیتے جی یہ مزے اور مرنے کے بعد وہ مرتبہ کہ حضرات ائمہ کا مرتبہ نصیب ہو۔ قطرات غسل سے  
 فرشتے پیدا ہوں۔ الیادین اور الیایا ایمان تو قسمت ہی سے ملتا ہے۔ اعتبار نہ ہو تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی  
 میں اس آیت فَمَا اسْتَسَعْتُمْ بِهِ مِنْهُمْ فَاتُوهُمْ اَجُودَہُمْ (پس ع ۱) کی تفسیر میں دیکھ لیں  
 میں نے تو کچھ بھی نہیں لکھا۔ انہوں نے تو وہ فضائل نقل کئے ہیں۔ کہ جن کے سننے کے بعد رمضان کی طرف  
 سے جدوجہد بھی ٹھنڈا ہوا جاتا ہے۔ جہاد کی قدر جڑا ہی جی سے نکل جاتی ہے بلکہ کوئی عبادت متعہ کے سامنے  
 آنکھوں میں نہیں جھپکتی۔ غرض ایسی ایسی لذتوں کی بدولت اس مذہب کی رونق ہوتی ورنہ جہاد و اجتہاد  
 ائمہ تو معلوم۔ جس سے یہ فروغ ہوتا اور کہہ سکتے کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں سے  
 اسلام کو فروغ ہوا۔ اماموں کے جہادوں سے مذہب شیعہ کو ترقی ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ)

قال لا یس لہ الا ما احل لہ منہا لو  
 احل لہ قبلہ منہا لم یحل لہ ما سوی  
 ذلک، قلت ارایت ان احل لہ ما دون  
 الفرج فغلبتہ الشهوة فاقتضہا قال  
 لا ینبغی لہ ذلک قلت فان فعل آیاکون  
 زانیاً؟ قال لا ولکن یکون خائناً  
 (کافی ص ۳۶۸ طبع تہران)

کیا وہ اس کی بکارت زائل کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں یہ  
 اس کے لیے روا نہیں سوائے اس کے جو اس نے حلال  
 کر دیا فضیل کہتے ہیں میں نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں۔  
 اگر اس کے لیے فرج کے علاوہ حلال کیا تو اس آدمی  
 پر شہوت۔ نے غلبہ کیا اور اس نے اس لونڈی کی  
 بکارت زائل کر دی اہم نے کہا یہ اس کے لیے مناسبت نہیں  
 میں نے کہا اگر اس نے ایسا کیا تو کیا زانی ہوگا؟ اہم نے کہا  
 نہیں خائن ہوگا۔

(۴) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام اذا احل  
 الرجل للرجل من جاریتہ قبلۃ لم یحل  
 لہ غیرہا فان احل لہ منہا دون الفرج  
 لم یحل لہ غیرہ وان احل لہ الفرج  
 حل لہ جمیعہا۔ (کافی ص ۳۶۸ طبع تہران)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ  
 جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے لیے اپنی لونڈی کا بوسہ حلال  
 کر دے تو اس کے لیے سوا بوسہ کے اور کچھ حلال نہیں اگر شر مگاہ  
 کے علاوہ حلال کر دے تو اس کے لیے اس کے علاوہ کچھ حلال  
 نہیں اگر شر مگاہ حلال کر دے تو اس کا تمام بدن حلال ہے۔



(سورۃ مومنون اور سورۃ معارج کی آیات میں صرف منکوحہ اور لونڈی حلال ہیں لیکن متعہ والی عورت کسی قسم میں داخل نہیں)

لیکن بایں ہر صاف کلام اللہ کے مخالف (پ) سورۃ مومنون (۱۴) اور سورۃ معارج (۱۴) دیکھئے یوں فرماتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأُفُوجِهِمْ حَفِظُونَ  
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ  
فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنْ ابْتَغَىٰ  
وَدَّ ذَٰلِكَ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ

اور جو اپنی شوہر کی جگہ کو تھاتے ہیں مگر اپنی عورت پر اپنے  
اتحہ کے مال باندیوں پر سوال پر نہیں کچھ الزام پھر جو  
کوئی دھونڈے اس کے سوا کوئی نہیں جس سے  
بڑھنے والے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بی بی اور باندی کے سوا اور کسی سے صحبت کریں تو وہ لوگ حد سے نکل  
جانے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ متعہ کی عورت نہ بی بی ہے نہ باندی۔ بی بی تو اس لیے نہیں کہ بشارت  
آیت فَاِنَّكُمْ كَحَا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَثُلَاثٌ وَرُبْعٌ نکاح چار (عورتوں)  
سے زیادہ نہیں اور متعہ میں شیعوں کے نزدیک یہ قید نہیں۔

اور لفظ نکاح سے زوجیت ثابت نہیں ہوتی تو اس بہت دھرمی کا کیا علاج ہے کہ سورت  
نسا کے دو رکوع میں فرماتے ہیں وَلَٰكِنَّ الْغُلَامَ الْمُتَّكِفُ رَاوِر عَوْرَتُوں کے لیے چوتھائی  
مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اور کہیں کی ضمیر اذْوَاجُكُمْ کی طرف راجع ہے جو پہلی آیت  
میں مذکور ہے۔ اور ازواج سب جانتے ہیں کہ بی بی کو کہتے ہیں۔ غرض جو لفظ ازواج سورۃ مومنون  
اور سورۃ معارج میں ہے وہی سورۃ نسا میں ہے۔ سورۃ نسا میں ازواج کی نسبت میراث میں  
در صورتیکہ اولاد نہ ہو رُبْع، اور اولاد ہو تو ثَمْنٌ، فرماتے ہیں۔

سو متعہ کی عورت اگر ازواج میں داخل ہوتی تو اس کو میراث بقدر مذکور ملا کرتی۔ حالانکہ باتفاق  
شیعہ، متعہ کی عورت وارث نہیں ہوتی۔ علیٰ ہذا القیاس اور احکام مثل عدت طلاق عدل وغیرہ کی  
جو بہ نسبت ازواج کلام اللہ میں مذکور ہیں متعہ کی عورت کی نسبت شیعہ تجویز نہیں کرتے اگر اندیشہ  
تطویل نہ ہوتا تو میں ہی سب کو بتلاتا۔ مگر یوں سمجھ کر کہ کلام اللہ موجود ہے پڑھنے والے خود دیکھ لیں  
مے اسی پر اکتفا کی جاتی۔ بالجلہ زن متعہ داخل ازواج تو نہیں چنانچہ خود شیعہ بھی اپنی کتابوں میں زن متعہ  
کو ازواج میں شمار نہیں کرتے۔



باقی رہا باندی ہونا اس کے ابطال کی کچھ حاجت نہیں۔ خود غلامی بہت کون کرے گا کہ زن متحر باندی ہے  
 ورنہ بیع، اشراء، ہبہ، عتق وغیرہ سب احکام جاری ہوتے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ زن متحر زوجہ ہے  
 نہ باندی تو متحر کرنے والے منجملہ قاتلینک ہمارے اعدائے ہوں گے یا نہ ہوں گے، یعنی منجملہ ظالمین جو  
 بمعنی عادیین ہے۔ اب غور فرمائیے کہ یہ مسئلہ باتفاق (شیعہ) منجملہ عبادات ہے سبحان اللہ مسنیوں پر  
 ان باتوں پر طعن جو ان کے ہاں اگر ہیں تو منجملہ مباحات میں نہ عبادات۔ پھر وہ بھی اختلافی نہ اتفاقی اور  
 وہ بھی اجتہاد ہے نہ یہ کہ بحوالہ نصوص قرآنی یا نصوص احادیث۔ پھر ان میں بھی کوئی بات خلاف عقل  
 و نقل نہیں بلکہ عقل و نقل دونوں اس کے مؤید ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ عنقریب ہی واضح ہو جائے  
 ہے۔ اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ صریح زنا مخالف قرآن شریف پھر اس کو یہ بھی نہیں کہ مباح کہہ کر چپ ہو  
 رہیں بروایت ائمہ اس کے فضائل بھی بیان کریں۔ پھر فضائل بھی ایسے ویسے نہیں کہ انسان گرفتار ہو کر  
 ہوس تو درکنار فرشتہ بھی تو ان فضائل کو سن کر لوٹ پوٹ ہو جائے اور متحر کرنے کو تیار ہو آدمی دوسرے  
 پر طعن کرے تو اپنی خبر لے لے۔

(شاید متحر کسی بھی مذہب و | حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک اس فحش صریح  
 ملت میں جائز نہ ہوا ہو) | کا یہ اہتمام کسی مذہب کی کت کسی دین کسی آئین میں نہ ہوا ہو گا۔  
 پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ بعض روایتوں سے تو اجازت عام معلوم ہوتی ہے۔ کہ کنواریاں اور رانٹیں  
 ہی نہیں خاوند والیاں بھی اس عیش و نشاط سے اپنا جی بخشنے لگیں۔ پھر وہ بھی ایک ہی سے نہیں۔  
 پانچ دس مردوں سے اختیار ہے چنانچہ علی بن احمد بیہی جو شیعوں میں بڑے جلیل القدر عالم تھے۔  
 اس پر فتوے دے مرے کہ متحر دور یہ یعنی ایک عورت کئی مردوں سے متحر کر لے جائز ہے اور وہی  
 کیا اور بھی بڑے بڑے عالم ان کے ہم زبان ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اصح علمائے شیعہ کے نزدیک یہی ہے  
 کہ خاوند والیوں کو بھی متحر جائز ہے۔ اور اگر یہ بات شیعیان زمانہ ہرمے نقل بالفرض تسلیم نہ کریں تو  
 ہرمے عقل تو قابل تسلیم ہی ہے۔ اگر مجتہدین اولین کے خیال میں اس قسم کے متحر کی اباحث نہیں آئی۔  
 تو مجتہد العصر کو تجدید دین فرمائی چاہئے۔ وجہ اباحث اگر ذہن میں نہ آئی ہو تو یہ خاک رے عرض پر داز ہے۔  
 پھر شکوہ انہ احسان ضروری ہے۔



ونکاح معاملات کے قبیل سے ہے اور متعہ عبادات سے اس لیے متعہ میں تعدد و جمع نہیں)

ونکاح میں جو عورت کے لیے تعدد و ازدواج جائز نہیں تو یہ وجہ ہے کہ نکاح از قسم معاملات ہے۔ بیع شرع

کی طرح جس سے معاملہ ہو گیا ہو گیا۔ بجز عبادات میں نہیں جو ثواب کی امید ہو اور تاہم ثواب کے لیے دس پانچ سے کیا جائے اور ترویج دین کے لیے خاوند و الہوں کو اجازت دی جائے ہاں بجز اللہ تعالیٰ باللہ متعہ میں ماشاء اللہ لغرض باللہ یہ فضائل ہیں کہ نہ پوچھتے ایک متعہ میں حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا دوسرے میں حضرت سبط اکبر رضی اللہ عنہ کا تیسرے میں حضرت امیر کا چوتھے میں خود مقام سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتا ہے اور غور کیجئے تو بقیاس صائب پانچویں مرتے میں خدائی کی امید۔ وہ وعدہ نہ سہی پر قطرات غسل سے ملائک کا تولد کس قدر موجب برکات ہو گا۔ وہ ملائک اس احسان کے بدلے کیا کچھ عرق ریناں دعا و استغفار میں کریں گے اور ان کی تسبیحات کا ثواب بے پایاں کیا حلواد بے دود کی طرح صفت ملے آئے گا۔ نہ مطلوب ہے تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی ملاحظہ فرمائیں الغرض یہ فضائل متعہ اس بات کو متفق ہیں کہ جس قدر ہو سکے دریغ نہ کیجئے۔ عورت کی طرف دیکھئے تو اس کے حق میں متعہ کا کرنا مردوں کے حق میں بڑی فیض رسانی ہے۔ اگر وہ نہ کریں تو مردوں کو یہ فضائل کیوں کر میسر آئیں۔ علیٰ ہذا القیاس مردوں کی طرف دیکھئے تو ان کا متعہ کرنا عورتوں کے لئے فیض کا کام ہے۔ سو اس فیض کو طرفین میں عام ہی رکھنا چاہیئے۔

(متعہ کو نکاح پر قیاس کرنا باطل ہے)

کیونکہ عورتیں بمنزلہ کھیتی کے ہیں اور متعہ کی صورت میں تقسیم اولاد ممکن نہیں)

خود حضرت خداوند تعالیٰ بھی یہی ارشاد فرماتا ہے

سوا اس زمین میں اگر دس پانچ کا اشتراک ہو گا تو اس کی پیداوار بھی اشترک

ہوگی اور بایں نظر کہ مقصود بالذات اس زمین سے جسے بی بی کیئے۔ یہ پیداوار ہے جسے اولاد

کیئے سو جسے زمین اصلی سے اس کی پیداوار مقصود ہوتی ہے یہاں بھی ہر کوئی اس پیداوار کا خواستگار

اصل فضائل متعہ کے شیعہ مذکورہ حوالے ص ۲۲۸ پر تفصیلاً مع اصل عبارات و صفحہ نمبر درج کر دیے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲۔ محمد اشرف



ہوگا اور نیز خواہش طبعی تو لہ اولاد بھی اسی کو مقتضی ہے پھر بوجہ محبت طبعی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کو لیجئے اس کو نہ لیجئے جو سب میں یوں تقسیم ہو جائے کہ در صورت تعدد اولاد ایک بچہ ایک لے لے اور دوسرا بچہ دوسرا لے۔ اور نہ یہ ہو سکے کہ ہر بچہ کو کانت پچانٹ کر گوشت کی طرح تقسیم کر لیں جیسے در صورتیکہ ایک ہی بچہ ہو صورت تقسیم ہی نظر آتی ہے اس لیے چار و ناچار نکاح میں مردوں کا تعدد تو ممکن نہ ہوا ہاں عورتوں کے تعدد میں کچھ خرابی نہ تھی۔ پر متعہ میں مقصود بالذات اولاد ہوتی ہی نہیں بلکہ قضاء حاجت اور تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت کا رد کر دینا اور ثواب کا کام کر دینا (ہوتا ہے) بلکہ بعض صورتوں میں تحصیل اولاد ممکن ہی نہیں۔ جیسے ایک ایک مرد و شب کے لیے کوئی عورت روز متعہ کرتی ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں اول تو بوجہ کثرت مجامعت جیسے روزوں کی اولاد بہت کم ہوتی ہے اولاد ہی کیوں ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو سبھی کی ہوگی۔ کسی ایک کی کیونکہ کہہ دیجئے جو اس کے حوالہ کر دیجئے پھر اولاد مقصود نہ ہوئی تو وہی قضا حاجت و تحصیل و ثواب یا دوسرے کی حاجت روائی اور تائید کا ثواب باقی رہ گئے۔

سو اس کی ممانعت قرین عقل و نقل پر نہیں فیض اور ثواب کا کام ہے جس قدر ہو سکے عنیت ہے ایک سے کرنے میں ایک کا فیض اور ایک کا ثواب ہوگا تو دوسرے اور دس پانچ سے کرنے میں زیادہ ہی فیض اور زیادہ ہی ثواب ہوگا۔

(خاوند والی عورت کے متعہ میں اشتباہ علیٰ ہذا القیاس خاوند والیوں اور ان کے خاوندوں کے حق میں متعہ میں مضرت منقود اور منفعت موجود ہے عورت کے حق میں اپنی قضا حاجت جدا دوسرے کی حاجت روائی جدا اپنا ثواب جدا دوسرے کے ثواب میں شریک ہو جانا جدا۔ پھر خاوند کے لیے بے محنت بچوں کی امید بے بوائے جو تے کھینچ رہی پکائی ہاتھ آئی اس سے زیادہ اور کیا نفع ہوگا غرض جو وجہ ممانعت تعدد ازواج عورت کے حق میں نکاح میں تھی یہاں اصلاً نہیں پھر تجدد دین کو کیوں ہاتھ سے دیجئے اور کاہے کو اس فتویٰ فیض سے احقر تازہ کیجئے۔ بالجملہ اپنے گھر کا تو یہ حال پھر شیعہ امام ابو حلیفہؒ اور اہم شافعیؒ پر طعن کریں تو یہ کریں کہ ایک نے تو شراب کو حلال فرمایا دوسرے نے اولاد الزنا کو (نکاح میں) حلال بتایا۔



(امام عظیم ابو حنیفہؒ نے شراب کو حلال نہیں کہا) | صاحبو! امام ابو حنیفہؒ نے اگر شراب کو حلال کہا ہے تو مطلق شراب کو حلال نہیں کہا ہے۔ حالت اضطرار میں حلالی کہا ہے جس میں خود خداوند کریم نے مطلقہ وغیرہ محرمات کو حلال کہا ہے اعتبار نہ آئے تو سورہ مائدہ کے پہلے رکوع کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ کے کرفانَ اللّٰهُ عَنَّا وَرَجِيعُهَا تِلَاوَتِ فَرَامِش۔ آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ کے اگر مردار وغیرہ محرمات کا حکم ہونا معلوم ہو گا تو آیت ۔

فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ  
لِأَنفِهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ (پ ۶ مائده ۶)

(پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے محبوس میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو  
تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

سے اپنی محرمات کا حالات اضطرار میں جواز معلوم ہو جائے گا۔ سو حضرات شیعہ ہی انصاف فرمائیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے ایسے وقت میں اگر شراب کو حلال فرمایا تو خدا ہی کے اشاروں پر چلے کچھ خدا کی مخالفت تو نہیں کی جو اس قدر رنج و ملال ہے مگر ہاں شاید حضرات روافض کو خود جناب احکم الحاکمین پر اعتراض ہو اور نہیں تب اب کریں گے خیر اگر یہ ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں اور جواب کی کچھ حاجت نہیں فقط اس وقت یہ ایک شکر کافی ہے۔

شاد م کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی گوشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد  
بایں ہمہ اہم ہمام نے بوقت مذکور اگر کہا ہے کہ حلال ہی کہا ہے۔ فرض، واجب، سنت، مستحب  
تو نہیں کہا جائز ہی فرمایا ہے۔ مستوجب حصول درجاتِ ائمہ اطہار و سید ابراہیم صلی اللہ علیہ و علی آلہ و  
اصحابہ جمعین تو نہیں فرمایا۔ متعہ کے برابر کر دیتے تو جائزے اعتراض تھی کہ ایسی ناپاک چیز کو ایسے پاک کام  
کے برابر کر دیا فقط جواز پر اس قدر ترش رو ہونا مناسب نہیں۔

(اہم شافعی کی طرف سے) | ہے اہم شافعی انہوں نے اگر اولاد الزنا کا نکاح جائز فرمایا۔ تو بائیں نظر فرمایا  
حرمیت مصاہرہ کا جواب) کہ زمانے نسب ثابت نہیں ہوتا چنانچہ میراث کا نہ ملنا اس کی دلیل ہے  
پھر حرمت نسب و مصاہرہ ثابت کیوں ہوگی۔ اور میں جانتا ہوں انہوں نے کچھ بے جا نہیں کہا۔  
قطع نظر اس کے کہ نسب جیسی نعمت جس کے نعمت ہونے پر ادھر اپنا وجدان، دوسری آیت قرآن  
واقعہ سورہ فرقان۔

وَمَوْلَا الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ  
(اور وہی ہے جس نے بتایا پانی سے آدمی پھر پھر کیا اس



کے لیے جد اور سرال اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے۔

دو شاہ عادل گواہ ہیں، ایسے فعل قبیح سے جسے زنا کہتے ہیں کیونکہ ثابت ہو ورنہ زنا بھی منجملہ انعامات ہو مخرجات نہ ہو۔ مستح کو دیکھا کہ باوجود کثرت فضائل و فوہر محمد عظمت ثواب مثبت نسب نہیں۔ چنانچہ اولاد مستح کو میراث نہیں پہنچتی۔ پھر جب شیعوں کے نزدیک مستح مثبت نسب نہ ہوا۔ اہم شافعی اس پر قیاس کر کے زنا کو مثبت نہ سمجھیں تو خفا ہونے کی بات نہیں۔ شیعوں کو تو آخرین و تحسین کرنی چاہیے۔ ہاں یہ شکایت ہو تو بجائے کہ زنا مستح کے ساتھ زنا مشہور کی اتنی برابری میں بھی بے ادبی ہے زنا مستح کجا زنا مشہور کجا۔ پھر زنا معلوم کو ایسے زنا کے ساتھ جو عبادت ہوا تا بھی مشاہدہ نہ رکھنا چاہیے مگر یہ شکایت اور یہ اعتراض ہے تو اہل سنت کے پاس اس کا جواب نہیں اور ہے تو یہ ہے۔

”جواب جاہلان با شذخہ شعی“

لیکن شیعہ انصاف کریں تو جائے شکایت نہیں۔ ہاں زنا معلوم کو فضائل میں زنا مستح کے برابر کر دیتے تو بے جا تھا۔ اب کیا ہے اسی زمین و آسمان کا فرق باقی ہے اور ان سب باتوں کو جانے دیجئے اہم ابو حنیفہؒ اور اہم شافعیؒ سنیوں کے نزدیک شیعوں کے سے اہم نہیں جو ان کی غلطی سے سنیوں کا کوئی رکن مذہب ڈھ جائے۔

(شیعہ مذہب کے اصول بھی علاوہ بریں مسائل مذکور کچھ اصول احکام مذہب اہل سنت اور مسائل متفق قرآن پاک سے ٹکراتے ہیں) علیہ میں سے نہیں پھر ان کی حلت حرمت بھی ایسی زباں زرد عام ہیں ہاں ائمہ شیعہ کی روایت سے ثابت۔ جن کی طرف بطور شیعہ احتمال خطا ممکن نہیں۔ پھر مسائل متفق علیہا اور اصول مذہب میں سے اگر کوئی اس مسئلہ کو نہ مانے تو شیعہ ہی نہیں تو اس پر اس کا حال اور اس کی حلت ایسی واضح کہ کسی پر غنی نہیں۔ اب لازم یوں ہے کہ ہمارے اس اعتراض کا جواب دیجئے ورنہ یہ شرط انصاف نہیں کہ دوسروں سے تقاضا کریں اور اپنے آپ آئیں غائیں بتلائیں۔ باقی فروع کو بھی اسی پر قیاس کیجئے۔ تو قیاس کون زنگستان من بہار مر۔

سبہ اصول و اصول کی کچھ نہ پوچھئے ائمہ کو ان کے اعتقاد کے موافق علم ازل وابد اور اپنی موت و حیات کا اختیار جس کے بطلان پر بیسیوں آیتیں کلام اللہ کی گواہ۔ زیادہ کی فرصت نہیں ایک ایک آیت دونوں کے بطلان کے لیے پیش کش ہے۔ اول کے لیے۔



قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَتَعَفَّدُونَ إِلَّا أَنْ يَتَعَشُونَ  
 تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں  
 جیسی ہوئی چیز کی سزا اللہ اور ان کو خبر نہیں کہ جسے اٹھیں گے

جو (پٹ) سورہ نمل (ع ۵) میں واقع ہے اور دوسرے مسئلہ کے ابطال کے لیے۔  
 إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَتَأَخَّرُونَ سَاعَةً  
 جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ پیچھے سرک سکیں  
 وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (پٹ یونس ع ۵)  
 گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے۔

جو کوئی بالفطرت کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ واقع ہے۔ سوا اس کے اور کچھ حاجت نہیں ملتی مگر وہ  
 خروارے۔ ہاں اگر اس بات کا اعتبار نہ ہو کہ شیعہ کا یہ مذہب اور یہ اعتقاد ہے یا نہیں تو کلیتی طور پر  
 فرمائیں اور پھر یہ فرمائیے کہ سفیوں کو تو ذرا سی مخالفت کلام الشریعہ اتنے طعنے پھر وہ مخالفت ہی موافق

لہ شیعہ محدث کلینی اب قائم کرتے ہیں "ان الاثمة عليهم السلام يعلمون متى يموتون وانهم  
 لا يموتون الا باختيار منهم" یعنی اگر اپنی موت کے وقت سے باخیر ہوتے ہیں اور وہ اپنے اختیار سے  
 ہی مرتے ہیں۔ اسی باب کے نیچے روایت نقل کی ہے۔

قال ابو عبد الله عليه السلام اعي الامام  
 لا يعلم ما يصيبه والى ما يصير فليس  
 ذلك بحجة الله على خلقه (کافی ص ۲۵۹ طبع قہران)  
 امام جعفر صادق نے فرمایا جو امام اپنے آئندہ پیش آنے والے  
 حالات و واقعات سے باخبر نہ ہو وہ اللہ کی طرف  
 سے اس کی مخلوق پر حجت نہیں۔

اسی طرح کلینی نے دوسرا باب قائم کیا ہے باب: ان الاثمة عليهم السلام يعلمون ما كان وما  
 يكون وانه لا يخفى عليهم الشئ صلوات الله عليهم یعنی اگر ازل سے اب تک کا علم جانتے ہیں  
 اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ اس باب کے نیچے کلینی اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں۔

ملہ عن سيف التمار قال كتبت الى عبد الله  
 عليه السلام جماعة من الشيعة في الجحقال  
 علينا عين؟ فالتفتنا يمنة ويسرة فلم  
 نراها فقلنا ليس علينا عين فقال و  
 رب الكعبة ورب البنية ثلاث مرات.  
 سيف تمار کہتے ہیں امام جعفر صادق کی ایک  
 جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہماری کوئی  
 جاسوسی کر رہا ہے پس ہم نے دائیں بائیں توجہ کی تو ہم  
 نے کسی کو بھی نہ دیکھا۔ ہم نے کہا ہماری کوئی بھی جاسوسی  
 نہیں کر رہا تو امام نے کہا کعبہ کے رب، عمارت  
 (باقی صفحہ ۳۸۲ پر)



مصرع مومن سے میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

اپنے ہی قصور فہم سے مخالفت معلوم ہوتی ہے اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ اصول سے فروغ تک جتنے سنے ہیں سب کلام اللہ کے مخالفت اور پھر مخالفت بھی کیسی کچھ کہ الہی پناہ! موافقت کے لیے دوسرا ہی کلام اللہ (اہم غار والا) چاہیے اس کلام کی موافقت تو معلوم واللہ اعلم۔

## سوال پنجم

حضرات اہل سنت شیعوں کی عزاداری اہم حسین رضا میں سیر لپشتی اور سینہ زنی پر مستر من بہتے ہیں۔ حالانکہ خانہ کعبہ کا خلاف کالاس ہے۔ اور جلال الدین سیوطی کے فتویٰ سے خلفاء عباسیہ شاہانہ سیار لباس استعمال کرتے تھے)

### بقیہ حاشیہ

کعبہ کے رب کی قسم یہ انہوں نے تین مرتبہ کہا اگر میں موسیٰ اور خضر کے پاس ہوتا تو انہیں خبر دیتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ جانتا ہوں اور انہیں وہ چیز بتاتا جو ان کے پاس نہ تھی اس لیے کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کو جو کچھ ہو چکا اس کا علم تو دیا گیا اور قیامت تک ہونے والے امور کا علم انہیں نہیں دیا گیا اور ہم نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وراثت پائی ہے۔

امام جعفر صادق سے بہت سے شیعہ راوی نقل کرتے ہیں کہ امام نے کہا بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور میں جانتا ہوں جو کچھ جنت میں ہے اور میں جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا یا ہو کچھ ہونے والا ہے۔ ۱۲۔ محمد اشرف۔

لو كنت بين موسى والخضر لأخبرتهما  
أني أعلم منهما ولا يُثبتهما بما ليس في  
أيديهما - لأن موسى والخضر عليهما السلام  
أعطيا علم ما كان ولم يعطيا علم  
ما يكون وما هو كائن حتى تقوم الساعة  
وقد وثقنا من رسول الله صلى الله عليه  
وسلم وراثته - (اصول کافی ص ۲۱۱ طبع تهرن)  
لنسمعوا أبا عبد الله يقول أني لأعلم  
ما في السموات وما في الأرض وأعلم  
ما في الجنة وأعلم ما في  
النار وأعلم ما كان وما يكون  
(كافي ص ۲۱۱ طبع تهرن)



**جواب سوال پنجم** | اس سوال کا کیا جواب لکھئے جیسے اپنے مذہب اور اہل مذہب کی درمندی باعث تحریر جواب ہے ایلے ہی حضرات شیعہ کی خوش فہمی پر افسوس موجب ہیچ و تاب ہے۔ علماء شیعہ کو اگر اعتراض کرنا نہیں آیا تھا تو اہل سنت ہی سے سیکھ لیتے جہاں کلام اللہ کا (ان کو) استاد بنایا تھا۔ کہ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر کلام اللہ بھی جہاں میں نہ ہوتا۔ فہم مطالب میں بھی ان ہی کی جوتیاں سیدھی کرتے۔

**(دعویٰ و دلیل میں مطابقت نہیں)** | دلیل کیا ہے مدلول کیا ہے۔ کجا خانہ کعبہ اور خلیفہ عباسیہ

کی سیر پوشتی۔ کجا حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے ماتم کی سیر پوشتی ہے۔

غم میں اور فرحت میں ہے فرق زمین آسمان کا کھول کر آنکھیں تو دیکھو وہ کہاں اور یہ کہاں

اجی حضرات کچھ انصاف فرمائیے خانہ کعبہ پر نوحہ کرنے والوں کو کیوں کر قیاس کریں وہ خدا

کا گھر یہ خدا سے بے خبر اگر خدا یاد ہوتا تو یہ گریہ و زاری اور یہ نوحہ و بے قراری نہ ہوتی خدا تو فرمائے۔

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (پاک افغان) (اور صبر کر دینک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے)

یہاں اٹھنے رونے دھونے سے کار، خدا تو فرمائے۔ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (پاک ال عمران ۱۰۶)

(اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے) یہاں اور برعکس دونی زار و زار ہے۔ ااجی

صاحب حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ سے صدمہ ہے تو صبر کیجئے خدا کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دھکے اور

رنج و صدمہ نہیں اور یہی سچ ہے تو دونوں نہ کیجئے اور کالے پتروں اور جھوٹے آئینوں سے دعویٰ

محبت نہ کیجئے۔ اگر یہی دین و آئین ہے تو منافقین زمانہ نبوی بدرجہ اولیٰ ویندار اور مستحق کرامت پر درگاہ

ہوں گے۔ آپ اگر اظہار محبت سید الشہداء کرتے ہیں تو وہ اظہار محبت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

کرتے تھے ان کے اگر جی میں (محبت) نہ تھی تو محبت تو آپ کے بلی جی میں نہیں

(گریہ و زاری دلیل ایمان و محبت نہیں) | باقی رہا سوز خوانی اور تصویر واقعہ کو بلا سے اگر رونا آتا

ہے تو اس میں آپ ہی کا کیا کمال ہوا۔ مجھوس، ہنود و نصاریٰ یہود بھی اگر اس کیفیت کو سنیں تو

روائٹیں۔ کیفیات مصائب کو سن کر تو اجنبیوں کو بھی رونا آجاتا ہے اس کو محبت نہیں کہتے چنانچہ

ظاہر ہے۔ اور اسے بھی جانے دیجئے اگر یہی قیاس ہے تو کل کو بوجہ مقبولیت غم امام رضی اللہ عنہ

سیر پوشان محرم الحرام دعویٰ مسجودیت کریں گے۔



وہی خانہ کعبہ جس کی سیاہ پوشی دستاویز ہے

یہ پوشی محرم ہے قبلہ نمازا اور قبلہ  
عشق جانگاز ہے۔ جب سیاہ پوشی وٹاں سے اڑائی تو قبلہ و کعبہ بننے کے لیے کون مانع ہے حضرت  
قبلہ و کعبہ مجتہد العصر تو برائے نام ہی قبلہ و کعبہ ہیں۔ پر نوحہ کمال دسیہ پوشان محرم واقعی قبلہ  
و کعبہ بنیں گے۔ اور حضرت قبلہ و کعبہ مجتہد العصر بھی ناچار ان کی جانب جھکیں گے۔ آخر ہم سنتے  
ہیں کہ حضرت مجتہد العصر دربارہ سیاہ پوشی و سینہ زنی و تعزیر داری و مرثیہ خوانی ان اہتمام اور ان  
امور خیر میں جو شہر و محبت میں مثل عوام کوشش و اجتہاد نہیں فرماتے۔ علیٰ ہذا القیاس مجتہدان گذشتہ کا حال  
بھی ایسا ہی سنتے چلے آتے ہیں۔ بالجلد قیاس کرنے کو کوئی مشابہت بھی چاہیے۔ لباس خانہ کعبہ پر  
لباس نوحہ گراں بے صبر کو قیاس نہ کرنا چاہیے۔ وہ اور قسم کی چیز منظر ان غم اور قسم بائیں ہمہ ایک قسم میں  
میں بھی ایک حال کا مظاہرہ ہے۔ بیمار کو صحیح تندرستوں پر قیاس کر کے بد پر ہیزی کی چیزیں نہ کھلائی  
چاہئیں اگرچہ دونوں ایک ہی قسم کی چیز ہیں۔ سو جیسے صحیح تندرستوں کو پلاؤ زردہ شیر مال باقر خانی عمدہ غذا  
کھانے میں کوئی عرج نہیں اور بیمار کھانے کو خیر نہیں۔ ایسے ہی خانہ کعبہ کے لیے سیاہ پوشی جائز ہو اور  
نوحہ گردوں کے لیے جائز نہ ہو تو کیا مضائقہ ہے اس اگر سیاہ پوشی زین کے مقدمہ میں ایسی ہوتی جیسے زین قاتل  
بنی آدم کے لیے نہ صحیح تندرست کو کھانا چاہیے نہ بیمار کو تو اس وقت اس اعتراض کا موقع تھا ہم بھی  
کہتے کہ جو چیز اصل سے بڑی ہے وہ سب کے لیے بڑی ہے اور سب جگہ پر بڑی ہے۔ مگر لباس سیاہ  
کسی کے نزدیک کسی مذہب میں اصل سے بڑا نہیں جو یوں کہنے کہ خانہ کعبہ کے لیے بھی بڑا ہے اور غلہ  
عباسیہ کے لیے بھی بڑا ہے۔ اس میں اگر بُرائی ہے تو اسی وجہ سے بُرائی ہے جو درباب مرثیہ خوانی جواب  
سوال اول میں مرقوم ہو چکی۔ اعنی بایں وجہ کہ یہ کام شیعوں کے نزدیک ان کاموں میں سے ہے جس پر ثواب  
کی امید ہے پھر بایں ہمہ نہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ سیرت شریف میں اس کا نشان۔ کلام اللہ کا حال  
تو ظاہر ہے بلکہ کلام اللہ میں اگر ہے تو صبر کی تاکید ہے نہ یہ کہ جزع فزع کیا کرو اتفاق کی ممانعت ہے  
نہ یہ کہ غم کی صورت بنا کر سب کو جتلا یا کرو۔ چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا۔

دعا عزا داری کی قرآن کی طرح احادیث میں بھی ناپید نہیں رہی احادیث نبوی و کلام اللہ کے موافق اور کیوں نہ ہو  
موافق آیت شریف و نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ قَبِيلًا تَكْلِمًا شَيْءٌ جس کے یہ معنی ہیں کہ اناری  
ہم نے تجھ پر کتاب جس میں سب چیز کا بیان ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں بجز تفصیل اجمال



کلام اللہ اور شرح مشکلات قرآن اور کچھ نہ ہوگا۔ ورنہ احادیث میں سوائے کلام اللہ اگر اور بھی ایسے احکام ہوں جن کا کلام اللہ میں صراحت ذکر ہو نہ اشارۃً۔ تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی کہ کلام اللہ میں سب چیز کا بیان ہے۔ سو بایں نظر کہ کلام اللہ میں صاف صاف صبر کی تاکیدیں اور نفاق کی ممانعتیں ہیں۔ اور اس قسم کے خرافات کا اصلاً ذکر نہیں جو حضرات شیعہ محرم و غیر محرم میں کرتے ہیں۔ تو اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ احادیث میں جو ہوگا وہ اس کے موافق ہوگا مخالف نہ ہوگا۔ اس صورت میں اس قسم کی واهیات موافق آیت مطروہ

إِن تَتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (پٹ اعراف ۱)

(چلو اسی پر جو اتر آتم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے)

سب ممنوع ہوں گے اور پھر موافق آیت۔

وَمَن يُتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پٹ بقرہ ۲۹)

(اور جو کوئی بڑھ چکے اللہ کی باندھی ہوئی حدود سے سو وہی لوگ ہیں ظالم)

ان کاموں کے کرنے والے داخل دھرم ظالمان ہوں گے۔

(بدعت کی تعریف اور مسئلہ سے اس کی نفی) | ہاں اگر مثل خلفاء عباسیہ اور عباس خاندان کعبہ سیاح پوشی موجب ثواب نہ سمجھتے جیسے بہت سے اہل شوق سیاح ہنر زرد و غیرہ الوان کے کپڑے پہنتے ہیں اور کچھ موجب ثواب نہیں سمجھتے تو یہ کام ممنوع نہ ہوتا۔ بالجملہ موافق آیات مذکورہ اور نیز موافق حدیث مشہور و مذکور۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری ص ۱۲ مسلم ص ۲)

اور نیز موافق حدیث کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم ص ۲۸۵) (ہر بدعت گمراہی ہے) جو باتیں کلام اللہ اور احادیث سے ثابت نہ ہوں پھر ان کچھ ضرورت شرعیہ ثواب سمجھ کر کرے تو وہ باقی سب منجانبہ عتاق ہوں گی باقی وہ کیا چیزیں ہیں جو بوجہ ضرورت شرعیہ باوجودیکہ کلام اللہ اور حدیث میں نہیں ہوتیں موجب ثواب ہوتیں ہیں۔ تفصیل تو ان کی ممکن نہیں ہاں کوئی ایک نظیرہ نظر ہو تو بغور سنئے۔

منجانبہ ان کے توپ بندوق وغیرہ سے جہاد کا کرنا۔ دین کی کتابوں کا تصنیف کرنا ہے یعنی یہ چیزیں ہر چند کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر ان کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب نسخہ میں دو تولہ شربت بنفشہ مثلاً لکھے اور بیمار کسی سے شربت بنفشہ کی ترکیب دریافت کر کے دوا میں جمع کرے مٹھائی لائے چو لہا بنائے آگ جلانے تو ام پکائے شربت بنفشہ بنائے ہر چند اتنے



بکھیلنے کی نسبت نسخہ میں تصریح نہ تھی مگر بایں نظر کہ شربت بنفشہ بے اس بکھیلنے کے حاصل نہیں ہو سکتا،  
 لہذا کرنا پڑے گا اور اس بکھیلنے کا کرنا امثال امر طیب سمجھا جائے گا موجب خوشنودی طیب ہوگا۔  
 سو جیسے طیب نسخہ میں فقط دو تو لہ شربت بنفشہ ہی لکھا تھا اور اس جگہ بکھیلنے کا اصلاً مذکور نہ تھا اور  
 پھر بایں ہمہ اس کا کرنا موجب ناخوشی نہیں بلکہ اگر شربت بنفشہ تیار نہ ملے تو اس جگہ بکھیلنے کا نہ کرنا البتہ  
 موجب ناخوشی ہوگا ایسا ہی تصنیف کتب اور آلات مذکور کی ہر چند کتاب اللہ اور احادیث نبوی میں  
 کہیں تصریح نہیں اپر بایں نظر کہ جہاد اور علم اس زمانہ میں دونوں پر موقوف ہیں تو ان کا کرنا موجب  
 ناخوشی نہ ہوگا بلکہ نہ کرنا موجب نارضا مندی خداوند ذوالجلال اور رسول باکمال صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔

(بدعت کی حسی مثال) | ہاں اگر ایسی کمی بیشی ہو جیسے طیب نے دو دوائیں لکھیں تھیں۔ یہ اس میں  
 اپنی رائے سے ایک دو ٹوٹ جائے یا گھٹائے یا انڈان اور یہ میں اپنی رائے سے کمی بیشی کر دے جیسے طیب  
 ایسے تصرفات سے ناخوش ہوتا ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے تصرفات سے ناخوش ہوں گے  
 ان کی مثال ایسی ہے جیسے فرائض خمسہ کو چار کر دیجئے یا چھ کر لیجئے یا اعداد رکعات میں تصرف کر کے خل  
 دیجئے مگر چونکہ معمولات شیعوہ کا نہ کلام اللہ و حدیث میں کہیں پتہ ہے نہ کوئی حکم احکام شرعیہ ضروریہ  
 میں سے اس پر موقوف بلکہ معمولات مذکورہ کے باعث صبر و احکام ضروریہ شرعیہ میں سے ہے لہذا  
 جاتا رہتا ہے تو لاریب حسب ہدایت مثال مذکور سب موجب ناخوشی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگے۔

اب سنئے کہ جیسے کلام اللہ اور احادیث اہل سنت میں ان معمولات کا کہیں پتہ نہیں احادیث  
 اہل تشیع بھی ان کے بیان سے خالی ہیں اس لیے علماء شیعوہ جو متقی بھی ہوتے ہیں ایسی باتوں سے احترازی  
 کرتے ہیں اور اگر فرض کیجئے احادیث شیعوہ میں کہیں اس قسم کا مذکور بھی ہو تو قطع نظر اس سے کہ شیعوں  
 کے نزدیک وہ حدیثیں معتبر بھی ہیں یا نہیں۔ ان حدیثوں میں ہونا اہلسنت کے اعتراض کا دفع نہیں  
 ہو سکتا شیعوں کی معتبر حدیثوں کو بھی اہلسنت معتبر نہیں سمجھتے جو ان میں ہونا ان کے لیے حجت ہو۔ ہاں  
 اگر حضرت سائل یہ پوشی خانہ کعبہ اور سیہ پوشی خلقا ربیہ سید پر قیاس فرما کر اہل سنت پر الزام نہ رکھتے  
 اور قصد اثبات سیہ پوشی قواعد اہل سنت سے نہ کرتے تو خیر یہی کھتے کہ وہ جانیں اور ان کا کام جانے  
 مگر ستم تو یہ ہے کہ بے وجہ اہل سنت کے حجیت کرتے ہیں مصرع مشور ہے ع  
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں



(لباس خلع اور عبا سیر سے یہ پوشی پر استدلال صحیح نہیں) | اب گزارش دیجیے کہ لباس خلع اور عبا سیر اگر بوجہ تمام داری حضرت سید الشہداء علیہ السلام علیہ السلام استرخا نہ کعبہ بخرمن مذکور سیاہ مقرر ہوا تب تو خلع اور عبا سیر کی داد دیجیے اور اہلسنت کی فریاد نہ کیجئے اور اگر بوجہ عزا داری حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ بوجہ زیب و زینت و آرائش ہے تو آپ کو کیا زیبا ہے کہ ایسے غم میں یہ خوشی۔ پھر وہ بھی باقتدار خلع اور عبا سیر جس سے ائمہ اہل بیتؑ نے کیا کیا رنج اٹھائے اور کیا کیا داغ کھائے اور کوئی اور وجہ ہے تو پہلے اس کی تعین فرمائیے پھر قیاس دوڑائیے مگر دل میں تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ لباس خلع اور عبا سیر نے بوجہ آرائش اختیار کیا تھا کوئی صدمہ باعث سیر پوشی نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس خانہ کعبہ کا غلاف کسی تعزیر میں سیاہ نہیں ہو گیا آرائش خانہ مغلطہ مقصود ہے کوئی تعزیر مقصود نہیں۔ شیعیہ حضرات کو بھی اس واقعہ پر اظہار سرور و منظر ہو گا جو لباس زینت اختیار کیا۔ اور شاید کہوں کہ یہ یقینی کہئے۔ تماشہ سرفہ دبا جا۔ طبلس، حصول، نفیر، روشنی، گانا بجانا، کون سی بات شادی کی چھوڑ دی۔ فقط ایک آنکھوں کو بھٹوک لگا کر زور سے چلانا اور سینہ پر ہاتھ مار کر محفل کو سر پر اٹھانا غم میں شمار کر لیجئے یا بھانڈوں کا تماشہ قرار دے لیجئے۔ مگر غم کا کوئی سامان ہی نہیں۔ ہے تو شادی ہی کا سامان ہے۔ سو جیسے بوجہ تہنات سامان عیش و نشاط وقت شادی بھانڈوں کی کسی مصیبت کی نقل میں چھینے کو غم پر کوئی محمول نہیں کرنا یہاں بھی وہی سارا سامان موجود ہے۔ غم نہ سمجھے شادی شیعہ سمجھے۔

(شیعوں کے اصل پیشوا کون ہیں) | اور کیونکر نہ سمجھے۔ شیعوں کی اصل کڑی لے تو ان کے پیشوا وہی ہیں۔ جنہوں نے اول حضرت سید الشہداء (کر بلام) رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر دغا سے کر عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ ہو کر حضرت کو قتل کروایا۔ سو ان کو اصرار ان کی امت کو خوشی نہ ہوگی تو اور کیا ہو گا۔ اور اسے بھی ایک طرف رکھیے۔ ہم پوچھتے ہیں حضرت سید الشہداء کا اظہار غم ہی چاہیے۔ مثل اہلسنت صبر کر کے اس غم میں دل کو نہ جلائیے۔ پر یہ تو بتائیے کہ یہ قاعدہ اظہار غم کا کہاں سے اڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے مثل قواعد دین اس کے لیے کوئی قاعدہ نہیں بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہیں فرمایا۔ بجز اس کے کہ نصائی سے یہ بات اڑائی ہو اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ نصرائیوں میں اظہار غم کے لیے اس قسم کے احکام صادر ہوئے ہیں مگر اہل دانش جانتے ہوں گے کہ میور صاحب کے مائے جانے میں جو حکم سیر پوشی ہر عام خلاص



کو ہوا تھا تو ان کے دل میں اس بات سے غم نہیں گھس گیا تھا بلکہ فقط ایک نفاق ہی نفاق تھا خیر یہ تو کبھی جانتے ہیں کہ ان باتوں سے دل میں غم نہیں آجاتا۔

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت علیؑ کی [اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ جو رسول اللہ ﷺ] مشابہت اور دو گمراہ فسوقوں کا ظہور) صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو فرمایا تھا کہ مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام و علی نبیا الصلوٰۃ والسلام ایک قوم تمہاری محبت میں ہلاک ہوگی اور ایک قوم تمہاری عداوت میں زندہ رہے گا۔ افسوس و خوارج نے سچ کر دکھایا یعنی اگر خوارج نے دوبارہ عداوت حضرت امیر رضی اللہ عنہ یہود کی پیروی اختیار کی تھی۔ حضرات شیعہ دوبارہ افراطِ محبت نصاریٰ کے قدم لقمہ چلے۔ نصیر یہ نے تو صاف صاف حضرت امیرؑ کی خدائی کا اقرار کیا۔ اور اثناعشریہ نے گو اس طرح بے پردہ اقرار نہ کیا پر بوجہ اثبات علم غیب وغیرہ پردہ میں خدائی کا اقرار کیا۔ کیونکہ علم غیب بمشادوت کلام اللہ چنانچہ مذکور ہو چکا خدائی کو ایسی طرح لازم ہیں جیسے آفتاب کو دھوپ۔ سو جیسے دھوپ سوا آفتاب اور کسی چیز میں نہیں آئے ہی علم غیب سوائے خداوند علیم کسی آدمی میں نہ سمجھنا چاہیئے اور کوئی سمجھے تو یوں سمجھو کہ یہ شخص اس کو خدا سمجھتا ہے۔

(شیعہ فرقہ کی حضرت امام حسینؑ سے محبت عیسائی فرقہ انصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھنے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مجسمے مشابہت ہے) [کپٹے گناہوں کے لیے کفارہ سمجھتے ہیں۔]

حضرات شیعہ حضرت سید الشہداءؑ کے خون کا خون بھاشیوں کی محض خیال کرتے ہیں اور ان کے یہاں حضرت مسیح کی حاضری ہوتی ہے۔ جس میں نان و شراب کو بلفظ گوشت و خون مسیح علیہ السلام تعبیر کر کے نوش کرتے ہیں۔ یہاں باحتمال اختلاط خون سید الشہداءؑ خاک کر بلا کو پانی شربت میں مشمول کر حضرت کا خون پییتے ہیں اور کہیں نہ پئیں حضرت کے خون کے پیاسے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور چال ڈھال کو خیال کیجئے تو بالکل وہی نسبت ہے جو کہا کرتے ہیں یہ سگ زرد برادر شغال۔ فرصت نہیں ورنہ میں ہی تفصیل کر دیتا۔ ایک اظہارِ غم کے لیے سیہ پوشی رہ گئی تھی سو وہ بھی امام ہمام رضی اللہ عنہ کے غم کے بہانہ کہہ دکھائی۔

(جلال الدین سیوطیؒ پر طعن کا جواب) [بایں جہہ یہ تو فرمائیے کہ امام جلال الدین پر یہ اعتراض تو کیا پر نشان کتاب کیوں نہ بتایا۔ مصرعہ۔ انکار ہے صاف اس تیرے اقرار سے ظاہر۔]



اور ہم کہتے ہیں کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کے لیے فتویٰ سیر پوشی ہی دیا پر یہ فرمایاے مثل  
سیر پوشی محرم موجب ثواب تو نہیں فرمایا جو آپ کو گنجائش قیاس ہو۔ اس کے سوا آپ نے جو بھاگتے ہوئے  
اور ایک پشتنگ مارا اور یہ فرمایا کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کو اولوالا امر قرار دیا۔ اس کی کیا جات  
تھی اگر اختیار باعتبار ظاہر لیتے ہو تو اس میں کچھ کلام ہی نہیں آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ خلیفہ تھے۔ آپ نے  
سوال ہی میں ان کو بلقب خلفاء عباسیہ یا دیکھا ہے پھر ام جلال الدین نے اگر ان کو اولی الامر کہہ دیا  
تو کیا گناہ ہے اور اگر باعتبار وجہ استحقاق لیجئے۔ یعنی، قریشیت، صلاحیت تقویٰ وغیرہ جن کی  
فراہمی سے خلیفہ وقت، خلیفہ راشد کہلاتا ہے۔ تو اس کو آپ بھی جانتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت  
میں سے کوئی بھی ان کو خلیفہ راشد نہیں کہتا بلکہ اکثر وں کو ملوک جہلمیں سے سمجھتے ہیں خلفاء راشدین  
پوسے پوسے قرآن کے نزدیک پانچ ہی میں چار یار (جن کی خلافت موعودہ علی منہاج النبوة تھی) اور  
ایک امام حسن رضی اللہ عنہم مگر ان کے خلیفہ راشد ہونے اور اوروں کے نہ ہونے کے یہ معنی نہیں  
کہ اور سب ظالم ہی تھے اس کی ایسی مثال ہے جیسے شیوہ کہتے ہیں کہ ولی حضرت امیر ہی ہیں۔ مگر  
اس کے یہ معنی نہیں کہ گیارہ امام باقی نحوفا اللہ گنہگار ہیں۔ رہا خلفاء عباسیہ کا مصداق۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ  
مِنْكُمْ (پٹ نساء ۵۸)

میں سے ہوں۔ ۲

کا مصداق ہو کر واجب الطاعت ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا مقدر  
کرنا بایں غرض کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرے یعنی ضروریات دین کو جاری کرے اور  
بدعات اور سیئات اور کفریات کو مٹائے چنانچہ لفظ اولوالا امر بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ سو اگر  
وہ اقامت دین قائم کرے تب اس کی اطاعت کرے ورنہ گناہ کے مقدمہ میں کسی کی اطاعت  
نہیں۔ بالحد جب وہ کار مذکور نہ کرے تب وہ اولی الامر ہی نہیں اگر بالکل برعکس کرتا ہے تو بالکل  
نہیں۔ اور اگر کسی قدر وہ اقامت دین بھی کرتا ہے تو اسی قدر وہ اولوالا امر بھی ہے اتنی ہی باتوں  
میں اس کی اطاعت واجب ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ اقامت دین نہ کرے تو کیا کیجئے  
اگر صبر و تحمل اپنے اندر نظر آئے تو مثل سید الشہداء رضی اللہ عنہ اپنی جان پر کھیل جہائے۔ ورنہ مثل دیگر  
امر صبر کرے اور چوں و چہرہ نہ کرے۔



اس کے بعد کچھ ارشاد ہے اس کی تشبیہیں حیران ہوں۔ جو اسیر غریبے یا گوز شتر کھتے بٹل  
اس میں تو آپ نے اسی ثورت کا کام کیا ہے جو آپ گوز مار کر اوروں کے ذمہ لگایا کرتی تھی۔ غیر  
اس سے تو شاید آپ پر امانیں گوز بڑا ماننے کا موقع نہیں بدایت آپ کی طرف سے ہے اور یہ  
سنا ہی ہو گا۔ ”کلوخ انداز را پاداش سنگ است مگر پھر ہم در گذر کرتے ہیں اور دوسرا شعر  
آپ کی مجرا میں نقل کرتے ہیں۔“

کا زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت راستہ برآ ہوتے چین بستہ اند  
(فقہ جعفریہ کے فحش مسائل) | مخدوم من ایسے کیوں بھولے بن گئے ہو۔ لطف حریر کے مسئلے کی شہرت  
تو شرق سے غرب تک پہنچ گئی۔ سنیوں سے تو تب چھیرا اٹھانی تھی جیب مذہب شیعہ پر تبرا کر لیتے  
اور ہماری طرف سے پیشی بادر سن لیتے۔ مگر آپ نے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا حضور مرنا بھی ہے  
اس طوفان بے تمیزی کے لچھن بھی دیکھنے میں ہمیں پر تہمت لگاتیں پھر ہمیں سے آنکھیں ملائیں یہ  
چہ دلاور است و دزدے کہ بھگت چراغ دارد

بحر الرائق مثل کتب شیعہ نادر الوجود ہیں۔ کہیں اول سے آخر تک یہ بات نکل آئے کہ اس  
قسم کے افعال (مذکورہ سوال گمشدہ) جائز ہیں تو ہم آپ کو سلام کہ جائیں۔ ہاں اہل فقہ ہر قسم کے احتمالات  
لکھ کر ان کے احکام لکھ دیا کرتے ہیں۔ مثلاً شیعوں کے یہاں روزہ میں اگر کوئی شخص اپنی ماں کا بوسہ  
دے لے تو اس کے ذمہ کفارہ نہیں آتا۔ یا بیٹی سے زنا کرے اور حضرات ائمہ سے اعتقاد باقی ہے  
تو کافر نہیں ہو جاتا۔ سو جیسے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹی سے زنا اور ماں کا بوسہ لینا جائز ہے  
یہی اگر کسی سنی نے ایسی ہی (صورت فرض کر کے) کوئی بات لکھ دی تو اس سے اس کا جواز ثابت  
نہیں ہوتا۔ اہل سنت و جماعت اور شیعہ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ روزہ رکھنا ناقض نماز نہیں  
اور نماز کا نہ پڑھنا ناقض صوم نہیں۔ مگر اہل فہم کے نزدیک اس کے یہ معنی نہیں کہ روزہ کا نہ رکھنا اور  
نماز کا نہ پڑھنا جائز ہے۔ ہاں شیعوں کے فہم میں اگر ایسی عبارات سے ایسے معنی سمجھ میں آجائیں تو  
کیا بعید ہے کہ انہیں اللہ نے فہم نہیں دیا۔ مگر انہیں فہم نہیں تو ہماری بھی ان سے کلام نہیں  
اہل فہم سے کلام ہے بالجملہ حضرات شیعہ کی قدیمی عادات ہے کہ اپنا عیب دوسروں کے ذریعے لگاتے  
ہیں۔ ۷۰ خلا کہ کرد و سزا میدہی کرا جاناں۔



یہ مزید فہم و فراست شاید اғلام زمان سے ہی میسر آیا ہے جیسی اس فہم میں سائے جہان سے  
 ممتاز ہیں یہ چیز اور سب کے یہاں حرام ہے ہاں حضرات شیعہ البتہ اس دولت بے زوال سے کامیاب  
 ہیں یہ عقل اور یہ مضامین وہیں سے نکالے ہوں گے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام  
 کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے دین میں یہ بات کبھی  
 جائز نہیں ہوئی۔ جو لوگ پابند دین نہیں اپنے کسی آئین کے پابند ہیں ان میں سے کسی نے آج تک یہ  
 بات تجویز نہیں فرمائی۔ ہاں علماء شیعہ نے زن منکوحہ اور باندی سے اғلام کرنا حلال طیب رکھا  
 ہے چنانچہ ”ارشاد“ میں علامہ حلی ارشاد فرماتے ہیں۔

والوطی فی الدبر کا لوطی فی القبل (اور دبر جائے برائے) میں جماع کرنا اسی طرح جیسے قبل  
 فی جمیع الاحکام حتی فی تعلق (جائے پیشاب) میں جماع کرنا۔ تمام احکام میں حتی کہ  
 النسب۔ (بچہ) ثابت ہونے میں بھی)

جس کے (عند الشیعہ) یہ معنی ہیں کہ اғلام کلام اللہ میں تبصریح مذکور ہے (محاذ اللہ۔ کیونکہ) نسأؤ  
 کما حرث لکمْ جس کے کھلے ہوئے یہ معنی ہیں کہ تمہاری عورتیں تمہارے کھیت ہیں اور سب

لہ و طی فی الدبر یعنی عورت سے اғلام عند الشیعہ جائز ہونے کے اس کے علاوہ بھی دوسری متعدد معتبر  
 کتب شیعہ سے ثبوت موجود ہیں۔ شیعہ کی مشہور کتاب استبصار میں تو ایک مستقل باب بھی اس سلسلے میں موجود  
 ہے ”باب اتیان النساء فی ما دون الفرج“ اور پھر اس باب کے نیچے مختلف مسائل کے ساتھ متعدد روایات  
 جمع کی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ عن عبد اللہ بن ابی یعفور قال سألت  
 اباعبد اللہ علیہ السلام عن الرجل  
 یاتی المرأة فی دبرها قال لہ بأس اذا رضیت  
 (استبصار ص ۲۴۲ و تہذیب الاحکام ص ۳۱۶)

عبد اللہ بن ابی یعفور کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق  
 سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو عورت سے  
 اس کی جائے برائے میں وطی کرتا ہے فسرا یا جب  
 وہ راضی ہو تو کچھ حرج نہیں۔

۲۔ عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام عن  
 اتیان الرجل المرأة من خلفها فی دبرها  
 (الواحد رضا علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا جو آدمی  
 عورت کے ساتھ جائے برائے میں وطی کرے تو انہوں  
 (باقی ماضیہ ص ۳۹۲ پر)



جانتے ہیں کہ کھیت بغرض زراعت ہوتا ہے سو وہ زراعت جو اس کھیت سے مقصود ہے اور وہ پیداوار اس زمین میں ہوتی ہے یہی اولاد ہے جو بطریق محمود ہے عورت کی مباشرت سے مقصود ہے۔ غلام سے متصور نہیں ہاں کوئی افسون یا طلسم (جادو) حضرات شیخ کے پاس شاید ایسا ہوشل بازی گروں کے کہیں ڈالیں اور کہیں سے نکالیں۔ شعر

نہیں میں خون سے مژگان تریر خار و لہشیں نکلے جنوں پر نیشتر کیسی کہیں ڈوبے کہیں نکلے  
قربان جانیے اس مذہب کے جس میں دنیا میں یہ عیش و نشاط، اور آخرت میں وہ درجات۔ اور  
بھی کچھ نہ ہو تو اس مذہب کی افضلیت کے لیے متو کے فضائل اور حمول اور امہات الاولاد کی  
بغرض صحبت و غلام عاریت دینے کے ثواب اور درجات اور غلام کا جواز کافی ہے۔ سبحان اللہ  
اہل سنت پر آواز پھیلے ہیں اور اپنے آپ کو نہیں دیکھتے مگر یوں کہے کہ اس اسرار کی برکات  
کی اہل سنت کو خبر نہیں۔ شعر۔

مادر پیالہ عکس رخ یار دید ایم لے بے خبر لذت شراب مدیم ما  
اب فرمائیے کہ لذت کی باتوں کو خدا و رسول کے نام پر لگا کر شیعوں نے دین آئین بنا رکھا ہے

### بقیہ حاشیہ

فقال احلتها آية من كتاب الله تعالى  
قول لوط عليه السلام (وهو لا يبناتي هُنَّ  
للمهر لكم) (استبصار ص ۲۳۲ و تہذیب الاحکام ص ۱۵۶)  
۲۔ عن صفوان يقول قلت للرضا عليه السلام  
ان رجلاً من مواليك امرني ان اسألك عن  
مسئلة فهايك واستميا منك ان يسألك قال  
ما هي قال قلت للرجل ان ياتي امراته في  
دبرها قال نعم ذلك له۔

(استبصار ص ۲۳۲ و تہذیب الاحکام ص ۱۵۶)

نے فرمایا کہ اس کو تو قرآن پاک کی آیت دیکھ میری بیٹی  
میں تمہارے لیے حلال ہیں انہی نے حلال کیا جو لوط علیہ السلام  
کا قول ہے۔

صفوان کہتے ہیں میں نے ابو الحسن رضا علیہ السلام سے  
کہا آپ کے موالی میں سے ایک آدمی نے مجھے آپ سے  
ایک مسئلہ پرچھنے کے لیے کہا ہے وہ خود آپ پرچھنے سے شرماتا اور ڈرتا  
ہے انہوں نے کہا وہ کیا ہے تو صفوان کہتے ہیں میں نے کہا۔  
وہ آدمی جو اپنی بیوی سے اس کی دبر میں دھکی کرے تو انہوں  
نے کہا ہاں یہ اس کے لیے درست ہے۔ ۱۲۔ محمد شرت۔



یا اہل سنت نے؟

اب لازم یوں ہے کہ بس کچھ مگر یوں عرض کرتے ہیں کہ ایسی باتوں کا سننا (سننا شیعہ)  
میں پر موافق جبرؤا سیتہ سیتہ مثلاً کے ہم کو بھی دوسرے (لجہ) میں جواب دینا پڑا۔  
مُبَاحَاتُكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأُثَوِّبُ إِلَيْكَ اور  
صحبت محمود کے احکام سارے ایک ہی یہاں تک کہ ثبوت نسب بھی ہے کیا منہ کی بات  
ہے۔ کتاب (ارشاد) سے اعلان کرنا جائز تھا وہ کیا افسوس ہو گا۔ جس سے بچ بھی دُبر کی راہ سے  
آجائے۔ بہر حال حضرات شیعہ کے مذہب میں بڑا لطف ہے کہ متعہ تھا ہی اعلان بھی ہے۔  
وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى حَبِيبِهِ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَخَلَفَائِهِ  
وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَجَمِيعِ أُمَّتِهِ أَجْمَعِينَ۔



[www.jmmpak.org](http://www.jmmpak.org)



# مولانا عبد اللہ سندھی کے علوم و افکار

از: حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی، بانی مدرسہ نصرۃ العلوم و خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

برصغیر کے نامور عالم دین، انتہائی ذہین، فہم مستقیم، ذہین ثاقب، فطانت و سمجھ میں قوت قدسیہ کے مالک قرآن کریم کے دور جاننے میں بے بدل مستر، حدیث کی مشکلات پر کما حقہ نگاہ رکھنے والے، فقہ اور دیگر علوم فنون عقلیات و تعلیمات میں کمال درجہ کی مہارت تاسر رکھنے والے۔ اقتصادیات، معاشیات، تاریخ اور قدیم و جدید فلسفہ کے امام، سیاسیات و پولیٹیکل معاملات سے کما حقہ باخبر و قریں سے دقیق مشکل کو اپنے حل و تدبیر سے حل کرنے والے، ابھی ہوئی گفتنیوں کو سمجھانے والے، عظیم صوفی باعمل عالم، قرآنی انقلاب کی روح سے منور، شیطانی اور تمام خود ساختہ نظاموں کو درہم برہم کرنے والے، راسخ العقیدہ، پُر جوش و علم، مرتبی علماء و محسن انسانیت، معلم قرآن، فلسفہ ولی اللہی کے ماہر استاد اور صبیح اسلامی انقلاب کے علمبردار، سلف صالحین بالخصوص امام ابوحنیفہؒ کے مکتب فکر کے عظیم ترجمان، علمائے دیوبند کے تربیت یافتہ، انتہائی درجہ کے متقی پرہیزگار، خدا پرست عالم حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جن کی کہنوں نے ناقدری کی اور بیگانوں نے کبھی تو اتحاد و اشتراکیت کا اتہام، کبھی تشدد و عصبیت کا الزام لگایا اور کبھی تہجد و مغربیت کی طرف نسبت کی۔

مولانا کی طرف منسوب غلط باتیں، افکار و خیالات میں انکی غلط ترجمانی، تعصب کی وجہ سے مولانا کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش، تلامذہ و معاصرین کی مولانا کے صحیح افکار پیش کرنے میں کوتاہی اور دیگر غلط فہمیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اس منقرض کتاب سے مولانا کی شخصیت انکے مقام اور کام کو سمجھنے میں ملے گی۔ علاوہ ازیں مولانا کا پورا ذہنی پس منظر استعدادات، اعمال، تعلیم و تربیت، خاندانی حالات، راسخ العقیدہ بزرگوں سے تربیت پانے اور سلاسل طیبہ میں بیعت اور اشتغالات، آزاد می ملک و وطن کیلئے بے پناہ قربانیوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے، انگریز کی جبروں کو برصغیر سے اکھاڑنے، مسلمانوں کو ان کے مل مقام کی طرف لانے، علماء کو ان کا صحیح مقام دلانے کے سلسلہ میں مولانا کی کوششوں کا اجمالاً یا تفصیلاً خاکہ آپ کو زیر نظر کتاب میں ملے گا۔ جو پڑھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ قیمت: ۵۱/- روپے

ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ



# نمازِ مسنون <sup>کلاں</sup>

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

دامت برکاتہم

نمازِ مسنون غورو کے بعد نمازِ مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے جس میں لغات اذان، اوقات نماز، فرائض، حسن و مستحبات، مکروہات و مفسدات کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے جملہ اہم مباحث اور اس کے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین انتخاب درج ہے۔  
عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلبہ علم دین کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس کا انداز بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔  
عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، سعیدی جلد بندی، قیمت ۱۲ روپے

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

محلف فاروق مجنح، گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

۱۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۔ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ



# عقیدۃ الطحاوی

صحابہ کرام رضہ اور سلف صالحین کے متفقہ علیہ عقائد کا مستند ترین مجموعہ جس کو پڑھ کر تمام مسلمان اپنے دین و اسلام کو محفوظ کر سکتے ہیں، اصل عربی عبارت نہایت خوشخط ایک کالم میں نہایت آسان سلیس اردو ترجمہ ہے جسے خواص و عام سب پڑھ کر اپنے عقائد کی اصلاح کر سکتے۔ ابتدا میں عقیدہ کی اہمیت اور ضرورت پر اور امام طحاوی کی مختصر سوانح حیات پر ایک ایمان افروز اور مفید ترین مقدمہ بھی ہے۔ قیمت - ۹/- روپے

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم نزد گنڈہ گم کو جبرالوالہ

البيان الاخير

ترجمہ: فقہ اکبر

عقائد کے بیان پر مشتمل یہ مختصر سا رسالہ جس کے مصنف حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں۔ گمراہ نظریات اور گمراہ فرقوں کی کچھ روی سے اپنے دین و ایمان کو بچانے کی ہر دور میں اہمیت رہی ہے اور آج کے کچھ اندیش اور گمراہیوں سے پردہ میں اس کی ضرورت سے زیادہ ہے ہر خورد و کھاں اس بزرگ نام کے اس کتابچہ کو پڑھ کر اپنے ایمان و عقید کی اصلاح اور اپنے اہل و عیال کے ایمان و اعتقاد کی حفاظت کر سکتا ہے۔ قیمت - ۵/- روپے

ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم نزد گنڈہ گم کو جبرالوالہ